ASL-269 Mukammal Tarikh-i-Islam

Mufti Shawkat Ali Fahmi

Deen-o-Dunya Publishing Co. Delhi 968 Pages

ASL-270 Ood-i-Hindi عود ہندی

Mirza Asadullah Khan Galib

Munshi Nolkishore Press Lakhnow

1941 / 1360 H — 268 Pages

ASL-271 Bal-i-Jibril بال جبریل

Allama Iqbal (120 Pages)

Sultan Book Depot Chaskaman Haiderabad

مختار احمد کشتواری

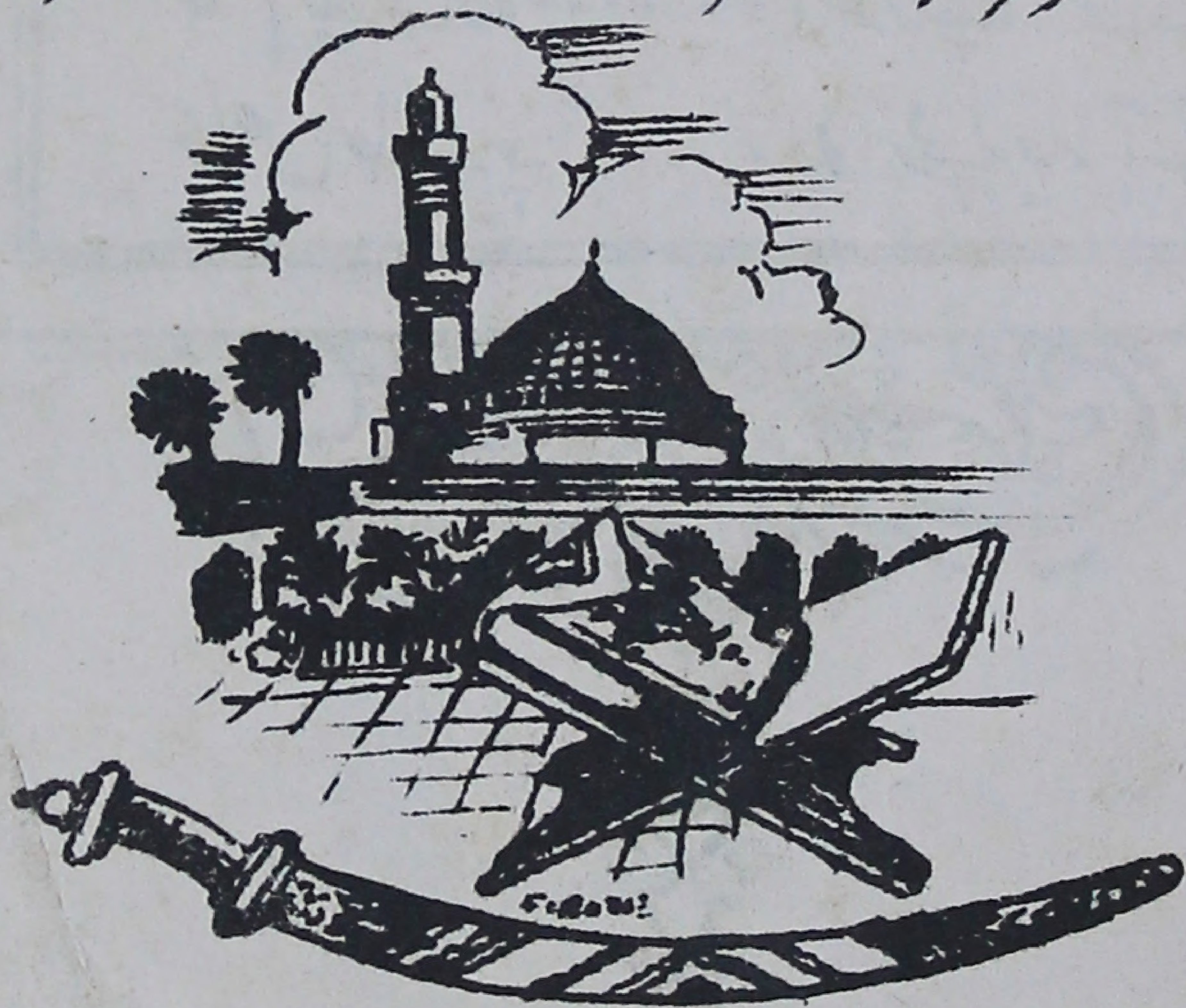
میرہ محلہ نوبٹہ

ASL-269	Mukammal Tarikh-i-Islam Mufti Shawkat Ali Fahmi Deen-o-Dunya Publishing Co. Delhi 968 Pages
ASL-270	Ood-i-Hindi عود ہندی Mirza Asadullah Khan Galib Munshi Nolkishore Press Lakhnow 1941 / 1360 H — 268 Pages
ASL-271	Bal-i-Jibril بال جبریل Allama Iqbal (120 Pages) Sultan Book Depot Chakman Haiderabad

عہدِ رسالت خلفائے راشدین اور فرمانروایانِ اسلام کی شاندار فتوحات کا ولولہ انگیز تذکرہ

مکمل تاریخ اسلام

رسول اللہ صلعم حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ شاہان بنی امیہ خلفائے بنی عباس اور شاہانِ اسلام کے مفصل حالات



از

مفتی شوکت علی فہمی

شائع کردہ:- دین دنیا پبلشنگ کمپنی جامع مسجد دہلی



قیمت

عام جلد سادہ ..... آٹھ روپے آٹھ آنے

خاص جلد پارچہ ... نو روپے چار آنے



رسول اللہ صلعم خلفائے راشدین اور شاہانِ اسلام کی فتوحات اور زندگیوں کا شاندار مرقع

مکمل تاریخِ اسلام

عرب، عراق، شام، سلاطین مصر، افریقہ، سپین، روم، ترکستان، ایران، افغانستان اور ہندوستان کی مستند تاریخ

اس تاریخ میں رسول اللہ صلعم کے زمانے سے لیکر دورِ آخر تک کی سیکڑوں اسلامی حکومتوں کا تذکرہ موجود ہے، نیز یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام کب اور کیونکر شروع ہوا۔ اسلام کفر کو مٹا کر کس طرح ساری دنیا پر چھا گیا۔ اسلامی ارکان کب اور کس زمانہ میں مسلمانوں پر فرض ہوئے۔ رسول اللہ صلعم اور خلفائے راشدین نے اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں سے کس طرح مشرکین اور کفار کی بڑی سے بڑی حکومتوں کو مٹا کر ایک عظیم الشان اسلامی حکومت قائم کی۔ اور شاہانِ اسلام نے مختصر سے عرصہ میں دنیا کے بیشتر حصہ کو کیونکر فتح کر لیا۔ اسمیں رسول اللہ صلعم حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق حضرت عثمان غنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام حسنؓ کے دورِ خلافت کے مفصل حالات ہیں شاہانِ بنی اُمیّہ اور خلفائے بنی عباس کی پوری تاریخ ہے۔ اسپین (یورپ) افریقہ مصر شام عراق ایران اور ترکستان کی اسلامی حکومتوں کا مکمل تذکرہ ہے اور شاہانِ سلجوق سلاطینِ عثمانیہ اور شاہانِ ہند کی فتوحات کے ولولہ انگیز حالات ہیں۔ یہ اردو زبان کی سب سے پہلی مکمل اسلامی تاریخ ہے جسمیں یکجا طور پر تمام اسلامی حکومتوں کی تاریخ پیش کر دی گئی ہے۔ اس تاریخ کو بالکل نئے اور عام فہم طرز میں انوکھی اور بالکل نرالی ترتیب کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔

از مورخ اسلام

مفتی شوکت علی فہمی

شائع کردہ:- دین دنیا پبلشنگ کمپنی جامع مسجد دہلی

جدید اڈیشن
نظرِ ثانی کے بعد شائع کیا گیا

کتبہ حسن علی

شائع کردہ:-
دین دنیا پبلشنگ کمپنی۔ جامع مسجد دہلی
(مطبوعہ خواجہ برقی پریس دہلی)

ابواب

مضامین

پہلا باب

حکومتِ اسلامیہ کے بانی محمد رسول اللہ صلعم

دوسرا باب

رسول اللہ صلعم کی جنگی سرگرمیاں

تیسرا باب

حضرت ابو بکر صدیق رض کا دورِ حکومت

چوتھا باب

حضرت عمر فاروق کا عہدِ حکومت

پانچواں باب

حضرت عثمان غنی کا دور حکومت

چھٹا باب

حضرت علی کرم اللہ وجہ کا عہدِ حکومت

ساتواں باب

شاہان بنی اُمیہ کا دورِ حکومت

نواں باب

اسپین (یورپ) کی اسلامی حکومتیں

دسواں باب

مراکش طرابلس اور الجیریا (افریقہ) کی حکومتیں

گیارھواں باب

مصر و شام کی اسلامی حکومتیں

بارھواں باب

ایران افغانستان اور ماوراء النہر کی حکومتیں

تیرھواں باب

شاہان سلجوق وسلاطین عثمانیہ ترکیہ

چودھواں باب

ہندوستان کی خود مختار اسلامی حکومتیں

ASL-269 Mukammal Tarikh-i-Islam

Mufti Shawkat Ali Fahmi

Deen-o-Dunya Publishing Co. Delhi 968 Pages

ASL-270 Ood-i-Hindi عود ہندی

Mirza Asadullah Khan Galib

Munshi Nolkishore Press Lakhnow

1941 / 1360 H — 268 Pages

ASL-271 Bal-i-Jibril بال جبریل

Allama Iqbal (120 Pages)

Sultan Book Depot Chaderaur Haiderabad

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

دیباچہ

یہ اُس مسلمان قوم کی تاریخ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پلی ہے! اور یہ اُن اسلامی حکومتوں کی تاریخ ہے جن کا سنگِ بُنیاد خود سرورِ دوعالم نے اپنے دستِ مبارک سے رکھا ہے۔ مسلمان خواہ مشرقی ہو یا مغربی، ایرانی ہو یا تورانی، ہندی ہو یا چینی اُس کا یہ غیر فانی عقیدہ ہے کہ وہ مسلمان قوم جسے کہ رسول اللہ صلعم نے جنم دیا ہے کبھی فنا نہیں ہو سکتی! اور وہ اسلامی سلطنتیں جن کا سنگِ بنیاد آقائے دوجہان نے اپنے دستِ مبارک سے رکھا ہے کبھی نہیں مٹ سکتیں چنانچہ تاریخی حقائق شاہد ہیں کہ مسلمان قوم اور اسلامی سلطنتوں کو مٹانے کے لئے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتیں متحد ہو کر ان پر پل پڑیں مگر وہ اُس وقت تک مسلمانوں کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں جبتک کہ مسلمانوں نے خود ہی اپنی بے عملیوں، اور خانہ جنگیوں سے اپنے آپ کو تباہ نہیں کر لیا۔

یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ دُنیا کی ہر قوم کی تاریخ سے کہیں زیادہ شاندار ہے۔ اسلامی تاریخ کے مُطالعہ کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ قوم دنیا میں پیدا ہی اسی لئے ہوئی ہے کہ مٹ مٹ کر بنے اور گر گر کر اُٹھے اور دنیا پر حکمرانی اور بادشاہی کرے چنانچہ آفرینشِ عالم سے لیکر اس وقت تک سوائے مسلمان قوم کے کوئی قوم ایسی پیدا نہیں ہوئی جس نے کہ ایک صدی سے بھی کم مدت میں نصف دُنیا پر اپنا پرچم لہرا دیا ہو۔ دُنیا کی تاریخ میں یہ طرۂ امتیاز صرف مسلمان قوم

ہی کو حاصل ہے کہ یہ قوم انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں رسول اللہ صلعم کی زیرِ قیادت جب میدان میں آئی تو اس نے مختصر سے عرصہ میں عرب، یمن، عراق، شام، فلسطین، مصر، ایران، ترکستان، افغانستان، افریقہ، اسپین، جنوبی فرانس، چین اور ہندوستان تک کو فتح کر ڈالا اور اس کے بعد اس قوم کی فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔

فاتحانِ اسلام کی دو خصوصیتیں ایسی ہیں جنکی مثال دنیا کی تاریخ میں ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتی۔ پہلی خصوصیت تو یہ ہے کہ جن فاتحانِ اسلام نے ملک کے ملک فتح کر ڈالے وہ سبکے سب ابتدا میں مشرک، کافر اور اسلام کے جانی دشمن تھے لیکن جب انھوں نے اسلام قبول کر لیا تو وہی سب بڑھ کر اسلام کے فداکار بن گئے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ فاتحانِ اسلام نے صرف ملکوں ہی کو فتح نہیں کیا بلکہ یہ نرمی، رواداری اور حُسنِ سلوک کی بنا پر مفتوحہ ممالک کے باشندوں کے دلوں کو بھی فتح کرتے چلے گئے۔ چنانچہ فاتحینِ اسلام کے حُسنِ اخلاق اور اس رواداری کا یہ نتیجہ نکلا کہ فاتح اور مفتوح میں دُشمنی اور کشیدگی کی بجائے ایسی محبت پیدا ہو گئی کہ یہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ کون فاتح ہے اور کون مفتوح ہے سب ایک ہی رنگ میں رنگ گئے۔ فاتحینِ اسلام کا ہمیشہ یہ طریقہ کار رہا ہے کہ وہ حکومتوں اور حکمرانوں کے ساتھ تو ٹکرایا کرتے تھے لیکن ان کی رعایا کو سینہ سے لگایا کرتے تھے چنانچہ جنگِ بدر کے قیدیوں کے بارے میں رسول اللہ صلعم نے مُجاہدین کو ہدیت فرمائی تھی۔

"خود بھوکے رہنا مگر ان کو پیٹ بھر کر کھلانا۔ ان کے ساتھ مہربانی اور محبت سے پیش آنا"

رسولِ مقبول صلعم کے بعد جب خلفائے راشدین کے ہاتھ میں حکومت آئی تو انھوں نے بھی حضورؐ کی سُنت پر عمل کرتے ہوئے مفتوحین کے ساتھ انتہائی رواداری اور محبت کا ثبوت دیا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق نے اسامہ بن زید کی سرکردگی میں جب شام کیلئے لشکر روانہ فرمایا تھا تو آپ نے اسلامی کمانڈر کو ہدایت کی تھی:۔

"جس سے جو عہد بھی کرو اُسے پورا کرنا۔ جنگ میں بچوں بوڑھوں عورتوں اور بیماروں کو قتل نہ کرنا۔ پھل دار درختوں کو ہرگز برباد نہ کرنا۔ کھیتوں اور مکانوں کو آگ نہ لگانا کھانے کی ضرورت کے علاوہ اُونٹ، بکری، گائے اور دوسرے چوپایوں کو نہ مارنا، جب کسی قوم پر فتحیاب ہو تو اُسے نرمی کے ساتھ اسلام کی جانب دعوت دینا۔ اُس پر کسی قسم کی زیادتی نہ کرنا۔ وہ یہودی اور عیسائی جو ترکِ دنیا کر کے عبادتخانوں میں بیٹھ گئے ہیں

اُن سے کسی قسم کا تعرض نہ کرنا۔ اُن کے عبادتخانوں کو ضرر نہ پہنچانا۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے ان ارشادات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فاتحانِ اسلام کا سلوک مفتوحین کے ساتھ کس قدر فیاضانہ تھا۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق رضؓ کے عہدِ حکومت میں جب مسلمانوں کا بیت المقدس پر قبضہ ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے عیسائیوں کو جو امان نامہ لکھ کر دیا تھا اس کا لب لباب یہ ہے:

"بیت المقدس والوں کی جان، مال، گرجے، صلیب، بیمار، تندرست، سب کو امان دی جاتی ہے اور ہر مذہب والے کو امان دی جاتی ہے۔ انکے گرجاؤں میں سکونت نہ کی جائیگی اور نہ وہ ڈھائے جائینگے یہانتک کہ انکے احاطوں کو بھی نقصان نہیں پہنچایا جائیگا۔"

مسلمانوں کے اسی فیاضانہ سلوک ہی کا یہ اثر تھا کہ مسلمان جن ممالک میں بھی فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوئے وہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا! وران ممالک کے باشندوں کی اکثریت نے مسلمانوں کے حُسنِ سلوک سے متاثر ہو کر خود بخود اسلام قبول کر لیا اور پھر یہی نو مسلم باشندے اسلام کے جانباز سپاہی بن گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے پہلی مرتبہ دُنیا کو بتایا کہ جنگ جیسے انسانیت سوز سیلاب میں پھنسنے کے باوجود بھی انسانی اخلاق کو کس طرح بلند رکھا جاسکتا ہے ورنہ طلوعِ اسلام سے قبل حکمرانوں اور حکومتوں کا معیارِ انسانیت یہ تھا کہ مفتوحہ ممالک کے باشندوں کو یا تو تہہ تیغ کر دیا جاتا تھا یا انہیں غلام بنا کر ان پر انسانیت سوز مظالم توڑے جاتے تھے چنانچہ اسلام نے برسرِ اقتدار آنیکے بعد جب ایک نیا شریفانہ نظامِ جنگ دُنیا کے سامنے پیش کیا تو ساری دُنیا حیران رہ گئی۔ اسلام کی اس رواداری حسنِ سلوک اور فیاضانہ برتاؤ کے وہ عیسائی بھی معترف ہیں جو مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن شمار کیے جاتے ہیں۔

پادری ریورنڈ باسورتھ رسولِ مقبول صلعم کی فتوحات اور بلند شخصیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "محمد صلعم، عرب کے بادشاہ اور پیغمبر ہونے کی حیثیت سے ایک ہی وقت میں سیزر اور پوپ کا سا مرتبہ رکھتے تھے۔ وہ پوپ تھے لیکن پوپ کی سی دھوکہ بازی سے مبرا تھے وہ سیزر تھے لیکن سیزر کی کارروائیوں سے پاک تھے نہ انکے پاس باقاعدہ فوج تھی، نہ حفاظتی دستے تھے اور نہ شاہی محل تھا انھوں نے تو محض خدائی طاقت سے حکومت کی ہے۔"

فرانسیسی مورخ گستاولی بان لکھتا ہے کہ "جس وقت ہم فتوحاتِ عرب پر گہری نظر ڈالتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ مسلمانوں نے اشاعتِ اسلام میں تلوار سے مطلق کام نہیں لیا کیونکہ مسلمان ہمیشہ مفتوح اقوام کو مذہب کے معاملہ میں آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ اگر عیسائی قوموں نے فاتحین اسلام کے مذہب اور زبان کو اختیار

کیا تو اسکی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اپنے جدید مسلم حاکموں کو قدیم عیسائی حاکموں سے زیادہ منصف پایا اور اُنکے مذہب کو اپنے مسیحی مذہب سے بہت زیادہ سچا اور سادہ پایا۔ بیت المقدس کی فتح کے وقت حضرت عمر کا اخلاق ہم پر ثابت کرتا ہے کہ فاتحانِ اسلام مفتوح اقوام کے ساتھ کیسا نرم سلوک کرتے تھے۔ اسکے علاوہ جو سلوک عمرو بن عاص نے مصر کی فتح کے بعد مصریوں کے ساتھ کیا وہ عیسائی حکمرانوں سے ہزار درجہ بہتر تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مصریوں نے خوشی خوشی دینِ اسلام قبول کر لیا۔"

جرمن مستشرق عمانوئل ڈیوش کہتا ہے "فتوحات کا جو کام رومیوں نے سیکڑوں برس میں کیا تھا عربوں نے اُسے اسکے دسویں حصہ وقت میں انجام دیدیا جبکہ دُنیا میں چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی اُس وقت فاتحانِ اسلام نے بنی نوعِ انسان کو روشنی دکھلائی۔ یونان کی عقل و دانش کو زندہ کیا۔ اور مغرب و مشرق کو فلسفہ طب اور علم ہیئت کی تعلیم دی اور موجودہ سائنس کی انھوں نے بُنیاد رکھی ہم ہمیشہ اس روز پر ماتم کریں گے جس روز کہ غرناطہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔"

کاؤنٹ ہنری کاسٹری کی رائے ہے کہ "اسلام کا اُصول یہ تھا کہ جو قوم اسلام قبول کر لیتی تھی اُسکی جان و مال اور آبرو محفوظ ہو جاتی تھی لیکن جو قوم اپنا آبائی مذہب قائم رکھنا چاہتی تھی اُس پر جزیہ کے نام سے ایک معمولی سا ٹیکس لگا کر اسکے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جاتا تھا جن کا مستحق مسلمانوں کو سمجھا جاتا تھا اور مذہب کے معاملہ میں اُن سے کبھی کوئی تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔"

پروفیسر طامس کارلائل لکھتا ہے کہ "اسلام نے ملکی حقوق کو برابر کر دیا اور صرف اُنہی لوگوں کے حق میں انصاف نہیں کیا جو اس مذہب کے پیرو تھے بلکہ اُن لوگوں کے ساتھ بھی برابر انصاف کیا جن کو فوجی طاقت کے ذریعہ انھوں نے زیر کیا تھا۔ اسلام نے محصول کو گھٹا کر صرف دسواں حصہ کر دیا تجارت پر سے تمام محصول اور پابندیاں اٹھا لیں اور مفتوحین کو مذہبی اور معاشرتی آزادی دیکر اُنکے دلوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔"

فاتحینِ اسلام کے بارے میں یہ مندرجہ بالا خیالات کسی مسلمان کے نہیں ہیں بلکہ اُن عیسائی مورخین اور مدبرین کے ہیں جنکو اسلام کا سب سے بڑا مخالف اور مدمقابل تسلیم کیا جاتا ہے۔ فاتحینِ اسلام کو غیر مسلموں کا یہ خراجِ عقیدت اُن متعصب مورخوں کیلئے دندان شکن جواب ہے جو صدیوں سے فاتحینِ اسلام کو بدنام کر رہے ہیں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ فاتحینِ اسلام نے مفتوحین کے ساتھ جیسا فیاضانہ سلوک کیا ہے اسکی مثال دنیا کی تاریخ میں مفقود ہے۔

جہاں تک غیر اقوام کے ساتھ فاتحانِ اسلام اور مسلمانوں کی رواداری اور حُسنِ سلوک کا تعلق ہے وہ تو بیشتر ہر زمانہ اور ہر دور میں رہا ہے لیکن خلفائے راشدین کے آخری دورِ حکومت سے خود مسلمانوں میں ذاتی کمزوریاں پیدا ہونے لگیں چنانچہ مسلمان حکمرانوں کی وہ یکجہتی اور یگانگت ختم ہو گئی جو قرونِ اولیٰ کے فاتحین میں پائی جاتی تھی یعنی مسلمان حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دورِ خلافت سے بُری طرح خانہ جنگی میں مبتلا ہو گئے جس سے کہ اسلام کو بے حد ضعف پہنچ گیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دورِ حکومت میں مسلمانوں میں جو خانہ جنگی پیدا ہو گئی تھی وہ حضرت علیؓ کی شہادت اور حضرت امام حسنؓ کے خلع خلافت ہی پر ختم نہیں ہو گئی بلکہ دن بدن بڑھتی ہی چلی گئی چنانچہ اسی خانہ جنگی کی بدولت حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا حادثہ رونما ہوا جو تاریخ اسلام کے دامن پر بدترین داغ ہے اور آگے چل کر اس خانہ جنگی میں اور بھی اضافہ ہو گیا یہ حقیقت ہے کہ اگر مسلمان خانہ جنگی میں مبتلا نہ ہو گئے ہوتے تو آج دُنیا میں ایک چپہ بھی ایسا نہ دکھائی دیتا جس پر کہ اسلامی پرچم نہ لہرا رہا ہوتا مسلمانوں کی اس خانہ جنگی ہی کا یہ افسوسناک نتیجہ ہے کہ جنوبی فرانس، اسپین، جزیرۂ صقلیہ، جزیرہ روڈس اور بہت سے علاقے مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

خلافتِ راشدہ کے خاتمہ کے بعد گو اسلامی سلطنتوں اور حکمرانوں میں بہت سی خامیاں پیدا ہو گئی تھیں جمہوریت کی بجائے شہنشاہیت نے جگہ لے لی تھی۔ خانہ جنگی کی وبا عام ہو گئی تھی مسلمانوں نے سپاہیانہ اور سادہ معاشرت کو ترک کر دیا تھا لیکن پھر بھی مسلمانوں کی حوصلہ مندی کا یہ عالم تھا کہ اگر ایک اسلامی سلطنت ختم ہوتی تھی تو فوراً اس کی جگہ جدید اسلامی حکومت کی بنیاد رکھ دی جاتی تھی یعنی چند مستثنیات کو چھوڑ کر آخری وقت تک تقریباً تمام اسلامی حکومتیں جُوں کی تُوں قائم رہیں۔ حکمران بدل گئے حکومت کرنے والے خاندان تبدیل ہو گئے مگر مسلمان بدستور ان سلطنتوں پر حکمران رہے چنانچہ آج بھی دنیا کے جن حصوں میں اسلامی حکومتیں قائم ہیں وہ انہی دورِ اول کی اسلامی سلطنتوں کی یادگار ہیں

عقلِ انسانی یہ دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے کہ گو مسلمان حکمران بدل گئے ہیں۔ اُن میں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی سی خوبیاں باقی نہیں رہی ہیں سلاطینِ اسلام اپنی بےعملیوں اور غیر شرعی حرکات کے ذریعہ صدیوں سے مملکتِ اسلامیہ کو شدید نقصان پہنچا رہے ہیں لیکن اسلامی حکومتیں آج بھی دُنیا کے اکثر و بیشتر حصوں میں بدستور قائم ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ آقائے دو جہاںؐ نے مملکتِ اسلامیہ کو کچھ ایسی مضبوط

بنیادوں پر قائم کیا تھا کہ یہ مسلم حکمرانوں کی پے در پے بے عملیوں کے باوجود آج بھی زندہ اور برقرار ہیں یہ اگر رسول اکرم صلعم کا فیضان نہیں ہے تو اور کیا ہے ہماری خدا سے دعا ہے کہ خدا مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ اپنی خامیوں کو محسوس کریں اور اُس افتراق اور خانہ جنگی سے بچیں جس سے کہ مسلمان قوم کو شدید نقصان پہنچا ہے۔

میں نے یہ مختصر مگر جامع تاریخ محض اسی مقصد کیلئے لکھی ہے تاکہ اسکے حالات و واقعات سے مسلمان سبق اور عبرت حاصل کریں اور ماضی کے آئینہ میں اپنی تصویر کو دیکھنے کے بعد اپنے مستقبل کو زیادہ سے زیادہ شاندار بنائیں۔ اس تاریخ کی تیاری میں میری انتہائی کوشش یہ رہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ مواد کو کم سے کم الفاظ میں سمیٹ کر پیش کر دیا جائے گویا میں نے اپنی دانست میں دریا کو کوزے میں بند کرنیکی کوشش کی ہے اور اس بات کا پورا خیال رکھا ہے کہ تاریخ اسلام کا کوئی بھی اہم واقعہ چھوٹنے نہ پائے۔

اردو زبان میں اسلامی تاریخوں کی کمی نہیں ہے لیکن انمیں سے بیشتر تاریخیں یا تو اتنی طویل ہیں کہ پڑھنے والے پڑھتے پڑھتے اکتا جاتے ہیں یا اس قدر مختصر ہیں کہ ناظرین تشنہ رہجاتے ہیں اسکے علاوہ ان تاریخوں کا انداز تحریر بھی فرسودہ اور الجھا ہوا ہے۔ اسلئے ایک ایسی تاریخ کی کمی مدت سے محسوس کی جارہی تھی جو مختصر اور جامع ہونیکے ساتھ عام فہم بھی ہو چنانچہ اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے میں نے اس تاریخ کو بالکل نرالے طرز پر ترتیب دیا ہے اور اس بات کی انتہائی کوشش کی ہے کہ تاریخی واقعات نہایت موثر انداز میں پیش کئے جائیں تاکہ خود بخود پڑھنے والوں کے ذہن نشین ہوتے چلے جائیں اسکے علاوہ میں نے اس تاریخ کی ترتیب میں اس بات کی بھی کوشش کی ہے کہ مختلف ممالک کی تاریخیں الگ الگ بھی بیان کر دی جائیں اور یہ سب کی سب ایک دوسرے سے مربوط بھی ہوں تاکہ ہر اسلامی ملک کے واقعات کسی الجھن کے بغیر آسانی سے سمجھ میں آسکیں۔ غرضکہ میں نے اس تاریخ کو کم سے کم اوراق میں زیادہ سے زیادہ مکمل کرنیکی کوشش کی ہے۔ اب یہ فیصلہ کرنا ناظرین کا کام ہے کہ میں اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔

شوکت علی فہمی

دین دنیا پبلشنگ کمپنی دہلی



پہلا باب

حکومتِ اسلامیہ کے بانی

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۵۷۰ء تا ۶۳۲ء



حکومتِ اسلامیہ کے بانی محمد رسول اللہ صلعم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا کے پہلے اور آخری نبی ہیں جو بنی نوع انسان کے لئے ایک مکمل دین کے ساتھ مکمل نظامِ سیاست اور نظامِ حیات بھی لیکر آئے۔ گویا آپ جہاں دین کے شہنشاہ ہیں وہاں آپ دُنیا کے بھی سب سے بڑے فرمانروا ہیں۔ آپ نے جہاں دُنیا کو ایک ایسے دین سے نوازا ہے جو عین فطرتِ انسانی کے مطابق ہے۔ وہاں آپ نے دُنیا کو ایک ایسے نظام سلطنت سے بھی رُوشناس کیا ہے جو بلا امتیازِ مذہب و ملت کُل بنی نوع انسان کا سچا محافظ ہے۔

رسول مقبول صلعم کے جلوہ افروز ہونے سے قبل دینی اور دُنیاوی رہناؤں کے نظامِ عمل جُدا جُدا تھے۔ نبی اور پیغمبر اپنے آپ کو دنیاوی معاملات سے الگ تھلگ رکھتے تھے۔ اور دُنیاوی رہناؤں یعنی حکمرانوں کو دین سے کوئی واسطہ نہ ہوتا تھا بلکہ وہ ہمیشہ دین کے دشمن ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ دینی اور دُنیاوی رہناؤں کے تصادم کی وجہ سے دُنیا میں بڑی بڑی خونریزیاں ہوتی رہی ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلعم نے دُنیا میں تشریف لاکر دینی اور دُنیاوی بادشاہتوں کی جُداگانہ حیثیتیں ختم کر دیں۔ بلکہ آپ نے دینی بادشاہت اور دُنیاوی سلطنت کو سمو کر بنی نوع انسان کے لئے ایک ایسا فطری دستور العمل مرتب فرمادیا جس نے دُنیا کی کایا پلٹ دی اور فرسودہ نظام رکھنے والی حکومتوں کا تختہ اُلٹ دیا۔ یہاں تک کہ بنی نوع انسان کے بہیمانہ مزاجوں اور ظالمانہ سرشتوں تک کو بدل ڈالا۔

رسول مقبول صلعم بلاشبہ جہاں بنی نوع انسان کے سب سے بڑے دینی پیشوا ہیں وہاں آپ سب سے بڑے دُنیاوی رہنا بھی ہیں۔ آپ نے جہاں پتھروں ستاروں اور خرافات کے پُوجنے والوں کو خدائے واحد سے رُوشناس کیا ہے وہاں بنی نوع انسان

کو یہ بھی بتایا ہے کہ وہ اپنی آزاد حکومتیں قائم کرکے دُنیا میں باعزت زندگی کیونکر بسر کرسکتے ہیں چنانچہ آپ نے اپنے مقلدوں یعنی مسلمانوں کو تعلیم دی ہے کہ وہ عبادتِ الٰہی کے ساتھ دُنیاوی معاملات میں بھی پورا پورا حصہ لیں۔ کیونکہ مسلمان کا دین اور مسلمان کی دُنیا دو جُداگانہ چیزیں نہیں ہیں بلکہ دونوں ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ دین کا دُنیاوی معاملات سے گہرا تعلق ہے اور دُنیا کا دینی معاملوں سے زبردست واسطہ ہے۔

رسول مقبول صلعم نے دین اور دُنیا کو سمو کر بنی نوعِ انسان کے سامنے جو فطری نظامِ سیاست اور نظامِ حیات پیش کیا ہے، آپ خود اُس کی مجسم تصویر تھے۔ چنانچہ آپ کی کیفیت یہ تھی کہ جہاں کثرتِ عبادت کی وجہ سے آپ کے پائے مبارک متورم ہوجاتے تھے وہاں آپ اسبابِ معشیت کی فراہمی کے لئے بھی سب سے زیادہ سرگرم عمل دکھائی دیتے تھے۔ جہاں آپ ساری ساری رات عبادتِ الٰہی میں مستغرق رہتے تھے وہاں میدانِ جنگ میں بھی شمشیر بکف نظر آتے تھے۔ جہاں آپ مسجدِ نبوی کے ممبر سے وعظ و پند کے ذریعہ اخلاق اور انسانیت کا درس دیا کرتے تھے۔ وہاں میدانِ جہاد میں تلوار چلا کر سرفروشی کی عملی مثال بھی پیش فرمایا کرتے تھے حق تو یہ ہے کہ آپکی حیاتِ طیبہ ایسا مکمل نظامِ سیاست اور نظامِ حیات ہے جس کے بعد مسلمانوں کے لئے کسی نئے دستورِ سیاست یا نظامِ حیات کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

حضور اکرم حُریت اور آزادی کے سب سے بڑے علمبردار تھے۔ آپ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ جب تک کسی قوم کی اپنی حکومت نہیں ہوگی اُس وقت تک وہ آزادی کے ساتھ نہ تو اپنے دینی فرائض انجام دے سکیگی اور نہ دُنیاوی راحتوں ہی سے مالامال ہو سکیگی۔ اسی لئے آپ نے روز اوّل ہی سے دینِ حنیف کی تبلیغ اور اشاعت کے ساتھ "آزاد اسلامی حکومت" کے قیام پر زور دینا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کو غلامی اور محکومی کی ذلت سے نجات دلانے کے لئے آپ شمشیر بکف ہوکر

سب سے پہلے خود میدان میں آئے اور اُن دُشمنانِ اسلام کا پوری جرأت سے مقابلہ کیا جو مسلمانوں کے مٹانے پر تُلے ہوئے تھے۔ غرضکہ آپ اُس وقت تک جان کی بازی لگاتے رہے جبتک کہ آپ نے دُشمنانِ اسلام کو زیر کر کے ایک آزاد اور مضبوط اسلامی حکومت کی بُنیاد نہ رکھ دی۔

شہنشاہِ دوعالم نے محض اپنے غیر معمولی حوصلے اور تائیدِ غیبی کی بنا پر انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں جس طرح ایک مضبوط اسلامی حکومت کی بُنیاد رکھی ہے اُس کی مثال دُنیا کی تاریخ میں مفقود ہے حضور اکرم کو محض اعلائے کلمۃ الحق کے جُرم میں آپ کے ہم وطنوں اور قرابت داروں نے اتنا ستایا کہ آپ کو اپنے وطن مکہ کو خیرباد کہہ دینا پڑا۔ مکہ سے ترکِ وطن کر کے جب آپ مدینہ تشریف لائے تو آپ کے مقلدین کی تعداد برائے نام تھی لیکن آپ نے محض اپنے عزم راسخ اور ارادہ محکم کی بنا پر اِن ہی مٹھی بھر مسلمانوں کے ذریعہ بار بار دُشمنوں کے بڑے سے بڑے لشکروں کو شکستیں دیں اور کوشش پیہم کے ذریعہ اپنی طاقت کو اتنا بڑھالیا کہ آپ کے مخالفین کے لئے آپ کے مقابلہ پر ٹھہرنا ناممکن ہوگیا۔ چنانچہ رسول مقبول صلعم کی سرکردگی میں مسلمانوں نے نہ صرف بے شمار لڑائیوں میں اپنے دُشمنوں پر شاندار فتوحات حاصل کیں بلکہ آقائے دوجہاں کے طفیل میں ملک عرب میں مسلمانوں کی ایک ایسی مضبوط حکومت قائم ہوگئی جس کے رُوبرو دُنیا کی تمام بڑی بڑی حکومتیں سرنگوں ہوگئیں اور آپ کی قائم کردہ اسلامی حکومت کا دائرہ جزیرہ نمائے عرب سے گذر کر مشرق و مغرب کے بیشتر ممالک میں پھیلتا چلا گیا۔

کون نہیں جانتا کہ رسول مقبول صلعم نے جو مجاہدانہ اور سرفروشانہ اسپرٹ مسلمانوں میں پیدا کردی تھی، اُس کی بدولت مسلمانوں نے مختصر سے عرصہ میں دُنیا کا بیشتر حصہ فتح کرلیا۔ مسلمانوں کی سب سے پہلی قابلِ ذکر فتح مکہ کی تسخیر تھی جسے خود رسول اللہ صلعم نے فتح کیا تھا۔ اس کے بعد طائف فتح ہوا اور رفتہ رفتہ مسلمان پورے ملک عرب پر قابض

ہوگئے۔ مسلمانوں کی فتوحات کا دوسرا دور خلفائے راشدین کے عہدِ حکومت سے شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق کے دورِ حکومت میں مسلمانوں نے شام پر حملہ کیا اور عراق کو فتح کرلیا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق کے دورِ حکومت میں مسلمانوں کو نہایت ہی شاندار فتوحات حاصل ہوئیں۔ شہر بعلبک فتح ہوا۔ شہزار اور حمص پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا بیت المقدس کے عیسائیوں نے اطاعت قبول کرلی۔ مصر اور ایران کو مسلمانوں نے فتح کرلیا۔ شام پر بھی مسلمانوں کا پورا پورا تسلط ہوگیا۔ پھر حضرت عثمان غنی کے دورِ حکومت میں شمالی افریقہ فتح ہوا۔ جزیرہ قبرس اور جزیرہ روڈس مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ اور ایران کے باقی حصے بھی فتح ہو گئے۔

خلفائے راشدین کے بعد بھی اسلامی فتوحات کا سلسلہ برابر جاری رہا چنانچہ بنی امیہ کے دورِ حکومت میں مسلمانوں نے قسطنطنیہ اور سلطنت روما پر حملے کرکے اس کی بنیادوں کو ہلا دیا۔ پورا روسی ترکستان فتح کرلیا۔ افغانستان میں فتوحات حاصل کیں اور نصف چین پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے اسپین اور پرتگال کا پورا علاقہ فتح کرلیا۔ اور جنوبی فرانس پر بھی قبضہ جمالیا اس کے بعد ہندوستان کا بھی ایک بہت بڑا حصہ فتح کرلیا۔ یہ تمام عظیم الشان فتوحات ستر اسّی سال کے اندر اندر مسلمانو کو حاصل ہوگئی تھیں۔

ان فتوحات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول مقبول صلعم نے جس اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی تھی وہ کس قدر مضبوط تھی اور آپ کی قائم کردہ اسلامی حکومت نے دنیا میں کیسے کیسے عظیم الشان کارنامے انجام دئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آفرینش عالم سے لیکر اس وقت تک ایک بھی مثال ایسی نہیں ملتی کہ کسی قوم نے اتنی مختصر سی مدت میں دنیائے معلومہ کا نصف سے زیادہ حصہ فتح کرلیا ہو۔

اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ مسلمانوں کی یہ فتوحات عارضی

وقتی نہیں تھیں بلکہ مسلمانوں نے ہزاروں برس تک ان مفتوحہ ممالک پر بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ حکومت کی ہے۔ اسپین اور پرتگال کو چھوڑ کر آج بھی دُنیا کے ہر حصہ میں مسلمانوں کی یہ حکومتیں خفیف سے ردوبدل کے بعد نہ صرف قائم ہیں بلکہ ان میں انڈونیشیا جیسی جدید اسلامی حکومتوں کا مزید اضافہ ہوگیا ہے یعنی آج بھی دُنیا میں جتنی اسلامی حکومتیں دکھائی دے رہی ہیں۔ وہ سب کی سب رسول مقبول صلعم کی قائم کردہ مقدس اسلامی حکومت ہی کی قابل فخر شاخیں ہیں۔

رسول مقبول صلعم کی قائم کردہ وہ آزاد اسلامی حکومت جس نے اپنے جنگی کارناموں سے ساری دُنیا میں تہلکہ برپا کر دیا تھا۔ اُس کے قیام کے لئے شہنشاہ دوجہاں کو کیسی کیسی صبر آزما مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس کی داستان بے حد طویل ہے۔ اس پر تو ہم آگے چل کر مفصل تبصرہ کریں گے لیکن اس داستان سے بھی کہیں زیادہ اہم خود حضور اکرم کی ابتدائی زندگی کے ولولہ انگیز حالات ہیں لہذا یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس تاریخ کے ناظرین کو سب سے پہلے آقائے دوجہاں کی مصائب سے لبریز مقدس سوانح حیات سے آگاہ کر دیا جائے تاکہ اس تاریخ کے پڑھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ سلطنت اسلامیہ کے بانی کی پاکیزہ زندگی کیا تھی۔ اور آپ نے کیسی سخت مشکلات کا مقابلہ کرنے کے بعد ایک طرف تو ایک فطری دین سے بنی نوع انسان کو مالامال کر دیا اور دوسری طرف آپ نے آج سے چودہ سو برس قبل ایک ایسی مضبوط اسلامی حکومت کی بنیاد قائم کر دی جس نے اپنے گھروں سے نکالے ہوئے بے سروسامان مسلمانوں کے سروں پر ساری دُنیا کی بادشاہت کا تاج رکھ دیا حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرم کی زندگی ایمان، صداقت اور حوصلہ مندی کا ایک ایسا نمونہ ہے جو آپ ہی اپنی نظیر ہے۔

محمد رسول اللہ صلعم کا وطن

ہند اور پاکستان کے پڑوس میں مغرب کی جانب عراق سے ملا ہوا ایک ملک "جزیرہ نمائے عرب"

ہے یہی محمد رسول اللہ صلعم کا مقدس وطن ہے۔ ملک عرب کی بابت کہا جاتا ہے کہ طوفانِ نوح کے بعد جب دُنیا تباہ اور برباد ہوگئی تو حضرت نوحؑ کے بیٹے سام بن نوح نے دوبارہ اس ملک کو آباد کیا تھا۔ سام بن نوح کی اولاد میں "عرب" نامی ایک شخص ہوا ہے مؤرخوں کا خیال ہے کہ سام نے اسی کی نسبت سے اس ملک کا نام عرب رکھا تھا۔ اس ملک کے مشہور شہر دو ہیں۔ ایک مکہ اور دوسرا مدینہ۔ ان دونوں مقدس شہروں کو محمد رسول اللہ صلعم کی حیاتِ طیبہ اور اسلامی تاریخ سے بہت گہرا اور تاریخی تعلق ہے۔ یعنی مکہ کو تو یہ فخر حاصل ہے کہ وہاں آقائے دو جہاں پیدا ہوئے اور مدینہ اس لئے باعظمت ہے کہ مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد آپ نے وہاں پناہ لی وہیں سے دینِ حنیف ساری دُنیا میں پھیلا اور وہیں سب سے پہلے مملکتِ اسلامیہ کی بُنیاد رکھی گئی۔

محمد رسول اللہ صلعم کی پیدائش سے قبل بھی مکہ کو زمانۂ دراز سے بہت بڑی عظمت حاصل تھی۔ اس باعظمت شہر کے قیام کے بارے میں تاریخ بتاتی ہے کہ رسول اللہ صلعم کے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل کو فاران کے پہاڑ پر چھوڑ گئے تھے۔ جہاں پانی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ پیاس کی شدت کی وجہ سے جب ان دونوں ماں بیٹوں کی حالت غیر ہونے لگی تو قدرتِ خداوندی سے چاہ زمزم ظاہر ہوا۔ عرب جیسے خشک اور بنجر ملک میں کسی جگہ سے پانی کا نمودار ہوجانا چونکہ بہت بڑی نعمت تھی اس لئے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ اسی جگہ رہنے لگے۔ اور رفتہ رفتہ وہاں کی آبادی بڑھنے لگی اور اس طرح شہر مکہ کی بُنیاد پڑ گئی۔ کچھ مدت کے بعد حکم خداوندی کے ماتحت اسی شہر مکہ میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے مل کر خانہ کعبہ تعمیر کیا جسے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے زمانہ ہی میں بہت بڑی عبادت گاہ کا درجہ حاصل ہوگیا تھا۔ اور وہاں زیارت کے لئے دُور دُور سے بے شمار زائرین آنے لگے تھے۔

محمد رسول اللہ صلعم کا خاندان حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں ایک بزرگ

"قریش" نامی ہوئے ہیں جن کی اولاد قبیلہ قریش کے نام سے مشہور ہے محمد رسول اللہ صلعم اسی قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے ہیں۔ قبیلہ قریش کو نہ صرف مکہ میں بلکہ پورے ملک عرب میں غیر معمولی عزت حاصل تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابراہیم ؑ اور حضرت اسمٰعیل ؑ کی اولاد ہونے کی وجہ سے "قریش" چونکہ خانہ کعبہ کے متولی تھے اس لئے سارے ملک عرب میں ان کو دینی اور دُنیاوی پیشوا کا درجہ حاصل تھا یعنی خاندانِ قریش کو ملک عرب میں وہی حیثیت حاصل تھی جو کسی شاہی خاندان کی ہوا کرتی ہے۔

ملکِ عرب میں کسی خاص فرد یا خاندان کی بادشاہت تو تھی نہیں اس لئے دینی اور دُنیاوی دونوں صورتوں میں خاندان قریش ہی سب سے زیادہ ممتاز تھا سب اسی خاندان کو اپنا حاکم اور رہنما تسلیم کرتے تھے۔ چنانچہ عرب کے سارے قبیلے اور سردار خاندانِ قریش کا بے حد احترام کرتے تھے اور ان کے حکم کو ماننا اپنا فرض خیال کرتے تھے۔ غرضکہ عرب کے مختلف قبیلوں میں جب کسی قسم کا جھگڑا ہوتا تھا تو قریش ہی ان کا تصفیہ کراتے تھے۔

رسول اکرم کا خاندان بُتخانہ کا مُحافظ

رسول اکرم کی پیدائش سے قبل عربوں کا مذہب بڑا عجیب وغریب تھا۔ جسے خدا پرستی اور بُت پرستی کا مجموعہ سمجھنا چاہئے۔ عربوں کی حالت یہ تھی کہ ایک طرف تو وہ نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے۔ حج کرتے تھے اور خدا کو مانتے تھے لیکن دوسری جانب وہ بُتوں کی پرستش بھی ضروری خیال کرتے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ وہ بُتوں کے ذریعہ ہی خدا تک پہنچ سکتے ہیں چنانچہ انھوں نے خانۂ خدا یعنی خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بُت لاکر رکھ دئیے تھے۔ گویا انھوں نے دینِ ابراہیمی اور بُت پرستی کو ملا کر ایک نیا مذہب ایجاد کر لیا تھا۔

اس عجیب وغریب مذہب کی رہنمائی بھی خاندانِ قریش ہی کر رہا تھا۔ یہ خاندان

چونکہ صدیوں سے خانۂ کعبہ کا متولی چلا آرہا تھا اس لئے جب خانۂ کعبہ بُت خانہ بن گیا تو یہی خاندان اس بُت خانہ کا بھی محافظ اور نگراں قرار دیا گیا اور اسی خاندان کے بنائے ہوئے نئے مذہبی اُصولوں کے مطابق ملکِ عرب میں بُت پرستی ہوا کرتی تھی۔

رسول اللہ کے خاندان کے عربوں پر احسانات

رسول اللہ صلعم کے خاندان

قریش نے عربوں کی خوش حالی اور آزادی کے لئے بھی بڑے بڑے کارنامے انجام دئے ہیں چنانچہ رسول اللہ صلعم کے پردادا ہاشم بن عبدِ مناف جب مکہ کے حاکم اور خانۂ کعبہ کے متولی قرار دئے گئے تو انھوں نے حبش یمن اور شام سے سلسلۂ تجارت جاری کر کے اپنے ملک کو خوب خوشحال بنا دیا۔ ان کے اثر اور رسوخ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے قیصرِ روم کی سلطنت میں اور شاہِ حبش نجاشی کی حکومت میں قریش کے تجارتی مال کو سرکاری ٹیکس سے مستثنیٰ کرا دیا تھا۔

ہاشم بن عبدِ مناف کے انتقال کے بعد جب رسول اللہ صلعم کے دادا خواجہ عبد المطلب مکہ کے حاکم اور خانۂ کعبہ کے متولی قرار دئے گئے تو ان کے چچا زاد بھائی اُمیہ نے اُن کی سخت مخالفت کی۔ اس مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ اُمیہ یہ چاہتے تھے کہ عبد المطلب کی بجائے ان کو خانۂ کعبہ کا متولی اور مکہ کا حاکم مقرر کیا جائے لیکن عرب کے مقتدر قبائل چونکہ رسول اللہ کے دادا خواجہ عبد المطلب کے حامی تھے۔ اس لئے وہی سردار منتخب ہوئے اور اُمیہ کو بُری طرح ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا جس کی وجہ سے خاندانِ اُمیہ آخر وقت تک رسول اللہ صلعم کے خاندان بنی ہاشم کا دشمن بنا رہا۔

خواجہ عبد المطلب سنہ ۵۲۰ء سے لیکر ۵۷۸ء تک خانۂ کعبہ کے متولی اور مکہ کے حاکم رہے۔ ان کے دورِ حکومت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے عربوں کو اُس خانہ جنگی کی لعنت سے نجات دلائی جو صدیوں سے انھیں تباہ کر رہی تھی،

اور ان کو متحد کر کے ایک مضبوط طاقت بنا دیا یعنی انھوں نے انتہائی تدبر اور ہوشمندی سے کام لیکر ملک عرب کو ان تمام بیرونی حملہ آوروں سے بچا لیا جو عربوں کی خانہ جنگی سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر وقتاً فوقتاً اس ملک پر حملے کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ جب شمال سے رُومی عیسائیوں نے، مشرق سے ایرانیوں نے، اور جنوب سے حبشیوں نے، عرب پر حملے کئے تو خواجہ عبدُ المطلب کی سرکردگی میں تمام عرب قبائل نے متحد ہو کر ان حملہ آوروں کو پسپا کر دیا اور اس کے بعد کسی بیرونی حملہ آور کو عرب پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

محمد رسول اللہ صلعم کے والد محترم اور والدہ محترمہ

رسول اللہ صلعم کے دادا خواجہ عبد المطلب کے تیرہ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں کے نام یہ ہیں۔ رسول اللہ صلعم کے والدِ محترم حضرت عبد اللہ[1]۔ خواجہ ابو طالب[2] حضرت عباس[3]۔ حضرت حمزہ[4]۔ ضرار[5]۔ حارث[6]۔ حجل[7]۔ مقوم[8]۔ غیداق[9]۔ قثم[10]۔ زبیر[11]۔ عبد الکعبہ[12]۔ ابولہب[13]۔ اور بیٹیاں یہ تھیں صفیہ[1] رض۔ عاتکہ[2]۔ اروی[3]۔ اُم حکیم[4]۔ برہ[5]۔ اُمیمہ[6]۔

رسول اللہ صلعم کے والدِ محترم حضرت عبد اللہ خواجہ عبد المطلب کے تمام بیٹوں میں سب سے خوبصورت اور لائق و فائق تھے۔ حضرت عبد اللہ کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ مشہور ہے کہ حضرت کے والد خواجہ عبد المطلب، آپ کو مکہ کے بتوں پر قربان کرنا چاہتے تھے۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ چاہ زمزم مدت سے لاپتہ تھا جب بڑی دشواری کے بعد خواجہ عبد المطلب اسے دوبارہ دریافت کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اس خوشی میں آپ نے مکہ کے بتوں کے سامنے منت مانی کہ جب میں دس بیٹوں کو اپنے سامنے جوان دیکھ لوں گا تو ان میں سے ایک کو راہِ خدا میں قربان کر دوں گا۔ چنانچہ جب ان کی یہ منت پوری ہو گئی تو وہ اپنے بیٹوں کو ساتھ لیکر خانۂ کعبہ میں گئے اور پجاری

سے قرعہ ڈلوایا۔ جب قرعہ ڈالا گیا تو اس میں رسول اللہ صلعم کے والدِ محترم حضرت عبداللہ کا نام نکلا۔ قرعہ میں حضرت عبداللہ کے نام کے نکلنے کے بعد خواجہ عبدالمطلب تو اپنے عہد کے مطابق اُنھیں قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے مگر خاندانِ قریش ایسے لائق اور ہونہار نوجوان کو قربان کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ اور اس خاندان کے سربرآوردہ حضرات نے طے کیا کہ اس معاملہ میں عرافہ نامی کاہنہ سے مشورہ کیا جائے اور جو وہ کہے وہی کیا جائے۔ جب یہ لوگ اس کاہنہ کے پاس آئے تو اُس نے مشورہ دیا کہ حضرت عبداللہ کے نام کے ساتھ دس اُونٹ ذبح کرنے کا قرعہ ڈالا جائے۔ اور اگر قرعہ میں پھر بھی حضرت عبداللہ کا نام نکلے تو پھر دس اُونٹ زیادہ کر کے قرعہ ڈالا جائے۔ اور ایسا ہی ہر مرتبہ دس اُونٹ کا اضافہ کر کے اُس وقت تک کیا جائے جب تک کہ قرعہ اُونٹوں کے نام پر نہ نکل آئے۔ کاہنہ کے مشورہ کے مطابق پھر قرعہ ڈالا گیا تو مسلسل نو مرتبہ حضرت عبداللہ ہی کے نام پر قرعہ نکلا لیکن دسویں مرتبہ اُونٹوں کے نام پر قرعہ نکل آیا جس کے بعد سو اُونٹ فدیہ کے طور پر ذبح کئے گئے اور حضرت عبداللہ قربانی سے بچ گئے اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کی پیدائش سے قبل خود رسول اللہ کے خاندان میں کیسی کیسی جاہلانہ رسمیں موجود تھیں۔

قربانی سے نجات پانے کے بعد ۲۴ سال کی عمر میں حضرت عبداللہ کی شادی حضرت آمنہ سے ہو گئی حضرت آمنہ خاندانِ قریش کے ایک سردار وہب بن مناف کی نہایت حسین و جمیل اور ہونہار صاحبزادی تھیں۔

رسول اللہ صلعم کی پیدائش

حضرت عبداللہ کی شادی کو ابھی چند روز ہی ہوئے تھے کہ آپ کو ایک تجارتی قافلہ کے ہمراہ بغرض تجارت شام جانا پڑا۔ جب آپ شام سے واپس ہوئے تو راستہ ہی میں بیمار

ہو گئے۔ اور مدینہ میں اپنے رشتہ داروں کے پاس ٹھہر گئے۔ چونکہ بیماری شدید تھی اس لئے آپ نے فوراً مکہ میں اپنے والد کو اطلاع کر دی۔ آپ کی بیماری کا حال سُن کر آپ کے والد خواجہ عبدالمطلب نے آپ کے بھائی حارث کو مدینہ روانہ کر دیا تاکہ حارث آپ کو اپنے ساتھ مکہ لے آئیں لیکن حارث ابھی راستہ ہی میں تھے کہ حضرت عبداللہ کا عین عالم جوانی میں پچیس سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ انتقال کے وقت آپ کی شادی کو مشکل سے ایک سال ہوا تھا۔

حضرت عبداللہ کے انتقال کے وقت حضرت آمنہ حاملہ تھیں گویا رسول اللہ صلعم ابھی شکم مادر ہی میں تھے کہ یتیم ہو گئے۔ آپ اپنے والد کی وفات کے دو ماہ بعد ۱۲ ربیع الاول سلہ میلادی (سنہ ۵۷۰ء) کو تولد ہوئے۔ آپ کے پیدا ہوتے ہی ایک نور ظاہر ہوا جس سے سارا ملک روشن ہو گیا۔ ولادت کے فوراً ہی بعد آپ نے سجدہ کیا اور اپنا سر آسمان کی جانب اُٹھا کر فرمایا۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ جب آپ پیدا ہوئے تو ساری زمین لرز گئی۔ دریائے دجلہ اس قدر اُمڈا کہ اُس کا پانی کناروں سے اُبلنے لگا۔ زلزلے سے کسریٰ کے محل کے چودہ کنگرے گر گئے۔ آتش پرستوں کے آتش کدے جو ہزاروں برس سے روشن تھے خود بخود بجھ گئے۔ آپ قدرتی طور پر مختون پیدا ہوئے تھے اور آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت موجود تھی۔

رسول اللہ صلعم کا بچپن

رسول اللہ صلعم نہایت تن و مند اور تندرست پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے جسم میں بڑھنے کی قوت آپ کی عمر کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی۔ جب آپ تین مہینے کے ہوئے تو کھڑے ہونے لگے۔ جب سات مہینے کے ہوئے تو چلنے لگے۔ اور ایک سال کی عمر میں تو آپ تیر کمان لئے بچوں کے ساتھ دوڑے دوڑے پھرتے تھے، اور ایسی باتیں کرتے تھے کہ

سُننے والوں کو آپ کی عقلمندی پر حیرت ہوتی تھی۔

آپ کی والدہ حضرت آمنہ نے شرفائے عرب کے دستور کے مطابق آپ کی پیدائش کے چند روز بعد ہی آپ کو قبیلہ بنی سعد کی ایک خاتون حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ آپ کو بطور دایہ دُودھ پلائیں اور پرورش کریں۔ شرفائے عرب کا یہ عام دستور تھا کہ وہ اپنے بچّوں کو دیہات کی بدوی عورتوں کے سپُرد کر دیتے تھے تاکہ جنگل کی کھلی ہوا میں رہ کر بچے تندرست اور خوب مضبُوط ہو جائیں۔ نیز ان کی زبان بھی زیادہ فصیح اور عمدہ ہو جائے۔ کیونکہ اُس زمانہ میں بدویوں کی زبان شہریوں کی زبان کے مقابلہ میں زیادہ صاف، خالص اور فصیح ہوتی تھی حلیمہ سعدیہ سال میں دو مرتبہ یعنی ہر چھٹے مہینے رسول اللہ صلعم کو مکّہ لاکر آپ کی والدہ آمنہ اور آپ کے دادا خواجہ عبد المطلب سے ملا جاتی تھیں۔ آپ چار سال تک حلیمہ سعدیہ کی زیر نگرانی پرورش پاتے رہے حلیمہ سعدیہ کے گاؤں میں آپ جب تک رہے اس علاقہ کے کنویں اور چشمے کبھی خشک نہ ہوئے کھیت برابر سرسبز اور شاداب رہے اور آپ کی ذات بابرکت کی وجہ سے حلیمہ سعدیہ کے مویشیوں اور زراعت میں خوب ترقی ہوئی۔

حضرت آمنہ کا انتقال

رسول مقبول صلعم کی عمر جب چار برس کی ہو گئی۔ تو آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کو اپنے پاس ہی مکّہ میں رکھ لیا۔ اور آپ حضرت آمنہ کی زیرِ نگرانی پرورش پانے لگے۔ دو برس کے بعد جبکہ رسول اکرم کی عمر چھ سال کی تھی۔ آپ کی والدہ محترمہ آپ کو ہمراہ لیکر اپنے عزیز واقارب سے ملنے نیز اپنے مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کرنے کے لئے مدینہ تشریف لے گئیں۔ ایک مہینہ رہ کر جب وہاں سے واپس ہوئیں تو دورانِ سفر ہی میں ابوا کے مقام پر ۵۷۶ء میلادی (ملتہ ۵۰ ق) میں حضرت آمنہ کا انتقال ہو گیا یعنی آپ ماں کے سایہ سے بھی محروم ہو گئے۔

والدۂ محترمہ کی رحلت کے بعد آپ کی پرورش آپ کے دادا عبدالمطلب کی زیرِ نگرانی ہوتی رہی لیکن دو سال کے بعد جبکہ آپ کی عمر آٹھ سال کی تھی تو آپ کے دادا عبدالمطلب بھی ۸۲ سنہ میلادی (۵۷۸ء) میں وفات پا گئے۔ آپ کے دادا نے مرنے سے پہلے ہی حضورِ اکرم کو اپنے بڑے بیٹے ابوطالب کے سپرد کر دیا تھا۔ آپ کے چچا حضرت ابوطالب کو آپ سے بے اندازہ محبت تھی۔ دادا کے انتقال کے بعد وہ بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ پیارے بھتیجے کی پرورش فرماتے رہے۔ حضرت ابوطالب باپ کے مرنے کے بعد مکّہ کے حاکم اور خانۂ کعبہ کے متولی قرار دیئے گئے تھے۔ چنانچہ آپ کو بھی خواجہ عبدالمطلب کی طرح سارے ملک میں بڑی عزت اور احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

رسول اللہ صلعم کی عمر بارہ سال کی تھی کہ حضرت ابوطالب حسبِ معمول تجارتی قافلہ لیکر شام جانے لگے تو آپ نے بھی ساتھ چلنے کے لئے ضد کی۔ ابُو طالب بھلا یہ کیونکر گوارہ کر سکتے تھے کہ پیارے بھتیجے کا دل میلا ہو چنانچہ آپ کو بھی ہمراہ لے لیا۔ یہ تجارتی قافلہ جب بصرہ پہنچا تو بحیرہ نامی عیسائی راہب نے آپ کو بغور دیکھ کر حضرت ابوطالب سے کہا کہ "آپ کا یہ بھتیجہ نبی آخر الزماں ہے۔ اِس میں وہ تمام علامتیں موجود ہیں جو توریت اور انجیل میں درج ہیں۔ یہودی ان کے جانی دشمن ہیں۔ اِنھیں یہودیوں سے بچاؤ۔ مناسب یہ ہے کہ تم ان کو آگے نہ لے جاؤ۔" حضرت ابوطالب کو راہب کی یہ باتیں سُن کو بڑی فکر ہوئی۔ آپ نے اپنا مال جلدی جلدی وہیں فروخت کر دیا جس میں کہ اِن کو خلافِ توقع بے حد نفع ہوا۔

رسولِ اکرم پہلی مرتبہ جس جنگ میں شریک ہوئے وہ عکاظ کی جنگ ہے جو "حرب فجار" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ جنگ قبیلہ قریش اور کنانہ و ہوازن کے قبیلوں کے درمیان عکاظ کے مقام پر ۸۶ سنہ میلادی (۵۸۴ء) میں ہوئی تھی۔ اس زمانہ میں

آپ کی عمر پندرہ سال تھی۔ اس جنگ میں آپ نے صرف اس قدر حصہ لیا تھا کہ آپ اپنے چچا زبیر کو تیر اُٹھا اُٹھا کر دیتے جاتے تھے۔ رسولِ مقبول صلعم کے قبیلہ والوں کو اس جنگ میں شاندار فتح حاصل ہوئی تھی۔

محمد رسول اللہ صلعم کی جوانی

رسول اللہ صلعم کیونکہ تجارت پیشہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے جب آپ جوان ہوئے تو آپ کو بھی اپنے بزرگوں کی طرح تجارت میں حصہ لینا پڑا۔ اور آپ تجارتی قافلوں کے ہمراہ قریب کے علاقوں میں مال تجارت لیکر آنے جانے لگے۔ آپ ابتدا ہی سے نہایت ہی ایماندار اور بے حد خوش معاملہ تھے۔ چنانچہ کاروباری معاملات میں آپ کی دیانت اور خوش معاملگی کی اس قدر شہرت ہوئی کہ آپ نہ صرف مکہ میں بلکہ سارے عرب میں "صادق القول" اور "امین" کے لقب سے پکارے جانے لگے۔

اسی زمانہ میں مدینہ میں خدیجہ نامی ایک مالدار بیوہ خاتون رہتی تھیں۔ یہ خاتون شام۔ عراق۔ اور یمن کے ممالک سے ایک بڑے پیمانہ پر تجارت کیا کرتی تھیں۔ انھوں نے جب رسول اللہ صلعم کی امانت اور دیانت کی شہرت سُنی تو اپنا سارا کاروبار آپ کے سپرد کر دیا۔ رسول اللہ صلعم کی اعلیٰ کارکردگی اور دیانت کی وجہ سے بی بی خدیجہ کو اس قدر فائدہ ہوا کہ اس سے قبل کبھی نہیں ہوا تھا۔

رسول اللہ صلعم اور حضرت خدیجہ کا نکاح

رسول اللہ صلعم کی دیانت شرافت اور خوش معاملگی نے تو پہلے ہی بی بی خدیجہ کو رسول اللہ صلعم کا مداح بنا دیا تھا لیکن بی بی خدیجہ کے غلاموں اور کارکنوں نے جب اُن سے آپ کے وہ معجزات بیان کئے جو انھوں نے بارہا رسول اللہ صلعم کے ساتھ دورانِ سفر میں دیکھے تھے تو وہ رسول اللہ صلعم کی اور بھی گرویدہ ہوگئیں۔ اور اس بات کی خواہش کی کہ رسولِ اکرم آپ

سے نکاح فرمالیں۔

حضرت خدیجہ اِس سے قبل دو نکاح کر چکی تھیں اور اُن کے دونوں شوہر فوت ہو چکے تھے۔ اُن کے حسن و جمال اور عقل و دانش کی بہت شہرت تھی۔ اِن اوصاف کی بنا پر اکثر عمائد نے اُن سے نکاح کی درخواست کی تھی لیکن انھوں نے منظور نہیں کیا۔ مگر حضورؐ کے اوصاف نے انھیں ایسا گرویدہ بنا دیا کہ وہ خود ہی اپنی لونڈی نفیسہ کے ذریعہ حضورؐ کو نکاح کا پیغام دینے پر مجبور ہو گئیں۔ رسولِ مقبول صلعم نے اپنے چچا حضرت ابوطالب سے مشورہ کرنے کے بعد اس پیغام کو قبول کر لیا۔ اور اس طرح آپ کا حضرت خدیجہ کے ساتھ نکاح ہو گیا۔ نکاح کے وقت رسول اللہ صلعم کی عمر پچیس سال تھی اور حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی۔ حضرت خدیجہ کے ساتھ آپ کو بے حد محبت تھی۔ نکاح کے بعد پچیس سال تک زندہ رہیں۔ اُن کی زندگی میں رسول اللہ صلعم نے دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت خدیجہ کے بطن سے آپ کے چار بیٹیاں اور تین بیٹے پیدا ہوئے۔ بیٹیوں کے نام یہ ہیں :۔ زینب۔ رُقیہ۔ اُمِ کلثوم۔ فاطمہ۔ اور بیٹوں کے نام یہ ہیں :۔ قاسم۔ طیب۔ طاہر۔ مگر تینوں بیٹے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔

تمام قبائل میں آپ کی غیر معمولی عزت

رسول اللہ صلعم کو شروع ہی سے نہ صرف قبیلہ قریش میں بلکہ عرب کے جملہ قبائل میں بڑی عزت اور احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ کی دیانت۔ امانت۔ صداقت اور راست بازی کا سارے ملک میں شہرہ تھا چنانچہ ملک عرب کے جملہ قبائل نے متفقہ طور پر آپ کو "صادق" و "امین" کا خطاب عطا کر دیا تھا یعنی آپ ہر جگہ صادق اور امین کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔

آپ نے اگرچہ کسی دُنیاوی درسگاہ میں تعلیم نہیں حاصل کی تھی لیکن پھر بھی آپ

محض فیضانِ الٰہی کی بنا پر علم، عقل اور سوجھ بوجھ کے معاملہ میں یگانۂ روزگار تھے۔ اور نہایت ہی خوش مزاج تھے۔ آپ کا اخلاق نہایت ہی پاکیزہ تھا۔ دوست دشمن سب کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتے تھے۔ لغویات کبھی زبان سے نہیں نکالتے تھے۔ حقوق کے فیصلہ کے وقت امیر، غریب، عزیز اور غیر میں کبھی کوئی امتیاز نہیں فرماتے تھے۔ مساکین اور مظلوموں کے بہت بڑے ہمدرد تھے۔ بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے ہر وقت سینہ سپر رہتے تھے۔

رسول مقبول صلعم کا سب سے پہلا قومی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے شنہ میلادی میں مظلومین کی امداد کے لئے ایک ایسی تحریک کو خوب ترقی دی جس کا مقصد یہ تھا کہ بدامنی دور ہو، قتل و خون اور غارتگری سے ملک کو بچایا جائے۔ مظلوموں کی امداد کی جائے، ظالموں کو سزا دی جائے۔ غریبوں اور مسافروں کی امداد اور حفاظت کی جائے۔ یہ تحریک تاریخ میں "حلف الفضول" کے نام سے مشہور ہے۔

خانہ کعبہ کے جھگڑے کے ثالث رسول اللہ صلعم

رسول اللہ صلعم کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب خانۂ کعبہ کی مرمت کے بعد سنگِ اسود کے نصب کئے جانے کا وقت آیا اور اس پر آپس میں خانہ جنگی شروع ہو گئی تو جملہ قبائل کے سرداروں نے رسول اللہ صلعم کو حکم بنایا اور طے کیا کہ "جو فیصلہ محمد (صلعم) کریں گے وہ ہمیں منظور ہے۔" اس جھگڑے کی تفصیل یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی دیواریں جا بجا سے شق ہو گئی تھیں۔ ان دیواروں کو گرانے کے بعد جب نئے سرے سے خانہ کعبہ تعمیر کیا گیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ سنگِ اسود کو کون نصب کرے۔ عرب کے مختلف قبائل کے سرداروں میں سے ہر سردار یہی چاہتا تھا کہ سنگِ اسود کو خانہ کعبہ میں نصب کرنے کی عزت صرف اسی کو حاصل ہو۔ اس پر مختلف قبائل کی تلواریں میان سے نکل آئیں۔ آخر یہ طے پایا کہ یہ

جھگڑا کسی ثالث کے سپرد کر دیا جائے اور اس اہم مقصد کے لئے رسولِ مقبول صلعم ہی کا انتخاب عمل میں آیا۔

ایک اتنا بڑا جھگڑا جس پر کہ عرب کے تمام قبائل کی تلواریں میان سے نکل چکی تھیں اسے رسول مقبول صلعم نے ایسی آسانی کے ساتھ طے کر دیا کہ آپ کی دانشمندی کو دیکھ کر اُس زمانہ کے بڑے سے بڑے دانشمند بھی حیران رہ گئے۔ اس قضیہ کو طے کرنے کے لئے آپ نے ایک چادر بچھائی۔ اس پر سنگِ اسود کو اپنے ہاتھ سے رکھ دیا۔ پھر ہر ایک قبیلہ کے سردار سے کہا کہ چادر کے کنارے کو پکڑ لو اور اُٹھاؤ۔ چنانچہ تمام سرداروں نے ملکر اُس چادر کو اُٹھا لیا جس میں کہ سنگِ اسود رکھا ہوا تھا جب یہ سردار اُس مقام پر جہاں سنگِ اسود نصب ہونا تھا اُسے لے آئے تو رسول اللہ صلعم نے سنگ اسود کو خود اُٹھا کر رکھ دیا اور اس طرح آپ نے اپنی دانشمندی سے تمام سرداروں کو سنگِ اسود کے نصب کئے جانے کا اعزاز ایک ساتھ عطا کر دیا۔ اور یہ بڑا ہنگامہ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ختم ہو گیا اور تمام قبائل کے سردار خوش ہو گئے۔

مال و متاع سے بے نیازی

رسول اللہ صلعم کا یہ قاعدہ تھا کہ مال تجارت میں آپ کو جتنا بھی نفع ہوتا تھا۔ اُس کا بیشتر حصہ رشتہ داروں۔ غریبوں مسکینوں یتیموں اور مسافروں کی امداد پر صرف کر دیتے تھے۔ اور اس میں سے خود کچھ بھی نہیں لیتے تھے۔ آپ کی اعزہ پروری کا یہ عالم تھا کہ آپ نے جب یہ دیکھا کہ آپ کے چچا ابو طالب عیالدار ہونے کی وجہ سے مالی اعتبار سے پریشان رہتے ہیں تو آپ نے اُن کا بار ہلکا کرنے کے لئے اُن کے لڑکے حضرت علیؓ کو پرورش کے لئے خود لے لیا اور ان کی اولاد کی طرح پرورش کی۔

رسول مقبول صلعم غلاموں پر بھی بے حد مہربان تھے۔ چنانچہ آپ نے زید بن حارث

نامی غلام کو آزاد کر دیا تھا۔ اور زید کے ساتھ اولاد کی طرح محبت کرتے تھے۔ زید ایک معزز عیسائی خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو آزاد ہونے کے بعد مرتے دم تک رسول اللہ صلعم سے جدا نہیں ہوئے۔ زید بن حارث کے علاوہ بھی آپؐ نے اپنے تمام دوسرے غلاموں کو آزاد کر دیا تھا جن کی تعداد پچیس اور تیس کے درمیان تھی۔

حسنِ سلوک کے معاملہ میں آپؐ کے سامنے مسلم اور غیر مسلم کا کوئی سوال نہ تھا آپ ہر شخص کے ساتھ انتہائی نرمی اور محبت سے پیش آتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ معذور اور مجبور عورتوں کا سودا تک بازار سے لا دیتے تھے۔ راستہ میں لوگ آپ کا دامن پکڑ کر کھڑے ہو جاتے تھے اور آپؐ اُن کی باتیں بڑے اطمینان کے ساتھ سُنتے تھے ہر مظلوم اور مجبور کی امداد کے لئے آپؐ ہمیشہ مستعد دکھائی دیتے تھے۔ غرضکہ آپ کے اعلیٰ کردار۔ دیانت شفقت اور حُسن سلوک کی بنا پر آپ کی سارے ملکِ عرب میں نبوت سے قبل بھی بے حد عظمت اور عزت تھی۔

عبادت سے دلچسپی اور نبوت

رسول مقبول صلعم کی عمر جب ۳۴ یا ۳۵ سال کی ہوگئی تو آپ زیادہ تر گوشہ نشینی کی زندگی گذارنے لگے۔ اور آپؐ کی طبیعت میں عبادتِ الٰہی کا شوق دن بدن بڑھنے لگا۔ آپ کے آباؤ اجداد اگرچہ بُت پرستی کی لعنت میں مُبتلا تھے لیکن آپ کو فطری طور پر بُت پرستی سے نفرت تھی۔ خدائے واحد کی پرستش کا جذبہ آپ کے قلب میں روزِ اوّل ہی سے موجود تھا لہٰذا آپؐ کا بیشتر وقت رموزِ خداوندی کے سمجھنے میں صرف ہونے لگا۔ چالیس سال کی عمر میں آپ کا یہ دستور ہو گیا کہ آپ مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر غارِ حرا میں چلے جاتے اور وہاں کئی کئی دن تک مسلسل عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ یہاں تک کہ آپ کو ایمان کی روشنی اور چمک دکھائی دینے لگی اور سچے خواب نظر آنے لگے۔

نبی محترمؐ کی عبادت و ریاضت جب اوجِ کمال پر پہنچ گئی اور وہ تمام رُوحانی

قوتیں جو خدائے تعالیٰ نے آپ کی فطرت میں ودیعت فرمائی تھیں۔ عبادت وریاضت کی کثرت سے اچھی طرح اُبھر آئیں۔ اور آپ میں نبوّت کی گراں مایہ ذمّہ داری سنبھالنے کی پوری طرح اہلیت اور صلاحیت پیدا ہوگئی تو خدائے عزّ وجل نے حضرت جبرئیلؑ امین کو آپ کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ آپ کو منصبِ نبوّت پر سرفراز فرمادیں چنانچہ ایک روز جبکہ آپ حسبِ معمول غارِ حرا میں مصروفِ عبادت تھے۔ تو آپ کے سامنے حضرت جبرئیلؑ انسانی شکل میں ظاہر ہوئے اور آپ کو ایک ریشمین کپڑا دکھایا جس پر "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" اور قرآنِ پاک کی آیت "اقرا" لکھی ہوئی تھی اور آپ سے کہا کہ "پڑھیے" آپ نے جواب دیا کہ "میں پڑھنا نہیں جانتا" حضرت جبرئیلؑ نے آپ کو پہلو میں لے لیا اور بغلگیر ہوئے جس سے آپ کے دل ودماغ میں علومِ ظاہری وباطنی کا بے پایاں سمندر فیضانِ الٰہی سے موجزن ہوگیا۔ اور آپ قدرتِ الٰہی سے پڑھنے لگے۔ جب آپ سورۂ اقرا پڑھ چکے تو حضرت جبرئیلؑ نے زمین پر لات ماری جس سے کہ پانی کا ایک چشمہ اُبل پڑا۔ اس چشمہ سے انھوں نے خود بھی وضو کیا اور رسول اللہ صلعم کو بھی وضو کرنا سکھایا۔ پھر دو رکعت نماز پڑھی اور رسول مقبول صلعم کو بھی نماز سکھائی۔ بعض کتب میں یہ بھی مرقوم ہے کہ حضورؐ کو نماز سکھانے کے بعد حضرت جبرئیلؑ نے آپ کو بشارت دی کہ "اے محمدؐ آپ کو نبوّت کے منصب پر سرفراز کیا جاتا ہے۔ اور میں اللہ کا فرشتہ جبرئیل ہوں"۔ یہ واقعہ ۱۱ھ میلادی (سنہ ۶۱۰ء) پیش آیا تھا جبکہ آپ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ اس واقعہ کے بعد وقتاً فوقتاً وحی کی صورت میں آپ پر قرآنِ پاک نازل ہوتا رہا جس میں کہ بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے لئے مکمل دستور العمل موجود ہے۔ اس موقعہ پر یہ بتادینا بھی ضروری ہے کہ منصبِ نبوّت پر سرفراز ہونے کے بعد صرف دو رکعت نماز مسلمانوں پر فرض تھی۔ لیکن معراج کے بعد مسلمانوں پر پانچ وقت کی نمازیں فرض ہوگئیں۔

تبلیغ اور دعوتِ اسلام نزولِ وحی کے بعد آپ نے اسلام کی

دعوت سب سے پہلے اپنے گھر سے شروع کی۔ آپ کی بیوی حضرت خدیجہ سب سے پہلے آپ پر ایمان لائیں، اس کے بعد حضرت علی رضؓ اور حضور صلعم کے آزاد کردہ غلام زید بن حارث رضؓ نے اسلام قبول کیا۔ پھر حضرت ابو بکر رضؓ جو آپ کے دوست تھے آپ پر ایمان لے آئے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کے سب رسول اللہ صلعم کے گھر کے آدمی تھے۔ جو آپ کی اندرونی حالت سے بخوبی واقف تھے ان گھر کے رازداروں کا سب سے پہلے آپ پر ایمان لانا آپ کی صداقت اور راستبازی کا ناقابلِ انکار ثبوت ہے۔

حضرت ابو بکر رضؓ مالدار ہونے کے علاوہ چونکہ مکہ میں بہت با اثر تھے اس لئے آپ کے اسلام میں داخل ہونے سے بے حد فائدہ پہنچا۔ حضرت عثمان بن عفان رضؓ۔ حضرت طلحہ بن زبیر رضؓ۔ حضرت سعد بن وقاص رضؓ۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضؓ۔ اور دوسرے معتقد حضرات حضرت ابو بکر رضؓ کی ترغیب ہی سے اسلام میں داخل ہوئے تھے حضرت ابو بکر رضؓ اسلام قبول کرنے سے قبل بھی اپنی سچائی اور دیانت کے لئے بے حد مشہور تھے۔ اور آپ کو فطری طور پر بت پرستی سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ غرضکہ اسلام رفتہ رفتہ مکہ میں پھیلنے لگا۔ حضرت خباب بن ارث رضؓ۔ عمار بن یاسر رضؓ۔ سعید بن زید رضؓ۔ عبد اللہ بن مسعود رضؓ۔ عثمان بن مظعون۔ ابو عبیدہ بن جراح رضؓ۔ صہیب رضؓ اور ارقم رضؓ جیسے بلند پایہ حضرات بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ رسول اللہ صلعم برابر تین سال تک اسلام کی دعوت خفیہ طریقہ پر لوگوں کو دیتے رہے۔ ان تین سال میں مسلمانوں کی تعداد صرف اُنتالیس تک پہنچ سکی تھی۔

بُت پرستی کے خلاف کُھلم کُھلا جہاد

نبوت کے چوتھے سال یعنی ۴ نبوی میلادی (۶۱۳ء) میں جب رسول اللہ صلعم کو اللہ جل شانہ کی جانب سے حکم ملا کہ وہ کھلم کھلا لوگوں کو دینِ اسلام

کی دعوت دیں تو آپ نے کفار اور مشرکین کی مخالفت اور طاقت کی پرواہ کیے بغیر کھلم کھلا خدا پرستی کے حق میں اور بُت پرستی کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔

ایک روز آپ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر توحید باری کی تعلیم دینے کی غرض سے لوگوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا کہ "اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر آرہا ہے تو کیا تم یقین کر و گے؟" سب نے ایک زبان ہو کر جواب دیا کہ "ہم ضرور یقین کریں گے کیونکہ ہم نے تمہاری زبان سے بجز سچ کے کبھی کوئی جھوٹی بات نہیں سُنی"۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ "پھر میں کہتا ہوں کہ اگر تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر سخت عذاب نازل ہوگا"۔

عرب کی وہ قوم جو صدیوں سے بُت پرستی کی لعنت میں مبتلا تھی اُسے رسول مقبول صلعم کے اِن ارشادات سے سخت ناگواری پیدا ہوئی۔ چنانچہ سب لوگ ناراض ہو کر واپس چلے گئے۔ عرب کے جملہ قبائل رسول اللہ صلعم کی صداقت اور سچائی کے معترف ضرور تھے اور اُن کے دلوں میں حضورؐ کی عزت بھی تھی لیکن پھر بھی وہ اس کے لئے ہرگز تیار نہ تھے کہ کوئی شخص اُن کے بُتوں کو بُرا کہے اور اُن کے مذہبی معاملات میں مداخلت کرے۔

اس واقعہ کے چند دنوں کے بعد آپ نے ایک دعوت کا انتظام کیا اور اپنے تمام قرابت داروں کو جمع کر کے فرمایا کہ "میں وہ چیز لیکر آیا ہوں جو دین و دُنیا دونوں کی کفیل ہے۔ اے لوگو! اس بارِ گراں کو اُٹھانے میں کون میرا ساتھ دیگا"۔ آپ کا یہ ارشاد سُن کر کوئی کچھ نہ بولا۔ سب خاموش رہے، صرف حضرت علیؓ جو بہت کم سن تھے اُٹھے، اور آپ نے جواب دیا کہ "اگرچہ مجھے آشوبِ چشم کی شکایت ہے۔ میری ٹانگیں کمزور ہیں اور میں نوعمر بھی ہوں مگر پھر بھی میں آپ کا ساتھ دوں گا"۔ حضرت علیؓ کا یہ جواب سُن کر سب کے سب مذاق اُڑاتے ہوئے اُٹھ کر چلدئے۔

بھرے جلسوں میں۔ عام تقریبوں میں۔ پرائیویٹ صحبتوں میں غرضکہ جہاں بھی رسول اکرم کو موقعہ ملتا تھا آپ تبلیغ اور اشاعتِ اسلام سے نہیں چوکتے تھے۔ آپ کا مذاق اُڑایا جاتا تھا۔ آپ پر پھبتیاں کسی جاتی تھیں لیکن آپ برابر اپنے کام کو انجام دیئے جاتے تھے۔

رسول اللہ صلعم کے خلاف غم اور غصہ کی آگ

کفارِ مکہ شروع شروع میں تو رسول اللہ صلعم کی تبلیغی سرگرمیوں کو غیر اہم خیال کرتے ہوئے برداشت کرتے رہے لیکن جب اُنھوں نے دیکھا کہ حضورِ انور نے باقاعدہ اُن کے آبائی مذہب یعنی بُت پرستی کے خلاف جہاد شروع کر دیا ہے۔ تو اُن کے دلوں میں غم و غصہ کی آگ بھڑک اُٹھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب نبی محترم نے خاص حرم کعبہ میں یعنی بُت خانہ میں جا کر بُت پرستی کی مخالفت کی اور نعرۂ توحید بلند کیا۔ تو کفارِ مکہ آپے سے باہر ہو کر حضورِ اکرم پر ٹوٹ پڑے۔ چنانچہ حارث بن ابی حالہ اسی ہنگامہ میں آنحضرت کے بچانے کی کوشش میں شہید ہو گئے تھے۔ حارثؓ پہلے شخص تھے جن کا خون راہِ خدا میں اسلام کی خاطر زمین پر گرا۔ مختصر یہ کہ کفارِ مکہ رسولِ مقبول صلعم اور آپ کے ساتھیوں کے جانی دشمن ہو گئے۔

کفارِ مکہ کا اب اس کے سوا اور کوئی کام نہ تھا کہ وہ رسول مقبول صلعم کے خلاف رات دن سازشیں کرتے رہیں اور رسول اللہ صلعم کے ساتھیوں کو توڑ کر آپ کو بالکل بے یار و مددگار بنا دیں۔ رسول مقبول صلعم کے سب سے بڑے سرپرست اُن کے چچا حضرت ابو طالب تھے۔ ابو طالب بھی چونکہ دوسرے کفارِ مکہ کی طرح بظاہر بُت پرست تھے اس لئے اُن لوگوں نے اس بات کی انتہائی کوشش کی کہ مذہب کے نام پر چچا کو بھتیجے کے خلاف مشتعل کر کے رسول اللہ صلعم کو بالکل بے یار و مددگار بنا دیا جائے۔ لیکن اس کوشش میں جب کفارِ مکہ کو ناکامی ہوئی تو وہ حضرت ابو طالب کے بھی دشمن ہو گئے اور اُنھوں نے حضرت ابو طالب کو دھمکی دی کہ "یا تو اپنے بھتیجے کی

حمایت سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ ورنہ پھر مقابلہ کے لئے میدان میں آ جاؤ۔"

حضرت ابو طالب نے جب دیکھا کہ معاملہ حد سے زیادہ نازک صورت اختیار کر چکا ہے تو آپ نے بھتیجے سے کہا کہ "بیٹا اپنے کمزور چچا پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ وہ اُٹھا نہ سکے۔ باپ دادا کے پرانے مذہب کو بُرا کہہ کر اس طرح ساری قوم کو اپنا اور اپنے چچا کا دشمن نہ بناؤ۔" اپنے مہربان اور سرپرست چچا کی زبان سے یہ الفاظ سُن کر آپ آبدیدہ ہو گئے اور آپ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اب آپ کے چچا بھی آپ کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ آپ نے چچا سے کہا کہ "عمِ محترم خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے پر ماہتاب لا کر رکھ دیں اور کہیں کہ تم اسلام کی تبلیغ بند کر دو۔ تب بھی میں اپنے فرض کو اُس وقت تک ترک نہیں کروں گا جبتک کہ یا تو کامیاب نہ ہو جاؤں یا اس راہ میں میرا خاتمہ نہ ہو جائے اگر آپ بھی مجھے چھوڑنا چاہتے ہیں تو چھوڑ دیجیے۔" بھتیجے کے اس عزمِ راسخ کا حضرت ابُوطالب کے دل پر بے حد اثر ہوا اور آپ نے کہا اے میرے بھتیجے جاؤ اور جو بات تم کو محبوب ہے آزادانہ طور پر کرو۔ خدا کی قسم میں دشمنوں کے ہاتھوں میں تمہیں کبھی نہ سونپوں گا۔"

حکومت اور دولت کا لالچ

کفارِ مکہ کے لئے یہ چیز بڑی تعجب انگیز تھی کہ رسول اکرم طرح طرح کی مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کر رہے ہیں لیکن پھر بھی اپنے ارادہ سے باز نہیں آتے جب اُنھوں نے یہ سمجھ لیا کہ دھمکیوں اور سختیوں سے کام نہیں چلے گا تو حضور اکرم کو بڑے سے بڑا دُنیادی لالچ دینے کی کوشش کی گئی۔ کفارِ مکہ کو یقین تھا کہ اُن کا یہ حربہ سو فی صدی کامیاب ثابت ہو گا۔ چنانچہ عتبہ بن ربیعہ نے عمائدین مکہ کی جانب سے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا "اے میرے بھتیجے محمدؐ ہم تمہارے سامنے ایک تجویز پیش کرتے ہیں اُمید ہے کہ وہ تمہارے لئے ضرور قابلِ قبول ثابت ہوگی

ہماری تجویز یہ ہے کہ تم جو کچھ کر رہے ہو اگر اُس سے تمہارا مقصد مال و دولت جمع کرنا ہے تو ہم سب مل کر تمہارے لئے اتنی دولت فراہم کر دیں گے کہ تم نہ صرف مالا مال ہو جاؤ گے بلکہ ہم میں سے کسی کے پاس بھی اتنی دولت نہ نکل سکے گی۔ اگر تمہیں عزت کی ضرورت ہے تو ہم تم کو اپنا سردار مانے لیتے ہیں۔ اگر تمہیں حکومت کی خواہش ہے تو ہم تم کو عرب کا امیر اور بادشاہ بنائے دیتے ہیں۔ اور وعدہ کرتے ہیں کہ کوئی کام کبھی بھی تمہاری مرضی کے خلاف نہیں کریں گے۔ اور اگر تمہیں کسی عورت کی ضرورت ہے تو ہم خوبصورت سے خوبصورت عورت تمہارے لئے فراہم کر دیں گے یا اگر کوئی عورت پسندِ خاطر ہو چکی ہے تو وہ بھی پیش کی جا سکتی ہے۔ ہم سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ تم ہمارے معبودوں اور دیوتاؤں کی مخالفت ترک کر دو۔"

عتبہ بن ربیعہ کو پوری اُمید تھی کہ رسولِ اکرم کفارِ مکہ کی یہ شاندار پیش کش ضرور قبول کر لیں گے لیکن جب اُس نے حضورؐ کا جواب سُنا تو وہ حضورؐ کی بے لوثی کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ حضورؐ نے اس پیشکش کے جواب میں فرمایا کہ "جو کچھ تم نے پیش کیا ہے ان میں سے کسی چیز کی بھی یہاں حاجت نہیں۔ مجھے مال۔ عزت۔ دولت حکومت اور عورت کوئی چیز بھی درکار نہیں"۔ اور یہ فرمانے کے بعد آپؐ نے سورۂ حٰم کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں جن میں خدا کی وحدانیت کا ذکر تھا۔ عتبہ نہایت غور کے ساتھ ان آیتوں کو سنتا رہا۔ رسول اکرم کے اعلیٰ کردار اور ان آیتوں کا اس کے قلب پر بے حد اثر پڑا۔ اُس نے جا کر عمائدین مکہ سے کہا کہ "اے شرفائے عرب محمدؐ نے تمہاری پیش کش کی جانب توجہ تک نہیں کی۔ میری رائے ہے کہ ان کو ان کے حال ہی پر چھوڑ دینا چاہیئے۔" عمائدین مکہ نے عتبہ کو شبہ کی نظر سے دیکھتے ہوئے کہا کہ "معلوم ہوتا ہے کہ تم پر بھی محمدؐ کا جادو چل گیا۔"

کفار کا انتہائی ظلم و ستم

کفارِ مکہ کی یہ آخری تدبیر بھی جب ناکام ہو گئی

توان کا غیض و غضب انتہا کو پہنچ گیا۔ انھوں نے آقائے دو جہاں اور آپ کے مقلدوں پر نئے سرے سے ایسے ایسے ظلم و ستم کرنے شروع کئے جن پر انسانیت رہتی دنیا تک شرماتی رہے گی۔

رسول مقبول صلعم ایک روز صحن کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک کافر نے آپؐ کی گردن میں چادر کا پھندا ڈال کر ایسی بے دردی سے کھینچا کہ آپ کا دم گھٹنے لگا حضورؐ تشریف لئے جا رہے تھے کہ کفار نے آپ پر سنگ باری کر کے بُری طرح زخمی کر دیا۔ خانۂ کعبہ میں آنحضرت سجدہ میں تھے کہ ایک کافر نے آپؐ کی پُشت پر غلاظت کا ڈھیر لا کر ڈال دیا۔ غرضکہ کفارِ مکہ کو جب بھی موقعہ ملتا وہ حضورؐ کو سخت سے سخت اذیت پہنچائے بغیر باز نہیں آتے تھے۔

رسول مقبول صلعم کے علاوہ آپؐ کے مقلدین پر بھی وہ ظلم و ستم کئے گئے جن کے تصور سے بھی کلیجہ کانپ جاتا ہے۔ رسول اکرم کے محبوب صحابی اور موذن حضرت بلال حبشی رضؓ کو ٹھیک دوپہر کے وقت جبکہ عرب کی ریگستانی زمین آگ کی طرح تپتی ہے گرم ریت پر لٹا کر ایک بھاری پتھر اُن کے سینہ پر رکھ دیا جاتا تھا۔ پھر اُن کے گلے میں رسی ڈال کر گرم ریت پر گھسیٹا جاتا تھا۔

جناب بن ارث کو ہاتھ پاؤں باندھ کر گرم ریت پر ڈال دیا جاتا تھا۔ اور گرم لوہے سے ان کی پشت کو داغا جاتا تھا۔ عمار بن یاسر کو اسلام قبول کرنے کے جُرم میں اتنا مارا گیا کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔ حضرت یاسر نے جب اسلام قبول کیا تو ابوجہل نے اُن کو پہلے تو نہایت سنگدلی سے کلہاڑی سے زخمی کیا اور پھر اُن کے زخموں پر نمک چھڑکا۔ حضرت عمار کی والدہ سمیّہ کے برچھیاں مار مار کے کہا گیا کہ اسلام ترک کر دو۔ جب اُنھوں نے اسلام ترک نہ کیا تو ان کا کام تمام کر دیا گیا۔ حضرت مصعب بن عمر جب اسلام لائے تو ان کے رشتہ داروں نے انھیں اس قدر مارا کہ بیہوش ہو گئے

حضرت عثمان بن عفان نے جب اسلام قبول کیا تو ان کے قرابت داروں نے انھیں مار مار کر لہولہان کر دیا۔ حضرت زبیر بن عوام جب مسلمان ہوئے تو اُن کے چچا نے پہلے تو رسّی سے باندھ کر خوب مارا۔ اُس کے بعد چٹائی میں لپیٹ کر دھمکی دی کہ یا تو اسلام ترک کرو۔ ورنہ ابھی جلا ڈالوں گا۔ لیکن آپ کے پائے استقلال کو ذرّہ برابر بھی جنبش نہ ہوئی۔ غرضکہ جتنے بھی مسلمان تھے ان پر سخت سے سخت مظالم کیے گئے یہاں تک کہ مسلمانوں نے جانیں دیدیں لیکن اسلام کو ترک نہ کیا۔

مسلمانوں کی پہلی ہجرت۔ حبش

کفارِ مکہ کے مظالم اور بربریت جب حد سے زیادہ بڑھ گئی اور مسلمانوں کے لئے مکہ میں رہنا ناممکن ہو گیا تو رسول اللہ صلعم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ہجرت کر کے حبش چلے جائیں۔ اُس زمانہ میں حبش کا بادشاہ نجاشی تھا۔ جو ایک نہایت ہی نیک دل اور انصاف پسند مسیحی حکمراں تھا۔ رسول مقبول صلعم کے اس حکم کے بعد اسلام کا ایک چھوٹا سا قافلہ جس میں گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں ۵ نبوی میلادی (سنہ ۶۱۵ء) میں مکہ سے ہجرت کر کے حبش پہنچا۔

کفارِ مکہ کو جب معلوم ہوا کہ کچھ مسلمان ہجرت کر کے حبش چلے گئے ہیں اور وہاں شاہِ نجاشی کی انصاف پسندی کی بدولت یہ لوگ امن اور سکون کی زندگی گذار رہے ہیں تو انھوں نے عمرو بن عاص اور عبد اللہ بن ربیعہ کو بہت سے قیمتی تحائف دیکر شاہِ حبش نجاشی کے پاس روانہ کیا تاکہ یہ دونوں عرب سردار حبش کے اس نیک دل بادشاہ کو مسلمانوں کے خلاف جا کر بھڑکائیں چنانچہ انھوں نے حبش پہنچ کر شاہِ حبش سے گزارش کی کہ "چند عربوں نے ایک ایسا نیا مذہب اختیار کر لیا ہے۔ جو مسیحیت اور عربوں کے پرانے دین کے بالکل خلاف ہے یہ لوگ آپ کے ملک میں بھاگ آئے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ آپ کے ملک کے باشندوں کو بھی مسیحیت کے

خلاف ورغلائیں۔ اس لئے ان کو ہمارے حوالے کر دیا جائے تاکہ ہم ان کو واپس لے جائیں"

عرب نمائندوں نے مسیحیت اور اسلام کا فرقہ وارانہ سوال اٹھا کر مسلمانوں پر بڑا سخت حملہ کیا تھا۔ ان کو توقع تھی کہ جب شاہِ حبش سے یہ کہا جائیگا کہ دینِ اسلام مسیحیت کے خلاف ہے تو وہ فوراً مسلمانوں کو حبش سے نکال دے گا۔ لیکن کفارِ مکہ کی بدقسمتی کہ جب شاہِ حبش نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں طلب کر کے رسول مقبول صلعم کے حالات پوچھے اور اسلامی تعلیمات سے واقفیت حاصل کی تو اسے پتہ چلا کہ اسلام ایک نہایت ہی پاکیزہ مذہب ہے جو حضرت عیسیٰؑ کا زبردست مداح ہے چنانچہ وہ خود اسلام کا گرویدہ بن گیا اور اس نے کفارِ مکہ کے نمائندوں کی غلط بیانی سے ناراض ہو کر انھیں اپنی قلمرو کی حدود سے بڑی ذلت کے ساتھ نکال دیا غرضکہ حبش میں مسلم مہاجرین کی تعداد رفتہ رفتہ سو تک پہنچ گئی۔ شاہِ حبش مسلمانوں سے بڑی مہربانی سے پیش آتا تھا اور ہر طرح ان کو آرام پہنچانے کی کوشش کرتا تھا۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا قبول اسلام

اسلام کی ہمہ گیری رفتہ رفتہ مکہ کے دلوں کو تسخیر کرتی چلی جارہی تھی جس کی وجہ سے کفارِ مکہ بیحد پریشان تھے چنانچہ رسول اللہ صلعم کے چچا حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ نے جب اسلام قبول کیا تو سارے مکہ میں تہلکہ مچ گیا حضرت عمرؓ جیسی مضبوط شخصیت کے اسلام میں داخل ہونے کے بعد مسلمانوں میں نئی زندگی اور روح پیدا ہو گئی۔

حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا واقعہ اپنی جگہ نہایت ہی دلچسپ ہے۔ قبول اسلام سے قبل حضرت عمرؓ اسلام کے بہت بڑے دشمن تھے۔ حضرت عمرؓ کے خاندان کی ایک لونڈی لبینہ جب درپردہ مسلمان ہو گئی اور اس کا علم حضرت عمر کو ہوا تو آپ نے اسے بہت مارا اور انتہائی زور دیا کہ وہ اسلام ترک کر دے لیکن اس نے اسلام ترک

نہ کیا۔ اس پر حضرت عمر رض کو طیش آ گیا۔ اور آپ نے یہ طے کیا کہ رسول مقبول صلعم کو قتل کر دیا جائے تاکہ اسلام کا جھگڑا ایک سرے ہی سے ختم ہو جائے۔

حضرت عمر رض غصہ میں بھرے ہوئے اور ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے رسول مقبول صلعم کے مکان کی طرف جا رہے تھے کہ نعیم بن عبداللہ انھیں راہ میں ملے۔ ان کو جب حضرت عمر رض کے اس ارادہ کا علم ہوا تو انھوں نے کہا کہ "پہلے اپنے گھر کی خبر تو لو خود تمہاری بہن فاطمہ اور تمہارے بہنوئی اسلام قبول کر چکے ہیں"۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر رض پہلے اور سیدھے بہن کے ہاں پہنچے تو وہ قرآن مجید پڑھ رہی تھیں۔ آپ کے جاتے ہی وہ خاموش ہو گئیں۔ اور قرآن مجید کا جو حصہ ان کے پاس تھا اُسے چھپا دیا۔ حضرت عمر رض نے جب یہ کیفیت دیکھی تو وہ اور بھی برافروختہ ہو گئے۔ اور انھوں نے بہن اور بہنوئی دونوں کو خوب مارا اور اسلام کے چھوڑنے پر زور دیا لیکن یہ دونوں جب اسلام سے نہ پھرے تو ان کی ہمت اور استقلال کو دیکھ کر حضرت عمر نرم پڑ گئے اور انھوں نے خواہش کی کہ اُن کو بھی قرآن مجید کی وہ عبارت سُنائی جائے جسے کلام الٰہی بتایا جاتا ہے۔

حضرت عمر رض کی بہن اور بہنوئی پہلے تو متامل ہوئے لیکن جب حضرت عمر نے زیادہ زور دیا تو انھوں نے قرآن مجید کی عبارت پڑھ کر سُنا دی۔ قرآن مجید کی عبارت سُن کر حضرت عمر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور آپ بے اختیار پکار اُٹھے "واقعی اسلام سچا مذہب ہے"۔ اور آپنے اسی وقت کلمہ طیبہ پڑھنے کے بعد اسلام قبول کر لیا پھر آپ آستانہ نبوی پر حاضر ہوئے۔ دروازہ پر دستک دی۔ صحابہ نے پوچھا "کون ہے" جواب ملا "عمر بن خطاب"۔ حضور نے حکم دیا "دروازہ کھول دو"۔

دروازہ کھلا تو دیکھا حضرت عمر شمشیر بکف کھڑے ہیں صحابہ نے چاہا کہ مزاحمت کریں اور ان کو داخل نہ ہونے دیں لیکن حضرت امیر حمزہ رض نے کہا۔ آنے دو۔ اگر

خلوص کے ساتھ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اُسی کی تلوار سے اُس کا سر قلم کر دوں گا" حضرت عمر رضؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ صلعم خود آگے بڑھے اور فرمایا "اے عمر کب تک ستاؤ گے ؟" یہ سُن کر حضرت عمر رونے لگے اور کہا "یا رسول اللہ میں ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں"۔ اور یہ کہہ کر باآواز بلند کلمہ شہادت پڑھا۔ حضرت عمر رضؓ کے اسلام قبول کرنے پر آنچ بے اختیار اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور آپ کے ساتھ ہی صحابہ کرام نے ایسے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا جس سے کہ مکّہ کی تمام پہاڑیاں گونج اُٹھیں۔ حضرت عمر رضؓ کے اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمانوں کی قوت کافی بڑھ گئی۔ اِس سے قبل مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ وہ علانیہ اپنے مذہبی ارکان ادا نہیں کر سکتے تھے۔ اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو اُن کے لئے قطعی ناممکن تھا لیکن حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے کے بعد دفعتہً حالت بدل گئی۔ اب مسلمان کھلم کھلا مذہبی ارکان ادا کرنے لگے اور نماز پڑھنے لگے۔

رسول اللہ صلعم کا سوشل بائیکاٹ

کفارِ مکّہ نے جب دیکھا کہ سخت ترین رکاوٹوں کے باوجود اسلام برابر پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ حضرت حمزہ رضؓ اور حضرت عمر رضؓ جیسے برگزیدہ سردار بھی حلقہ بگوشِ اسلام بن گئے ہیں۔ اور بیرونی ممالک کے بادشاہوں نے بھی مسلمانوں کو پناہ دینی شروع کر دی ہے تو انھوں نے رسول اللہ صلعم کے خاندان کو شدید مشکلات میں مبتلا کرنے کی غرض سے یہ طے کیا کہ :-

"کوئی شخص خاندان بنی ہاشم سے نہ تو قرابت پیدا کرے گا اور نہ اُن کے ساتھ کسی قسم کی خرید و فروخت کریگا اور نہ اُن سے کسی قسم کا میل جول رکھیگا۔ اور نہ اُن کے پاس اُس وقت تک کھانے پینے کا سامان جانے دیگا جبتک کہ وہ محمد صلعم کو قتل کے لئے ہمارے حوالے نہ کر دیں"۔

کفارِ مکہ کے اس عدم تعاون کے فیصلہ کے بعد خاندان بنی ہاشم کے لئے مکہ میں رہنا ناممکن ہوگیا چنانچہ حضرتؐ کے چچا حضرت ابوطالب سارے خاندان کو لیکر "شعب ابوطالب" نامی اس احاطہ میں پناہ گزیں ہوگئے جو مکہ کے قریب ایک پہاڑ میں واقع تھا۔ رسول مقبول صلعم کو تین سال تک اسی غیر آباد علاقہ میں زندگی گذارنی پڑی۔ یہ زمانہ اس خاندان کے لئے سخت ترین زمانہ تھا جبکہ اس خاندان کے افراد کو درختوں کے پتے کھاکر پیٹ بھرنا پڑتا تھا اور چھوٹے چھوٹے بچے بھوک اور پیاس سے تڑپا کرتے تھے۔ تین سال کے بعد خود ہی عرب کے ظالم قبائل کو اس بے بس خاندان پر رحم آیا اور چند انسانیت پسند حضرات کی کوششوں سے یہ ظالمانہ پابندیاں اس معزز خاندان پر سے اُٹھالی گئیں لیکن پھر بھی کفارِ مکہ کی دوسری زیادتیاں بدستور جاری رہیں۔

اسی زمانہ میں ایک تازہ مصیبت یہ پیش آئی کہ رسول اللہ صلعم کے سرپرست اور چچا ابوطالب جن سے کہ کفارِ مکہ دبتے تھے ۵۰ میلادی (سنہ ۶۲۰ء) میں رحلت فرماگئے اور چند ہی روز بعد آپ کی اہلیہ حضرت خدیجہ جن سے کہ رسول اللہ صلعم کو بیحد محبت تھی انتقال فرماگئیں۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر ۶۵ سال تھی۔ آپنے ۲۵ سال رسول اللہ صلعم کی رفاقت میں زندگی گذاری۔

طائف کا سفر اور پریشانی آپ کے چچا حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد مکہ میں آپ کے خلاف اس قدر مخالفت بڑھی کہ آپ کا مکہ میں رہنا ناممکن ہوگیا۔ چنانچہ آپ اہلِ مکہ سے تنگ آکر ۵۲ میلادی (سنہ ۶۲۱ء) میں طائف روانہ ہوگئے۔ رسول مقبول صلعم کا خیال تھا کہ وہاں آپ کو امن مل جائے گا۔ لیکن وہاں مکہ سے بھی زیادہ مخالفت پائی گئی۔ جب آپ طائف میں داخل ہوئے تو وہاں کے باشندے بُری طرح مزاحم ہوئے۔ اور آپ کو پتھر مار مار کر شہر سے باہر نکال دیا۔ آخر مجبوراً آپ دوبارہ

مکہ واپس آگئے۔ مکہ واپس آنے کے بعد کفارِ مکہ نے پہلے سے بھی زیادہ آپ کو ستانا شروع کردیا لیکن آپ مردانہ وار تمام تکلیفیں برداشت کرتے رہے۔

اسی زمانہ میں رسول اللہ صلعم کو آسمانوں کی اور جنّت و دوزخ کی سیر کرائی گئی جسے معراج کہتے ہیں۔ اسی معراج کے موقعہ پر مسلمانوں کے لئے پانچ وقت کی نماز فرض ہوئی۔ ورنہ اس سے قبل مسلمان صرف ایک وقت کی نماز پڑھتے تھے اور اسی زمانہ میں آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ سے نکاح فرمایا۔

رسول اللہ صلعم کی مدینہ کو ہجرت

رسولِ مقبول صلعم کا دستور تھا کہ جب ملکِ عرب کے مختلف قبائل حج کے زمانہ میں دُور دُور سے آکر مکہ میں ٹھہرتے تھے تو آپ اُن کے پاس جاکر اسلام کی تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کی اِس تبلیغ کی وجہ سے مدینہ کے بہت سے بااثر قبائل نے اِسلام قبول کرلیا تھا۔ اور اِسلام رفتہ رفتہ مدینہ سے لیکر قبا تک پھیل گیا تھا۔ اور برابر ترقی کررہا تھا۔

مدینہ والے رسول اللہ صلعم کے سچّے عاشق تھے۔ انھیں جب معلوم ہوا کہ مکہ میں اُن کے رسول کے ساتھ اور عام مسلمانوں کے ساتھ بے حد زیادتیاں کی جارہی ہیں تو مسلمانانِ مدینہ کا ایک وفد مکہ آیا اور رسول اللہ صلعم اور آپ کے ساتھیوں کو مدینہ چلنے کی دعوت دی جس کو رسول اللہ صلعم نے قبول فرمالیا۔ چنانچہ مکہ میں جتنے بھی مسلمان تھے وہ تھوڑے تھوڑے کرکے مدینہ چلے گئے۔ مکہ میں صرف رسول اللہ صلعم حضرت ابوبکرؓ حضرت علیؓ اور چند صحابہ رہ گئے۔

کفارِ مکہ نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان ہجرت کرکے مدینہ کی طرف برابر چلے جارہے ہیں۔ اور مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے تو ان کو اندیشہ

ہو اکہ کہیں مسلمان مدینہ جاکر اتنی طاقت نہ پکڑ لیں کہ کفار مکہ کے لئے ان کا وجود ایک مستقل مصیبت بن جائے چنانچہ اس تازہ صورت حال پر غور کرنے کے لئے کفار مکہ کا ایک خفیہ جلسہ منعقد ہوا جس میں یہ طے پایا کہ رسول اللہ صلعم کو مکہ سے مدینہ جانے کا موقعہ ہرگز نہ دیا جائے بلکہ صبح کو جب وہ مکان سے نکلیں تو انھیں قتل کر دیا جائے اور اس طرح مسلمانوں کے زور کو ہمیشہ کے لئے توڑ دیا جائے

رسول مقبول صلعم کو چونکہ بذریعہ وحی کفار کے ان ناپاک ارادوں کا پہلے ہی علم ہو گیا تھا۔ اس لئے آپ نے حضرت علی ؑ کو بلا کر فرمایا کہ مجھ کو ہجرت کا حکم ہو گیا ہے میں مدینہ روانہ ہو رہا ہوں۔ تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو۔ اور صبح کو وہ سب امانتیں جو میرے پاس رکھی ہوئی ہیں بحفاظت ان کے مالکوں کو پہنچا دینا۔ حضرت علی ؑ کو امانتیں سپرد کرنے کے بعد جب رسول اللہ صلعم روانہ ہوئے تو کفار مکہ آپ کے مکان کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ مگر قدرت خداوندی سے کفار کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا اور حضور انور بلا خوف و خطر مکان سے باہر آ گئے۔ اور حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لیکر غار ثور میں جاکر پناہ گزیں ہو گئے۔ یہ غار مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے کفار صبح تک حضورؐ کے مکان کا محاصرہ کئے رہے۔ صبح کو جب حضور اکرم مکان سے باہر تشریف نہیں لائے اور ان کو پتہ چلا کہ آپ بچ کر نکل گئے ہیں تو انھوں نے ہر طرف سانڈنی سوار اور گھوڑے دوڑا دئے اور اعلان کر دیا کہ جو شخص بھی حضورؐ کا سر مبارک کاٹ کر لائیگا اُسے سو اونٹ انعام دئے جائیں گے

رسول اللہ صلعم اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ تین دن تک غار ثور میں پناہ گزیں رہے۔ اسماء بنت ابوبکر گھر سے کھانا پکا کر غار میں پہنچا آتی تھیں اور عبد اللہ بن ابی بکر رات کے وقت غار میں پہنچ کر شہر کے حالات سے آپ کو مطلع کر دیتے تھے۔ آخر چوتھے روز حضورؐ مع حضرت ابوبکر رضؓ کے غار سے باہر نکلے اور اُن اُونٹنیوں پر سوار ہو کر

مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے جو حضرت ابوبکر رض نے ہجرت کی غرض سے پہلے ہی سے تیار کر رکھی تھیں۔ یہ اونٹنیاں عین وقت پر غار کے قریب پہنچا دی گئی تھیں۔

مدینہ میں شاندار خیر مقدم

رسول مقبول صلعم کی آمد کی اطلاع مدینہ میں چونکہ پہلے ہی سے پہنچ چکی تھی اس لئے عاشقانِ رسول برابر کئی دن سے صبح سے لیکر شام تک حضور ص کی آمد کا انتظار کرتے تھے اور جب دن چھپ جاتا تھا تو مایوس ہو کر واپس چلے جاتے تھے۔ چنانچہ جس روز رسول اکرم مدینہ میں داخل ہونے والے تھے اُس روز بھی عاشقانِ رسول دوپہر تک آپ کا انتظار کر کے واپس جا چکے تھے لیکن ایک یہودی نے جب آپ کو آتے ہوئے دیکھا تو پہچان لیا اور مسلمانوں کو حضور ص کی تشریف آوری سے مطلع کر دیا۔ یہ مسرت بخش اطلاع پاتے ہی مسلمان اپنے پیارے نبی کے استقبال کے لئے دوڑ پڑے اور خوشی سے نعرے بلند کرنے لگے۔ ساری فضا اللہ اکبر کی صداؤں سے گونج گئی اور عاشقانِ رسول پروانوں کی طرح حضور ص کے گرد جمع ہو گئے۔

رسول اللہ صلعم مدینہ سے باہر قبا ہی میں ٹھہر گئے کیونکہ آپ کو حضرت علی ع کی آمد کا بڑی بے چینی کے ساتھ انتظار تھا۔ آپ اُس وقت تک شہر مدینہ کے باہر ہی مقیم رہے جب تک کہ چودہ روز کے بعد حضرت علی ع بخیریت آپ سے نہ آن ملے۔ قبا میں قیام کے دوران میں آپ نے ایک مسجد کی بُنیاد رکھی اور اُس کی تعمیر میں خود مزدوروں کے ساتھ کام کیا۔ حضور ص کا مسجد کی تعمیر میں بذاتِ خود حصّہ لینا تھا کہ مسلمانوں نے پوری تن دہی سے مسجد کے بنانے کا کام شروع کر دیا اور اس طرح چودہ دن کے اندر اندر یہ تاریخی مسجد تعمیر ہو گئی۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی مسجد تھی۔

قبا میں چودہ روز قیام کے بعد رسول اللہ صلعم حضرت علی ع کو ہمراہ لیکر شہر مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔ یہ جمعہ کا دن تھا جب آپ بنی سالم کے محلّہ میں پہنچے تو دوپہر

کی نماز کا وقت آگیا۔ آپ نے جمعہ کی نماز یہیں ادا فرمائی۔ نماز سے پہلے نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جس میں مسلمانوں کو خالص خدا پرستی، پرہیزگاری اور راستبازی کی ہدایت کی گئی تھی۔ یہ آنحضرت کی سب سے پہلی نماز جمعہ اور سب سے پہلا خطبہ نماز تھا۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد ناقہ پر سوار ہو کر جب آپ شہر مدینہ سے گذرے تو انصار ہتھیار باندھے ہوئے دونوں طرف صف بستہ دکھائی دیتے تھے۔ اور پردہ نشین عورتیں اور کمسن لڑکیاں چھتوں پر کھڑی ہوئی حضورؐ کی آمد کی خوشی میں گیت گا رہی تھیں۔ غرضکہ آپ کی آمد کے موقعہ پر سارا مدینہ خوشی اور مسرت سے جھوم رہا تھا۔

مدینہ کا ہر شخص اس چیز کا متمنّی تھا کہ رسول اللہ صلعم کے کی میزبانی کا شرف کسی طرح اُسے حاصل ہو جائے۔ چنانچہ لوگوں نے جب حضورؐ سے اس خواہش کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ میری اُونٹنی حکم الٰہی سے جہاں بیٹھ جائے گی میں وہیں قیام کروں گا۔ چنانچہ اُونٹنی چلتے چلتے جب حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان کے پاس پہنچی تو خود ہی بیٹھ گئی اور اس طرح میزبانی کی یہ سعادت حضرت ابو ایوب انصاری کو حاصل ہوئی۔ آپؐ ان ہی کے ہاں اُس وقت تک قیام کیا جب تک کہ آپ کے لئے مسجد اور رہنے کا مکان نہیں بن گیا۔

ASL-269	Mukammal Tarikh-i-Islam
	Mufti Shawkat Ali Fahimi
	Din-o-Dunya Publishing Co. Delhi 968 Pages
ASL-270	Ood-i-Hindi عود ہندی
	Mirza Asadullah Khan Ghalib
	Munshi Nolkishore Press Lakhnow
	1941 / 1360 H — 268 Pages
ASL-271	Bal-i-Jibril بال جبریل
	Allama Iqbal (120 Pages)
	Sultan Book Depot Chelkama Haiderabad

دوسرا باب

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی سرگرمیاں

۶۲۲ء تا ۶۳۲ء



رسول اللہ صلعم کی جنگی سرگرمیاں

رسول اللہ صلعم کے مدینہ میں داخلہ کے بعد اسلام اور پیغمبر اسلام کی زندگی کا ایک نہایت ہی عظیم الشان اور شاندار دَور شروع ہوتا ہے کیونکہ رسول اکرم کے مدینہ میں قدم رکھنے کے بعد ہی سے اسلام پھولا پھلا اور بڑھا۔ اور اُسے اس قدر وسعت اور ہر دلعزیزی حاصل ہوئی کہ مسلمان مختصر سے عرصہ میں آدھی دُنیا پر چھاگئے۔ رسول اللہ صلعم پیدائش کے ترپنویں سال اور نبوّت کے تیرھویں سال آٹھ ربیع الاوّل مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء کو قبا میں داخل ہوئے تھے یہی وہ مبارک تاریخ ہے جس سے کہ اسلام کا عروج شروع ہوا مسلمانوں کا سال ہجری بھی اسی مبارک سال سے شروع ہوتا ہے جس سال کہ رسول اللہ صلعم نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی۔ سال ہجری درحقیقت مسلمانوں کے عروج اور ترقی کی غیر فانی یادگار ہے۔

مسجد نبوی کی تعمیر

مدینہ میں قیام فرمانے کے بعد رسول مقبول صلعم نے جو سب سے پہلا کام کیا وہ مسجد نبوی کی تعمیر تھی جس جگہ مسجد کی تعمیر شروع کی گئی وہ حضرت ابو ایوب انصاری کے دو رشتہ دار یتیم بچوں کی زمین تھی۔ جس میں کچھ کھجور کے درخت اور مشرکین کی قبریں تھیں۔ رسول مقبول صلعم نے اس زمین کو پسند فرمانے کے بعد ان یتیم بچوں اور اُن کے سرپرستوں کو بُلا کر فرمایا کہ "اگر تم لوگوں کا کوئی ہرج نہ ہو تو یہ زمین مجھے قیمتاً دیدو"۔ وہ بولے۔ "ہمیں بیچنا منظور نہیں ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ بلا قیمت نذر کردیں اس کا اجر خدا کے ہاں ہمیں مل جائیگا۔" مگر حضور صلعم جب کسی طرح بھی بلا قیمت زمین لینے کے لئے تیار نہ ہوئے تو یہ لوگ مجبوراً قیمت لینے پر آمادہ ہو گئے چنانچہ حضرت ابوبکر رضؓ نے

فوراً زمین کی قیمت ادا کر دی۔ زمین کا جب سودا ہو گیا تو کھجور کے درخت کاٹ دیئے گئے۔ مشرکین کی قبریں ہموار کر دی گئیں اور مسجد نبوی کی تعمیر کا کام شروع ہو گیا۔ جس طرح قبا کی مسجد کی تعمیر میں آقائے دوجہاں نے مزدوروں کے ساتھ خود کام کیا تھا اسی طرح آپ مسجد نبوی کی تعمیر میں بھی بہ نفس نفیس مزدوروں کے ساتھ شریک رہے اور آپ ہی کی طرح مہاجرین اور انصار بھی بڑے ذوق و شوق کے ساتھ اس کام میں اس وقت تک لگے رہے جب تک کہ مسجد نبوی اور مسجد کے متصل رسول اللہ صلعم کے لئے ایک مختصر سا مکان تعمیر نہ ہو گیا۔

رسول اللہ صلعم ابھی حضرت ابوایوب انصاری ہی کے مکان میں مقیم تھے کہ آپ نے حضرت زید بن حارث کو مکہ روانہ کیا تاکہ وہ حضورؐ کی صاحبزادیوں اور حرم نبوی کو لے آئیں۔ صاحبزادیوں میں سے حضرت رقیہ حضرت عثمان رضؓ کے ہمراہ حبش میں تھیں۔ حضرت زینب کو اُن کے شوہر نے آنے نہ دیا۔ لہذا زید بن حارث حضرت فاطمۃ الزہرا حضرت اُمِّ کلثوم۔ حضرت سودہ زوجہ رسول اللہ اور حضرت اسامہ بن زید کو لیکر مدینہ آ گئے۔ حضرت عائشہ بھی اپنے بھائی عبداللہ بن ابی بکر کے ساتھ مدینہ آ گئیں۔ ان سب کے آنے کے بعد رسول اللہ صلعم اپنے نو تعمیر مکان میں تشریف لے گئے۔

انصار اور مہاجرین میں رشتۂ اخوّت

رسولِ مقبول صلعم نے ہجرت کے پہلے ہی سال انصار اور مہاجرین کے درمیان اخوّت کا ایک ایسا رشتہ قائم کرا دیا جس کے بعد انصار مہاجرین کے لئے اور مہاجرین انصار کے لئے حقیقی بھائی بن گئے۔ اور اس رشتۂ اخوّت کی بنا پر مہاجرین اور انصار ایسے متحد ہو گئے کہ پھر اس کے بعد دُنیا کی کوئی طاقت بھی ان کو ایک دوسرے سے جُدا نہ کر سکی۔

یہ رشتۂ اخوت جو تاریخ میں "عہدِ مواخات" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مہاجرین مکہ جو اسلام کی خاطر اپنا گھر بار، مال، وزر اور دولت وثروت چھوڑ کر مدینے آ گئے تھے۔ وہ اگرچہ انصار کے گھروں میں بطور مہمان مقیم تھے لیکن وہ نہ اُن کے عزیز تھے نہ رشتہ دار تھے اس لئے رسول اللہ صلعم چاہتے تھے کہ ان میں آپس میں کوئی ایسا رشتۂ اخوت قائم کر دیں جو خون کے رشتہ کی طرح مستحکم ہو چنانچہ مسجد نبویؐ کی تعمیر کے بعد حضورِ اکرم نے مہاجرین اور انصار کو جمع فرما کر ارشاد فرمایا۔

"اے انصار یہ مہاجر جو مکہ سے ہجرت کر کے آئے ہیں تمہارے بھائی ہیں۔ یہ بے سر و سامان اور پریشان ہیں یہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ دست و بازو سے کام لئے بغیر وقت گزاریں اور کوئی کام نہ کریں۔ لیکن ان کے پاس نہ سرمایہ ہے اور نہ اثاثہ ہے۔ ضرورت ہے کہ تم ان کی عملی امداد کرو۔"

اس تقریر کے بعد رسولِ مقبول صلعم نے مہاجرین اور انصار میں سے دو دو شخصوں کو بلا کر فرمایا کہ تم دونوں آپس میں بھائی بھائی ہو۔ اس عہدِ مواخات کے بعد ہر انصاری بھائی نے اپنے مہاجر بھائی کو ساتھ لیجا کر اپنا نصف مال اُسے دیدیا۔ یہاں تک کہ جس انصاری کے پاس دو بیویاں تھیں اُس نے ایک بیوی کو طلاق دیدی اور اپنے مہاجر بھائی سے کہا کہ تم اس سے نکاح کر لو۔ رسول مقبول صلعم کا قائم کردہ بھائی چارہ کا یہ رشتہ آگے چل کر بالکل حقیقی بھائی کا رشتہ بن گیا۔ چنانچہ کوئی انصاری اگر مر جاتا تھا اور اس کے کوئی اولاد نہیں ہوتی تھی تو اس کی تمام جائداد اور مال مہاجر بھائی کو ملتا تھا۔ اور متوفی کے غیر مسلم بھائی اور قریبی رشتہ دار حق وراثت سے محروم ہو جاتے تھے۔

دینی اور اخلاقی نقطۂ نظر کے علاوہ رسول مقبول کا یہ اقدام سیاسی اعتبار سے بھی بہت اہم تھا۔ آپ نے اس رشتۂ اخوت کے ذریعہ مہاجر و انصار کے فرق کو ہٹا کر مسلمانانِ مدینہ کی اجتماعی طاقت کو نہایت ہی مستحکم کر دیا تھا جس سے کہ آگے چل کر بے اندازہ فوائد پہنچے۔

غیر مسلموں کے ساتھ رسول اللہ صلعم کا اتحاد

انصار اور مہاجرین میں رشتۂ اخوت قائم کرنے کے بعد رسولِ مقبول صلعم تمام باشندگان مدینہ کو بلا امتیازِ مذہب و ملت متحد کرنے کی جانب متوجہ ہوئے تاکہ مدینہ کے ہزاروں باشندے متحد ہونے کے بعد ایک ایسی مستحکم طاقت بن جائیں جس کے ذریعہ آسانی کے ساتھ بیرونی مخالفین اور دشمنوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔

اِس اہم مقصد کے پیشِ نظر آنحضرت صلعم نے تمام باشندگانِ مدینہ کے درمیان جن میں مسلمان اور یہود و مشرکین وغیرہ سب ہی شامل تھے ایک باہمی معاہدہ کرا دیا جس کا منشا اور مقصد یہ تھا کہ باشندگانِ مدینہ بلا امتیاز مذہب و ملت ایک دوسرے کے ساتھ ملکر امن اور سکون کی زندگی گذاریں گے اور اگر کوئی بیرونی حملہ آور مدینہ پر حملہ کرے گا تو سب مل کر دشمن کا جان و مال سے مقابلہ کریں گے۔ اِس عہد نامہ پر مدینہ کے تقریباً تمام قبائل کے سرداروں نے دستخط کر دئے۔ عہد نامہ کی چند دفعات یہ تھیں:-

(۱) مدینہ پر جب کوئی بیرونی دشمن حملہ کریگا تو تمام مدینے والے ملکر اس کی مدافعت اور مقابلہ کریں گے۔

(۲) جنگ کے مصارف اور فوائد میں تمام باشندگانِ مدینہ بحق مساوی شریک سمجھے جائیں گے۔

(۳) مدینہ کے یہودی قریش مکہ یا ان کے تابعین کو مسلمانوں کے خلاف پناہ نہیں دیں گے۔

(۴) باشندگانِ مدینہ میں سے کوئی شخص کسی دوسرے کے دین و مذہب اور جان و مال سے تعرض نہیں کرے گا۔

(۵) باشندگان مدینہ کے دو فریقوں میں اگر کسی بات پر کوئی جھگڑا ہوگا اور وہ خود آپس میں اس جھگڑے کو طے کرنے میں ناکام رہیں گے تو اُن کا فیصلہ رسول اللہ صلعم خود فرمائیں گے جو ناطق اور دونوں فریقوں کے لئے قابلِ تسلیم ہو گا۔

(۶) جن قبیلوں یا قوموں سے مدینہ کے یہودیوں کا معاہدہ ہے اور وہ مدینہ کے یہودیوں کے دوست ہیں مسلمانان مدینہ بھی ان کو اپنا دوست سمجھیں گے اور دوستوں کی طرح ان کے ساتھ رعایت اور سلوک کریں گے۔

(۷) اسی طرح جو قبیلے مسلمانوں کے دوست ہیں مدینہ کے یہودی بھی ان کے ساتھ دوستانہ سلوک کریں گے۔

(۸) مدینہ کے اندر کشت و خون کرنا حرام سمجھا جائیگا۔ مظلوموں کی امداد بِلا امتیاز مذہب و ملت سب پر فرض ہوگی۔

غیر مسلموں کے ساتھ رسول اللہ صلعم کا یہ عہدنامہ ایک ایسا اہم قدم تھا، جس نے کہ نہ صرف تمام باشندگانِ مدینہ کو متحد کر دیا۔ بلکہ اس عہدنامہ کی رُو سے غیر مسلموں نے بھی رسول اللہ صلعم کی سیادت اور سرداری کو تسلیم کر لیا۔

گردوپیش کے قبیلوں کو بھی ملا لیا

جب مدینہ کے باشندوں میں مُندرجہ بالا عہدنامہ کے ذریعہ کامل اتحاد ہو گیا تو رسول اللہ صلعم مدینہ کے گردوپیش کے علاقوں کے قبائل کو متحد کرنے کی جانب متوجہ ہوئے۔ اس مقصد کے لئے آپ خود ایک ایک گاؤں

اور قصبہ میں تشریف لے گئے۔ اور آپ نے مختصر سی مدت میں مدینہ کے گرد و نواح کے تمام علاقوں کے مقتدر قبائل سے بھی ایک عہد نامہ پر دستخط لے لئے۔ جس کی رُو سے باشندگانِ مدینہ اور مضافاتِ مدینہ کے جملہ قبائل کے مابین یہ طے ہوگیا کہ

(۱) سب مل کر بیرونی دشمنوں کا مقابلہ کریں گے۔ اور آپس کی خونریزی سے باز رہیں گے۔

(۲) جنگ کے نفع اور نقصان میں باشندگانِ مدینہ کے ساتھ برابر کے شریک سمجھے جائیں گے۔

(۳) ایک دوسرے کے دشمن قبائل یا افراد کو نہ پناہ دیں گے اور نہ ان کی کسی قسم کی امداد کریں گے۔

(۴) غریبوں، مظلوموں اور مجبوروں کی امداد سب پر یکساں فرض ہوگی۔

گویا اس دوسرے عہد نامہ کے ذریعہ رسولِ مقبول صلعم نے مدینہ کے علاوہ بیرونی علاقہ کے باشندوں کو بھی اتحاد کی مضبوط زنجیر میں جکڑ لیا اور اس طرح حضورؐ کے تدبر سے نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ اس علاقہ کے تمام باشندوں کی طاقت بہت زیادہ بڑھ گئی۔

عبداللہ بن ابی کی شرارت

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلعم کی ہر دلعزیزی اور اسلام کی روز افزوں ترقی کا حال جب کفارِ مکہ کو معلوم ہوا تو وہ دن رات مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی تدابیر سوچنے لگے۔ چنانچہ انھوں نے مدینہ کے ایک مشرک سردار عبداللہ بن ابی کو مسلمانوں کے خلاف اُبھارنا شروع کیا۔ رسولِ مقبول صلعم کی آمد سے قبل عبداللہ بن ابی کا مدینہ میں اتنا اثر و رسوخ تھا کہ مدینہ کے اکثر قبائل اسے بادشاہ تک بنانے کے لئے بالکل آمادہ تھے۔ یہاں تک کہ اُس کے لئے ایک تاج بھی انھوں نے تیار کرالیا

تھا لیکن رسول اللہ صلعم کے مدینہ آنے کے بعد کیونکہ اسکی لیڈری اور بادشاہی اچانک ختم ہوگئی تھی۔ اس لئے وہ رسولِ اکرم اور مسلمانوں کا شدید مخالف بن گیا چنانچہ عبداللہ بن ابی نے کچھ تو کفارِ مکہ کے اُکسانے پر اور کچھ ذاتی عناد کی بنا پر مدینہ کے مشرکوں کو جمع کرکے ان کو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آمادہ کر لیا۔ رسولِ مقبول صلعم کو جب اس سازش کا علم ہوا تو آپ فوراً مشرکین کے مجمع میں جا پہنچے اور اپنی جادو اثر تقریر کے ذریعہ نہ صرف مدینہ کو خونریزی سے بچا لیا بلکہ اس ساری سازش کو پاش پاش کرکے رکھ دیا۔ غرضکہ رسولِ اکرم مختصر سی مدت میں مدینہ کے جملہ قبائل پر اس طرح حاوی ہوگئے تھے کہ کوئی قبیلہ بھی خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو حضور کے حکم سے سرتابی کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔

اذان اور نماز باجماعت کی ابتدا

ایک طرف تو رسول اللہ صلعم کی سیاسی سرگرمیاں جاری تھیں، دوسری جانب آپ مسلمانوں کو عبادتِ الٰہی کی جانب بھی برابر توجہ دلاتے رہتے تھے۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ جب رسول اللہ صلعم پر پہلی وحی نازل ہوئی تھی اسی وقت سے مسلمانوں پر دو رکعت نماز فرض ہوگئی تھی۔ اور اس کے بعد جب معراج ہوئی تو پانچ وقت کی نمازیں فرض ہوگئیں لیکن یہ یاد رہے کہ ہجرت کے پہلے سال تک نمازِ باجماعت کا کوئی انتظام نہ تھا لوگ آگے پیچھے مسجد میں آتے تھے اور علحدہ علحدہ نماز پڑھ لیتے تھے لیکن آنحضرت صلعم کو یہ انتشار پسند نہ تھا۔ کیونکہ اس انتشار کی وجہ سے نماز کا جو اہم مقصد تھا یعنی وحدت و اجتماع وہ پورا نہیں ہو رہا تھا لہذا حضور نے ارادہ فرمایا کہ کچھ لوگ مقرر کر دئے جائیں جو نماز باجماعت کے لئے وقت پر لوگوں کو گھروں سے بلا لایا کریں بعض نے یہ مشورہ دیا کہ مسلمانوں کو مجتمع کرنے کے لئے ناقوس بجایا جائے لیکن کوئی قطعی فیصلہ نہ ہوسکا۔
اسی رات کو حضرت عمر رض اور حضرت عبداللہ بن زید انصاری رض نے خواب میں

دیکھا کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ آؤ میں تمہیں اذان کے کلمات سکھادوں۔ تاکہ تم نماز کے لئے مسلمانوں کو جمع کرسکو۔ پھر انھوں نے اذان کے کلمات ان کو سکھائے صبح کو بیدار ہوتے کے ساتھ ہی پہلے حضرت عمرؓ اور اس کے بعد حضرت عبد اللہ بن زید حضور اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خواب کا حال بیان کیا تو حضورؐ بے حد خوش ہوئے اور آپ نے فرمایا سبحان اللہ دعوت نماز کے لئے ایسے ہی کلمات کی ضرورت تھی پھر حضرت بلال رضؓ کو حکم دیا کہ تم خوش آواز ہو اُٹھو اور اذان دو چنانچہ اس کے بعد سے اذان اور نمازِ باجماعت کا تھا۔ وہ اسلام میں جاری ہوگیا۔

ہجرت کے پہلے سال کے متفرق واقعات

ہجرت کے پہلے سال کے تقریباً تمام اہم واقعات پر ہم روشنی ڈال چکے ہیں۔ اور یہ بتا چکے ہیں کہ رسولِ مقبول صلعم نے مدینہ تشریف لاکر کس طرح مخالفینِ اسلام کے مقابلہ کے لیے ایک مضبوط محاذ قائم کرلیا تھا رسولِ مقبول صلعم کی سیاسی سرگرمیوں کے علاوہ مدینہ آکر تبلیغی سرگرمیاں بھی بے حد بڑھ گئی تھیں۔ چنانچہ اسی سال یہودیوں کے رہنما اور زبردست عالم عبد اللہ بن سلام نے اسلام قبول کیا حضرت سلمان فارسیؓ جو آتش پرست تھے اسی سال مسلمان ہوئے۔ ان کے علاوہ مدینہ کے بہت سے معتدد حضرات حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے یعنی مدینہ آنے کے پہلے ہی سال میں مسلمانوں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا۔

مدینہ پر حملہ کی تیاریاں

کفارِ قریش نے یوں تو رسول اللہ صلعم کی ہجرت کے فوراً بعد ہی سے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کردی تھیں لیکن جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ رسولِ مقبول صلعم کو دن بدن مدینہ میں غیر معمولی کامیابی اور محبوبیت حاصل ہوتی جارہی ہے۔ نیز آپ نے مدینے اور مضافاتِ مدینہ کے جملہ قبائل کو متحد کرکے ایک نہایت ہی مضبوط محاذ قائم کرلیا ہے تو کفارِ مکہ کو بے حد فکر ہوئی اور

انھوں نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں اور بھی زیادہ تیز کردیں چنانچہ مکہ کا ایک سردار کرز بن جابر مدینہ سے متصل ایک چراگاہ پر چھاپہ مار کر مسلمانوں کے بہت سے اُونٹ پکڑ کرلے گیا۔ مدینہ پر مکہ کے سردار کے اس حملہ کا منشا اور مقصد یہ تھا کہ مدینہ والوں کو یہ جتادیا جائے کہ کفار میں اتنی طاقت موجود ہے کہ وہ تین سو میل کا سفر طے کرکے بھی مسلمانانِ مدینہ پر بڑی آسانی کے ساتھ چھاپہ مار سکتے ہیں۔

رسولِ مقبول صلعم بھی کفارِ مکہ کی جانب سے بے فکر نہیں تھے۔ آپ کو ۲ھ میں یہ اطلاع ملی کہ مکہ والوں نے ملکِ شام میں ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ محض اس غرض سے لئے روانہ کیا ہے تاکہ اس تجارتی قافلہ کے ذریعہ جتنا بھی نفع ہو وہ سارا کا سارا اُس جنگ کیلئے وقف کردیا جائے جو وہ مسلمانوں کے خلاف لڑنا چاہتے ہیں۔ اس اطلاع کے ملتے ہی رسولِ اکرم نے دس بارہ آدمیوں کو تفتیشِ حال کے لئے شام کی سرحد پر روانہ کردیا۔ اتفاق سے مکہ کے قافلہ کے کچھ لوگ جو شام سے مالِ تجارت لارہے تھے ان کا مسلمانوں سے تصادم ہوگیا۔ اور اس تصادم میں مکہ کا ایک آدمی عمرو بن حضر نامی مارا گیا جس کی وجہ سے کفارِ مکہ اور بھی مشتعل ہوگئے اور انھوں نے عمرو بن حضر کے خون کا انتقام لینے کا فیصلہ کرلیا۔ اصل بات یہ ہے کہ کفارِ مکہ مدت سے اس فکر میں تھے کہ ان کو مدینہ پر حملہ کرنے کا کوئی بہانہ مل جائے۔ چنانچہ عمرو بن حضر کے مارے جانے کے بعد ان کے لئے مسلمانانِ مدینہ پر حملہ کرنے کا جواز ہاتھ آگیا تھا۔

رسول اللہ صلعم کی سرگردگی میں یہ پہلی لڑائی

جنگِ بدر مسلمانوں کی سب سے پہلی لڑائی ہے جو بدر کے میدان میں رسول اللہ صلعم کی سرگردگی میں اسلام کی حفاظت کیلئے لڑی گئی یعنی مسلمانوں کو تاریخ میں جو سب سے پہلے لڑائی لڑنی پڑی وہ یہی لڑائی ہے۔ اس جنگ میں

سپہ سالاری کے فرائض خود رسولِ مقبول صلعم نے انجام دئے تھے۔ اس جنگ کی کئی خصوصیات ہیں۔ پہلی خصوصیت تو یہ ہے کہ یہ جنگ زبردستی مسلمانوں کے سر تھوپی گئی تھی حالانکہ مسلمان لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ مسلمانوں نے یہ جنگ جارحانہ مقصد کے لئے نہیں بلکہ مدافعت کے لئے لڑی تھی۔ اور تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس جنگ میں اگرچہ مسلمانوں کی تعداد مخالفین کے مقابلہ میں ایک تہائی تھی۔ اور مسلمانوں کو انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں یہ جنگ لڑنی پڑی تھی لیکن خدا کی قدرت سے مسلمانوں کو اس پہلی ہی جنگ میں ایسی عظیم الشان فتح حاصل ہوئی کہ دنیا حیران رہ گئی۔

اس جنگ کی تفصیل یہ ہے کہ کفارِ مکہ جو مسلمانانِ مدینہ سے جنگ کرنے کا بہانہ تلاش کر رہے تھے جب ان کو عمرو بن حضر کے مارے جانے کے بعد مسلمانوں پر حملہ کرنے کا موقع ہاتھ آگیا تو وہ فوراً ہی ایک بہت بڑا لشکر لیکر مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے ان کا لشکر ایک ہزار منتخب آدمیوں پر مشتمل تھا جس میں سو سواروں کا ایک رسالہ بھی تھا۔ اس کے علاوہ رؤسائے قریش کی ایک بہت بڑی تعداد بھی اس لشکر میں شریک تھی۔ غرضکہ دشمنانِ اسلام کا یہ لشکر مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے بڑے اہتمام کے ساتھ عتبہ بن ربیعہ کی سرکردگی میں روانہ ہو کر بدر میں خیمہ زن ہو گیا۔ بدر ایک گاؤں ہے جو مدینۂ منورہ سے اسّی میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

رسولِ مقبول صلعم کو جب پتہ چلا کہ کفارِ مکہ بدر میں آن پہنچے ہیں تو آپ نے تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کرنے کے بعد ایک مجلسِ مشاورت منعقد کی اور فرمایا کہ "مکہ والوں نے تم سے لڑنے کے لئے اپنے منتخب آدمی بھیجے ہیں۔ اُن سے مقابلہ کرنے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے"۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور دیگر مہاجرین نے بڑی جرأت کے ساتھ مقابلہ کے لئے آمادگی کا اظہار کیا۔ مہاجرین کا

جواب سُننے کے بعد رسولِ مقبول صلعم انصار کی جانب متوجہ ہوئے۔ اور آپنے فرمایا کہ "تم لوگوں کا کیا مشورہ ہے"۔ انصار نے مہاجرین سے بھی زیادہ جرأت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا کا رسول تو کفار کے مقابلہ کے لئے جائے اور ہم گھروں میں بیٹھے رہیں۔ آپ اگر ہم کو حکم دیں گے تو ہم سمندر میں کود پڑیں گے"۔ مہاجرین اور انصار کی یہ ہمت وجرأت دیکھ کر رسولِ اکرم نے بھی جنگ کی تیاری کا حکم دیدیا۔

جنگ بدر اور مسلمانوں کی مختصر سی فوج

۱۲ رمضان سنہ ۲ھ کو رسول اکرم اپنے مختصر سے لشکر کو لیکر شہر سے باہر نکلے۔ تھوڑی دُور چل کر جب آپنے اپنی چھوٹی سی فوج کا جائزہ لیا تو اس میں کچھ کم عمر لڑکے بھی شامل تھے جو واپس کردئیے گئے۔ عمیر بن ابی وقاص بھی کمسن تھے۔ جب اُن سے واپس جانے کے لئے کہا گیا تو رو پڑے اور پنجوں کے بل کھڑے ہوگئے تاکہ بلند قامت معلوم ہوں۔ حضور اس کمسن سپاہی کی جُرأت کو دیکھکر مُسکرائے اور آپ نے اسے جنگ میں حصّہ لینے کی اجازت دیدی۔ اس کمسن سپاہی سمیت فوج کی کل تعداد ۳۱۳ تھی جس میں ساٹھ مہاجر اور دوسو ترپن انصار تھے

اسلامی لشکر کی بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ اس پورے لشکر میں صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔ ایک ایک اُونٹ پر تین تین اور چار چار آدمی سوار تھے خود رسول اللہ صلعم جس اُونٹ پر تشریف فرما تھے۔ اس پر بھی حضور کے علاوہ دو تین شخص اور بھی سوار تھے بعض مجاہدین پیدل ہی تھے۔ معمولی ہتھیار بھی سب کے پاس پُورے نہ تھے۔ کسی کے پاس تلوار تھی تو نیزہ اور کمان نہ تھی۔ اور کسی کے پاس نیزہ تھا تو تلوار نہ تھی۔ اس کے علاوہ مسلمان عام طور پر فاقہ زدہ، ناتوان، بیمار اور ضعیف تھے۔ اس کے برخلاف کفار سب کے سب زرہ پوش، تمام ہتھیاروں سے مسلح اور جوان و توانا تھے۔

یہ بے سروسامان مجاہدین اسلام اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتے ہوئے جب میدان بدر میں پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ کفار نے میدان کے بالائی اور بہترین حصوں پر قابض ہو چکے ہیں بیچارے مسلمانوں کو جو جگہ ملی وہاں نہ کوئی چشمہ تھا اور نہ کنواں تھا۔ زمین اس قدر ریتلی تھی کہ اُونٹوں کے پاؤں دھنسے جا رہے تھے صحابیوں نے رائے دی کہ آگے بڑھ کر چشموں پر قبضہ کر لیا جائے۔ اور آس پاس کے کنویں بیکار کر دیئے جائیں۔ رسول اللہ صلعم نے یہ رائے پسند فرمائی اور اسی پر عمل کیا گیا۔

جب رات ہو گئی تو تمام صحابہ سو گئے لیکن آقائے دوجہاں صبح تک بیدار اور مصروف دعا رہے۔ صبح کو سب نے نماز ادا کی اور نماز کے بعد رسول اللہ صلعم نے جہاد پر وعظ فرمایا اور پھر صف بندی شروع کی۔ آپ کے دست مبارک میں ایک تیر تھا جس کے اشارے سے آپ صفیں قائم فرماتے رہے۔ جب حضور صف آرائی سے فارغ ہو گئے تو آپ نے بارگاہِ الٰہی میں رو رو کر دعا کی کہ "الٰہی اگر تو نے اس چھوٹی سی جماعت کو ہلاک کر دیا تو زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی باقی نہ رہیگا۔" پھر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی جس کے بعد آپ پر غنودگی سی طاری ہو گئی۔ اور اسی غنودگی کے عالم میں آپ کو بتا دیا گیا کہ مسلمان فتحیاب ہوں گے۔ اس خوشخبری کے بعد آپ مسکراتے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا کہ کفار کو شکست ہو گی۔ اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ مختصر یہ کہ ۱۷ رمضان المبارک سنہ ۲ھ کو میدان کارزار گرم ہو گیا۔

بدر کے میدان میں مسلمانوں کی جانبازی

لڑائی اس طرح شروع ہوئی کہ سب سے پہلے عمرو بن حضرمی کا بھائی عامر بن حضرمی جو اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینا چاہتا تھا آگے بڑھا اور اس نے للکار کر اپنا مدمقابل طلب کیا۔ پھر عتبہ، شیبہ۔ اور ولید جو مشہور جنگجو تھے میدان میں آ گئے جنکے مقابلہ کے لئے حضرت علی، حضرت حمزہ رضا اور عبیدہ بن الحارث آگے بڑھے۔ اس انفرادی

مقابلہ میں عتبہ اور ولید تو حضرت حمزہ رض اور حضرت علی ع کے ہاتھ سے مارے گئے لیکن شیبہ نے عبیدہ کے ایسا کاری زخم لگایا کہ عبیدہ رض گر پڑے فوراً حضرت علی ع آگے بڑھے اور آپ نے شیبہ کا بجلی کی سُرعت کے ساتھ کام تمام کر دیا اور عبیدہ بن الحرث کو جو بہت بُری طرح زخمی ہوئے تھے۔ کندھے پر اُٹھا کر رسول اللہ صلعم کی خدمت میں لے آئے۔ عبیدہ رض نے حضور ص سے پُوچھا "کیا میں دولتِ شہادت سے محروم رہا؟" حضور ص نے فرمایا "تم نے شہادت پائی"۔ یہ سُنتے ہی عبیدہ رض نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اور داعی اجل کو لبیک کہا۔

انفرادی جنگ کے بعد اجتماعی جنگ چھڑ گئی۔ دونوں طرف سے صفیں ٹوٹ پڑیں۔ اور بُری طرح خونریزی ہونے لگی۔ دو انصاری نوجوان معوذ رض اور عفرا رض ابوجہل کی تاک میں تھے۔ انھوں نے نظر پڑتے ہی ابوجہل کا کام تمام کر دیا۔ ابوجہل کا لڑکا معوذ پر جھپٹ پڑا اور تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ ان کا ہاتھ شانہ سے کٹ کر الگ ہو گیا صرف تسمہ لگا رہ گیا۔ مگر معوذ پھر بھی لڑتے رہے لیکن کٹا ہوا ہاتھ چونکہ تلوار چلانے میں مزاحم ہو رہا تھا۔ اس لئے تسمہ کو کاٹ کر کٹا ہوا ہاتھ الگ کر دیا۔ ابوجہل اور عتبہ کے قتل ہوتے ہی کفار مکہ کے لشکر میں بد دلی پھیل گئی اور ان کو شکست ہو گئی۔ اس جنگ میں کفارِ مکہ کے تقریباً تمام بڑے بڑے سردار مارے گئے جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ سالار لشکر عتبہ بن ربیعہ شیبہ۔ ابوجہل زمعہ بن اسود۔ عاص بن ہشام اور اُمیہ بن خلف مع ان سرداروں کے کفار کے ستر آدمی کام آئے اور اسی قدر گرفتار ہوئے مسلمانوں میں سے صرف چودہ شخصوں نے شہادت پائی جن میں چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے۔ غرضکہ اسلام کی یہ سب سے پہلی جنگ مسلمانوں کی شاندار فتح پر ختم ہوئی اور کفار کو کثرتِ تعداد کے باوجود بُری طرح شکست کا منھ دیکھنا پڑا۔

اس لڑائی کے دوران میں رسولِ مقبول صلعم کی حالت یہ تھی کہ کبھی تو آپ بارگاہِ الٰہی میں سر بسجود دکھائی دیتے تھے اور فتح کے لئے والہانہ انداز میں دُعائیں فرماتے تھے۔ اور

کبھی لشکرِ اسلام میں آکر ان کی ہمتیں بڑھاتے تھے۔ رسول مقبول صلعم اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کے لئے کس قدر مضطرب اور بے چین تھے۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب آپ کفار کے خلاف جہاد کرنے کے لئے مدینہ سے روانہ ہوتے تھے تو اس وقت آپ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ زوجہ حضرت عثمان غنیؓ لبِ دم تھیں۔ لیکن آپ اپنے لختِ جگر کی پرواہ کئے بغیر راہِ خدا میں جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ چنانچہ بدر کی فتح کے دوسرے روز ۱۸ رمضان المبارک کو جبکہ رسول اللہ صلعم میدانِ جنگ ہی میں تھے حضرت رقیہؓ اس جہانِ فانی سے رحلت فرما گئیں۔

اسیرانِ جنگ کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک

جنگ سے فارغ ہونے کے بعد رسولِ مقبول صلعم نے تمام مالِ غنیمت بحصہ مساوی مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ اسیرانِ جنگ میں سے عقبہ بن ابی اور نضر بن حارث جو رسول اللہ اور اسلام کے بہت بڑے دشمن تھے۔ ان کو تو قتل کر دیا گیا باقی اسیرانِ جنگ کو مدینہ لایا گیا جن میں حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ کے بھائی عقیلؓ اور رسول اللہ صلعم کے داماد ابو العاص بھی تھے۔ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ تمام اسیرانِ جنگ کو قتل کر دیا جائے مگر حضور نے ایسا نہیں کیا بلکہ ان کو صحابہ میں تقسیم کر دیا اور حکم دیا کہ "ان کے ساتھ مہربانی اور محبت سے پیش آنا یہاں تک کہ خود بھوکے رہنا مگر ان کو پیٹ بھر کر کھلانا۔"

اسیرانِ جنگ میں سے ایک شخص سہیل بن عمرو تھا جو عام مجمعوں میں ہمیشہ رسول اللہ صلعم کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ "یا رسول اللہ اس کے نیچے کے دانت اکھڑوا دیجئے تاکہ یہ آپ کے خلاف پھر اچھی تقریر نہ کر سکے"۔ حضورؐ نے فرمایا کہ "اگرچہ میں نبی ہوں لیکن پھر بھی اگر کسی کا کوئی عضو بیکار کر دوں گا تو اس کے لئے روزِ قیامت جوابدہ ہوں گا"۔ قیدیوں کے پاس کپڑے نہ تھے۔ ان سب کو آنحضرت

نے کپڑے دلوائے۔ رسول مقبول صلعم نے چونکہ صحابہؓ کو یہ ہدایت کردی تھی کہ وہ اسیران جنگ کے ساتھ محبت اور مروّت کا سلوک کریں۔ اس لئے صحابہؓ ان کی خوب خاطر و مدارات کرتے تھے۔

قیدیوں میں ایک شخص عزیز بن عمر بھی تھا جو لشکر کفار کا علمبردار تھا۔ عزیز کا بیان ہے کہ "مجھے گرفتار کرکے مدینہ کی طرف لاتے ہوئے انصاری راستہ میں جب کھانا کھانے بیٹھتے تھے تو مجھے ساتھ بٹھا لیتے تھے۔ یہ روٹی تو مجھے دیدیتے تھے اور خود کھجوریں کھا کر گذارہ کر لیتے تھے۔ میں شرما کر روٹی ان میں سے کسی کو دیتا تو وہ پھر مجھ ہی کو واپس کر دیتا تھا۔" غرضکہ رسول مقبول صلعم کی ہدایت کے مطابق صحابہ نے اسیرانِ جنگ کے ساتھ ایسا عمدہ سلوک کیا کہ اس کی مثال اس سے قبل کی تاریخ میں مفقود ہے۔ اسیرانِ جنگ کے عزیزوں نے جب فدیہ دیکر قیدیوں کو واپس لینا چاہا تو مسلمانوں نے خوشی کے ساتھ ان کو واپس کر دیا۔ کیا دنیا کی تاریخ میں سے ایک بھی ایسا واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے کہ کسی قوم نے اپنے دشمنوں کے ساتھ ایسا شریفانہ سلوک کیا ہو۔

بعض اسیرانِ جنگ ایسے بھی تھے جن کا کوئی عزیز یا رشتہ دار فدیہ دینے کے لئے تیار نہ ہوا۔ ان کو رسول اللہ صلعم کے حکم سے فدیہ لئے بغیر ہی آزاد کر دیا گیا۔ جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتے تھے مگر زرِ فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے۔ اُن سے کہا گیا کہ مدینہ کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دو اور آزاد ہو جاؤ۔ غرضکہ مسلمانوں نے اسیرانِ جنگ کے لئے ایسی سہولتیں پیدا کر دی تھیں جن کی کفارِ مکہ کو ہرگز توقع نہ تھی۔ اسیرانِ جنگ کے ساتھ اس شریفانہ سلوک کا یہ نتیجہ نکلا کہ کچھ اسیرانِ جنگ نے تو اسی وقت اسلام قبول کر لیا اور کچھ بعد میں اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے۔

کفار کے نئے سردار ابوسفیان کا ناکام حملہ

بدر کے میدان میں کفار مکہ کی شکست باشندگان مکہ کے لئے بہت بڑا سانحہ تھا چنانچہ ابولہب نے اس شکست کے صدمہ میں جان دیدی۔ کفار

مکہ نے اس توقع میں مسلمانانِ مدینہ سے جنگ کی تھی کہ وہ اس جنگ کے ذریعہ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کردیں گے لیکن جب خلافِ توقع کفارِ مکہ کو شکست ہو گئی اور اُن کے تقریباً تمام بڑے بڑے سردار اس جنگ میں مارے گئے تو مکہ میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ لوگ حیران تھے کہ مدینہ کے مٹھی بھر مسلمانوں میں یہ طاقت کہاں سے آ گئی کہ انھوں نے بے سروسامانی اور تعداد کی کمی کے باوجود مکہ کے مشہور شمشیر زنوں کو نیچا دکھا دیا۔

بدر کی جنگ کے بعد کفارِ مکہ نے ابوسفیان بن حرب اموی کو اپنا نیا سردار منتخب کر لیا ابوسفیان ایک لائق سپہ سالار تھا۔ چنانچہ جنگِ بدر کے بعد کفارِ مکہ کی مسلمانوں سے جتنی بھی لڑائیاں ہوئی ہیں وہ زیادہ تر ابوسفیان ہی کی سرکردگی میں لڑی گئی ہیں۔ ابوسفیان نے مسندِ امارت پر بیٹھنے کے بعد یہ عہد کیا کہ "میں جب تک مسلمانانِ مدینہ سے مقتولین بدر کے خون کا انتقام نہیں لے لوں گا اُس وقت تک نہ نہاؤں گا اور نہ سر میں تیل ڈالوں گا۔"

اس عہد کے چند ہی روز بعد ابوسفیان دو سو منتخب سواروں کا دستہ لیکر خفیہ طریقہ سے مدینہ جا پہنچا۔ قبیلہ بنی نضیر کے یہودیوں نے نہ صرف اسے پناہ دی بلکہ اس کی بڑی خاطر و مدارات کی اور مدینہ کے سربستہ رازوں سے اُسے آگاہ کیا۔ مدینہ کے راز معلوم کرنے کے بعد ابوسفیان نے واپس جاتے ہوئے عریض کے علاقہ پر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں اس نے مکانات اور کھیتوں کو آگ لگا دی اور ایک انصاری کو بھی قتل کر دیا۔ رسولِ مقبول صلعم کو جب ابوسفیان کے اس بزدلانہ حملہ کی اطلاع ملی تو آپ اس کے تعاقب میں لشکر لیکر روانہ ہو گئے لیکن حضور کی آمد کی اطلاع سنتے ہی وہ ایسا بدحواس ہو کر بھاگا کہ ستوؤں کے سیکڑوں تھیلے جو سپاہیوں کے لئے ساتھ لایا تھا انھیں بھی وہ چھوڑ گیا۔ اس معرکہ میں کفارِ عرب چونکہ ستو کے تھیلے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اس لئے یہ معرکہ تاریخ میں "معرکہ سویق" کے نام سے مشہور ہے۔ سویق عربی زبان میں ستو کو کہتے ہیں۔

ہجرت کے دوسرے سال کے متفرق واقعات

اسی سال کے ابتدا میں تبدیلیِ قبلہ کا اہم واقعہ پیش آیا تھا

جس کی تفصیل یہ ہے کہ ہجرت سے قبل رسول اللہ صلعم اور تمام مسلمان بیت المقدس کی طرف منھ کرکے نماز پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ مدینہ تشریف لانے کے بعد بھی تقریباً سولہ مہینے تک حضور اکرم بیت المقدس ہی کی طرف منھ کرکے نماز پڑھتے رہے لیکن رسول اللہ صلعم کی خواہش یہ تھی کہ خانۂ کعبہ جو زمانۂ دراز سے توحید کا مرکز ہے قبلہ بن جائے۔ چنانچہ آپ نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی کہ "خداوندا کعبہ کو قبلہ بنا دے"۔ یہ چیز قابل غور ہے کہ آپ نے یہ دعا اس وقت کی تھی جب خانۂ کعبہ پر کفارِ مکہ کا قبضہ تھا۔ اور وہاں سیکڑوں بُت رکھے ہوئے تھے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو روزِ اوّل ہی سے یہ یقین کامل تھا کہ کعبہ ایک روز ضرور خدا کا سب سے بڑا گھر دوبارہ بنکر رہیگا۔ آپ کی یہ دعا قبول ہوگئی اور پندرہ رجب ۲ھ کو قرآنِ مجید کی ایک آیت نازل ہوئی جس کا مفہوم یہ تھا:۔

"اے رسول عربی تم اپنا منھ مسجد الحرام کی طرف پھیر دو۔ اور اے مسلمانو تم جہاں کہیں بھی ہو اسی طرف منھ پھیرو"۔ (پارہ سیقول سورۂ بقر)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت نے مسجد نبوی اور مسجد قبا کے رُخ کو کعبہ کی طرف بدل دیا۔ ان سجدوں کے رُخ بدلنے کے لئے نئے سرے سے انھیں تعمیر کرنا پڑا۔ آپ نے حسب معمول ان مسجدوں کی تعمیر میں مزدوروں کے ساتھ کام کیا۔

تبدیل قبلہ کا یہ واقعہ یہودیوں پر بڑی کاری ضرب تھی۔ یہودیوں کی ایک بڑی تعداد منافقانہ طور پر مسلمانوں کے ساتھ شامل تھی۔ یہ دل سے تو یہودی تھے مگر بظاہر مسلمان بن گئے تھے۔ چنانچہ یہ نماز میں بھی مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو جاتے تھے لیکن تبدیل قبلہ کے بعد چونکہ یہودیوں اور مسلمانوں کا قبلہ الگ الگ ہو گیا اس لئے یہودیوں کی منافقت کا سارا بھانڈا پھوٹ گیا۔ اور اب ان کے لئے یہ ناممکن ہو گیا کہ وہ بیت المقدس کو چھوڑ کر کسی دوسرے مقام کی جانب رُخ کرکے نماز ادا کریں۔ منافقت کے اس راز کے فاش ہونے کے بعد یہودی بُری طرح برہم ہو گئے۔ وہ کھلم کھلا مسلمانوں کے مقابلہ پر

آگئے اور انھوں نے تبدیل قبلہ کے معاملہ پر مسلمانوں کو ورغلانے اور بھڑکانے کی انتہائی کوشش کی لیکن مسلمانوں پر کوئی اثر نہ ہوا قصہ مختصر یہ کہ ۲ھ سے مسلمان بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کی طرف منھ کرکے نماز پڑھنے لگے۔

اسی سال قرآن پاک کی ایک آیت کے نازل ہونے پر مسلمانوں پر رمضان کے روزے فرض ہوئے اور اسی سال صدقہ فطر اور عید کی نماز واجب قرار دی گئی چنانچہ مسلمانوں نے پہلی مرتبہ عید کی نماز اسی سال عید گاہ میں با جماعت ادا کی تھی اور اسی سال رسول اللہ صلعم نے اپنی چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا کا عقد حضرت علی کرم اللہ وجہ سے سوا سو درہم زرِ مہر پر کیا تھا۔ جہیز میں آپنے ایک چارپائی، ایک چمڑے کا گدا ایک چھاگل۔ دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑے دئے تھے یعنی خاتونِ جنت کا یہ مختصر سا غریبانہ جہیز تھا

رسول اللہ صلعم کے قتل کی سازش

مسلمانوں کے خلاف کفار مکہ کی سازشیں یوں تو روزِ اول ہی سے جاری تھیں لیکن بدر کے میدان میں شکست کی ذلت اُٹھانے کے بعد اُن کی تمام تر توجہ مسلمانوں کو زک پہنچانے کے لئے وقف ہوگئی۔ جنگ بدر کے بعد سب سے پہلی خوفناک سازش جو کی گئی وہ یہ تھی کہ رسول مقبول صلعم کو قتل کر دیا جائے چنانچہ ایک شخص عمیر بن وہب کو اس بات کے لئے آمادہ کیا گیا کہ وہ زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے حضورِ اکرم کا خاتمہ کر دے۔ عمیر جب اس ناپاک مقصد کے لئے مدینہ پہنچا تو حضرت عمر رض کو اس کی حرکات و سکنات پر کچھ شبہ ہوا اور وہ عمیر کو پکڑ کر رسول اللہ صلعم کے پاس لے گئے۔ حضور رض نے عمیر سے پوچھا کہ "تم کس مقصد کے لئے آئے ہو"۔ عمیر نے جواب دیا کہ "میرا بیٹا قیدیوں میں شامل ہے اسے رہا کرانے آیا ہوں۔ آپ مجھ پر رحم کریں۔ اور میرے بیٹے کو آزاد کر دیں"۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ "سچی بات کیوں نہیں کہتے کہ تم مجھے قتل کرنے آئے ہو"۔ اس کے بعد حضور رض نے اس خفیہ سازش کی تمام سرگزشت سُنا دی جو حضور رض کے قتل کے بارے میں ہوئی تھی۔ عمیر

قدموں پر گر پڑا اور کہا کہ میں مسلمان ہوتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں۔ کیونکہ اس سازش کا علم ابوسفیان اور میرے سوا کسی کو نہیں تھا۔ آپ کو اس کا علم ہو جانا اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ آپ بلاشبہ سچے رسول ہیں۔"

اُحد کی جنگ میں کفار سے سخت مقابلہ

کفارِ مکہ نے جنگِ بدر کے بعد مسلمانوں پر جو دوسرا بڑا حملہ کیا وہ تاریخ میں جنگِ اُحد کے نام سے مشہور ہے۔ اس بڑے حملہ کی تیاریاں اگرچہ جنگِ بدر کے فوراً بعد سے شروع ہو گئی تھیں لیکن یہ حملہ ۳ھ میں کیا گیا۔ اس حملہ کے لئے کفارِ مکہ نے ایک طرف تو بے اندازہ دولت جمع کی تھی۔ دوسری طرف مدینہ کے یہودیوں اور منافقوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور یہ طے پایا تھا کہ جوں ہی کفارِ مکہ حملہ کریں گے یہودی اور منافق پانچویں کالم کے فرائض انجام دیتے ہوئے مدینہ میں ہنگامے بپا کر کے مسلمانوں کی طاقت کو پاش پاش کر دیں گے۔

حضور کے چچا حضرت عباس رضؓ اگرچہ مسلمان ہو چکے تھے لیکن ابھی تک مکہ ہی میں تھے۔ آپ کو جب یہ معلوم ہوا کہ مکہ میں مدینہ پر حملہ کی زبردست تیاریاں ہو رہی ہیں تو آپ نے فوراً قاصد کے ذریعہ تمام حالات سے رسولِ مقبول صلعم کو مطلع کر دیا۔ رسول اللہ صلعم نے فوراً مجلسِ مشاورت منعقد کی اور مدافعت کی تیاریوں کے مسئلہ پر غور ہونے لگا ایک طبقہ کی رائے تھی کہ مدینہ میں محصور ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ دوسرا طبقہ چاہتا تھا کہ کھلے میدان میں بہادروں کی طرح جنگ کی جائے۔ یہ بحث جاری ہی تھی کہ رسول اللہ صلعم گھر میں گئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لے آئے جس کا مطلب صاف تھا کہ مسلمانوں کو کھلم کھلا میدانِ جنگ میں جا کر مقابلہ کرنا چاہیے مجلس مشاورت ختم بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ اطلاع ملی کہ کفارِ مکہ کا لشکر مدینہ کے قریب آ گیا ہے اور مدینہ کی چراگاہوں کو اس نے برباد کرنا شروع کر دیا ہے۔

کفارِ مکّہ اس مرتبہ بہت بڑی تیاریوں کے ساتھ آئے تھے۔ تین چار ہزار سپاہی اور
بے اندازہ سامانِ جنگ کے علاوہ ان کے ہمراہ جادو بیان شاعر بھی تھے جو اپنی پُرجوش
نظموں سے سپاہیوں میں جوش پیدا کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ عورتیں تک جوش اور
غیرت دلانے کے لئے کفار کے ساتھ تھیں۔ کفارِ مکّہ نے آنے کے ساتھ ہی مدینہ کے قریب
اُحد کی پہاڑی کو اپنا فوجی کیمپ قرار دیدیا تاکہ پہاڑی پر محفوظ رہ کر آسانی کے ساتھ
مسلمانوں کا مقابلہ کیا جاسکے۔

مسلمانانِ مدینہ کے پاس نہ تو کافی سپاہی تھے اور نہ سامانِ جنگ۔ اس کے علاوہ
ان کو اچانک اس جنگ کے لئے تیاری کرنی پڑی تھی لیکن پھر بھی ان کے حوصلے نہایت
بلند تھے۔ دشمن اگرچہ ان کے گھر میں گھس آیا تھا مگر مجاہدین کا تو ذکر ہی کیا ہے مدینہ کے
عام باشندوں میں بھی کسی قسم کی گھبراہٹ نہیں تھی۔ رسولِ مقبول صلعم بڑے اطمینان کے
ساتھ مدینہ میں اپنی فوجوں کو ترتیب دے رہے تھے۔ قصہ مختصر یہ کہ آپ ایک ہزار آدمیوں
کو ساتھ لیکر کفارِ مکّہ کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ عبداللہ بن ابی منافق جو کفار سے
ملا ہوا تھا وہ بھی تین سو کی جمعیت لئے ہوئے لشکرِ اسلام کے ساتھ تھا لیکن وہ یہ کہہ کر
مع اپنی جمعیت کے واپس چلا گیا کہ چونکہ رسول اللہ صلعم نے میری رائے کو منظور نہیں کیا اس
لئے میں اس جنگ میں حصہ نہیں لے سکتا۔ اصل میں اس کا منشا یہ تھا کہ لشکرِ اسلام میں
بددلی پیدا کردے گو اس کے چلے جانے کے بعد لشکرِ اسلام میں کُل سات سو مجاہد رہ گئے
تھے لیکن ان کے حوصلے بدستور بلند تھے۔ ان سات سو مجاہدین میں سے بھی ایسے تمام کم
عمر لڑکوں کو گھروں کو واپس کر دیا گیا تھا جو محض جوشِ اسلامی کی بنا پر مجاہدین میں شامل
ہو گئے تھے۔ غرضکہ مجاہدین کی یہ مختصر سی فوج کفار کے عظیم الشان لشکر کے مقابلہ میں جاکر
ڈٹ گئی چونکہ پشت کی طرف سے یہ اندیشہ تھا کہ کفار حملہ نہ کردیں۔ اس لئے پچاس تیر انداز
کوہِ اُحد کی پشت کی جانب متعین کر دئے گئے اور ان کو حکم دیدیا گیا کہ خواہ لڑائی میں

فتح ہی کیوں نہ ہو جائے لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔

مسلمانوں کا کفار پر غلبہ

لڑائی شروع ہونے سے قبل فریقین کی فوجیں ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو گئیں۔ کفار مکہ کی عورتیں اپنی فوجوں میں حوصلہ پیدا کرنے کے لئے نہایت ہی موثر انداز میں اشعار پڑھ رہی تھیں اور مقتولین بدر کی مظلومیت پر نوحہ خوانی کر کے فوجوں میں جوش بڑھا رہی تھیں عرب کے دستور کے مطابق پہلے تو انفرادی جنگ شروع ہوئی یعنی جانبین کے لشکروں سے ایک ایک شخص آتا تھا اور مقابلہ ہوتا تھا۔ اس انفرادی جنگ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت حمزہ کے مقابلہ پر جو بھی آیا وہ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

انفرادی جنگ کے بعد عام لڑائی شروع ہو گئی۔ فریقین پوری طاقت کے ساتھ ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے تھے حضرت حمزہ رضؓ اور حضرت علی رضؓ نے کفار کی فوج کے قلب میں گھس کر ایک تہلکہ برپا کر دیا۔ یہ مردانِ سیف جدھر بھی جاتے تھے صفیں کی صفیں صاف کرتے چلے جاتے تھے۔ یہی عالم دوسرے مجاہدینِ اسلام کا تھا۔ کفار بھی بڑی پامردی سے مقابلہ کر رہے تھے۔ جنگ پورے زور شور کے ساتھ جاری تھی کہ ایک حبشی نے چھوٹا سا نیزہ جسے حربہ کہتے ہیں حضرت حمزہ رضؓ کے اس طرح تاک کر مارا کہ آپ شہید ہو گئے۔ آپ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کا جوش اور بھی زیادہ بڑھ گیا۔ اور مسلمانوں نے پوری طاقت کے ساتھ کفار پر حملہ کیا تو ان کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ ایک بھگدڑ سی مچ گئی۔ خواتین قریش جو اشعار گا گا کر فوجوں کو اُبھار رہی تھیں۔ اس بھگدڑ میں اپنے ہی سپاہیوں کے پیروں تلے بُری طرح کچلی گئیں۔ غرضکہ مسلمانوں کو پوری طرح کفار پر غلبہ حاصل ہو گیا۔

کفار نے مسلمانوں کو نرغہ میں لے لیا

مسلمانوں نے جب دیکھا کہ کفار شکست کھا چکے ہیں تو ان سے یہ غلطی ہوئی کہ

وہ نبرد آزمائی چھوڑ کر لوٹ میں لگ گئے۔ یہاں تک کہ وہ تیر انداز بھی جو کوہ احد کی پشت پر حفاظت کے لئے متعین کئے گئے تھے، اپنا مورچہ چھوڑ کر لوٹ کی جانب متوجہ ہوگئے۔ عبداللہ بن جبیر نے ان کو ہر چند روکنا چاہا مگر نہ رُکے۔ ان تیر اندازوں کا مورچہ سے ہٹنا تھا کہ کفارِ مکہ کو مجاہدینِ اسلام پر حملہ کرنے کا بہترین موقع ہاتھ آگیا۔ چنانچہ مشہور عرب سردار خالد بن ولید نے جو کفار کی جانب سے لڑ رہے تھے پوری طاقت کے ساتھ عقب سے حملہ کر دیا۔ عقب سے حملہ ہونا تھا کہ جنگ کا رُخ بدلنے لگا یعنی وہی مسلمان جن کو کہ سو فیصدی فتح حاصل ہو چکی تھی نرغہ میں آگئے۔ عبداللہ بن جبیر نے ہر چند چاہا کہ وہ کفار کے اس حملہ کو کسی طرح روک دیں لیکن انھیں کامیابی نہ ہوئی۔ اور وہ اس کوشش میں شہید ہوگئے۔ حضرت مصعب بن عمیر جو رسول اللہ صلعم کے ہم شبیہ تھے جب لڑتے لڑتے شہید ہوگئے تو کفار یہ سمجھے کہ انھوں نے حضورِ اکرم کو جامِ شہادت پلا دیا ہے۔ چنانچہ ابن قمہ نے ایک بلند مقام پر چڑھ کر حضور صلعم کی شہادت کا اعلان بھی کر دیا جس سے کہ کفار کے دل بڑھ گئے اور مسلمانوں میں بری طرح سراسیمگی اور گھبراہٹ پیدا ہوگئی۔

رسول اللہ صلعم بھی زخمی ہوگئے

حضورِ اکرم کی شہادت کا اعلان مجاہدینِ اسلام کے لئے بہت بڑی بات تھی چنانچہ اس فوج کی وجہ سے بڑے سے بڑے اور بہادر سے بہادر مسلمان کے بھی پاؤں اکھڑ گئے۔ ادھر رسول اکرم کی حالت یہ تھی کہ وہ دشمنوں میں چاروں طرف سے گھرے ہوئے تھے اور تن تنہا مخالفین کے پورے لشکر کا مقابلہ کر رہے تھے۔ آپ نے مڑ کر دیکھا تو صرف دس بارہ جانثار آپ کے قریب ہی نبرد آزمائی میں ہمہ تن مصروف تھے۔ ان میں سے کعب بن مالک کی نظر جب رسولِ اکرم پر پڑی تو انھوں نے چلا کر کہا کہ "مسلمانو گھبراؤ نہیں رسول اللہ صلعم یہاں موجود ہیں"۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں کے مردہ دلوں میں پھر نئے سرے سے زندگی پیدا ہوگئی لیکن ساتھ ہی کفار بھی بری طرح سے رسول اللہ پر ٹوٹ پڑے۔ ایک کافر نے آپ کے

قریب پہنچ کر آپ پر وار کیا تو حضور کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا۔ ایک دوسرے کافر نے تلوار کا ایک ایسا زبردست ہاتھ مارا کہ آپ کے خود کے دو حلقے آنکھ کے نیچے رخسار مبارک کی ہڈی کے پاس گھس گئے جن کو بڑی مشکل سے نکالا گیا۔

مسلمانوں کی طاقت منتشر ہو چکی تھی مسلمان دس دس اور بارہ بارہ کی ٹولیوں میں بٹنے کے بعد جا بجا کفار کے نرغہ میں تھے۔ اور ان کو اتنا موقع ہی نہیں ملتا تھا کہ وہ رسول اللہ صلعم کی امداد کے لئے پہنچتے۔ ادھر کفار کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے اپنی ساری طاقت رسول مقبول صلعم پر حملے کرنے پر لگا دی تھی۔ جب عاشقان رسول نے دیکھا کہ کفار آنحضور کی جان لینے پر تلے ہوئے ہیں تو انھوں نے آپ کے گرد حلقہ ڈال لیا حضرت ابودجانہ رضی نے آپ کی طرف منہ کرکے اپنی پشت کو سپر بنا لیا تاکہ جو تیر بھی آئے وہ اُن کے جسم پر لگے۔ چنانچہ ان کی پشت تیروں سے چھلنی ہو گئی تھی مگر وہ اسی طرح سپر بنے کھڑے رہے۔ حضرت سعد بن وقاص۔ حضرت ابوطلحہ حضرت زبیر۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رسول مقبول صلعم کی حفاظت کے لئے دیوار آہنی بن کر کھڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ حضور کی حفاظت کرتے ہوئے حضرت ابوطلحہ کا ایک ہاتھ کٹ کر گر گیا۔ اور کئی صحابی آپ کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ایک شقی نے دور سے حضور کے پتھر مارا جس سے کہ آپ کا لب مبارک زخمی ہو گیا اور نیچے کا ایک دانت بھی شہید ہو گیا۔

مسلمان شکست سے بچ گئے

مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں اگرچہ ہر جگہ کفار سے اس طرح گھر گئی تھیں کہ ان کا کفار کے پنجہ سے نکلنا ناممکن ہو گیا تھا۔ اور یہ بات یقینی نظر آرہی تھی کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے گی۔ لیکن جب مسلمانوں کو یہ معلوم ہوا کہ دشمنان اسلام نے رسول مقبول صلعم کو نرغہ میں لے رکھا ہے۔ تو وہ اپنی جانوں پر کھیل کھیل کر حضور کے گرد

جمع ہونے لگے یہاں تک کہ حضور کے گرد پھر ایک بار مجاہدین اسلام کی ایک بہت بڑی جمعیت مجتمع ہو گئی۔ اور اس جمعیت نے متحد ہو کر جب پوری طاقت سے کفار پر حملہ کیا تو کفار پیچھے ہٹنے لگے۔ کفار کے پیچھے ہٹتے ہی حضور اکرم کے مشورہ سے مسلمانوں نے فوراً ایک پہاڑی پر چڑھ کر نیا مورچہ قائم کیا تاکہ پشت کی جانب سے پہاڑی کے ذریعہ حفاظت ہوتی رہے اور سامنے کی جانب سے بےفکری کے ساتھ کفار کا مقابلہ کیا جا سکے۔

اس نئے مورچہ کا قائم ہونا تھا کہ کفار کی ہمتیں پست ہو گئیں انھوں نے اگرچہ کئی مرتبہ سنبھل سنبھل کر سخت حملہ کیا مگر انھیں بُری طرح ناکامی ہوئی۔ کفار مکہ کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ کہیں رسول اللہ صلعم کی امداد کے لئے مسلمانوں کو کوئی تازہ دم جمعیت نہ آ جائے اس لئے کفار مکہ کا سردار ابوسفیان یہ کہہ کر میدان جنگ سے چل دیا کہ "ہمارا تمہارا مقابلہ آئندہ سال بدر میں ہوگا" مسلمانوں نے جواب دیا "ہم کو تمہارا یہ چیلنج منظور ہے"۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ابتدا ہی میں مسلمان جنگ سے پہلے پھر کر لوٹ میں نہ لگ گئے ہوتے تو وہ کفار پر فتحیاب ہو ہی چکے تھے لیکن مسلمانوں کی ذراسی غلطی نے ان کی فتح کو شکست میں تبدیل کر دیا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ رسول اکرم بھی اس جنگ میں بُری طرح زخمی ہو گئے اور بےشمار مہاجرین و انصار مارے گئے لیکن یہ تائید غیبی تھی کہ مسلمان شکست کی ذلت سے بچ گئے۔ گو یہ جنگ آخر میں کفار کے حق میں ہو گئی تھی لیکن پھر بھی ان کو بےاندازہ نقصان اُٹھانا پڑا ان کے بیس بائیس کے قریب سردار اس جنگ میں کام آ گئے۔ کفار مکہ کو بڑی ندامت تھی کہ وہ مکہ والوں کو کیا منہ دکھائیں گے۔ جبکہ وہ اپنے بہترین سرداروں کو کٹا کر جا رہے تھے اور ان کو ایک مسلمان کو بھی قیدی بنا کر لیجانے کا موقعہ ہاتھ نہیں آ سکا۔

یہ امر واقعہ ہے کہ اگر جنگ کے دوران میں رسول مقبول صلعم نے انتہائی جرأت کا ثبوت نہ دیا ہوتا۔ اور آپ جان کی بازی لگاکر میدانِ جنگ میں ڈٹے نہ رہے ہوتے تو اس جنگ میں مسلمانوں کی غلطی کی بنا پر کفار کامیاب ہو چکے تھے۔ اور اس کے بعد نہ جانے مسلمانوں کا کیا حشر ہوتا۔ اور مدینہ کے باشندوں کو کفار کے ہاتھوں کیسے کیسے مظالم سہنے پڑتے لیکن قدرتِ خداوندی سے آخر میں مسلمان سنبھل گئے۔ اور کفارِ مکہ کو راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔ اس جنگ کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ اس میں مسلمان عورتوں نے بھی بڑی بہادری اور سرفروشی کا ثبوت دیا تھا حضرت عائشہ رض اور ام سلیم رض سب سے زیادہ پیش پیش تھیں۔ انھوں نے زخمیوں کی بڑی امداد کی تھی۔

رسولِ مقبول صلعم نے اس خوفناک جنگ کے بعد شہدا کی لاشوں کو دفن کرا دیا۔ کفار نے بعض شہدا کی لاشوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے حضرت حمزہ رض کی لاش کے ناک کان وغیرہ کاٹ کر اور ان کا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈال لیا تھا ان کی آنکھیں نکال لی تھیں اور جگر نکال کر دانتوں سے چبا لیا تھا۔ تمام شہدا بغیر غسل کے ایک ایک قبر میں دو دو دفن ہوئے شہدا کے دفن کے بعد جب رسول مقبول مدینہ میں داخل ہوئے تو بوڑھے بچے اور عورتیں سب ہی رسولِ اکرم کی زیارت کے لئے بیتاب تھے۔ کیونکہ مدینہ میں بھی حضور رض کی شہادت کی افواہ پھیل چکی تھی۔ جب عاشقانِ رسول نے اپنی آنکھوں سے اپنے پیارے محبوب کو دیکھ لیا تب انھیں اطمینان ہوا۔

۳ ہجری کے متفرق واقعات

جنگِ اُحد میں چونکہ مسلمانان مدینہ کو کافی نقصان پہنچا تھا۔ اس لئے یہودیوں کی جرأت بے حد بڑھ گئی تھی اور انھوں نے کھلم کھلا مسلمانوں کی مخالفت شروع کر دی تھی۔

۳ھ کا ایک اہم واقعہ یہ بھی ہے کہ اسی سال ۱۵ رمضان المبارک کو حضرت امام حسن رض کی ولادت ہوئی تھی۔ رسول مقبول صلعم نے اسی سال اپنی صاحبزادی اُم کلثوم

کا حضرت عثمان غنی کے ساتھ نکاح کیا اور اسی سال حضور نے حضرت عمرؓ کی بیوہ صاحبزادی حضرت حفصہ سے خود نکاح فرمایا۔ حضرت حفصہ کے پہلے شوہر جنگِ بدر میں شہید ہو چکے تھے آیتِ میراث بھی اسی سال نازل ہوئی جس میں ذوی الارحام کے حقوق کی تفصیل ہے اب تک یہ دستور تھا کہ مسلمان مشرکہ عورتوں سے نکاح کرسکتے تھے۔ لیکن اس سال اس رشتہ کو حرام قرار دیدیا گیا۔

ہجرت کے چوتھے سال کے اہم واقعات

کفارِ مکہ کا سردار ابوسفیان احد کی جنگ کے خاتمہ پر یہ دھمکی دے گیا تھا کہ "ہمارا تمہارا مقابلہ آئندہ سال بدر میں ہوگا"۔ مسلمانوں نے بخوشی اس کا یہ چیلنج قبول کر لیا تھا۔ لیکن کفارِ مکہ مسلمانوں سے کچھ ایسے خائف ہو گئے تھے کہ وہ مسلمانوں پر اس دھمکی کے باوجود اس سال کوئی بڑا حملہ تو کر نہ سکے۔ لیکن ان کی اور ان کے ہمنوا یہودیوں کی شرارتیں مسلمانوں کے خلاف بدستور جاری رہیں۔ لہٰذا ذیل میں ان اہم واقعات کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں جو سنہ ۴ھ میں پیش آئے۔

قطن میں قبیلہ بنی اسد کا فتنہ:۔ محرم سنہ ۴ھ میں رسول مقبول صلعم کو اطلاع ملی کہ قطن میں قبیلہ بنی اسد کے بہت سے مفسد جمع ہیں جو مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس خبر کے سنتے ہی آپ نے ڈیڑھ سو مسلمانوں کی جمعیت ابو سلمہؓ کے ہمراہ ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دی۔ مسلمان مجاہدین نے وہاں پہنچ کر ان کو مغلوب کر لیا اس معرکہ کے بعد قبیلہ اسد زمانہ دراز تک سر نہ اُٹھا سکا۔

مسلمانوں کا دھوکے سے قتل:۔ مخالفینِ اسلام کو کھلم کھلا تو مسلمانوں کے مقابلہ کی ہمت تھی نہیں اس لئے وہ مسلمانوں کے خلاف درپردہ کمزدلانہ سازشوں میں مصروف رہتے تھے چنانچہ بنی ہذیل کے سردار سفیان نے چند منافقوں کو رسول مقبول صلعم کے پاس بھیجا انہوں نے بظاہر اسلام قبول کرنے کے بعد حضورؐ سے یہ خواہش کی کہ چونکہ ہمارے قبیلہ کے بہت سے آدمی

اسلام کی طرف مائل ہیں۔ اس لئے آپ ہمارے ساتھ ایسے معلمین بھیجئے جو اسلام کی تعلیم دے سکیں۔ حضورؐ نے ان عیاروں کے ساتھ دس صحابیوں کو روانہ کر دیا جب یہ صحابی قبیلہ ہذیل کے ایک تالاب پر پہنچے جیسے ہی پروگرام کے مطابق دو سو آدمیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ صحابی بھی مقابلہ پر آ گئے۔ ان میں سے آٹھ شہید ہو گئے۔ جو دو صحابی باقی رہ گئے تھے ان کو یہ گرفتار کر کے مکہ لے گئے۔ اور انھیں بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کیا۔ اسی طرح کفار نے دھوکہ سے ستر صحابیوں کو بلا کر شہید کر دیا تھا۔ یہ ستر کے ستر صحابی قاری اور قرآن مجید کی آیتوں کے حافظ تھے۔

رسول اکرمؐ کی قتل کی ایک اور سازش: ۔ دو مظلوموں کے خون بہا کے مطالبے سے لئے رسول مقبول صلعم مع حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے جب یہود بنو نضیر کی بستی میں تشریف لے گئے تو بنو نضیر کے یہودیوں نے آپ کو اپنے قلعہ کی دیوار کے سایہ میں ایسی جگہ بٹھا دیا جس کے اوپر ایک منڈیر تھی اور منڈیر پر ایک بڑا پتھر اس طرح کھڑا ہوا تھا کہ اسے ذرا سے اشارہ پر لڑھکایا جا سکتا تھا۔ بنو نضیر کے سرداروں نے یہ طے کیا تھا کہ ایک شخص قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر اس پتھر کو دھکیل دے اور محمد (صلعم) اور آپ کے تینوں ساتھیوں کا خاتمہ کر دیا جائے چنانچہ جو شخص اس شرارت پر مامور کیا گیا تھا وہ پتھر گرانے والا ہی تھا کہ حضورؐ کو خدا نے تعالیٰ نے بذریعہ وحی یہودیوں کے اس ناپاک منصوبہ سے مطلع کر دیا اور آپ فوراً وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام کو ساتھ لیکر مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

بنو نضیر جنگ کے لئے آمادہ: ۔ بنو نضیر نے رسول اللہ صلعم کے قتل کی سازش کر کے اس عہد نامہ کی خلاف ورزی کی تھی جو وہ مسلمانوں سے کر چکے تھے۔ رسول مقبول صلعم نے ان کو متنبہ کیا کہ وہ نیا عہد نامہ لکھیں۔ جب انھوں نے جدید عہد نامہ لکھنے سے انکار کیا تو ان کو حکم دیا گیا کہ دس روز کے اندر اندر وہ بستی کو خالی کر کے چلے

پائیں۔ اس حکم کے جواب میں جب بنو نضیر جنگ پر آمادہ ہو گئے تو رسول مقبول صلعم نے بھی ایک مختصر سی فوج اور صحابہ کو ساتھ لیکر ماہ ربیع الاول ۴ھ میں ان پر چڑھائی کردی۔ بنو نضیر مقابلہ کی تاب نہ لاکر قلعہ میں محصور ہو گئے۔ عبد اللہ بن ابی اور مدینہ کے دوسرے منافقین چونکہ یہودیوں کی پشت پناہی کر رہے تھے اس لیئے ان کی ہمتیں بڑھی ہوئی تھیں۔ مگر پندرہ روز کے بعد ہی یہودی گھبرا گئے اور انہوں نے عبد اللہ بن ابی (منافق) کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ اگر ہماری جان بخشی کی جائے تو ہم جلا وطن ہونے پر آمادہ ہیں۔ رسولِ مقبول صلعم نے حکم دیا کہ وہ بستی چھوڑ کر فوراً چلے جائیں ان کی جان و مال سے کوئی تعرض نہیں کیا جائیگا سوائے ہتھیاروں کے وہ اپنا تمام مال و اسباب جو اونٹوں پر بار ہو سکتا ہے لے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ ہتھیاروں کے علاوہ اپنا تمام مال و اسباب اونٹوں پر لادھ کر لے گئے۔ اور چلتے وقت اپنے مکانوں کو یا تو مسمار کر گئے یا آگ لگا گئے۔ ان میں سے کچھ تو خیبر کے علاقہ میں جا کر آباد ہو گئے۔ اور کچھ شام کی طرف چلے گئے حضور نے ان کے ہتھیار مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے مگر جو یہودی مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کو بدستور اپنے گھروں میں رہنے کی اجازت مل گئی اور ان کا مال و اسباب بھی بدستور ان کے قبضہ ہی میں رہا۔

بنو محارب اور بنو ثعلبہ کی شرارت۔ اسی زمانہ میں رسولِ مقبول صلعم کو اطلاع ملی کہ بنو محارب اور بنو ثعلبہ جو قبیلہ غطفان سے تعلق رکھتے ہیں مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ اس اطلاع کے پاتے ہی حضورِ اکرم حضرت عثمان غنیؓ کو مدینہ کا عامل مقرر کر کے اور چار سو صحابہ کو ساتھ لیکر ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ یہ لوگ ایک نخلستان میں جمع تھے جونہی ان کو معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر ان کی سرکوبی کے لئے آرہا ہے تو یہ لڑے بغیر فرار ہو گئے اور اس طرح یہ معرکہ خونریزی کے بغیر ہی ختم ہو گیا۔ یہ واقعہ جمادی الاول ۴ھ کو پیش آیا تھا۔

کفارِ مکہ کے خلاف بدر میں اسلامی فوجوں کا اجتماع: جنگِ اُحد کے واقعات کے سلسلہ میں یہ بتایا جاچکا ہے کہ جنگِ اُحد کے خاتمہ پر کفارِ مکہ کے سردار ابوسفیان نے آئندہ سال بدر کے میدان میں مسلمانوں کو لڑنے کے لئے جو چیلنج دیا تھا وہ مسلمانوں نے قبول کر لیا تھا۔ ابوسفیان نے یہ چیلنج دے تو دیا تھا مگر جنگ سے وہ کترا رہا تھا۔ رسولِ مقبول صلعم چونکہ اس چیلنج کو قبول کر چکے تھے اس لئے آپ ڈیڑھ ہزار مسلمانوں کا لشکر لیکر جب ۴ھ میں بدر کی جانب روانہ ہوگئے اس لشکر کے سپہ سالار حضرت علیؑ تھے۔

کفارِ مکہ کے سردار ابوسفیان کو جب یہ پتہ چلا کہ مسلمانوں کا لشکر بدر کے لئے روانہ ہوچکا ہے۔ تو وہ بھی مقابلہ کے لئے دو ہزار کا لشکر لیکر چل دیا لیکن عسفان کے مقام پر پہنچکر جب اسے معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر میں اس مرتبہ ڈیڑھ ہزار جانباز موجود ہیں تو یہ بہت گھبرایا کیونکہ کفارِ مکہ بدر اور اُحد کی لڑائیوں میں دیکھ چکے تھے کہ تہائی اور چوتھائی مسلمان بھی ان پر غالب آجاتے ہیں لیکن اب جبکہ مسلمان مجاہدین کی تعداد کفار کے لشکر سے تھوڑی ہی کم تھی تو ابوسفیان نے سمجھ لیا کہ اُسے یقینی طور پر شکست ہو جائیگی لہٰذا وہ مقام عسفان ہی سے یہ کہہ کر مکہ واپس چلا گیا کہ "ہم اس سال قحط سالی کی وجہ سے لڑنا نہیں چاہتے" کفار کا یہ لشکر جب لڑے بغیر مکہ میں واپس آیا۔ تو مکہ والوں نے ان کا خوب مذاق اُڑایا۔ رسولِ مقبول صلعم بدر میں اپنے لشکر کو لئے ہوئے کفار کے لشکر کے انتظار میں ایک ہفتہ تک ٹھیرے رہے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ کفار مقابلہ کے بغیر ہی بھاگ گئے ہیں تو آپ بھی مدینہ واپس آگئے۔

چند دوسرے واقعات:۔ اسی سال ماہ شعبان میں امام حسینؑ پیدا ہوئے۔ اسی سال ازواجِ مطہرات میں سے حضرت زینب بنتِ خزیمہ نے انتقال فرمایا اسی سال آنحضرت صلعم نے عبدالسلام مخزومی کی وفات کے بعد ان کی بیوہ اُمّ سلمہ سے نکاح کیا۔ اسی

سال ایک آیت کے نازل ہونے پر شراب حرام ہوئی۔

ایک عیسائی حاکم کی سرکوبی

رسولِ مقبول صلعم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد اگرچہ انتہائی تدبر اور ہوشمندی سے گذشتہ چار سال کے اندر مسلمانوں کی طاقت کو خوب بڑھا لیا تھا لیکن پھر بھی آپ کو دشمنوں کی نئی نئی سازشوں سے برابر دوچار ہونا پڑ رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ گو مدینہ اور مدینہ کے گرد و پیش کے غیر مسلم قبائل بظاہر رسول مقبول صلعم کی سیادت اور سرداری کو تسلیم کرنے لگے تھے لیکن وہ دلوں میں مسلمانوں کے خلاف سخت عناد رکھتے تھے چنانچہ ان کو جب بھی موقع ملتا تھا وہ کوئی نہ کوئی نیا فتنہ ضرور کھڑا کر دیتے تھے۔

پانچویں ہجری کے آغاز میں مسلمانانِ مدینہ کے خلاف اسی قسم کا ایک شدید فتنہ یہودیوں کی طرح عیسائیوں کی جانب سے اچانک کھڑا ہو گیا اس فتنہ کی تفصیل یہ ہے کہ دومتہ الجندل کے حاکم اکیدر بن الملک عیسائی نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے ایک لشکرِ عظیم جمع کر لیا۔ دومتہ الجندل دمشق اور مدینہ کے درمیان سرحد شام پر واقع تھا۔ اس حاکم نے حملہ سے قبل یہ شرارت شروع کی کہ مسلمانوں کے جو قافلے مدینہ سے بغرضِ تجارت شام کی طرف جاتے تھے۔ ان کو یہ لوٹ لیتا تھا۔ رسولِ مقبول صلعم نے سوچا کہ اگر عیسائیوں کا یہ فتنہ برابر بڑھتا گیا تو کوئی تعجب نہیں کہ یہود اور منافقین بھی اس فتنہ میں شامل ہو جائیں اور مسلمانوں کے لئے نئی مشکلات پیدا کر دیں لہٰذا آپ مجاہدین اسلام کا ایک لشکر لیکر دومتہ الجندل کے عیسائی حاکم کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گئے۔ عیسائی حاکم کو جب یہ چلا کہ مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے تو وہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر فرار ہو گیا۔ اور اس طرح یہ عیسائی فتنہ خونریزی کے بغیر ہی دب گیا۔

قبیلہ بنو مصطلق کے سردار کو شکست

کفار مکہ کا یہ دستور تھا کہ وہ عرب کے مختلف قبائل کو اہلِ رسولِ اقدس

صلعم اور مسلمانوں کے خلاف اُبھارتے رہتے تھے تاکہ مسلمانوں کو چین میسر نہ آسکے اور ان کی طاقت کو برابر دھکا لگتا رہے چنانچہ پانچویں ہجری کے دسط میں کنارے نے قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے آمادہ کر لیا اور اس نے عرب کے مختلف قبائل کو اپنے ساتھ ملانے کے بعد مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

رسول مقبول صلعم کو جب اس شرارت کی اطلاع ملی تو آپ مجاہدین کا ایک لشکر لیکر ۲ شعبان ۵ھ کو روانہ ہو گئے۔ مسلمانان مدینہ کو چونکہ لڑائیوں میں پے در پے کامیابیاں حاصل ہو رہی تھیں۔ اور مال غنیمت نے بڑی حد تک مسلمانان مدینہ کی مالی حالت بھی درست کر دی تھیں۔ اس لئے مشہور منافق عبداللہ بن ابی بھی مال غنیمت کی طمع میں اس لشکر کے ساتھ شامل ہو گیا۔ یہ عبداللہ بن ابی وہی منافق ہے جو جنگ اُحد کے موقع پر اپنے تین سو ساتھیوں کو لیکر راستہ سے لوٹ گیا تھا۔ منافقین چونکہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور ان کو تمام اسلامی حقوق حاصل تھے اس لئے ان کو شریک لشکر ہونے سے منع بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لہذا اس مرتبہ عبداللہ بن ابی بھی لشکر اسلام کے ساتھ شامل ہو گیا۔ مسلمان اگرچہ عبداللہ بن ابی کی منافقانہ سرگرمیوں سے بخوبی واقف تھے لیکن رسول مقبول صلعم کی رواداری کی بنا پر وہ کچھ نہ کہہ سکے۔

اسلامی لشکر منزلیں طے کرتا ہوا جب حارث بن ضرار کے علاقے میں داخل ہوا تو وہ بہت گھبرایا اور ایک چھوٹا چشمہ مریسیع کے کنارے لشکر اسلام سے مقابلہ کرنا پڑا۔ حارث بن ضرار کے پاؤں مسلمانوں کے پہلے ہی حملہ میں اکھڑ گئے اور اسے شکست ہو گئی۔ اس کے بہت سے آدمی مارے گئے اور چھ سو کے قریب گرفتار ہو گئے۔ گرفتار شدگان میں حارث بن ضرار کی بیٹی جویریہ بھی تھی جس نے کہ مسلمان ہونے کے بعد رسول مقبول صلعم سے نکاح کی درخواست کی۔ یہ درخواست منظور کر لی گئی اور اس نکاح کے بعد تقریباً تمام قیدی رہا

کر دئے گئے جن میں سے بیشتر نے اسلام قبول کر لیا۔

اس فتح کے بعد جب لشکرِ اسلام مدینہ کی جانب واپس ہوا تو عبداللہ بن ابی اور منافقوں نے حسبِ معمول اپنی منافقانہ سرگرمیاں شروع کر دیں۔ ان بدبختوں نے انصار اور مہاجرین کے سوال کو خوب اُبھارا۔ اور اس بات کی انتہائی کوشش کی کہ مہاجر و انصار میں تفریق پیدا ہو جائے اسی بدباطن منافق نے اس سفر کے دوران میں حضرت عائشہ پر تہمت لگائی تھی جس کی وجہ سے نہ صرف عام مسلمان بلکہ خود عبداللہ بن ابی کا بیٹا بھی اُسی کے خلاف اس قدر مشتعل ہو گیا تھا کہ اس نے اور دوسرے مسلمانوں نے رسولِ مقبول صلعم سے اس منافق کے قتل کی اجازت طلب کی تھی۔ چنانچہ عبداللہ کے بیٹے نے خود رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ عبداللہ بن ابی یعنی میرے باپ کے سر کے کاٹنے کی خدمت میرے سپرد کی جائے تاکہ میں اُس کا سر کاٹ کر دنیا کو یہ بتا سکوں کہ ایک سچے مسلمان کے لئے باپ سے کہیں زیادہ اسلام پیارا ہے لیکن حضورؐ نے عبداللہ بن ابی کے قتل کی اجازت کسی کو بھی نہیں دی۔

خندق کی لڑائی میں چوبیس ہزار کفار سے مقابلہ

تاریخ اسلام میں خندق کی لڑائی کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس لڑائی میں رسول اللہ صلعم اور مٹھی بھر مسلمانوں کو چوبیس ہزار کفار اور یہودیوں سے مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ یہ لڑائی ماہِ ذیقعد ۵ھ میں مدینہ سے بالکل متصل ہوئی تھی مسلمانوں نے چونکہ اس جنگ میں پہلی مرتبہ خندق کھود کر کفار کا مقابلہ کیا تھا اس لئے یہ جنگ خندق کی لڑائی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کو "جنگ احزاب" بھی کہتے ہیں۔

اس جنگ کے محرک اوّل قبیلہ بنو نضیر کے وہ شرارت پسند یہودی تھے جن کی فتنہ پردازیوں پر ہم اس سے قبل روشنی ڈال چکے ہیں۔ اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ

جب بنو نضیر نے دھوکہ سے رسول اللہ صلعم کو قتل کرنا چاہا اور جنگ کے لئے آمادہ ہو گئے تو حضور نے ان کو بستیاں چھوڑنے کا حکم دیدیا تھا۔ چنانچہ وہ مدینہ کے علاقہ سے نکلنے کے بعد خیبر میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔

رسول مقبول صلعم اور مسلمانوں سے ان کو کیونکہ فطری طور پر عناد تھا۔ اور جلاوطن کئے جانے کے بعد تو یہ مسلمانوں کے اور بھی دشمن ہو گئے تھے اس لئے انھوں نے مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے ایک نہایت ہی وسیع اسکیم تیار کی جس کا مقصد اور منشا یہ تھا کہ عرب کے تمام قبائل متحد ہو کر رسول اللہ صلعم اور مسلمانوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیں۔

اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے قبیلہ بنو نضیر کے سردار سب سے پہلے اُن کفار مکہ کے پاس گئے جو رسول مقبول صلعم اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن تھے اور انھوں نے کفار سے کہا کہ اگر تم پوری طرح ہم کو مدد دو تو ہم اسلام کو ہمیشہ کے لئے جڑ اور بنیاد سے کھود کر پھینک دیں۔ کفار مکہ جو خود بھی مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے تلے ہوئے تھے بھلا ان کو کیا انکار ہو سکتا تھا لہذا وہ تیار ہو گئے۔ جب کفار مکہ ان کا ساتھ دینے کے لئے آمادہ ہو گئے تو یہ لوگ قبیلہ غطفان کے پاس گئے اور ان کو لالچ دیا کہ اگر تم ہمارا ساتھ دو گے تو ہم خیبر کی نصف آمدنی تمہیں دیا کریں گے یہ بھی آمادہ ہو گئے بنو اسد چونکہ غطفان کے حلیف تھے اس لئے وہ بھی مل گئے۔ بنو سلیم سے قریش مکہ کی قرابت تھی۔ اس وجہ سے وہ بھی ساتھی بن گئے۔ بنو سعید کا قبیلہ چونکہ بنو نضیر کا حلیف تھا اس لئے یہودیوں کے ساتھ وہ بھی مل گیا۔ غرضکہ عرب کے بے شمار قبائل مسلمانوں کے خلاف متحد ہو گئے اور انھوں نے چوبیس ہزار کا عظیم الشان لشکر تیار کر لیا جو بڑے ساز و سامان کے ساتھ ابوسفیان کے زیر کمان مدینہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ روانگی سے قبل تمام قبائل کے سردار خانہ کعبہ میں گئے اور انھوں نے قسمیں کھائیں کہ ہم جب تک زندہ ہیں مسلمانوں کی مخالفت سے منہ نہ موڑیں گے۔ اور اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جبتک کہ

اسلام کو بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ کر نہ پھینک دیں گے۔

مخالفین اسلام نے ان تمام تیاریوں کے باوجود اس بات کی بڑی احتیاط رکھی کہ ان کے ناپاک ارادوں کا قبل از وقت مسلمانوں کو علم نہ ہونے پائے۔ چنانچہ رسول مقبول صلعم کو اس سازش کی اطلاع اُس وقت ملی جبکہ مکہ سے مدینہ کے لئے کفار اور یہودیوں کی فوجیں روانہ ہو چکی تھیں۔ اس اطلاع کے ملتے ہی حضورؐ نے صحابہ کرام کو جمع کیا اور جنگ کے بارے میں مشورہ کیا حضرت سلمان فارسی ایرانی ہونے کی وجہ سے خندق کے طریقہ جنگ سے خوب واقف تھے۔ انھوں نے رائے دی کہ کھلے میدان میں نکل کر مقابلہ مناسب نہیں بلکہ ایک محفوظ مقام میں لشکر جمع کیا جائے اور اُس کے گرد خندق کھود لی جائے تمام صحابہ نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور خندق کھودنے کا کام شروع ہو گیا تین ہزار صحابہ اس کام میں مصروف ہو گئے اور تقریباً پندرہ روز میں فوجی مرکز کے گرد ایک بہت ہی لانبی چوڑی خندق تیار ہو گئی۔ خندق کے تیار ہونے کے بعد عورتوں کو تو ایک مضبوط قلعہ میں محفوظ کر دیا گیا اور مسلمان کفار کے مقابلہ کے لئے سینہ سپر ہو گئے

۲۱ ذیقعدہ ۵ھ کو دشمنان اسلام کا لشکر مدینہ کے قریب پہنچ گیا اور اس نے ۲۲ ذیقعدہ کو تین طرف سے سارے مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔ دشمنانِ اسلام کے لشکر کی تعداد اگرچہ چوبیس ہزار تھی اور مسلمانوں کی تعداد بالکل محدود تھی لیکن مسلمانوں کے حوصلے بدستور بلند رہے اس موقع پر یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ مدینہ میں یہودیوں کا ایک قبیلہ بنی قریظہ کے نام سے آباد تھا جس نے کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں نہ شریک ہونے کا عہد کر رکھا تھا لیکن جونہی دشمنانِ اسلام کا لشکر مدینہ کے قریب پہنچا تو یہ قبیلہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا اور اس طرح دشمنانِ اسلام کی تعداد اور طاقت اور بھی بڑھ گئی

مخالفینِ اسلام یہ چاہتے تھے کہ پوری قوت کے ساتھ اسلامی لشکر پر ٹوٹ پڑیں لیکن خندق نے ان کے حوصلے پست کر دئے۔ وہ خندق کے جس حصّہ کو بھی پار کرنے کی کوشش

کرتے تھے مسلمان آگے بڑھ کر خندق پار کرنے والوں کو تہ تیغ کر دیتے تھے یعنی انتہائی کوشش کے باوجود مسلمانوں نے کسی ایک دشمن کو بھی خندق پار کرنے کا موقعہ نہ دیا۔ ایک مرتبہ دو تین کافر ایسی جگہ سے جہاں خندق کم چوڑی تھی گھوڑوں کو کودا کر اندر پہنچ گئے تھے۔ ان خندق پار کرنے والوں میں مشہور جنگجو عمرو بن عبد بھی تھا جسے دو ہزار سواروں کی برابر سمجھا جاتا تھا مگر حضرت علیؓ نے ایک ہی ہاتھ میں اس کا صفایا کر دیا اس کے دوسرے ساتھی جان بچا کر فرار ہو گئے۔ اب کفار کا کام اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ خندق کے پار سے مسلمانوں پر تیر اور پتھر برساتے رہیں۔ غرضکہ یہ سلسلہ مدتوں جاری رہا۔ یہاں تک کہ کفار اس لڑائی سے اکتانے لگے۔

کفار مکہ جب تنگ آ گئے تو انھوں نے مسلمانوں کو خندق سے باہر نکالنے کے لئے یہ بزدلانہ اسکیم سوچی کہ اس قلعہ پر حملہ کر دیا جائے جس میں کہ شرفائے مدینہ کی عورتیں محصور ہیں تاکہ اس حملہ کے بعد مسلمانان مدینہ خندق سے نکل کر مقابلہ پر میدان میں آ جائیں چنانچہ ایک یہودی فوراً قلعہ کے پھاٹک پر جا پہنچا اور کسی نہ کسی طرح قلعہ کے اندر داخل ہو گیا۔ رسولِ مقبول صلعم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ نے اتفاق سے اسے دیکھ لیا۔ اور خیمہ کی چوب اس کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا جب وہ بے ہوش ہو گیا تو حضرت صفیہ نے فوراً ہی خنجر سے اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے اس دروازہ کی طرف پھینک دیا جہاں اس کے بہت سے ساتھی حملہ کے لئے تیار کھڑے تھے۔ جب اپنے رفیق کا کٹا ہوا سر ان لوگوں کے سامنے آن کر پڑا تو ان کو شبہ ہوا کہ اس قلعہ میں عورتوں کے علاوہ بڑی تعداد میں اسلامی فوج بھی متعین ہے لہذا ان کو قلعہ پر حملہ کی ہمت نہ ہوئی اور وہ واپس چلے گئے۔

مسلمانان مدینہ تقریباً ایک ماہ تک خندق کے اندر محصور رہے۔ خندق کے کسی حصہ سے بھی جب کفار اندر گھسنے کی کوشش کرتے تھے۔ تو یہ ان کا آگے بڑھ کر فوراً کام تمام کر دیتے تھے۔ کفار مکہ کا خیال تھا کہ مسلمان زیادہ مدت تک محصور نہیں رہ سکیں گے کیونکہ کفار نے رسد اور کمک کے سارے راستے بند کر دیئے تھے لیکن مسلمان فاقوں پر فاقے کرتے تھے مگر انکے

عزم و استقلال میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے حضورؐ کو کُرتہ اُٹھا کر دکھایا تو اس کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا لیکن جب آپؐ نے اس صحابی کو اپنا پیٹ کھول کر دکھایا تو ایک کی بجائے دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

محاصرہ جس قدر طول پکڑتا جا رہا تھا۔ محاصرہ کرنے والے ہمت ہارتے جا رہے تھے کیونکہ محاصرہ کی طوالت کی بنا پر ایک طرف تو رسد ختم ہوتی جا رہی تھی اور دوسری طرف محاصرہ کرنے والے قبائل میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ چنانچہ اختلافات کی وجہ سے قبیلہ بنو قریظہ محاصرین سے الگ ہو گیا۔ اور اس نے کفار کے سپہ سالار ابوسفیان کو مطلع کر دیا کہ اب ہم سے کسی ہمدردی کی اُمید نہ رکھنا اسی طرح دوسرے قبائل بھی دل برداشتہ ہونے لگے بعد علیحدگی پر آمادہ ہو گئے۔

اس پر مزید یہ کہ محاصرہ کے دوران میں ایک ایسا عجیب و غریب واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے مخالفینِ اسلام کے قدم خود بخود اُکھڑ گئے۔ محاصرہ کو ستائیسواں دن تھا کہ اچانک ایسا خوفناک طوفان آیا کہ ہر طرف تاریکی چھا گئی۔ خیموں کی میخیں اُکھڑ گئیں چولھوں پر جو دیگیں چڑھی ہوئی تھیں وہ اوندھی ہو گئیں۔ اور خیموں کے گرنے سے بے شمار کفار مجروح ہو گئے۔ اس خوفناک طوفان سے کفار کچھ ایسے بدحواس ہوئے کہ راتوں رات میدان جنگ سے فرار ہو گئے یعنی قدرت خداوندی سے چوبیس ہزار کا وہ عظیم الشان لشکر جو ایک مدینہ تو کیا پورے ملکِ عرب کو فتح کر سکتا تھا، ناکام و نامراد لوٹ گیا۔ اور خدا نے اپنے محبوب بندوں کو بہت بڑی مصیبت سے بچا لیا۔

ہجرت کے پانچویں سال کے اہم واقعات

ہجرت کے پانچویں سال میں خندق کی اس جنگ کے علاوہ جو اہم واقعات پیش آئے وہ یہ ہیں:۔

قبیلہ بنو قریظہ کو بدعہدی کی سزا:۔ خندق کی لڑائی سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلعم

قبیلہ بنو قریظہ کی جانب متوجہ ہوئے کیونکہ انھوں نے معاہدہ کے باوجود نہایت ہی نازک وقت میں مسلمانوں کے ساتھ غداری کی تھی۔ چنانچہ ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا گیا۔ جو تقریباً ایک ماہ تک جاری رہا جب یہ تنگ آ گئے تو انھوں نے رسول مقبول صلعم کی خدمت میں ایک درخواست بھیجی اور اس میں لکھا کہ ہم سعد بن معاذ انصاری کو اپنا حکم تسلیم کرتے ہیں وہ ہمارے دوست ہیں۔ وہ جو کچھ بھی فیصلہ کریں گے ہمیں منظور رہے۔ یہ درخواست منظور کر لی گئی۔ اور بنی قریظہ کی خواہش کے مطابق سعد بن معاذ کو حکم بنا دیا گیا۔

سعد بن معاذ نے یہ فیصلہ دیا کہ جن لوگوں نے عہد شکنی کی ہے ان کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کے ساتھ جنگی قیدیوں جیسا سلوک ہونا چاہیئے اور ان کے مال واسباب کو مال غنیمت تصور کیا جائے۔ چنانچہ عہد شکنی کرنے والے قتل کئے گئے۔ عورتوں اور بچوں کو جنگی قیدی بنا لیا گیا۔ اور مال واسباب مال غنیمت قرار دیدیا گیا غرضکہ اس طرح یہ غدار قبیلہ ختم ہو گیا۔

عورتوں کے لئے پردہ کا حکم:۔ اب تک مسلمان عورتیں آزادانہ طور پر بے پردہ پھرتی تھیں۔ اسی سال جب عورتوں کے لئے پردہ کا حکم نازل ہوا تو وہ پردہ میں بیٹھ گئیں۔

متبنیٰ اولاد کی برابری کے حق سے محروم:۔ اس سے قبل عرب میں یہ عام دستور تھا کہ جب وہ کسی کو متبنیٰ بنا لیتے تھے تو اُسے اولاد کی برابر حقوق حاصل ہو جاتے تھے۔ چنانچہ اسی سال قرآنِ مجید کی ایک آیت کے نازل ہونے پر متبنیٰ کو حقوق وراثت سے محروم کر دیا گیا اور اس رسم بد کو مٹانے کے لئے رسول اللہ صلعم نے اپنے آزاد کردہ غلام اور متبنیٰ زید کی مطلقہ بیوی حضرت زینب سے نکاح کر لیا۔

زنا کی سزا مقرر کی گئی:۔ اسی سال زنا کی سزا سو درے مقرر کی گئی۔ اور پرہیزگار عورتوں اور مردوں پر زنا کی تہمت لگانے والے شخص کے لئے بھی اسی درے سزا مقرر

ہوئی۔

نماز کے لئے تیمم کی اجازت:۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم سے نماز پڑھنے کی اجازت بھی اسی سال دی گئی۔ اور حکم الٰہی ہوا کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں مسلمان تیمم کر کے نماز ادا کر سکتے ہیں۔

خانۂ کعبہ کی زیارت میں کفار کی مزاحمت

ہجرت کے چھٹے سال کا اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ رسول مقبول صلعم نے جب خانہ کعبہ کی زیارت کرنا چاہی تو کفار نے سخت مزاحمت کی اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ شوال ۶ھ میں رسول اللہ صلعم نے خواب میں دیکھا کہ آپ خانۂ کعبہ میں صحابۂ کرام کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں مکہ سے نکلنے کے بعد چونکہ رسول مقبول صلعم اور صحابۂ کرام کو خانۂ کعبہ کی زیارت کا شرف چھ سال سے حاصل نہیں ہوا تھا۔ اس لئے سب کی یہ دلی آرزو تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو خانۂ کعبہ کی زیارت اور طواف کیا جائے چنانچہ جب رسول مقبول صلعم نے خواب میں اپنے آپ کو خانۂ کعبہ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو اسے منشائے الٰہی سمجھتے ہوئے آپ نے اور صحابۂ کرام نے عمرہ یعنی زیارت کعبہ کا ارادہ کر لیا۔ غرضکہ ماہ ذیقعد ۶ھ میں رسول اکرم ایک ہزار چار سو صحابۂ کرام کے ساتھ عمرہ کی غرض سے مدینہ سے مکہ کی جانب روانہ ہو گئے سب نے عمرہ کا احرام باندھا اور قربانی کے ستر اونٹ ہمراہ لئے۔ احرام کا باندھنا اور قربانی کے اونٹوں کا ساتھ لینا اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلعم اور صحابہ کا منشا زیارت کعبہ کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

عربوں کا یہ پرانا قاعدہ اور دستور تھا کہ وہ اپنے بڑے سے بڑے دشمن کو بھی خانۂ کعبہ کی زیارت سے نہیں روکتے تھے۔ کیونکہ خانۂ کعبہ پر تمام عربوں کا خواہ وہ عرب کے کسی خطے میں کیوں نہ رہتے ہوں یکساں حق تصور کیا جاتا تھا۔ اسی پرانے دستور کے

مُطابق رسول اکرم اور آپکے ساتھی عمرہ کے لئے مکہ روانہ ہوگئے۔ کفار مکہ مسلمانوں سے بُری طرح خائف تھے جب ان کو معلوم ہوا کہ حضور مع چودہ سو صحابہ کے مکہ تشریف لا رہے ہیں تو ان میں گھبراہٹ اور ہلچل برپا ہوگئی فوراً مکہ میں مجلسِ مشاورت منعقد کی گئی جس میں یہ طے پایا کہ رسول اللہ صلعم اور ان کے ساتھیوں کا مکہ میں آنا چونکہ خطرناک ہے اس لئے ان کو ہرگز مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے مجلس مشاورت کے بعد فوراً ہی عرب کے مختلف قبائل کے نام پیغامات بھیجے گئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ مکہ پر قبضہ کرنے آرہے ہیں۔ فوراً مدد کے لیے مکہ پہنچ جاؤ۔ ان پیغامات کے ملتے ہی مختلف قبائل مکہ کے لئے روانہ ہوگئے اور مکہ کے باہر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ایک بہت بڑی فوج جمع ہوگئی۔

بیعت رضوان رسول مقبول صلعم نے مدینہ پہنچنے کے بعد اس بات کی انتہائی کوشش کی کہ وہ کسی نہ کسی طرح کفار مکہ کو مطمئن کردیں اور یقین دلا دیں کہ مسلمان لڑنے یا مکہ پر قبضہ کرنے کے لئے نہیں آئے ہیں بلکہ ان کا منشا اور مقصد صرف یہ ہے کہ وہ خانہ کعبہ کی زیارت کا شرف حاصل کریں جب یہ معاملہ کسی طرح بھی طے نہیں ہوا تو آپ نے حضرت عثمان رضی کو اپنا سفیر بنا کر عمائدین مکہ کے پاس بھیجا حضرت عثمان رض کا کفار مکہ کے گروہ میں تن تنہا جانا اگرچہ خطرہ سے خالی نہیں تھا لیکن آپ بے دریغ چلے گئے اور آپنے اس بات کی انتہائی کوشش کی کہ کفار اپنی ضد سے باز آجائیں مگر کفار اپنی ضد پر بدستور اڑے رہے۔

حضرت عثمان غنی کو چونکہ مکہ میں کفار سے گفتگو کرنے میں کافی وقت لگ گیا تھا۔ اس لئے یہ مشہور ہوگیا کہ حضرت عثمان رض شہید کر دئے گئے۔ جب یہ اطلاع رسول اللہ صلعم کے کانوں تک پہنچی تو آپنے فرمایا کہ "اگر یہ خبر صحیح ہے تو جب تک ہم اُن کے خون کا بدلہ نہ لے لینگے یہاں سے نہیں جائینگے" یہ کہہ کر حضور رض ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور تمام صحابہ سے جان نثاری کی بیعت لی۔ یہ بیعت تاریخ میں "بیعت رضوان" کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن تھوڑی

دیر کے بعد جب حضرت عثمان رض واپس تشریف لے آئے تو مسلمانوں کو تشویش دُور ہوگئی۔

کفارِ مکہ کی بیجا ضد اور حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کی افواہ سے چونکہ مسلمانوں میں غیر معمولی جوش پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے کفار کو بڑی فکر پیدا ہوئی اور انہوں نے سہیل بن عمر کو اپنا نمائندہ بنا کر رسول اللہ صلعم سے کہلوایا کہ "مصلحت وقت یہی ہے کہ اس سال تو آپ واپس چلے جائیں لیکن آئندہ سال آکر آپ خوشی سے حج کرسکتے ہیں"۔ مسلمانوں کا جوش چونکہ دم بدم بڑھ رہا تھا اور رسول اللہ صلعم یہ محسوس فرما رہے تھے کہ اگر طاقت کے بل پر عمرہ ادا کیا گیا تو کوئی تعجب نہیں کہ خانہ کعبہ ہی میں کشت و خون شروع ہو جائے۔ لہذا آپ نے اللہ کو رفع دفع کرنے کے لئے آئندہ سال حج کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے اور اس غرض کے لئے آپ نے کفارِ مکہ کے نمائندہ سہیل کے ساتھ ایک عہد نامہ کر لیا جو تاریخ میں صلحنامہ حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔

صلحنامہ حدیبیہ کی شرائط حدیبیہ کے مقام پر رسول اللہ صلعم اور کفارِ مکہ میں جو صلحنامہ ہوا اس کی شرائط مندرجۂ ذیل تھیں۔

(۱) مسلمان اس سال عمرہ ادا کئے بغیر چلے جائیں گے اور آئندہ سال حج کی غرض سے آئیں گے۔ اور سوائے تلوار کے جو میان میں ہوگی اور کوئی ہتھیار لگا کر مکہ میں داخل نہیں ہوں گے۔ ان کو صرف تین دن تک حرم میں ٹھہرنے کی اجازت ہوگی۔

(۲) اس عہد نامہ کے ذریعہ فریقین باہمی صلح کا اقرار کرتے ہیں۔ صلح کی مدت دس سال ہوگی۔ اس دس سال میں کوئی فریق دوسرے فریق کے جان و مال سے تعرض نہیں کریگا دونوں فریق باہم امن و امان کے ساتھ رہیں گے۔

(۳) عرب کی ہر ایک قوم اور ہر ایک قبیلہ کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ اپنی خوشی اور مرضی کے ساتھ جس فریق کے ساتھ چاہے ہم عہد ہو جائے۔ ہم عہد قبائل پر بھی صلحنامہ کی یہ شرطیں اسی طرح عائد ہوں گی جس طرح کہ فریقین پر نیز دونوں فریق دیگر قبائل کو اپنا ہم عہد

اور حلیف بنانے کے معاملہ میں آزاد ہوں گے۔

(۴) اگر قریش (کفار مکہ) میں سے کوئی شخص بلا اجازت مسلمانوں کے یا ان کے حلیف قبائل کے پاس چلا جائیگا تو مسلمانوں کو اسے قریش کی طرف واپس کرنا ہوگا لیکن اگر کوئی مسلمان قریش یا ان کے حلیف قبائل کے پاس آ جائیگا تو وہ واپس نہیں کیا جائیگا

اس معاہدہ کی آخری شرط سے چونکہ مسلمانوں کی کمزوری کا اظہار ہوتا تھا اس لئے اُسے اکثر صحابہ نے سخت ناپسند کیا۔ گو بظاہر یہ شرط مسلمانوں کی کمزوری کا پتہ دے رہی ہے لیکن بعد کو اندازہ ہوا کہ یہ شرط کمزوری پر محمول نہیں تھی بلکہ اس میں زبردست مصلحت پوشیدہ تھی جس کے نتائج بعد کو ظاہر ہوئے۔

سہیل جس نے کہ کفار کی جانب سے مندرجہ بالا عہدنامہ پر دستخط کئے تھے اس کا بیٹا ابو جندل مسلمان ہو گیا تھا۔ کفار مکہ سے سخت تکلیفیں پہنچا رہے تھے۔ جب یہ صلحنامہ مرتب ہو چکا تو وہ کفار کی قید سے بھاگ کر کسی طرح رسول مقبول صلعم کی خدمت میں آگیا۔ اور اپنی مظلومی کی داستان بیان کرتے ہوئے حضور سے خواہش کی کہ وہ اسے اپنے ساتھ لے چلیں۔ آنحضرت نے سہیل سے کہا کہ اگرچہ معاہدہ مکمل ہو چکا ہے لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ابو جندل کو میرے پاس رہنے دو سہیل نے انکار کر دیا تو رسول اکرم نے ابو جندل کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ "صبر اور ضبط سے کام لو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اور دوسرے مظلوموں کے لئے کوئی راہ نکالیگا۔ بہرحال اب صلح ہو چکی ہے اور ہم ان لوگوں سے بدعہدی نہیں کر سکتے"

ابو جندل یہ جواب سُن کر مایوس ہو گیا۔ اور دوبارہ کفار کی قید میں چلا گیا۔

کفار مکہ کے خلاف مسلمانوں کی انقلابی پارٹی

صلح حدیبیہ کے بعد ایک شخص ابو بصیر جو مکہ میں اسلام قبول کر چکا تھا۔ جب مکہ سے بھاگ کر مدینہ میں پناہ گزیں ہوا تو کفار مکہ نے اپنے دو آدمی آنحضرت کی خدمت میں بھیجکر مطالبہ کیا کہ معاہدہ کے مطابق ابو بصیر کو ہمارے

حوالے کیا جائے۔ آپؐ نے حسب معاہدہ ابوبصیر کو کفار کے آدمیوں کے ہمراہ واپس روانہ کر دیا۔ ابوبصیر نے راستہ میں بڑی چالاکی کے ساتھ اُن لوگوں کو قتل کر دیا جن کی وہ حراست میں تھا۔ اور بھاگ کر سمندر کے کنارے مقام عیص میں آباد ہو گیا۔ اور وہاں اس نے اپنی ایک انقلابی پارٹی بنالی۔ ابوجندل جو کفار کے مظالم سے مکہ میں پریشان تھا اُسے جب ابوبصیر کی سرگرمیوں کا علم ہوا تو وہ بھی قید سے بھاگ کر ابوبصیر سے آن ملا۔ اس کے بعد جو شخص بھی مکہ میں مسلمان ہوتا تھا مکہ سے بھاگ کر ابوبصیر کی پارٹی میں شامل ہو جاتا چنانچہ رفتہ رفتہ ان کا ایک بہت بڑا گروہ مقام عیص میں جمع ہو گیا۔

اس گروہ کی طاقت جب بہت زیادہ بڑھ گئی تو انھوں نے کفار مکہ کے اُن قافلوں پر چھاپے مارنے شروع کر دئے جو بغرض تجارت شام جایا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس انقلابی گروہ کی وجہ سے مکہ والوں کے لئے شام سے تجارت کرنا ناممکن ہو گیا۔ جب کفار مکہ ان انقلاب پسند مسلمانوں سے تنگ آ گئے تو انھوں نے رسول مقبول صلعم سے گذارش کی کہ وہ عیص کے انقلاب پسندوں کو مدینہ بُلا لیں حضورؐ نے جواب دیا کہ ہمارے لئے ایسا کرنا صلحنامہ کی چوتھی دفعہ کے ہوتے ہوئے ناممکن ہے۔ اس پر کفار مکہ نے پیغام بھیجا کہ ہم صلحنامہ کی چوتھی دفعہ کو منسوخ قرار دیتے ہیں اب جو شخص مسلمان ہو کر مکہ سے مدینہ جائیگا ہم اس کو ہرگز واپس نہیں لیں گے۔ مہربانی فرما کر جس طرح بھی ممکن ہو آپ ابوبصیر اور اس کی پارٹی کے لوگوں کو اپنے پاس مدینہ میں بُلا لیجئے۔ آپؐ نے کفار مکہ کی اس درخواست کو منظور کر لیا اور ابوبصیر کے پاس پیغام بھیجا کہ تم مع اپنی جماعت کے مدینہ چلے آؤ۔ ابوبصیر کو جس وقت حضورؐ کا یہ فرمان ملا وہ سخت بیمار تھا۔ اس نے ابوجندل اور پارٹی کے دوسرے لوگوں کو ہدایت کی کہ وہ اس حکم کی تعمیل میں فوراً مدینہ چلے جائیں۔ چنانچہ ابوبصیر کا تو انتقال ہو گیا۔ اور ابوجندل اور اس کی پارٹی کے دوسرے لوگ مدینہ پہنچ آئے۔

بادشاہوں کو دعوتِ اسلام

حدیبیہ کے صلحنامہ کے بعد جب رسول اللہ صلعم

کفارِ مکہ کے حملوں کی جانب سے بے فکر ہو گئے تو آپ نے اپنی تمام تر جد و جہد تبلیغ اور اشاعت اسلام کے لئے وقف کر دی۔ چنانچہ آپ نے چھٹی ہجری میں ایک طرف مختلف ممالک میں عوام کو اسلام سے روشناس کرنے کے لئے تبلیغی وفود روانہ فرمائے دوسری جانب مختلف بادشاہوں(۱) کو اسلام کے قبول کرنے کی دعوت دی۔

شاہِ حبش نجاشی کو دعوتِ اسلام: شاہِ حبش نجاشی پہلے ہی سے اسلام کی جانب جھکا ہوا تھا اور اُس نے ہی سب سے پہلے مہاجر مسلمانوں کو پناہ دی تھی۔ حضورِ اکرم نے حضرت عمرو بن امیہ ضمیری کو اس بادشاہ کے پاس اپنا خط دیکر روانہ کیا۔ حضرت عمرو ضمیری نے جب بھرے دربار میں حضورؐ کا نامہ مبارک دیا تو وہ اس خط کا احترام کرنے کی غرض سے تخت سے نیچے اتر آیا۔ نامہ مبارک کو آنکھوں سے لگایا۔ پھر خط کو بڑے ادب کے ساتھ سُننے کے بعد کلمۂ شہادت پڑھا۔ اور آنحضرت کی رسالت کا صدق دل سے اقرار کیا اور کہا کہ "میں مجبور ہوں ورنہ خود حضورؐ کی بیعت میں حاضر ہو کر زیارت کا شرف حاصل کرتا۔ اس کے بعد نامہ مبارک کا جواب لکھوایا جس میں مسلمان ہونے کی خوشخبری اور اطاعت کا اقرار تھا۔

قیصرِ رُوم ہرقل کو دعوتِ اسلام: قیصرِ روم کی حکومت مشرق و مغرب میں دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اُس کا شمار صفِ اوّل کے بادشاہوں میں تھا۔ رسولِ مقبول صلعم نے حضرت دحیہ کلبی کے ذریعہ اُسے خط بھیجا جس میں کہ دعوتِ اسلام دی گئی تھی۔ قیصرِ روم نے بڑے احترام کے ساتھ آپ کا نامہ مبارک سُنا۔ اور بڑی دیر تک رسولِ اکرم کے حالات معلوم کرتا رہا۔ اس کے بعد کہا کہ "مجھ کو یہ علم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا میں ان کی صداقت کا اعتراف کرتا ہوں۔ میں اگر وہاں جا سکتا تو خود اُن کے قدم چومتا۔" قیصرِ روم کے ان عقیدتمندانہ خیالات کو سُنکر اہلِ دربار اور مسیحی علما نہایت برہم ہوگئے یہ حالت دیکھ کر قیصرِ رُوم نے دربار برخاست کر دیا۔ جب تخلیہ ہو گیا تو ہرقل نے حضرت دحیہ کلبی سے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ عربی پیغمبر اپنے دعوے میں سچے ہیں لیکن میں اپنی جان

اور حکومت کے خوف سے کھلم کھلا اُن کا مذہب اختیار نہیں کر سکتا"۔

کسریٰ ایران کو دعوت اسلام:۔ رسول اللہ صلعم کے زمانہ نبوت میں خسرو پرویز ایران کا بادشاہ تھا۔ اس کی حکومت مشرق کے بیشتر حصہ پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس بادشاہ کے نام عبداللہ بن حذافہ رسول اکرم کا نامہ مبارک لیکر گئے تھے اسے بھی دوسرے بادشاہوں کی طرح دعوتِ اسلام دی گئی تھی جب عبداللہ بن حذافہ نے شہنشاہ ایران کو حضورؐ کا خط دیا تو اسی وقت اس کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ خط سننے کے بعد وہ بُری طرح برہم ہوا اور اس نے کہا کہ "میرا غلام ہو کر مجھ کو ایسی بات لکھتا ہے"۔ یہ کہہ کر نامہ مبارک چاک کر ڈالا اور ایران کے یمنی گورنر کو لکھا کہ "عرب کے مُدعی نبوت کو میرے پاس بھیجدو"۔ اس کے آدمیوں نے مدینہ پہنچ کر حضورِ اکرم سے کہا کہ "تم کو شہنشاہِ عالم نے طلب کیا ہے۔ اگر اُس کے حکم کی تعمیل نہیں کرو گے تو وہ تم کو اور تمہارے ملک کو برباد کر ڈالیگا"۔ شہنشاہِ دو عالم نے جواب دیا جاکر اس سے کہدو کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایۂ تخت تک پہنچیگی اور کسریٰ کی سلطنت پاش پاش ہو جائیگی"۔ یہ پیغام اُس تک پہنچنے بھی نہیں پایا تھا کہ خود خسرو پرویز کے بیٹے نے باپ کا کام تمام کر دیا۔

مقوقس عزیزِ مصر کو دعوت اسلام:۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے جب عزیز مصر کو رسولِ مقبول کا نامہ مبارک دیا تو اس نے بڑی تعظیم سے آنکھوں سے لگایا۔ از اوّل تا آخر بڑے غور کے ساتھ پڑھا اور کہا کہ "میں پیغمبر عربی کی صداقت کا اعتراف کرتا ہوں۔ اور ان کو پیغمبر برحق یقین کرتا ہوں لیکن مجھے ارکانِ سلطنت کی طرف سے بغاوت کا خوف ہے۔ اس لئے میں علی الاعلان اسلام قبول نہیں کر سکتا"۔ اس بادشاہ نے بہت سے قیمتی تحائف اور ایک خط بھی حضورِ اکرم کی خدمت میں بھیجا تھا جس میں صاف الفاظ میں آپ کی رسالت کا اقرار کیا تھا۔ مگر حکومت کے لالچ نے اس بادشاہ کو کھلم کھلا اسلام قبول کرنے سے باز رکھا۔

چند دوسرے بادشاہوں اور اُمرا کو دعوتِ اسلام | مندرجۂ بالا بادشاہوں

کے علاوہ رسول اللہ صلعم نے شاہِ بحرین، شاہِ عمان، شاہِ یمامہ، شاہِ یمن اور دیگر اُمرائے سلطنت کے نام بھی اسی قسم کے خطوط روانہ کئے تھے جن کے ذریعہ ان کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ شاہِ عمان اور دیگر سلاطین نے آپ کا خط پہنچتے ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ غرضکہ ایک آدھ کو چھوڑ کر باقی تمام بادشاہوں اور حکمرانوں نے آپ کی رسالت کا اقرار کر لیا تھا۔ مختصر یہ کہ دنیا کے تقریباً تمام بادشاہوں اور اُمرا نے پہلے ہی پیغام پر آقائے دوجہاں کے سامنے گردنیں جھکا دی تھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام جزیرہ نمائے عرب کے علاوہ دُنیا کے دوسرے ممالک میں بھی پھیلنے لگا۔ ان ممالک میں جب مبلغین اسلام نے سرگرمیاں شروع کیں تو اسلام میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہونے لگی۔

دُنیا کی تاریخ میں یہ پہلی مثال ہے کہ عرب جیسے ایک بنجر اور غیر معروف خطہ کا ایک غریب شخص جسے اس کے ہموطنوں نے بھی گھر سے نکال دیا ہو۔ انتہائی جرأت سے کام لیکر ان مغرور بادشاہوں کو پیغامِ حق دیتا ہے جن میں سے ہر ایک اپنے دور کا فرعونِ ثانی تھا لیکن یہ تمام بادشاہ بے چون وچرا اس کے پیغامِ حق کے سامنے گردنیں جھکا دیتے ہیں۔ اس کی رسالت کا اقرار کر لیتے ہیں۔ ذرا غور کیجئے کہ کیا اسلام کی حقانیت اور رسولِ اکرم کی صداقت کا اس سے بڑھ کر اور کوئی ناقابلِ انکار ثبوت ہو سکتا ہے۔

رسولِ اکرم نے جن بادشاہوں کو پیغامِ حق دیا تھا ان میں سے اکثر و بیشتر بادشاہ ایسی بے پناہ طاقت کے مالک تھے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی مخالفت پر آمادہ ہو جاتا تو وہ مدینہ تو کیا سارے عرب کو اُجاڑ کر رکھ دیتا۔ لیکن رسولِ اللہ صلعم انتہائی جرأت سے کام لیکر ان کو پیغامِ حق دیتے ہیں۔ ان کو ان کے آبائی دین سے ہٹنے کی ترغیب دیتے ہوئے ان کے سامنے ایک نیا دین پیش کرتے ہیں اور یہ سب کے سب گردنیں جھکا دیتے ہیں۔ یہ اسلام کا معجزہ نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

جنگِ خیبر سے مسلمانوں کے عروج کی ابتدا

جنگِ خیبر جو ساتویں ہجری

میں رسول اللہ صلعم کی سرکردگی میں عرب کے یہودیوں کے خلاف لڑی گئی تھی۔ اُسے اسلامی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ اسی جنگ کے بعد مسلمانوں کے عروج کی ابتدا ہوئی۔ اور اس جنگ میں فتحیاب ہونے کے بعد مسلمانان مدینہ جزیرہ نمائے عرب کی اتنی بڑی طاقت بن گئے کہ پھر ان سے نہ کفار مکہ آنکھ ملا سکے۔ اور نہ منافقین جیسے ہی ان کے مقابلہ پر آسکے۔

خیبر مدینہ سے تقریباً دوسو میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ علاقہ اگرچہ زمانہ دراز سے یہودی آبادی کا بہت بڑا مرکز تھا۔ لیکن یہودی قبائل بنو نضیر اور بنو قریظہ جب مدینہ کے علاقہ سے جلاوطن ہوکر خیبر میں آکر آباد ہوئے تو اس علاقہ میں یہودیوں کی طاقت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ مدینہ سے جلاوطن ہونے والے یہودی چونکہ قدرتی طور پر مسلمانوں سے بغض اور عناد رکھتے تھے اس لئے انھوں نے خیبر میں آباد ہونے کے بعد وہاں کے ہزاروں مقامی یہودیوں کو بھی مسلمانوں کی مخالفت پر آمادہ کرلیا۔ چنانچہ مکہ کے بعد مسلمانوں کی مخالفت اور عداوت کا سب سے بڑا مرکز خیبر بن گیا۔

یہودی یوں تو روزِ اوّل ہی سے مسلمانوں کے جانی دشمن تھے لیکن ان کی یہ دشمنی جنگ خندق کی ناکامی کے بعد بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ مزید برآں رسول مقبول صلعم نے جب بعض شرارت پسند یہودی قبائل کو مدینہ سے جلاوطن کیا تو یہودی اور بھی مشتعل ہوگئے اور انھوں نے جنگ خندق کی طرح مسلمانوں کے خلاف نہایت وسیع پیمانہ پر فوجی تیاریاں شروع کردیں۔ یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لئے عرب کے بہت سے اُن قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملالیا جو مسلمانوں سے بغض وعناد رکھتے تھے اور اس کے ساتھ ہی خاص مدینہ کے منافقوں سے بھی سازباز کرلی جس کی وجہ سے ان کو مسلمانوں کی تمام نقل وحرکت کی اطلاعیں برابر ملتی رہتی تھیں۔ غرضکہ یہودیوں نے مختصر سے عرصہ میں جوڑ توڑ کرکے بیس ہزار کے قریب لشکر جمع کرلیا جس میں کہ بڑے بڑے

جنگجو سردار شامل تھے اس کے علاوہ جنگ کے لئے بے اندازہ سامان بھی فراہم کر لیا یعنی یہودی اور ان کے ہمنوا منافقین مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے بالکل تیار ہو گئے

رسول مقبول صلعم کو جب یہودیوں کے ارادوں کا علم ہوا تو آپ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہودی پہل کرنے کے بعد جنگ خندق کی طرح مسلمانوں کو مدینہ میں آکر محصور نہ کرلیں۔ لہٰذا آپ نے طے کیا کہ یہ جنگ مدینہ کی بجائے خود یہودیوں کے گھر میں گھس کر لڑی جائے۔ اس فیصلہ کے بعد رسول اکرم سولہ سو جاں نثاران اسلام کو ساتھ لیکر مدینہ سے خیبر کی جانب روانہ ہو گئے۔ اور مقام صہبا میں جو خیبر سے متصل ہے جا کر پڑاؤ ڈال دیا۔

یہودیوں کے پاس اگرچہ بہترین ساز و سامان سے آراستہ بیس ہزار کا لشکر موجود تھا۔ لیکن مسلمانوں کی ہیبت ان پر کچھ ایسی طاری ہوئی کہ کھلے میدان میں لڑنے کی وہ ہمت نہ کر سکے اور انھوں نے طے کیا کہ وہ قلعہ بند ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں گے انھوں نے غالباً اسی غرض کے لئے پہلے ہی سے چھ سات نہایت ہی مضبوط اور سنگین قلعے تعمیر کر لئے تھے جن کے نام یہ ہیں:۔ قلعہ سالم۔ قلعہ قموص۔ قلعہ قطاۃ۔ قلعہ قصارۃ۔ قلعہ شق۔ قلعہ مریطہ اور قلعہ ناعم یہودیوں نے ان قلعوں میں محصور ہونے کے بعد قلعوں کے دروازے بند کر لئے۔ اور قلعہ بند ہو کر اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنا شروع کیا۔ ان قلعوں کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہزار ہا شہریوں کے علاوہ بیس ہزار کے قریب فوج ان قلعوں میں موجود تھی۔

حضرت علیؑ کے ہاتھ پر قلعہ خیبر کی فتح

یہودیوں کا خیال تھا کہ مسلمان ان فولادی قلعوں کو توڑنے میں ناکام رہیں گے اور محاصرہ سے تنگ آکر خود ہی واپس چلے جائیں گے لیکن مسلمانوں نے یہودیوں کی توقع کے بالکل خلاف ایک ایک کرکے اس تیزی کے ساتھ قلعے فتح کرنے شروع کر دیے کہ یہودی حیران رہ گئے چنانچہ مختصر سی مدت میں مسلمانوں نے سات قلعوں میں سے

پانچ قلعے فتح کر لئے۔ صرف دو قلعے باقی رہ گئے تھے۔ ان دو قلعوں کے فتح میں جب ذرا دیر ہوئی تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ کل میں اس شخص کو علم دونگا جسکے ہاتھ پر حق تعالیٰ ان قلعوں کو فتح کرائیگا۔ چنانچہ دوسرے روز حضورؐ نے حضرت علیؓ کو علم دیا۔ اور ان قلعوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا تو پہلے ہی معرکہ میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں یہ باقی قلعے بھی فتح ہو گئے مختصر یہ کہ خیبر کا یہ آخری اور دشوار گذار مورچہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر فتح ہو گیا اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہو گئی اور اس عظیم الشان فتح کے بعد مسلمان مدینہ منورہ سے لیکر خیبر تک کے وسیع علاقے کے مالک و مختار بن گئے یعنی فتح خیبر کے بعد مدینہ نے باقاعدہ ایک چھوٹی سی اسلامی سلطنت کی حیثیت حاصل کر لی

خیبر کے اس معرکہ کے بعد یہودیوں نے رسول مقبول صلعم سے درخواست کی کہ خیبر کی زمین بدستور ہمارے قبضہ ہی میں رہنے دی جائے۔ ہم پیداوار کا نصف حصہ بطور ٹیکس کے ادا کرتے رہیں گے۔ یہ درخواست منظور کر لی گئی۔ رسول اللہ صلعم فتح کے بعد تقریباً پندرہ روز تک خیبر ہی میں رہے۔ آپ نے فتح کے بعد یہودیوں کے ساتھ نہایت ہی نرم سلوک کیا لیکن اس کے باوجود بھی یہودی اپنی شرارتوں سے باز نہیں آئے۔ چنانچہ ایک یہودی عورت زینب بنت حارث نے آنحضرت صلعم کی چند صحابہ کے ساتھ دعوت کی تو آپ نے یہ دعوت قبول فرمالی۔ شام کو وہ کھانا لیکر آئی اور رسول اللہ صلعم کے سامنے رکھ چلی گئی۔ اس وقت جتنے بھی صحابہ موجود تھے حضورؐ نے سب کو شریک دعوت کر لیا۔ اور کھانا شروع کیا۔ آپ نے پہلا ہی لقمہ کھا کر ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا کہ اس کھانے میں زہر ہے یہ سنتے ہی سب صحابہ دست کش ہو گئے لیکن حضرت بشر بن البراءؓ نے کئی لقمے کھا لئے تھے۔ اس لئے وہ اس کے اثر سے شہید ہو گئے۔ آنحضرت نے زینب کو بلا کر پوچھا تو اس نے جرم کا اقبال کر لیا۔ اور وہ وارثانِ بشر کے حوالے کر دی گئی۔ بعض مورخوں کا تو یہ کہنا ہے کہ وارثانِ بشر نے اسے اس لئے قتل نہیں کیا کیونکہ وہ مسلمان ہو گئی تھی اور بعض کا کہنا یہ ہے کہ اسے قصاص میں قتل کر دیا گیا تھا۔

فدک اور وادی القریٰ کی فتح

رسولِ مقبول صلعم خیبر سے مدینہ کی طرف واپسی کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ ملک حبش سے واپس آنے والے مہاجرین کا قافلہ شاہِ حبش کا خط اور تحائف لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا حبش کا ایک قافلہ جس میں حضرت عثمان غنیؓ حضور ؐ کی صاحبزادی اور دوسرے مسلمان تھے وہ تو پہلے ہی آچکا تھا۔ اس نئے قافلہ میں جو مسلمان حبش میں رہ گئے تھے وہ سب بھی آگئے آپ ان کے آنے سے بے حد خوش ہوئے۔

خیبر سے واپسی کے راستہ میں ایک مقام فدک تھا جو خیبر کے قریب ہی تھا۔ فدک کے یہودیوں نے رسول اللہ صلعم کے پاس خود پیغام بھیجا تھا کہ ہم کو صرف جانوں کی امان دیدی جائے مال واسباب کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ آنحضرت صلعم نے اُن کی اس درخواست کو منظور کرلیا تھا۔ چنانچہ فدک کے علاقہ پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ چونکہ فدک کا علاقہ بغیر لڑے ہوئے ہاتھ آیا تھا۔ لہٰذا بلا تقسیم جیسا کہ خدا کا حکم تھا خدا اور رسول کا مال سمجھا گیا یعنی اس کی آمدنی رسول مقبول صلعم کے متعلقین اور غربا کی امداد کے لئے وقف کردی گئی۔

فدک کی تسخیر کے بعد لشکرِ اسلام جب وادی القریٰ کی جانب بڑھا تو یہودیوں نے مسلمانوں پر تیر اندازی شروع کردی۔ چنانچہ ان کا محاصرہ کرلیا گیا۔ آخر انھوں نے بھی زمینوں کی نصف آمدنی دینے کا وعدہ کرکے اطاعت قبول کرلی۔

خیبر کا علاقہ بے حد زرخیز تھا۔ اور وہاں کے یہودی بھی بے حد مالدار تھے خیبر کی فتح کے بعد اموالِ غنیمت اور زرعی زمینیں جب مسلمانوں میں تقسیم ہوئیں تو مہاجرین کی پریشاں حالی اور افلاس سب دُور ہوگیا۔ یہاں تک کہ بہت سے مہاجرین نے جائدادیں بھی بنالیں۔ غرضکہ تقریباً تمام مہاجرین انصار کی مالی امداد سے بے نیاز ہوگئے۔ خیبر کی زمینوں میں سے رسولِ مقبول صلعم کے حصہ میں فدک کی جو جائداد آئی تھی اُس سے

آپ اپنے رشتہ داروں یتیموں اور مفلس مسلمانوں کی پرورش فرمایا کرتے تھے۔

خیبر سے مدینہ واپس آنے کے بعد رسول اللہ صلعم ان ابن الوقت قبائل کی جانب متوجہ ہوئے جو کبھی تو کفار مکہ کے ساتھ ملکر اور کبھی یہودیوں کے ساتھ ساز باز کرکے مسلمانوں کو پریشان کیا کرتے تھے۔ آپنے ایک ایک کرکے تمام غدار قبائل کو زیر کر لیا۔ اور اس طرح اس سارے فتنہ کو دبا دیا جو زمانۂ دراز سے مسلمانوں کی پریشانی کا باعث بنا ہوا تھا۔

خیبر کی فتح اور اس کے بعد فتنہ پرداز قبائل کی سرکوبی کفار مکہ کے لئے بہت بڑا حادثہ تھا۔ کیونکہ ان عظیم الشان فتوحات کے بعد کفار مکہ کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ اب اسلام کے سیلاب کو روکنا ناممکن ہو گیا ہے۔

حدیبیہ کے معاہدہ کے مطابق ادائے عمرہ

حدیبیہ کے معاہدہ کی رُو سے یہ طے پایا تھا کہ آئندہ سال رسول اللہ صلعم مکہ آکر عمرہ یعنی چھوٹا حج ادا کریں گے۔ اس معاہدہ کے مطابق خیبر کی فتح سے فارغ ہونے کے بعد آپنے ان تمام صحابہ کرام کو سفر کی تیاری کا حکم دیدیا۔ جو گذشتہ سال عمرہ ادا کرنے کی غرض سے آپکے ساتھ مکہ کی جانب گئے تھے مگر کفار مکہ کی مزاحمت کی وجہ سے عمرہ ادا نہیں کر سکے تھے۔

اس حکم کے ملتے ہی صحابہ سفر کے لئے تیار ہو گئے اور ۲ ذیقعد ۷ھ کو قافلہ مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ معاہدہ حدیبیہ کی ایک دفعہ چونکہ یہ بھی تھی کہ مسلمان مسلح ہوکر مدینہ میں نہیں آئیں گے صرف اپنے ساتھ تلواریں لاسکیں گے۔ اس لئے مسلمانوں نے تمام ہتھیار اُتار دیئے اور صرف تلواریں حمائل کئے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے رسول مقبول صلعم لبیک کہتے ہوئے حرم کی جانب بڑھے اور مسجد الحرام میں داخل ہوکر آپنے حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور طواف کیا۔ صحابہ کرام نے بھی اس موقع پر آپ کی تقلید

کی۔ آپنے صحابۂ کرام کو حکم دیا کہ مستعدی کے ساتھ دوڑتے ہوئے بیت اللہ کا طواف کرو تاکہ اس سے مسلمانوں کی جفاکشی اور قوت کا کفار پر اظہار ہو۔

رسول اللہ صلعم اور آپ کے ساتھیوں نے مکہ میں تین دن قیام کیا ارکان عمرہ سے فارغ ہوکر آپنے عباس بن عبدالمطلب کی بیوہ اور ام الفضل کی ہمشیرہ میمونہ بنت حارث سے اسی موقع پر نکاح کیا تھا۔ تین دن گذرنے پر کفار مکہ کے نمائندے حضرت علی کے پاس آئے اور کہا کہ اپنے پیغمبر سے کہو کہ شرط پوری ہو چکی ہے اور تین دن گذر چکے ہیں حضرت علی نے رسول مقبول صلعم سے کہا تو آپ اسی وقت روانہ ہوگئے مورخین لکھتے ہیں کہ اس وقت مسلمانوں کی طاقت اتنی بڑھ چکی تھی کہ اگر وہ عہد شکنی کرنا چاہتے تو آسانی سے مکہ پر قابض ہو سکتے تھے لیکن انھوں نے ایفائے عہد کو مقدم رکھا اور بلا تامل واپس چلے آئے۔

عمر بن عاص اور خالد بن ولید کا قبول اسلام

عمر بن عاص اور خالد بن ولید کو کفار مکہ میں بہت بڑی عظمت حاصل تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ ان دونوں کو کفار کی طاقت کا ستون خیال کیا جاتا تھا۔ ساتویں ہجری کا اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں مقتدر حضرات نے اسلام قبول کر لیا۔ عمر بن عاص۔ خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ یہ تینوں سردار اسلام قبول کرنے کے لئے مکہ سے مدینہ آئے اور رسول مقبول صلعم کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کر لیا۔ ان تینوں کے مسلمان ہونے سے اسلام کو بڑی تقویت پہنچی۔

ساتویں ہجری کے چند شرعی احکامات

ساتویں ہجری میں آیات قرآنی کے نزول کے بعد جو فقہی احکامات مسلمانوں کے لئے جاری ہوئے وہ یہ تھے۔

(۱) اس سے قبل عرب کے باشندے پنجہ سے کھانے والے پرندوں کا گوشت

بڑے شوق سے کھاتے تھے لیکن اس سال سے ان پرندوں کا گوشت حرام قرار دے دیا گیا۔

(۲) عربوں میں درندوں کا گوشت کھانے کا رواج بھی زمانۂ دراز سے چلا آرہا تھا۔ اب درندے بھی حرام ہوگئے۔ نیز گدھا اور خچر بھی حرام قرار دیدیا گیا۔

(۳) متعہ کا عرب میں عام رواج تھا۔ اسی سال متعہ بھی حرام ہوا۔

قیصرِ روم سے مسلمانوں کی پہلی جنگ

ہجرت کا آٹھواں سال شروع ہو چکا تھا مسلمان سرزمینِ عرب کی سب سے بڑی طاقت بن چکے تھے۔ کفارِ مکہ۔ یہودانِ خیبر اور منافقین مدینہ کو مسلمانوں کے خلاف اپنی تمام ریشہ دوانیوں میں ناکام ہو چکے تھے لیکن وہ اب بھی مسلمانوں کی جانب سے غافل نہ تھے۔ جب ان دشمنانِ اسلام نے یہ دیکھ لیا کہ اب عرب میں کوئی قبیلہ اور کوئی جماعت ایسی نہیں رہی جو مسلمانوں کا مقابلہ کر سکے تو ان شرارت پسندوں نے ایران اور روم کے بادشاہوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا شروع کیا اور ان کو توجہ دلائی کہ اگر ابتدا ہی میں عرب سے مسلمانوں کی طاقت کو ختم نہ کر دیا گیا تو ان کا وجود آگے چل کر روم اور ایران کے لئے مستقل خطرہ بن جائیگا۔ شاہِ ایران تو پہلے ہی بگڑا ہوا تھا۔ اب شاہِ روم اور رومی حکام بھی مسلمانوں کے مخالف بن گئے۔

مخالفینِ اسلام کی ان تازہ ریشہ دوانیوں کو بے اثر بنانے کے لئے رسول اللہ صلعم پہلے ہی مختلف بادشاہوں اور اُمرا کے نام خطوط روانہ کر چکے تھے۔ جن میں کہ ان کو اسلام کی امن پسندی کا یقین دلایا گیا تھا۔ اسی قسم کا ایک خط دیکر حارث بن عمر کو حاکم بصرہ کے پاس روانہ کیا گیا تھا۔ حارث ابھی بصرے پہنچے بھی نہ تھے کہ موتہ کے رومی حاکم شرجیل غسانی نے حارث کو گرفتار کر لیا۔ اور یہ معلوم کر کے کہ یہ حاکم بصرہ کے پاس رسولِ مقبول صلعم کا خط لیکر جا رہے ہیں اُن کو شہید کر دیا۔ رسول اللہ

صلعم کے نامہ بر کی شہادت کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اس سے مسلمان بُری طرح مشتعل ہو گئے رسولِ مقبول صلعم کو بھی اس واقعہ سے بے حد رنج پہنچا۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم نے فوراً تین ہزار مسلم جانبازوں کا ایک لشکر شرجیل حاکم موتہ کی سرکوبی کے لئے زید بن حارث کی سرکردگی میں روانہ کر دیا۔

شرجیل غسانی حاکم موتہ کو جب معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا ایک لشکر اُس سے حارث بن عمر کے قتل کا انتقام لینے کے لئے آ رہا ہے تو اُس نے بھی مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ایک لاکھ کا لشکرِ جرار تیار کر لیا۔ رُومی فوجوں میں مزید ہمت اور جرأت پیدا کرنے کے لئے خود قیصرِ رُوم موتہ سے کچھ فاصلہ پر خیمہ زن ہو گیا۔ مختصر یہ کہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں جنگ چھڑ گئی۔

جنگِ موتہ میں مسلمانوں کی سرفروشی

عیسائیوں اور مسلمانوں کی یہ تاریخی جنگ موتہ کے میدان میں لڑی گئی تھی۔ اس جنگ میں ایک طرف تو اُن رُومی عیسائیوں کا ایک لاکھ کا لشکر جرار تھا جن کی سلطنت مشرق سے لیکر مغرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور دوسری طرف صرف تین ہزار اسلامی سرفروش تھے جو پوری طرح آلاتِ حرب سے بھی مسلح نہ تھے۔ اسی لشکرِ اسلام میں حضرت خالد بن ولید مسلمان ہونے کے بعد پہلی مرتبہ مسلمانوں کی جانب سے لڑے تھے۔

تین ہزار مسلمانوں کا اتنے بڑے لشکرِ جرار کے ساتھ ٹکرانا کوئی آسان کام نہ تھا لیکن مجاہدینِ اسلام کی حالت یہ تھی کہ وہ قلتِ تعداد کے باوجود دشمن کے لشکر کے قلب میں گھس گھس کر حملے کر رہے تھے اور آگے بڑھ بڑھ کر اپنے آپ کو شہادت کے لئے پیش کر رہے تھے۔ اس خوفناک جنگ میں جب تین بڑے بڑے اسلامی سپہ سالار زید بن حارث، جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے

تو لشکر اسلام کی سپہ سالاری حضرت خالد بن ولید کے سپرد کی گئی۔ آپ کے سپہ سالار ہونے سے قبل مسلمانوں کو بُری طرح ہر مورچہ پر شکست ہو رہی تھی لیکن جُوں ہی رایت اسلام آپ نے اپنے ہاتھ میں لیا۔ جنگ کا رُخ بدلنے لگا۔ حضرت خالد بن ولید نے مختلف ٹکڑیوں میں مختصر سی اسلامی فوج کو تقسیم کر کے اس قابلیت کے ساتھ رُومیوں کے لشکر عظیم پر حملہ کیا کہ رُومیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور ان کو بُری طرح شکست اُٹھانی پڑی۔ اسی تاریخی جنگ کے موقعہ پر رسولِ مقبول صلعم نے حضرت خالد بن ولید کو سیف اللہ کا خطاب عطا کیا تھا۔

عیسائیوں اور مسلمانوں کی اس سب سے پہلی اور عجیب غریب جنگ کو دُنیا کی تاریخ میں ایک معجزہ خیال کیا جاتا ہے جبکہ مٹھی بھر مسلمانوں نے دُنیا کی سب سے بڑی حکومت کے ایک لاکھ منظم لشکر کو راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مخالفین اسلام نے رُومی عیسائیوں اور مسلمانوں کی یہ جنگ اس لئے کرائی تھی تاکہ مسلمان تباہ ہو جائیں لیکن اس جنگ کا یہ خوشگوار نتیجہ نکلا کہ ایک طرف تو مسلمان یہ سمجھنے لگے کہ وہ دُنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو زیر کر سکتے ہیں۔ دوسری جانب غیر ممالک کے حکمرانوں پر بھی مسلمانانِ مدینہ کی قوت اور طاقت کی دھاک بیٹھ گئی۔

کفارِ مکہ کی معاہدہ شکنی مسلمانوں کے لئے فالِ نیک

اس سے قبل بتایا جا چکا ہے کہ چھٹی ہجری میں "صلح حدیبیہ" کے نام سے کفارِ مکہ اور مسلمانوں میں دس سال کے لئے صلح کا جو معاہدہ ہوا تھا۔ اس کی رُو سے یہ قرار پایا تھا کہ دس سال تک دونوں فریق ایک دوسرے کے جان و مال سے تعرض نہیں کریں گے اور جو قبائل فریقین کے حلیف بن جائیں گے وہ بھی ایک دوسرے کے جان و مال سے تعرض نہیں کریں گے اور اسی طرح اس عہد نامہ کے پابند ہوں گے جس طرح کہ دونوں فریق پابند ہیں۔

عرب کے دو مشہور قبائل بنو خزاعہ اور بنو بکر میں آپس میں برابر خانہ جنگی رہتی تھی لیکن صلح حدیبیہ کے بعد جب قبیلہ بنو خزاعہ مسلمانوں کا حلیف بن گیا اور قبیلہ بنو بکر کفارِ مکہ کے ساتھ مل گیا تو اس صلحنامہ کی رُو سے ان دونوں کی خانہ جنگی بھی ختم ہو گئی اور یہ دونوں قبیلے امن سے رہنے پر مجبور ہو گئے۔

تقریباً دو سال تک تو یہ دونوں قبیلے امن سے رہے لیکن آٹھویں ہجری میں قبیلہ بنو بکر کی نیت بگڑی اور اس کے سردار نوفل بن معاویہ نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ کفارِ مکہ کا فرض تھا کہ وہ معاہدہ کے مطابق اپنے ساتھی قبیلے بنو بکر کو اس جارحانہ اقدام سے روکتے اور قبیلہ بنو خزاعہ پر جو رسول مقبول صلعم کی پناہ میں آ گیا تھا۔ بنو بکر کو حملہ نہ کرنے دیتے لیکن کفارِ مکہ ان کو روکتے تو کیا اُنھوں نے اُلٹی حملہ کرنے والوں کی خوب ہمت افزائی کی۔ چنانچہ ان کو نہ صرف ہتھیار اور سامانِ حرب دیا گیا۔ بلکہ جب قبیلہ بنو بکر نے قبیلہ خزاعہ پر حملہ کیا تو کفارِ مکہ کے خود اپنے سردار صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ بھی اس حملہ میں بنو بکر کے ساتھ شامل ہو گئے اور بنی خزاعہ کا قتل عام شروع کر دیا۔

یہ بزدلانہ حملہ رات کے وقت ایسی حالت میں کیا گیا تھا جبکہ بنی خزاعہ پڑے ہوئے سو رہے تھے۔ بنو خزاعہ اس اچانک حملہ کا جب مقابلہ نہ کر سکے تو جان بچانے کے لئے حرم میں جا چھپے لیکن کفارِ مکہ اور بنو بکر نے ان کو وہاں بھی نہیں چھوڑا۔ چنانچہ اس ہنگامہ میں بنو خزاعہ کے پچیس تیس آدمی مارے گئے۔ جن میں سے بعض بیت اللہ کے اندر قتل کئے گئے تھے۔

کفارِ مکہ کی اس معاہدہ شکنی اور قبیلہ بنو بکر کی قبیلہ بنو خزاعہ کے ساتھ اس زیادتی کی فریاد مظلوم قبیلہ والوں نے جب رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر کی تو آپ کو بے حد رنج ہوا۔ آپ نے ان لوگوں کو تسلی تشفی دیکر فرمایا کہ ہم تمہاری امداد کو ضرور مکہ پہنچیں گے۔ اس واقعہ کے فوراً ہی بعد آپ نے کفارِ مکہ کے پاس قاصد روانہ کیا اور مندرجہ بالا

واقعہ پر اظہارِ ناراضگی فرماتے ہوئے مطالبہ کیا کہ :۔

"قبیلہ بنو خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا دیا جائے۔ بنو بکر کی حمایت سے قریش مکہ فوراً علحدہ ہو جائیں۔ اور اس بات کا اعلان کر دیا جائے کہ دس سال کے لئے حدیبیہ کا جو صلحنامہ ہوا تھا وہ ٹوٹ گیا۔"

رسول اللہ صلعم کا یہ پیغام لیکر قاصد جب کفارِ مکہ کے پاس پہنچا تو انھوں نے نہایت غرور اور تکبر کے ساتھ کہا کہ "ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے محکوم نہیں ہیں۔ ہم نے جو چاہا کیا۔ جاؤ ہم کسی معاہدہ کی پرواہ نہیں کرتے۔ ہم بھی اسے منسوخ کرتے ہیں۔" یہ تلخ جواب لیکر قاصد مدینہ واپس آگیا۔ اور اس نے آنحضرت صلعم کو جب اس متکبرانہ جواب سے مطلع کیا تو آپ نے اسی وقت صحابہ کرام کو مکہ پر چڑھائی کی تیاریوں کا حکم دیدیا۔

اسلامی قاصد کے واپس چلے جانے کے بعد کفارِ مکہ نے جب اپنے جواب کی نامعقولیت اور حماقت پر غور کیا تو ان کو بڑی فکر ہوئی۔ کیونکہ انھوں نے اس طرح خود ہی مسلمانوں کو مکہ پر حملہ کرنے کی دعوت دیدی تھی۔ چنانچہ مسلمانوں کے حملہ سے بچنے کے لئے انھوں نے اپنے سردار ابوسفیان کو سفیر بناکر مدینہ کی طرف دوڑایا تاکہ وہ آنحضرت کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر کسی نہ کسی طرح حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کرالائے۔ لیکن ابوسفیان نے مدینہ آکر جب رسولِ مقبول صلعم کی خدمت میں معاہدہ کی تجدید کی درخواست پیش کی تو آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ابوسفیان بارگاہِ رسالت سے مایوس ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور مدینہ کے تمام با اثر حضرات کی خوشامدیں کرتا پھرا لیکن کسی نے اسے منہ نہ لگایا۔ آخر وہ ناکام و نامراد واپس چلا گیا۔

رسول اللہ صلعم کا مکہ میں فاتحانہ داخلہ

مکہ پر حملہ کے سلسلہ میں جب جملہ انتظامات پایۂ تکمیل کو پہنچ

گئے نو۔ا رمضان المبارک ۸ھ کو دس ہزار کا اسلامی لشکر فتح مکہ کی غرض سے رسول اللہ صلعم کی قیادت میں روانہ ہوگیا اور مکہ سے چار میل کے فاصلہ پر وادی مرّالظہران میں خیمہ زن ہوگیا۔ اسلامی لشکر اگرچہ مکہ کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا لیکن مکہ والے ابھی تک مسلمانوں کے حملہ سے قطعی بے خبر تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ تمام کارروائی اس قدر رازداری اور سرعت کے ساتھ کی گئی تھی کہ کفارِ مکہ کو آخر وقت تک مسلمانوں کے ارادوں کا علم نہ ہوسکا۔

مرّالظہران کے چرواہے جب رات کو مکہ میں پہنچے اور ان کے ذریعہ مکہ والوں کو علم ہوا کہ ایک بہت بڑا لشکر اس علاقے میں خیمہ زن ہے تو کفار بہت گھبرائے اور انھوں نے تحقیق حال کے لئے ابوسفیان اور چند دوسرے سرداروں کو روانہ کیا۔ یہ لوگ تجسّس میں مصروف تھے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو دیکھ لیا اور گرفتار کرکے کشاں کشاں خیمہ نبوی میں لے آئے۔ ابوسفیان سب سے بڑا دشمنِ اسلام تھا۔ وہ مسلمانوں کے خلاف تقریباً تمام لڑائیوں میں سب سے زیادہ پیش پیش رہا تھا۔ اور مسلمانوں کو اس کی ذات سے بے حد نقصان پہنچا تھا۔ جب وہ گرفتار ہوا تو ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ اس کو قتل کردیا جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ "یا رسول اللہ حکم دیجئے کہ میں اس کافر کی گردن اُڑا دوں"۔ لیکن حضورِ اکرم نے فرمایا "میں اس سے کوئی انتقام لینا نہیں چاہتا، اس کو چھوڑ دو"۔ ابوسفیان یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اُس جیسے دشمنِ اسلام پر یہ رحم وکرم اس نرم سلوک کا نتیجہ ہوا کہ اس نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔

ابوسفیان کے مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ صلعم نے اس سے کہا کہ "تم جاکر اہلِ مکہ کو میرے ارادہ سے مطلع کردو کہ ہمارا مقصد خونریزی یا انتقام لینا نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصد اعلائے کلمۃ الحق ہے۔ بس جو لوگ ہم پر تلوار اُٹھائیں گے۔ صرف وہی قتل کئے جائیں گے اور جو ہم پر ہتھیار نہیں اُٹھائیں گے ہم اُن کے ساتھ منصفانہ سلوک کرینگے

اس کے علاوہ جو شخص حرم کعبہ میں داخل ہو جائیگا وہ پناہ میں ہے اور جو اپنا دروازہ بند کرلیگا۔ اس سے بھی تعرض نہیں کیا جائیگا اور جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ گزیں ہوگا اُسے بھی امان مل جائیگی"۔

مکہ پہنچکر ابوسفیان نے رسولِ مقبول صلعم کا پیغام مکہ والوں تک پہنچا دیا اور اُن سے کہا "اے لوگو! محمد صلعم کے ساتھ فدا کارانِ اسلام کا اتنا بڑا لشکر ہے جس کا مقابلہ ہم کسی طرح بھی نہیں کر سکتے۔ ہمارے لئے یہی مناسب ہے کہ ہم اطاعت قبول کرلیں"۔ اپنے سردار کی زبان سے یہ کلمات سُنکر کفار مکہ اپنی زندگیوں سے مایوس ہوگئے اور گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔

دوسرے دن لشکر اسلام بڑی شان و شوکت کے ساتھ کسی مزاحمت کے بغیر مکہ میں داخل ہونا شروع ہوگیا۔ یہ منظر بڑا ہی پُرعظمت اور پُرشکوہ تھا کہ مہاجر و انصار اور مسلمانوں کا ہر قبیلہ علیحدہ علیحدہ اپنے جھنڈے لئے ہوئے اللہ اکبر کے نعرے لگاتا ہوا مکہ میں داخل ہو رہا تھا۔ آقائے دوجہاں محمد صلعم کی سواری لشکرِ اسلام کے عین وسط میں تھی۔ ایک دن وہ تھا کہ رسول اللہ صلعم کو انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں مکہ سے نکلنا پڑا تھا اور ایک آج کا دن تھا کہ حضور شاہانہ عظمت کے ساتھ پھر اپنے گھر میں داخل ہو رہے تھے۔ اس وقت آپ والہانہ انداز میں بار بار اپنی زبانِ مبارک سے اپنے مولیٰ کا شکر ادا کر رہے تھے۔ اور آپ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ آپنے اسلامی لشکر کو سخت تاکید کردی تھی کہ خونریزی تو درکنار کسی کو خراش تک نہ آئے چنانچہ اسلامی لشکر انتہائی ضبط اور احتیاط سے کام لیتا ہوا مکہ میں داخل ہوگیا۔

آقائے دوجہاں شاہانہ دبدبہ کے ساتھ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے اور سر جھکائے ہوئے اپنے مرکب پر سوار تھے۔ مکہ میں داخل ہوتے کے ساتھ ہی آپ خانہ کعبہ کی طرف تشریف لے گئے۔ جب آپ خانہ کعبہ کے دروازہ پر پہنچے تو آپنے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا

اور آپ کے ساتھ جب پورے لشکر نے نعرۂ توحید بلند کیا تو سارا مکہ توحید الٰہی کی آوازسے گونج اُٹھا۔ آپ نے سواری ہی پر سات مرتبہ خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بُت نصب تھے جو اسی وقت آپ کے حکم سے باہر پھنکوا دئے گئے۔ کعبہ کے بتوں سے پاک ہونے پر آپ نے یہ آیت پڑھی:۔ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً یعنی "حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کی چیز ہے"۔ حضرت عمر رض نے اندر جاکر جب خانۂ کعبہ سے تصویروں کو مٹا دیا اور خانہ کعبہ تمام آلائشوں سے پاک ہو گیا تو نبی کریم اندر داخل ہوئے اور نماز پڑھی۔ لیکن بخاری میں نماز کا پڑھنا مذکور نہیں ہے صرف تکبیروں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد خانہ کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر آپ نے جو تقریر فرمائی اُس کا خلاصہ یہ ہے:۔

خدائے واحد کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اور اُس کا کوئی شریک نہیں ہے آج اُس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بندہ کی اُس نے مدد کی اور تمام گروہوں کو اُس کے مقابلہ میں شکست دی۔ میں نے زمانۂ جاہلیت کی تمام رسموں کو پاؤں تلے مسل دیا ہے۔ صرف بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو آبِ زمزم کا پلانا برقرار رکھا گیا ہے۔ اے گروہ قریش تم کو اللہ نے زمانۂ جاہلیت کے تکبر اور باپ دادا پر فخر کرنے سے منع کر دیا ہے۔ کُل آدمی آدمؑ سے پیدا ہوئے ہیں اور آدمؑ مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ "لوگو میں نے تم کو مرد و عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپس میں پہچان لئے جاؤ۔ لیکن خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ خدا دانا اور سب کچھ جاننے والا ہے"

جس وقت آپ یہ تقریر فرما رہے تھے تو مکہ کے تمام ظالم اور جابر شرم اور خوف سے گردن جھکائے ان ارشادات کو سُن رہے تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے کہ ہمیشہ

رسولِ مقبول صلعم اور مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم کئے تھے اور جن کے مظالم سے تنگ آکر رسول اللہ صلعم کو ترکِ وطن کرنا پڑا تھا حضورؐ نے اپنی تقریر ختم کرنے کے بعد مجمع کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "تم لوگوں کو کچھ معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں"
کفارِ مکہ یہ سُن کر لرز گئے پورے مجمع پر سکوت سا طاری ہو گیا۔ اور ان لوگوں نے دبی آواز کے ساتھ خوشامدانہ انداز میں جواب دیا "اے صادق اے امین ہم نے آپ کو ہمیشہ سے رحم دل پایا ہے اور اب بھی آپ سے اسی کی اُمید رکھتے ہیں"
حضورؐ نے مجرموں پر معنی خیز نگاہ ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا "جاؤ تم سب آزاد ہو۔ تم پر کوئی الزام نہیں"
وہ جو سرتاپا مجرم تھے جنھوں نے رسول اللہ اور مسلمانوں کے لئے کوئی انسانیت سوز ظلم اُٹھا نہیں رکھا تھا سمجھ رہے تھے کہ عنقریب اُن کے قتلِ عام کا حکم ہونے والا ہے اور اُن کو اپنے گناہوں کی سزا ملنے والی ہے لیکن جب انھوں نے خلافِ توقع حضورِ اکرم کی زبان سے عام معافی کا اعلان سُنا تو وہ شرم اور ندامت سے زمین میں گڑ گئے حضورؐ کی اس رحمت اور شفقت کا یہ اثر ہوا کہ اہلِ مکہ کی بیشتر تعداد اُسی وقت حلقہ بگوشِ اسلام بن گئی حضورؐ عام معافی کے اعلان کے بعد کوہِ صفا پر جا بیٹھے اور لوگوں سے خدا اور رسولؐ کی اطاعت پر بیعت لیتے رہے۔
جب ظہر کی نماز کا وقت آیا تو رسولِ مقبول صلعم نے حضرت بلال رضؓ کو حکم دیا کہ وہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دو" حضرت بلال رضؓ نے نہایت بلند آواز سے اذان دی جس سے کہسارِ کعبہ توحید کی آواز سے گونج اُٹھا اور خانۂ خدا جو صدیوں سے بُت خانہ بنا ہوا تھا پھر ایک بار اللہ کا گھر بن گیا۔

نواحِ مکہ میں بُت خانوں کا انہدام

فتحِ مکہ سے قبل صرف خانہ کعبہ ہی بُت خانہ نہیں تھا بلکہ خانہ کعبہ کی طرح

بے شمار چھوٹے چھوٹے دوسرے بُت خانے بھی نواحِ مکّہ میں قائم تھے جب حضور خانہ کعبہ کو بُتوں کی لعنت سے پاک کر چکے تو آپ نے نواحِ مکّہ کے مشہور بتوں کو توڑنے اور دوسرے بُت خانوں کو منہدم کرنے کے لئے چھوٹے چھوٹے دستے روانہ کئے۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید نے بنو کنانہ کے عزیٰ نامی بُت کو جاکر منہدم کیا۔ حضرت عمرو بن عاص نے بنی ہذیل کے بُت سواع کو مسمار کیا۔ حضرت سعد بن زید نے مناۃ نامی بُت کو جاکر پاش پاش کیا۔ غرضکہ نواحِ مکّہ میں مختلف قبائل نے اپنے علحدہ علحدہ جو بُت خانے بنا رکھے تھے وہ سب کے سب منہدم کر دئے گئے۔

حضورؐ نے شہر مکّہ اور نواحِ مکّہ میں منادی کرا دی کہ جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔ وہ اپنے گھروں میں کوئی بُت باقی نہ رکھیں۔ مکّہ اور نواحِ مکّہ کی بیشتر آبادی اگرچہ مسلمان ہو گئی تھی لیکن پھر بھی مکّہ میں بہت سے ایسے لوگ موجود تھے جو کُفر اور بُت پرستی کے عقیدہ پر بدستور قائم تھے۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی زبردستی اسلام میں داخل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی اور نہ اُن کے ساتھ کسی قسم کا کوئی بُرا سلوک کیا گیا۔ بلکہ ان کو بھی وہی شہری حقوق عطا کئے گئے جو مسلمانوں کو حاصل تھے لیکن رسولِ اکرمؐ کی اس رواداری کی بنا پر یہ سب بھی بعد میں مسلمان ہو گئے۔

حُنین کی لڑائی میں شکست کے بعد فتح

فتح مکّہ اور اہلِ مکّہ کے مسلمان ہو چکنے کے بعد ملکِ عرب کے اُن تمام دوسرے قبائل میں سخت ناگواری پیدا ہو گئی تھی جو عرب کے دوسرے حصّوں میں آباد تھے اور مسلمانوں کے دشمن تھے انہی قبائل میں سے ہوازن اور ثقیف نامی قبائل بھی تھے جن کو طاقت میں قریش مکّہ کا مدِمقابل خیال کیا جاتا تھا۔ ان قبائل کو فتح مکّہ کے بعد یہ یقین ہو گیا تھا کہ اب مسلمان اُن پر حملہ کرنے والے ہیں لہٰذا انہوں نے مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے نہایت وسیع پیمانہ پر جنگی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔

رسول مقبول صلعم کو جب معلوم ہوا کہ یہ قبائل جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہیں اور مسلمانوں پر حملہ کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ مہاجر و انصار اور مکہ کے نو مسلموں کا بارہ ہزار کا لشکر لیکر حُنین کی جانب روانہ ہوگئے۔ ہوازن اور ثقیف کے قبائل کو جب مسلمانوں کی اِس لشکر کشی کا علم ہوا تو انھوں نے وادیٔ حُنین کے دونوں جانب اپنے سپاہیوں کو چھپا دیا اور ہدایت کر دی کہ جیسے ہی لشکرِ اسلام وادی کے درمیان پہنچے اچانک اُس پر حملہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اسلامی لشکر جب حُنین کی وادی کے درمیان میں پہنچا تو مخالفین نے کمین گاہوں سے نکل کر اچانک مسلمانوں پر یورش کر دی۔ مسلمان چونکہ اس غیر متوقع حملہ کے لئے تیار نہیں تھے۔ اس لئے وہ گھبرا گئے اور سب سے بڑی دشواری یہ پیش آئی کہ مکہ کے وہ نو مسلم جو محض مالِ غنیمت کے لالچ میں اِس لشکر کے ساتھ شامل ہوگئے تھے۔ اُنھوں نے بدحواس ہو کر بھاگنا شروع کیا۔ اِن کے بھاگنے کی وجہ سے باقی لشکر کے بھی پاؤں اُکھڑ گئے۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے گنے چُنے ساتھیوں کے علاوہ سارا لشکر مُنتشر ہوگیا۔

رسول مقبول صلعم نے جب یہ نازک حالت دیکھی تو آپ پتھر کی چٹان کی طرح ایک جگہ قائم ہوگئے اور چند ساتھیوں کو ہمراہ لیکر آپ نے ہر چہار طرف مخالفین پر پے در پے حملے شروع کر دئے۔ آپ کی کیفیت یہ تھی کہ آپ لڑ بھی رہے تھے مسلمانوں کو اپنی طرف بلا بھی رہے تھے اور مسلمانوں کی ہمت بھی بندھا رہے تھے۔ آپکی اس غیر معمولی جرأت کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کی ایک بڑی جمعیت پھر آپکے گرد جمع ہوگئی۔ اِس جمعیت کو ساتھ لیکر اور نعرۂ تکبیر بلند کرنے کے بعد جب آپنے مخالفین پر پوری طاقت سے حملہ کیا تو اُن کے پاؤں اُکھاڑ دئے۔ پھر کیا تھا۔ سارا منتشر لشکر جمع ہوگیا اور گھمسان کی لڑائی کے بعد مخالفین کو بُری طرح شکست ہوگئی انکے تمام بڑے بڑے سردار مارے گئے اور بے اندازہ مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

چنانچہ اس لڑائی میں چھ ہزار قیدی - ۲۴ ہزار اونٹ - ۴۰ ہزار سے زیادہ بھیڑ بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی مسلمانوں کے ہاتھ آئی حالانکہ اس جنگ کے شروع میں مکہ کے نومسلموں نے اپنی بزدلی کی بنا پر سارے لشکر کے اس بُری طرح سے پاؤں اکھاڑ دیئے تھے کہ اگر رسولِ مقبول صلعم نے اس موقعہ پر انتہائی جرأت سے کام لیکر جنگ کا نقشہ نہ بدل دیا ہوتا تو مسلمانوں کا اس جنگ میں فتحیاب ہونا ناممکن تھا۔

مخالفین کے جو سردار اس جنگ میں بچکر نکل گئے تھے۔ اُن کو طائف والوں نے پناہ دیکر شہر کے دروازے بند کر لئے تھے۔ حضور صلعم نے اس جنگ سے فارغ ہونے کے ساتھ ہی فوراً طائف کی جانب رُخ کیا۔ اور جاتے کے ساتھ ہی طائف کا محاصرہ کر لیا بیس روز تک طائف کا محاصرہ جاری رہا۔ اس بیس روز کے اندر طائف کے اردگرد کے علاقوں سے اکثر قبائل خود آ آ کر مسلمان ہوتے رہے۔ طائف کا محاصرہ چونکہ طول پکڑتا جا رہا تھا۔ اس لئے آپ نے اس محاصرہ کو اٹھا لیا اور وہاں سے مراجعت فرما کر بمقام جعرانہ تشریف لائے اور اسی مقام پر اسیرانِ جنگ اور مالِ غنیمت کی تقسیم فرمائی۔

اسی جگہ قبائل ہوازن کی جانب سے ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو حلیمہ سعدیہ کا واسطہ دیکر معافی کی درخواست کی۔ آپ نے وفد ہوازن سے فرمایا کہ تمہارے جس قدر قیدی میرے اور بنو عبد المطلب کے حصہ میں ہیں وہ سب آزاد سمجھو اور اپنے ساتھ لیجاؤ یہ سنکر تمام مہاجر و انصار بولے کہ جو ہمارا حصہ ہے وہ بھی رسول اللہ کا حصہ ہے اور سب نے ہوازن قبیلہ کے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ اس طرح ہزاروں قیدی ذرا سی دیر میں آزاد ہو گئے۔ ان ہی قیدیوں میں شیما بنت حلیمہ سعدیہ یعنی رسول اللہ صلعم کی رضاعی بہن بھی تھیں۔ آپ نے اُن کی بڑی خاطر و مدارات کی اور بہت سا مال و متاع دیکر انکو رخصت کر دیا۔

سنہ ۸ھ کے چند واقعات:۔ اسی سال حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے

حضرت کے صاحبزادے ابراہیم تولد ہوئے تھے رسول مقبول صلعم کو ان سے بے حد محبت تھی لیکن کم و بیش ایک سال کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا۔ آنحضرت صلعم کی صاحبزادی حضرت زینب کا بھی اسی سال انتقال ہوا۔

تبوک کی لڑائی میں عیسائیوں کا فرار

ہم اس سے قبل بتا چکے ہیں کہ آٹھویں ہجری میں موتہ کی جنگ میں رومی سردار شرجیل غسانی کے ایک لاکھ لشکر کو صرف تین ہزار مسلمانوں نے بری طرح شکست دیدی تھی۔ اس شکست کے بعد رومی سردار شرجیل اس قابل نہیں رہا تھا کہ وہ دوسرے رومی سرداروں کو منہ دکھا سکے۔ چنانچہ شکست کی اس ذلت کو مٹانے کے لئے اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ ایک مرتبہ پھر مسلمانوں سے جنگ کر کے اپنے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔

اس غرض کے لئے شرجیل غسانی نے ایک لشکر عظیم فراہم کر کے ہرقل روم سے مزید فوجی امداد طلب کی تو ہرقل نے چالیس ہزار کا لشکر جرار شرجیل غسانی کی امداد کے لئے بھیجا۔ شرجیل غسانی نے منافقین مدینہ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا کہ یہ منافق مسلمانوں کو رومی طاقت سے خوفزدہ کر کے جنگ میں شامل ہونے سے انکو باز رکھتے رہیں

رسول اللہ صلعم کو جب شرجیل غسانی کے ان ارادوں کا علم ہوا تو آپ نے بھی نہایت وسیع پیمانہ پر جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس موقع پر آپ نے مسلمانوں کو حکم دیدیا کہ وہ اس جنگ کیلئے زیادہ سے زیادہ مالی امداد دیں۔ حضور کے اس حکم پر ہر طرف سے روپیہ برسنے لگا۔ تقریباً ہر مسلمان نے اپنا نصف اثاثہ دے ڈالا۔ فدا کاران اسلام نے کس دریا دلی سے اس جنگی امداد میں حصہ لیا تھا۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رض نے سو اونٹ اور سو گھوڑے مع ساز و سامان کے اور ایک ہزار دینار دے ڈالے تھے۔ حضرت ابو بکر نے اپنے گھر کا تمام مال و اسباب لا کر چندہ میں دیدیا تھا۔ دوسر

عمر فاروق رضؓ نے اپنا نصف مال لاکر حاضر کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ غریبوں نے بھی اپنا سب کچھ لاکر حضورؐ کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ جب اس طرح جنگ کیلئے بہت بڑا سرمایہ فراہم ہوگیا تو رسول اکرم تیس ہزار مجاہدین اسلام کے لشکر کو لیکر رجب ۹ھ میں مدینہ سے سرحد شام کی جانب روانہ ہوگئے۔ چونکہ آپ یہ چاہتے تھے کہ رومی سلطنت کے ساتھ یہ عظیم الشان جنگ خود رومیوں کے گھر میں گھس کر لڑی جائے اسلئے یہ لشکر سرحد شام پر پہنچنے کے بعد چشمہ تبوک پر خیمہ زن ہوگیا۔ تبوک مدینہ سے چودہ پندرہ منزل پر تھا۔

مجاہدین اسلام کا خیال تھا کہ اُن کو سلطنت رُوما کے لشکر عظیم سے بڑی زبردست ٹکر لینی ہوگی لیکن یہاں پہنچنے کے بعد اُنھوں نے دیکھا کہ میدان صاف تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شاہ روم اور شہ جبل غسانی پر مسلمانوں کی کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ انھیں مسلمانوں کے مقابلہ پر آنے کی جرات ہی نہ ہوئی۔ حالانکہ اسلامی لشکر کی جانب سے رومی سرداروں کو بار بار مقابلہ کی دعوت دی گئی۔ حضور اکرم نے بیس دن تک رومیوں کے انتظار میں تبوک میں قیام کیا لیکن جب آپ کو معلوم ہوگیا کہ عیسائی مسلمانوں سے لڑنا ہی نہیں چاہتے تو آپ نے بھی پہل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی۔

تبوک کے دوران قیام میں سرحدی علاقے کے بے شمار عیسائی سرداروں نے رسول اللہ صلعم کی اطاعت قبول کرلی اور جزیہ ادا کرنا منظور کرلیا۔ چنانچہ ایلہ کا حاکم یوحنا جرباء اور اذرح کے اُمرا نیز دومتہ الجندل کا حاکم اکیدر اور دوسرے بہت سے عیسائی سردار آپکے اطاعت شعاروں میں داخل ہوگئے۔ ان کی اطاعت قبول کرنے کے بعد آپ مدینے واپس تشریف لے آئے۔ تبوک کی جنگ آخری جنگ تھی جس کہ آقائے دو جہاں نے خود بنفس نفیس شرکت فرمائی تھی۔ اس کے بعد حضور اکرم نے کسی جنگ میں حصہ نہیں لیا۔

نویں ہجری کے متفرق واقعات | اسی سال مسلمانوں کے لئے زکوٰۃ کا حکم

نازل ہوا۔ اور تحصیل زکوٰۃ کے لئے عمال مقرر ہوئے اور اسی سال سود کو حرام قرار دیا گیا۔

حج بھی اسی سال فرض ہوا۔ چنانچہ اس سال حج پہلی مرتبہ مسلمانوں کے زیرِ اہتمام ادا ہوا حضرت ابوبکر رض نے لوگوں کو مناسک حج تعلیم کئے۔ اس سال سورہ براۃ کی چالیس آیتیں نازل ہوئیں جن میں یہ حکم تھا کہ مشرکین مسجدِ حرام کے قریب نہ جائیں۔ چنانچہ مشرکین کو چار مہینہ کی مہلت دی گئی۔ اور اعلان کر دیا گیا کہ چار مہینہ کے بعد خدا اور رسول مشرکین سے بری الذمہ ہیں۔ اس اعلان کو سُن کر مکہ میں جو لوگ ابھی تک شرک پر قائم تھے وہ بھی اسلام میں داخل ہو گئے۔ اور ہر طرف سے قبائل جوق در جوق آکر مسلمان ہونے شروع ہو گئے۔

ملکِ عرب کے بیشتر قبائل مسلمان ہو گئے

ہجرت کے دسویں سال کو تاریخ اسلام میں اس وجہ سے خاص اہمیت حاصل ہے کہ اس سال عرب کے جتنے قبائل نے اسلام قبول کیا اس کی مثال اسلام کی گذشتہ تاریخ میں مفقود ہے۔ یُوں تو نویں ہجری ہی سے عرب کے مختلف قبائل داخلِ اسلام ہونے کے لئے مدینہ میں آنے شروع ہو گئے تھے لیکن دسویں ہجری میں تو اس کثرت سے اسلام قبول کرنے کے لئے مدینہ میں مختلف قبائل کے وفود آئے کہ صبح سے شام تک مسلمان ہونے والوں کا تانتا ہی نہیں ٹوٹتا تھا۔

مکہ اور مدینہ سے لیکر سرحد شام تک تو اسلام پہلے ہی سے پھیل چکا تھا۔ اب یمن اور سرزمین عرب کے دُور دراز مقامات میں بھی اسلام پھیلنے لگا۔ رسول مقبول صلعم نے دُور دراز مقامات پر تبلیغ اسلام کے لئے جن مبلغین کو بھیجا تھا۔ اُن کی وجہ سے بھی اسلام کو بے حد ترقی ہوئی قصہ مختصر یہ کہ دسویں ہجری کے اندر جزیرہ نمائے عرب میں اسلام مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک پھیل گیا۔ اور اس ملک کے بیشتر قبائل

حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

رسول اللہ صلعم کا آخری حج

دسویں ہجری میں رسول اللہ صلعم نے جو حج فرمایا ہے۔ وہ آپ کا آخری حج ہے جب ذیقعدہ ۱۰ھ میں آپ مدینہ منوّرہ سے حج کی غرض سے بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے تو آپ کے ساتھ عازمین حج کا جمِ غفیر تھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ آپ کے ساتھ اُس سال جو عازمین حج روانہ ہوئے اُن کی تعداد کسی طرح بھی لاکھ سوا لاکھ سے کم نہ تھی۔ حضورؐ نے اس تاریخی حج کے موقعہ پر جو خطبہ فرمایا وہ آپ کا آخری خطبہ تھا جس میں کہ آپ نے اپنی رحلت کی پیشین گوئی بھی فرما دی تھی۔ اس خطبہ کا خلاصہ یہ ہے:۔

"لوگو میری باتوں کو بغور سنو۔ مجھ کو یقین نہیں ہے کہ میں آئندہ سال اِس مقام پر تم سے پھر مل سکوں گا۔ جیسے کہ اِس دن اور اِس مہینہ میں خونریزی حرام ہے۔ اسی طرح تمہارا خون۔ تمہارا مال اور تمہاری آبرو ایک دوسرے پر حرام ہے۔ تم کو چاہیئے کہ امانتیں اُن کے مالکوں کے سپرد کر دیا کرو۔ دوسروں پر ظلم نہ کرو تاکہ تم پر بھی ظلم نہ کیا جائے۔ سود حرام ہے۔ اب شیطان کی پرستش اِس سرزمین پر نہیں ہوگی۔ مگر چھوٹے چھوٹے اُمور میں اُس کی اطاعت کی جائے گی۔ لہٰذا تم شیطان کی اطاعت سے بچے رہنا۔ مسلمانو۔ عورتوں کا اسی طرح تم پر حق ہے جیسا کہ تمہارا عورتوں پر حق ہے۔ عورتوں کے ساتھ بھلائی کرو۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں ایک اللہ کی کتاب دوسرے اس کے نبی کی سُنّت جب تک تم کتاب اور سُنّت پر عمل کرو گے، گمراہ نہ ہوگے تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کے مال میں تصرف کرے تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو"۔

اس خطبہ کے دوران ہی میں آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ "بتاؤ کہ میں نے احکام الٰہی تم تک پہنچا دیئے" سب نے ملکر جواب دیا۔ ہاں آپ نے احکام الٰہی ہم تک پہنچا دیئے" حضورؐ نے فرمایا "تم سب گواہ رہنا" نیز ارشاد فرمایا کہ "جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ دوسروں تک میری نصیحت پہنچا دیں"۔

اسی موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا یعنی ہم نے تمہارے لیئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور دین کے لحاظ سے تمہارے لیئے اسلام کو پسند کیا۔ اس آیت کے نزول پر بہت سے مسلمان خوش ہوئے کہ دین اسلام کی آج تکمیل ہو گئی لیکن رمز شناس صحابہ سمجھ گئے کہ رسول اکرم کی جدائی کا زمانہ قریب آ گیا ہے کیونکہ جس مقصد کے لئے حضورؐ تشریف لائے تھے وہ پورا ہو چکا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو یمن میں تبلیغ اسلام کیلئے گئے ہوئے تھے وہ بھی یمن سے آ کر رسول اللہ صلعم کے ساتھ اس آخری حج میں شریک ہو گئے تھے۔ اس موقعہ پر بعض غلط فہمیوں کی بنا پر جب رسول مقبول صلعم سے دبے الفاظ میں حضرت علیؓ کی شکایتیں کی گئیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "جو میرا دوست ہے وہ علی کا دوست ہے اور جو علی کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے" یہ سن کر معترضین خاموش ہو گئے اور رسول اکرم حج کے بعد مدینہ واپس چلے گئے۔ یہ آپ کا آخری حج اور مکہ کا آخری سفر تھا۔

حج سے واپس آنے کے بعد آپ کی حالت میں نمایاں تغیر پیدا ہو گیا تھا۔ آپ کا زیادہ تر وقت تسبیح و تحلیل میں بسر ہونے لگا تھا۔ اسی زمانہ میں آپ شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے گئے اور ان سے اس طرح رخصت ہوئے جس طرح کہ ایک دور دراز سفر کرنے والا اپنے قریبی اعزا سے جدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد ایک مختصر خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ:۔

"میں تم سے پہلے حوض پر جا رہا ہوں اُس کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلہ سے حجفہ تک مجھ کو اس بات کا مطلق خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ البتہ اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا میں مبتلا نہ ہو جاؤ اور اس کیلئے آپس میں ایک دوسرے کا کشت و خون کرو اور پھر اس طرح ہلاک نہ ہو جاؤ جس طرح کہ تم سے پہلے کی قومیں ہلاک ہو گئی ہیں"

یعنی مندرجہ بالا خطبہ میں آپ نے صاف الفاظ میں اپنی وفات کی پیشین گوئی فرما دی تھی۔ اور اسکے ساتھ ہی وہ اندیشہ بھی ظاہر کر دیا تھا جو بعد کو بالکل درست ثابت ہوا۔

علالت اور سلطنتِ اسلامیہ کی فکر

رسول مقبول صلعم کی علالت کا سلسلہ محرم ۱۱ھ ہی سے شروع ہو گیا تھا ابتدا میں آپ کو معمولی سا بخار ہو گیا تھا جسمیں زیادتی ہوتی چلی گئی لیکن ماہ صفر کے آخری ہفتہ میں آپ کی طبیعت کسی قدر سنبھل گئی تھی۔ اسی زمانہ میں مدینہ میں خبریں آ رہی تھیں کہ رُومی عیسائی عرب پر حملہ کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ خود عرب کے عیسائی رُومی عیسائیوں کو برابر حملہ کی ترغیب دے رہے تھے اور اُن کو فوج کشی کے لئے اُبھار رہے تھے۔

رسول مقبول صلعم کی بیماری میں اگرچہ بظاہر افاقہ معلوم ہوتا تھا مگر کمزوری بے حد بڑھ گئی تھی اور مرض بدستور موجود تھا لیکن اس کمزوری اور علالت کے باوجود آپ حکومت اسلامیہ کی جانب سے بے فکر نہ تھے۔ چنانچہ آپنے علالت کے دوران ہی میں رُومی عیسائیوں کے خلاف جنگ کی تیاریوں کا حکم دیدیا۔ صفر کی آخری تاریخوں میں اگرچہ آپکے مرض نے شدت اختیار کر لی تھی لیکن پھر بھی آپنے اپنی نگرانی میں لشکر اسلام کو دُرست کیا اور اسامہ بن زید کو سالار لشکر بنا کر عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کر دیا۔ اور ہدایت کر دی کہ وہ سرحد شام پر پہنچکر پہلے تو رومی عیسائیوں کی فوج سے

مقابلہ کریں اسکے بعد شام کی فتح کی جانب متوجہ ہوں تاکہ شام کی طرف سے بار بار عرب پر حملہ کا جو اندیشہ رہتا ہے وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔

رسول مقبول صلعم نے اس جنگ کیلئے تمام جلیل القدر صحابہ کو اسامہ بن زید کے ساتھ جانے کا حکم دیدیا تھا چنانچہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عباسؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ اور دوسرے مقتدر صحابہ اسامہ بن زید کے ہمراہ جانے کیلئے تیار ہو گئے لیکن حضورِ اکرم کی علالت نے چونکہ شدت اختیار کر لی تھی۔ اس لئے بعد کو آپنے حضرت علیؑ اور حضرت عباسؓ کو تو اپنی تیمارداری کے لئے مدینہ میں روک لیا اور باقی تمام صحابہ اسامہ بن زید کے ہمراہ مدینہ سے روانہ ہو گئے۔

لشکر اسلام جوں ہی مدینہ سے روانہ ہوا تو رسول اللہ صلعم کی علالت نے تشویشناک صورت اختیار کر لی جب حضورؐ کی حالت زیادہ خراب ہونے لگی تو صحابہ کرام اور مجاہدین کا یہ دل نہ چاہا کہ وہ اپنے پیارے نبی کو چھوڑ کر جائیں لیکن حکم کی تعمیل بھی ضروری تھی۔ لہٰذا لشکرِ اسلام مدینہ سے چل کر ایک کوس کے فاصلہ پر جاکر ٹھہر گیا تاکہ جب حضورِ اکرم کی طرف سے کسی قدر اطمینان ہو جائے تب آگے بڑھا جائے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور اکثر صحابۂ کرام رسول مقبول صلعم کی خیریت معلوم کرنے کیلئے لشکر سے مدینہ آجاتے تھے اور پھر واپس چلے جاتے تھے۔ غرضکہ لشکر اسلام حضورؐ کی علالت کی وجہ سے مدینہ کے باہر رکا رہا۔

رسول مقبول صلعم کا آخری وقت

حضورِ اکرم کی رحلت کا وقت جب قریب آیا تو آپ تمام ازواجِ مطہرات کی اجازت سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں تشریف لے گئے پھر آپنے حجرہ سے باہر نکل کر مسلمانوں کے ایک مجمع کے سامنے ایک نہایت ہی جامع تقریر فرمائی جس میں کہ مسلمانوں کے لئے بہت سی قابل قدر نصیحتیں تھیں۔ اس کے بعد آپ نے

وصیت فرمائی کہ "مجھ کو میرے قریبی رشتہ دار غسل دیں۔ میرا جنازہ میری قبر کے کنارے رکھ کر ایک ساعت کیلئے الگ ہو جائیں تاکہ ملائکہ مجھ پر نماز پڑھ لیں۔ پھر گروہ در گروہ سب نماز ادا کریں۔ پہلے میرے خاندان کے مرد نماز پڑھیں۔ بعد ازاں ان کی عورتیں" یہ فرمانے کے بعد آپ حضرت عائشہ رض کے حجرہ میں واپس چلے گئے۔

بیماری کے آخری تین ایام میں جب آپ بالکل صاحب فراش ہو گئے تو آپ نے حضرت ابوبکر رض کو حکم دیا کہ وہ آپ کی جگہ امامت کے فرائض انجام دیں حضرت ابوبکر رض مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے کہ حضور کو کچھ افاقہ محسوس ہوا اور آپ مسجد میں تشریف لے آئے۔ آپکے آنے پر حضرت ابوبکر رض نے حالت نماز ہی میں امام کی جگہ آپ کے لئے خالی کرنی چاہی تو آپنے ہونٹ پکڑ کر اُن کو وہیں کھڑا کر دیا اور خود اُن کی اقتدا میں نماز ادا کی اور ادائے نماز کے بعد پھر حجرہ میں واپس تشریف لے گئے۔

آپنے رحلت سے قبل ہدایت فرمائی "جب وفود آئیں تو اُن کو صلہ اور انعام سے ضرور خوش کیا کرنا مشرکین کو جزیرۃ العرب سے بالکل خالی کر دینے کی کوشش کرنا اسامہ کے لشکر کو ضرور روانہ کر دینا۔ انصار کے ساتھ ہمیشہ نیک سلوک کرنا اُن کی غلطیوں سے درگذر کرنا۔ حضرت ابوبکر سے افضل صحابہ میں سے کسی کو نہ جاننا" اتنا فرمانیکے بعد کرب اور بے چینی بڑھ گئی۔ اور حضور اکرم بے ہوش ہو گئے حضور اکرم کی کُل پونجی پانچ یا چھ دینار رہتے۔ آپکے حکم سے وہ بھی خیرات کر دئے گئے جبکہ آپ جب رحلت فرمائیں تو کوئی اثاثہ دُنیا میں چھوڑ کر نہ جائیں گا۔

۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو آپ کی طبیعت کچھ سنبھلی تو آپ نماز فجر کے وقت سر مبارک پر پٹی باندھے ہوئے باہر تشریف لائے۔ اس وقت حضرت ابوبکر رض نماز پڑھا رہے تھے۔ انہوں نے اس مرتبہ بھی پیچھے ہٹنے کی کوشش کی مگر آپ نے

روک دیا اور واپس طرف بیٹھ کر نماز ادا کی۔ بعد نماز آپ نے لوگوں کو وعظ فرمایا جب وعظ ختم کر چکے تو واپس مکان میں تشریف لے گئے اور حضرت عائشہ رضؓ کی گود میں رکھ کر لیٹ گئے۔

وفات اور تجہیز و تکفین

حضرت ابوبکر نماز پڑھانے کے بعد جب مکان چلے گئے تو رسولِ مقبول صلعم کی حالت بہت زیادہ بگڑ گئی۔ آپ نے حضرت عائشہ رضؓ کی گود میں ہی سر رکھے رکھے پاؤں پھیلا دیئے۔ پاس ہی ایک پیالہ پانی سے بھرا ہوا رکھا تھا۔ آپ اپنا دستِ مبارک اس سے تر کر کے چہرۂ مبارک پر پھیرتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے اللّٰھم اعنی علی سکرات الموت "اے اللہ سکرات موت میں میری مدد کر"۔ اس وقت حضرت عائشہ رضؓ کی نظریں آپ کے چہرہ پر جمی ہوئی تھیں۔ انھوں نے دیکھا کہ یکایک آپ کی آنکھیں پتھرا گئیں آپ اس وقت اپنی زبانِ مبارک سے بار بار فرما رہے تھے اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ۔ اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ غرضکہ بتاریخ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ (۶۳۲ء) بروز اتوار دوپہر کے قریب آفتابِ رسالت غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے انتقال کی خبر سن کر حضرت ابوبکر دوڑے ہوئے آئے اور سیدھے حجرۂ مبارک میں گئے۔ آپ کے رُخِ انور سے چادر اٹھا کر خوب دیکھا۔ دیکھ کر پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور بہت روئے۔ حضرت عمر رضؓ کی حالت یہ تھی کہ انتہائی غم کی وجہ سے آپ کا دماغی توازن درست نہیں رہا۔ ان کو اس بات کا یقین ہی نہیں آتا تھا کہ رسول اللہ صلعم بھی اس دُنیا سے رحلت فرما سکتے ہیں۔ وہ غصہ سے تلوار لئے ہوئے گھوم رہے تھے اور کہہ رہے تھے "منافقوں کا گمان ہے کہ رسول اللہ صلعم انتقال فرما گئے۔ حالانکہ وہ اپنے رب کے پاس موسیٰؑ کی طرح گئے ہیں۔ وہ ضرور واپس آئیں گے اور منافقوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے اگر کسی شخص نے بھی یہ کہا کہ رسول اللہ صلعم فوت ہو گئے ہیں تو میں تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا"۔ حضرت عمر رضؓ پر یہ کیفیت بڑی دیر تک طاری رہی آخر بڑی مشکل

سے حضرت ابوبکرؓ نے جب انکو ٹھنڈا کیا تو وہ بھی بہت روئے۔

رسولِ مقبول صلعم کی وصیت کے مطابق حضرت علیؓ نے آپؐ کو غسل دیا حضرت عباسؓ اور اُن کے دونوں صاحبزادے کروٹ بدلواتے جاتے تھے جب آپؐ کو غسل دے چکے تو صحابہ میں دفن کے بارے میں اختلاف پیدا ہوا بعض کہتے تھے کہ آپ کو مسجد نبویؐ میں دفن کیا جائے اور بعض کی رائے تھی کہ آپ کو آپکے مکان میں دفن کیا جائے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سُنا ہے کہ ہر ایک نبی اسی جگہ دفن کیا گیا ہے۔ جہاں اُس کی روح قبض کی گئی ہے۔ لہٰذا آپ کو وہیں دفن کیا جائے جہاں آپکا انتقال ہوا ہے سب نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے اتفاق کیا چنانچہ حضرت عائشہ رضؓ کے مکان میں اسی جگہ آپ کے لئے بغلی قبر کھودی گئی جہاں حضورؐ نے رحلت فرمائی تھی۔

تجہیز و تکفین کے اہتمام کے بعد نمازِ جنازہ شروع ہوئی اوّل خاندان کے مردوں نے پھر عورتوں اور لڑکوں نے نماز پڑھی۔ اسکے بعد گروہ در گروہ آتے تھے اور نمازِ جنازہ ادا کرتے جاتے تھے۔ اسامہ بن زید اور سارا اسلامی لشکر بھی آپکے انتقال کے بعد مدینہ چلا آیا تھا۔ فوجی علم رسولِ مقبول صلعم کے حجرۂ مبارک کے سامنے کھڑا کر دیا گیا تھا اور لشکرِ اسلام نے مختلف جماعتوں میں بٹ بٹ کر نماز ادا کی۔ غرضکہ نمازِ جنازہ کا سلسلہ دوسرے روز تک برابر جاری رہا۔ دوسرے دن بروز بدھ ۱۳ ربیع الاوّل سنہ ۱۱ھ (۶۳۲ء) کو کونین کا سب سے بڑا خزانہ حضرت عائشہ رضؓ کے حجرہ کی پاک زمین کے سپرد کر دیا گیا۔

شہنشاہ دو جہاں نے رحلت کے بعد جو میراث چھوڑی وہ چند پُرانے کپڑے تھے ایک سفید خچر تھا اور کچھ ہتھیار تھے اور تھوڑی سی زمین تھی جو غرباء کی امداد کیلئے وقف تھی۔

حضورؐ کی تشریف آوری کا مقصد

خداوندِ عالم نے رسولِ مقبول صلعم کو جس

اہم مقصد کیلئے دُنیا میں بھیجا تھا وہ مقصد پورا ہو چکا تھا۔ آپ نے دُنیا میں تشریف لانے کے بعد معصیت اور ظلم وستم سے بھری ہوئی دُنیا کی کایا پلٹ دی تھی۔ آپ کی حیاتِ طیبہ اور زندگی کے اہم کارناموں پر جب غور کیا جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ کی تشریف آوری کے تین مندرجہ ذیل مقاصد تھے جنہیں آپ نے حسن وخوبی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا تھا۔

(۱) آپ بنی نوع انسان کو بت پرستی۔ ستارہ پرستی اور شرک سے نجات دلا کر دعوتِ حق دینے کے لئے دُنیا میں تشریف لائے تھے۔ چنانچہ آپ نے ناسازگار حالات کے باوجود دُنیا سے کفر وشرک اور بے دینی کو مٹا کر دنیا کے کونے کونے میں توحید کی روشنی پھیلا دی۔

(۲) آپ کی آمد کا مقصد دینِ حنیف سے لوگوں کو روشناس کرنے کے علاوہ یہ بھی تھا کہ دُنیا میں ایک ایسی حکومتِ الٰہیہ قائم کی جائے جسمیں کہ تمام بنی نوع انسان کو یکساں حقوق حاصل ہوں۔ کوئی کسی پر ظلم نہ کر سکے۔ اور کوئی کسی کا حق نہ دبا سکے چنانچہ آپ نے سلطنتِ اسلامیہ کے نام سے حکومتِ الٰہیہ کی بُنیاد قائم کر دی۔

(۳) آپ نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ کل بنی نوع انسان کیلئے شرافت انسانیت، خلوص۔ ایثار اور محبت کا ایک نمونہ بن کر تشریف لائے تھے۔ تاکہ آپ کے تمثیلی کردار سے دُنیا کے لئے اخلاق اور انسانیت کا ایک مکمل دستور تیار ہو سکے اور بنی نوع انسان کے افراد آپکی حیات طیبہ کو سامنے رکھ کر تمام دینی اور دُنیاوی معاملات میں صحیح رہنمائی حاصل کر سکیں۔ چنانچہ یہ مقصد بھی پورا ہو چکا تھا اور آپ نے اپنے اُسوۂ حسنہ سے ایک ایسا دستورِ عمل تیار کر دیا تھا جو بنی نوع انسان کیلئے آج بھی بہترین شمعِ ہدایت ہے۔

یہ تھے وہ اہم مقاصد جن کیلئے آپ دُنیا میں تشریف لائے تھے اور ان مقاصد کے پایۂ تکمیل کو پہنچ جانے کے بعد آپ دُنیا سے رُوپوش ہو گئے۔

رسول اللہ صلعم کا بلند کردار رسولِ مقبول صلعم کے بلند کردار کا جب ہم مطالعہ

کرتے ہیں تو ہم کو پتہ چلتا ہے کہ آپ کا کردار ایک ایسا تمثیلی کردار ہے جس کی مثال تاریخِ عالم میں مفقود ہے۔ آپ سرتاپا ایثار اور قربانی کا ایک مجسّمہ تھے۔ کون نہیں جانتا کہ رسولِ اکرم سب سے بڑے دینی رہنما ہونے کے ساتھ شہنشاہِ وقت بھی تھے لیکن آپ نے ہمیشہ بادشاہت پر درویشی اور فقیری کو ترجیح دی ہے۔

ایسی حالت میں جبکہ نئی نئی فتوحات کے بعد بے اندازہ دولت مدینہ میں چلی آرہی تھی۔ آپکی غربت کا یہ عالم تھا کہ ہفتوں آپکے ہاں چولھے میں آگ نہیں جلتی تھی صرف کھجوروں پر گذارہ ہوتا تھا۔ اکثر اوقات آپکے اور آپ کے گھر والوں کو کئی کئی وقت کے فاقے ہوئے ہیں۔ آپکے جسم پر ایک سے زیادہ کپڑوں کا جوڑا نہیں ہوتا تھا۔ آپکا بستر چمڑے اور ٹاٹ کا تھا لیکن اسی کے ساتھ آپ کی فیاضی اور جود وسخا کا یہ عالم تھا کہ جو مال بھی آپکے پاس آتا تھا آپ اُسے فوراً غریبوں میں تقسیم فرما دیتے تھے اور اپنے لئے اسمیں سے کبھی ایک پیسہ بھی نہیں رکھتے تھے۔ دوستوں کا تو ذکر ہی کیا ہے آپ دُشمنوں کے ساتھ بھی رحم و مروّت سے پیش آتے تھے۔ انصاف کے معاملہ میں آپ غیروں اور اپنوں میں کوئی تمیز نہیں کرتے تھے۔

جنگ ایک ایسی بری چیز ہے کہ اُس کی لپیٹ میں آنے کے بعد بڑی سے بڑی مہذب قومیں بھی تہذیب اور انسانیت کے دامن کو چھوڑ دیتی ہیں لیکن رسولِ مقبول صلعم کا یہ امتیازی کردار ہے کہ آپنے جنگ کے ہنگامی حالات میں بھی کبھی تہذیب اور انسانیت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ آپنے ہمیشہ ہی جارحانہ حملوں سے پرہیز کیا ہے۔ جنگ کے دوران میں لشکر کے سپاہیوں کے لئے آپ کی سخت ہدایت تھی کہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور بیماروں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ اگر لشکریوں کی غلطی سے کوئی عورت زخمی ہو گئی ہے یا کسی معذور انسان کو کسی قسم کا گزند پہنچا ہے تو آپ بےحد ناراض ہوتے تھے۔ جنگی قیدیوں کے ساتھ آپ نے جیسا ہمدردانہ سلوک کیا ہے اس کی مثال اس سے قبل

کی دُنیا کی تاریخ میں مفقود ہے۔ مفتوحین کے ساتھ بھی آپ کا طرزِ عمل نہایت ہی ہمدردانہ رہا ہے۔ ان کو ہر قسم کی معاشرتی اور مذہبی آزادی آپ عطا فرما دیتے تھے۔

حضورِ اکرم اگرچہ شہنشاہ دوجہاں تھے۔ لیکن آپ کی طبیعت میں انتہا درجہ کی سادگی تھی۔ آپ اپنے ہاتھ سے اپنے کپڑے دھو لیتے تھے۔ اپنے جوتوں کی خود مرمت فرما لیتے تھے۔ پڑوس کی غریب عورتوں کا سودا لا دیتے تھے۔ ہر مظلوم اور مجبور کے آپ کام آتے تھے۔ کبھی بھولے سے بھی آپ کی زبانِ مبارک سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکلا جس سے کہ کسی کی دل شکنی ہوئی ہو۔ کفار اور یہود نے ہمیشہ آپ کے ساتھ زیادتیاں کی ہیں لیکن اس کے جواب میں آپنے ہمیشہ ان کے ساتھ رحم و مروت کا برتاؤ کیا ہے۔

طلوعِ اسلام سے قبل خاندانی تفاخر کا مرض اتنا بڑھ گیا تھا کہ ہر خاندان اور قبیلہ میں فرعون اور نمرود دکھائی دیتے تھے جو اپنے سوا دوسرے انسانوں کو انسان ہی نہیں سمجھتے تھے۔ آپنے دُنیا میں آنے کے بعد خاندانی تفاخر کو مٹا دیا اور کل بنی نوعِ انسان کو ایک ہی صف میں لاکر کھڑا کر دیا۔ نہ کوئی چھوٹا رہا نہ بڑا۔ اسی طرح طلوعِ اسلام سے قبل عورتوں کو جانوروں سے بدتر خیال کیا جاتا تھا۔ آپنے عورت کو مرد کی برابری کا درجہ عطا فرما دیا۔ حضور کی تشریف آوری سے پہلے بیوہ عورتیں بڑی کس مپرسی کی حالت میں تھیں۔ لوگ اُن سے نکاحِ ثانی کرنا باعثِ ذلت خیال کرتے تھے۔ آپنے بیوہ عورتوں کو سینہ سے لگایا اور عقدِ بیوگان کی تحریک سارے ملک میں جاری کر دی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضہ کے علاوہ آپنے جتنی بھی عورتوں سے نکاح کیا وہ سب کی سب یا تو بیوہ تھیں یا مطلقہ۔ غلاموں، مزدوروں اور نوکروں کے ساتھ بھی آپنے ہمیشہ انتہائی محبت کا برتاؤ کیا ہے۔ چنانچہ آپنے اپنے تمام غلاموں کو آزاد کرکے ان کو برابری کا درجہ عطا کر دیا تھا۔

رسول اللہ صلعم کی حیاتِ مقدسہ نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ ہر انسان کے لئے خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے کیوں نہ تعلق رکھتا ہو یکساں شمعِ ہدایت ہے۔ آپ ایک

پیغمبر بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ آپ راتوں اور مہینوں اس طرح عبادت کیا کرتے تھے کہ آپ کے پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا مگر اس کے ساتھ ہی جب دینِ حق کے لئے جنگ کا موقعہ آتا تھا تو آپ شمشیر زنی سے بھی کبھی نہ جھجکتے تھے۔ آپ دینِ حق کے علمبردار بھی تھے اور ایک با عمل دنیا دار بھی۔ چنانچہ آپ دینِ حق کے لئے جہاں جان کی بازی لگا دیتے تھے وہاں عام لوگوں کی طرح دنیاداری کے کاموں سے بھی پوری دلچسپی لیتے تھے۔ بیوی، بچوں سے بے اندازہ محبت کرتے تھے اور اسبابِ معیشت کے لئے بھی سرگرمِ عمل دکھائی دیتے تھے۔ آپ بنی نوعِ انسان کے مخدوم بھی تھے اور خلقِ خدا کے خادم بھی۔ غرضیکہ تنہا آپ کی ذاتِ مبارک میں اتنی صفات پائی جاتی ہیں وہ آج تک کسی ایک انسان میں نہیں پائی گئیں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اگر کوئی انسان دنیا میں مثالی انسان بننا چاہتا ہے تو اس کے لئے بہترین طریقہ کار یہ ہے کہ وہ رسولِ اکرم کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرے۔

رسول اللہ صلعم کی ازواج مطہرات

رسولِ مقبول صلعم کی ازدواجی زندگی پر جب گہری نظر ڈالی جاتی ہے تو آپ کی ازدواجی زندگی بھی بڑی عجیب غریب اور نفس کشی کا ایک نادر نمونہ دکھائی دیتی ہے۔ دنیا کا ہر شخص خواہ وہ کتنا بڑا عابد و زاہد کیوں نہ ہو۔ اس کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ اس کی شریکِ حیات جوان اور ہم عمر ہو لیکن حضورِ اکرم نے اس فطری خواہش سے قطع نظر کرتے ہوئے یعنی عالمِ شباب میں جبکہ آپ کی عمر ۲۵ سال تھی چالیس سالہ بیوہ حضرت خدیجہ رضہ کو نکاح کے لئے منتخب فرمایا تاکہ عمائدین عرب جو عقد بیوگان کے مخالف تھے اور مطلقہ عورتوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کے لئے ایک نمونہ اور مثال قائم ہو جائے۔

حضرت خدیجہؓ کے دو شوہر اس سے قبل فوت ہو چکے تھے۔ ان کا زمانۂ شباب ڈھل چکا تھا لیکن رسولِ اکرم نے اپنی جوانی۔ اور جوانی کے بعد تک کا سارا زمانہ

ہنسی خوشی ان ہی کے ساتھ گذار دیا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلعم بڑھاپے کی منزل میں پہنچ گئے اور حضرت خدیجہؓ تو بالکل ہی بوڑھی ہو گئی تھیں۔ چنانچہ ۲۵ سال حضور اکرم کے ساتھ زندگی گذارنے کے بعد جب حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا تو ان کی عمر ۶۵ سال تھی۔

حضرت خدیجہ رضؓ جب تک حیات رہیں رسولِ مقبول صلعم نے دوسری شادی نہیں کی لیکن حضرت خدیجہؓ کی رحلت کے بعد مختلف مصالح کی بنا پر مختلف اوقات میں آپؐ نے مزید دس شادیاں کیں۔ لیکن ان دس شادیوں میں بھی بجز حضرت عائشہ صدیقہؓ کے جن معزز خواتین سے آپؐ نے نکاح فرمایا وہ سب کی سب یا تو بیوہ تھیں یا طلاق یافتہ اور یہ تمام کی تمام شادیاں آپؐ نے اس بڑھاپے کے زمانہ میں کیں۔ جبکہ آپ کی عمر مبارک پچاس سال سے تجاوز ہو چکی تھی۔ آپ کی ازواج مطہرات کی مجموعی تعداد گیارہ ہے جو یہ ہیں :-

(۱) حضرت خدیجہؓ۔ یہ خاندانِ قریش کی ایک نیک اطوار اور پاکیزہ اخلاق خاتون تھیں۔ طاہرہ ان کا لقب تھا۔ پانچویں پشت میں رسول اللہ صلعم سے ان کا شجرہ نسب مل جاتا ہے۔ رسول اللہ صلعم سے نکاح کرنے سے قبل ان کے دو شوہر فوت ہو چکے تھے۔ نکاح کے وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔ اور رسول اللہ صلعم کی عمر پچیس سال تھی۔ رسول صلعم کے جتنی بھی اولادیں ہوئی ہیں وہ ایک صاحبزادے کے علاوہ ان ہی کے بطن سے ہوئی ہیں۔ حضور ان سے بے حد محبت کرتے تھے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ گو میں نے خدیجہؓ کو نہیں دیکھا لیکن مجھ کو ان پر بے حد رشک آتا تھا کیونکہ رسول اللہ صلعم ہمیشہ ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔"

(۲) حضرت سودہؓ :- حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد آنحضرت نے سودہ بنتِ زمعہ کے ساتھ نکاح کیا۔ یہ ابتدائے اسلام میں مشرف با ایمان ہو چکی تھیں

انھوں نے اپنے پہلے شوہر سکران بن عمرو کے ساتھ حبش کی ہجرت کی سعادت بھی حاصل کی تھی حبش سے واپسی کے بعد جب ان کے شوہر رحلت کر گئے تو آپ رسول اللہ صلعم کی زوجیت میں آگئیں۔ ان کے زمانہ وفات کے بارے میں مورخوں میں بڑا اختلاف ہے لیکن عام رائے یہ ہے کہ حضرت عمر رض کے عہدِ خلافت میں ۲۳ھ میں انھوں نے رحلت فرمائی۔

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ رض:۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق کی صاحبزادی تھیں۔ نبوت کے دسویں سال رسول اللہ صلعم نے ان سے مکہ میں نکاح کیا۔ اس کے تین سال بعد مدینہ میں رخصتی ہوئی۔ حضورِ اکرم کو ان کے ساتھ بے حد محبت تھی۔ آپ کی زندگی عالمانہ تھی صحابہ کے سامنے جب کوئی مشکل فقہی سوال پیش آجاتا تھا تو اُس کو حضرت عائشہ رض آسانی سے حل فرما دیتی تھیں۔ ارباب سیر نے لکھا ہے کہ آپ کو تفسیر۔ حدیث۔ اسرارِ شریعت۔ اور ادب میں کمال حاصل تھا۔ شعرائے عرب کے بے شمار قصائد ان کو زبانی یاد تھے آنحضرت صلعم کی رفاقت میں آپ نے نو سال زندگی گذاری۔ حضور صلعم کے بعد تیس سال زندہ رہیں اور ۵۸ھ میں آپ رحلت فرما گئیں۔

(۴) حضرت حفصہ رض:۔ حضرت عمر رض کی صاحبزادی تھیں۔ یہ بھی بیوہ تھیں ان کے شوہر جنگِ بدر میں زخمی ہونے کے بعد فوت ہوئے تھے۔ شوہر کی موت کے بعد یہ رسول اللہ صلعم کی زوجیت میں آگئیں۔ ۴۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

(۵) حضرت زینب رض:۔ چونکہ یہ فقرا اور مساکین کو بہت کھلاتی پلاتی تھیں۔ اس لئے اُم المساکین ان کی کنیت ہو گئی تھی۔ جب ان کے پہلے شوہر جنگِ اُحد میں شہید ہو گئے تو رسول اللہ صلعم نے ان سے نکاح فرما لیا۔ لیکن نکاح کے دو تین مہینے بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر تیس سال تھی حضرت خدیجہ رض اور حضرت زینب رض ہی دو ایسی بیویاں ہیں جن کا رسولِ اکرم کی زندگی میں انتقال ہوا ان کے سوا

باقی تمام بیویوں کی وفات رسول اللہ صلعم کے بعد ہوئی۔

(۶) **حضرت اُم سلمہؓ**:- ان کا اصلی نام ہند ہے۔ اُمّ سلمہ کنیت ہے۔ یہ بھی بیوہ تھیں۔ ان کے پہلے شوہر عبداللہ بن اسد رسول اللہ صلعم کے رضاعی بھائی تھے۔ جنگ اُحد میں چند زخم ایسے لگے تھے کہ جانبر نہ ہوسکے۔ شوہر کے مرنے کے بعد رسول اللہ صلعم کے نکاح میں آئیں۔ ازواجِ مطہرات میں حضرت عائشہؓ کے بعد علم وفضل میں ان ہی کا مرتبہ ہے۔ ان کی وفات کے بارے میں بھی مورخوں میں بڑا اختلاف ہے۔ لیکن عام رائے یہ ہے کہ آپ کا انتقال سنہ ۶۱ھ میں ہوا۔

(۷) **حضرت زینبؓ**:- یہ آنحضرت کی پھوپی زاد بہن تھیں۔ رسول اللہ صلعم نے ان کی شادی اپنے متبنّی اور غلام حضرت زید بن حارث کے ساتھ کر دی تھی۔ لیکن شادی کے بعد دونوں کے تعلقات بگڑ گئے اور طلاق ہوگئی۔ رسول اللہ نے چونکہ خود یہ رشتہ کرایا تھا۔ اس لئے اس طلاق سے آپ کو بے حد رنج ہوا۔ آپ طلاق کے بعد حضرت زینب کی افسردگی نہیں دیکھ سکے۔ چنانچہ آپنے ان کے تزکیۂ قلب کے لئے خود ان کے ساتھ نکاح کرلیا۔ یہ بے حد خوبصورت تھیں۔ حضرت عائشہؓ کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں۔ لاجواب دستکار تھیں۔ اپنے دستِ مبارک سے خود کماتی تھیں اور راستہ خدا میں صرف کر دیتی تھیں یہ بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ رسول اللہ صلعم کے بعد ازواج مطہرات میں سب سے پہلے ان ہی کا انتقال ہوا۔ انھوں نے سنہ ۲۰ھ میں ۵۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

(۸) **حضرت جویریہؓ**:- یہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں۔ ان کے شوہر مسلمانوں کے مقابلہ میں لڑتے ہوئے مارے گئے تھے اور قبیلہ بنی مصطلق کی شکست کے بعد جب بہت سے لونڈی غلام گرفتار کرکے لائے گئے اور مجاہدین میں تقسیم کر دیئے گئے تو یہ ثابت بن قیس انصاری کے حصہ میں آئی تھیں۔ امیر کبیر کی بیٹی تھیں غلامی کو غیرت نے گوارہ نہیں کیا۔ ۹ اوقیہ سونے کے بدلے ثابت سے رہائی کی شرط طے پاگئی۔

گر پاس کچھ نہ تھا۔ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نازک وقت میں مدد کی طالب ہوئیں حضور ﷺ نے بطورِ امداد یہ رقم دیکر رہائی دلادی۔ بے حد متاثر ہوئیں۔ اور ان کی خواہش پر آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا۔ ۵۰ھ میں ۶۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

(۹) حضرت اُمِ حبیبہ رضؓ ۔ اصل نام رملہ ہے۔ اور ام حبیبہ کنیت ہے۔ خاندانِ قریش سے تھیں۔ یہ اور ان کے شوہر عبداللہ بن جحش اسلام قبول کرنے کے بعد ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے۔ حبش جاکر چونکہ ان کے شوہر نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اس لئے علحدگی ہو گئی جب رسول اللہ صلعم کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے نجاشی شاہِ حبش کی وساطت سے ان کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ انھوں نے قبول کر لیا۔ ان کی طرف سے خالد بن سعید اموی وکیل مقرر ہوئے اور شاہِ نجاشی نے رسول اللہ صلعم کی طرف سے وکالت کی۔ چار سو دینار مہر پر عقد ہو گیا۔ شاہ نجاشی نے مہر کی یہ رقم رسول اللہ صلعم کی طرف سے اسی وقت ادا کر دی۔ نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہؓ کو شرجیل بن حسنہ کے ہمراہ آنحضرت کی خدمت میں مدینہ بھیجدیا۔ ۴۴ھ میں انھوں نے وفات پائی۔

(۱۰) حضرت میمونہ رضؓ ۔ ان کے باپ کا نام حارث تھا۔ یہ خالد بن ولید کی خالہ تھیں۔ ان کے پہلے شوہر نے جب طلاق دیدی تو انھوں نے ابو رہم سے نکاح کر لیا لیکن ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد یہ رسول اللہ صلعم کے نکاح میں آگئیں۔ ان کا سالِ وفات ۵۱ھ ہے۔

(۱۱) حضرت صفیہ رضؓ ۔ اصل نام زینب ہے صفیہ کے نام سے مشہور ہوئیں نسلاً اور مذہباً یہودی تھیں۔ ان کا باپ قبیلہ بنی نضیر کا سردار تھا۔ ان کے پہلے شوہر نے طلاق دیدی تھی۔ دوسرا شوہر جنگ خیبر میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور یہ گرفتار ہونے کے بعد غلام بنالی گئیں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلعم نے ان کو زوجیت کی عزت بخشی حضور ﷺ ان کی عزت بھی کرتے تھے۔ وہ محبت بھی فرماتے تھے حضرت عائشہ رضؓ اور

حضرت زینبؓ سے ان کی نوک جھونک رہتی تھی۔ حضرت حفصہؓ نے سنہ ۴۵ھ میں وفات پائی۔

رسول اللہ صلعم کی اولاد

رسول اللہ صلعم کی خانگی زندگی اول سے لے کر آخر تک نہایت ہی صبر آزما سانحات سے پُر ہے۔ ابھی آپ بطنِ مادر ہی میں تھے کہ یتیم ہو گئے۔ چھ سال کی عمر ہوئی تو مادرِ مشفقہ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ آٹھ سال کی عمر میں آپ کے سرپرست دادا بھی داغِ جدائی دے گئے۔ چچا کی زیرِ نگرانی سخت تکالیف برداشت کر کے جوان ہوئے تو اولاد کے صدموں پر صدمے برداشت کرنے پڑے جو مرتے دم تک جاری رہے۔ دو صاحبزادے پیدا ہوئے وہ بچپن ہی میں داغِ مفارقت دے گئے۔ چار صاحبزادیوں میں سے تین آپ کی زندگی ہی میں عالمِ جوانی میں رحلت فرما گئیں۔ صرف آپ کی چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراؓ زندہ رہیں۔ وہ بھی آپ کی وفات کے چھ ماہ بعد آپ کی جدائی کا صدمہ برداشت نہ کرتے ہوئے انتقال کر گئیں۔

رسول اکرم کی اولاد کی تعداد کے بارے میں اگرچہ مورخوں میں اختلاف ہے لیکن ان چھ کے بارے میں سب متفق ہیں۔ قاسمؓ۔ زینبؓ۔ رقیہؓ۔ ام کلثومؓ۔ فاطمۃ الزہراؓ۔ ابراہیمؑ۔ آپ کی تمام صاحبزادیوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور ہجرت بھی کی۔ حضرت کے صاحبزادوں کا کم عمری ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ بعض مورخین دو بیٹوں کے نام اور لکھتے ہیں۔ طاہر وطیب۔ اگر یہ صحیح ہے تو آپ کی آٹھ اولادیں ہوئیں۔ چار بیٹے اور چار بیٹیاں۔ آپ کی اولادوں میں سے صرف حضرت ابراہیمؑ ماریہ قبطیہ سے پیدا ہوئے تھے باقی تمام اولادیں حضرت خدیجہ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔

(۱) **حضرت قاسمؓ**:۔ یہ سب سے پہلی اولاد تھے۔ نبوت سے گیارہ بارہ سال قبل پیدا ہوئے تھے۔ اور بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے۔ بعض کے نزدیک صرف سات دن زندہ رہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ دو سال زندہ رہے۔ حضور اکرم کی کنیت ابوالقاسم انہی کے نام پر ہے۔

(۲) **حضرت زینبؓ**:- یہ آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ ان کی شادی خالہ زاد بھائی ابو العاص کے ساتھ ہوئی تھی جو ابتدا میں کفار کے حامی تھے لیکن بعد کو اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت زینب کا رسول اللہ صلعم کی زندگی ہی میں ۸ھ میں انتقال ہو گیا تھا۔

(۳) **حضرت رقیہؓ**:- یہ حضرت زینب کے بعد پیدا ہوئیں۔ ان کی شادی قبل از اسلام اَبُولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوئی تھی۔ بعثت کے بعد مخالفت کی بنا پر ابولہب نے آپ کو طلاق دلوادی۔ طلاق کے بعد حضرت عثمان غنی رضؓ سے ان کی شادی ہو گئی۔ جنگِ بدر کے زمانہ میں رسول اللہ صلعم کی زندگی ہی میں یہ انتقال فرما گئیں۔

(۴) **حضرت اُمّ کلثوم**:- یہ حضرت رُقیہ سے چھوٹی تھیں۔ ان کی شادی بھی قبل از اسلام اَبُولہب کے دوسرے بیٹے عتبہ سے ہوئی تھی۔ ان کو بھی ابولہب نے بیٹے پر زور دیکر طلاق دلوادی تھی۔ حضرت رُقیہ کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلعم نے ان کا دوسرا نکاح حضرت عثمان غنی رضؓ کے ساتھ کر دیا تھا۔ نکاح کے بعد چھ سال زندہ رہیں۔ ۹ھ میں رسول اللہ صلعم کے سامنے ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

(۵) **حضرت فاطمۃ الزہراؓ**:- یہ رسولِ مقبول صلعم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں جو نبوت کے پہلے سال پیدا ہوئی تھیں۔ جب ان کی عمر پندرہ سال کی ہوئی تو حضور صلعم نے ان کی شادی حضرت علی کرم اللہ وجہ کے ساتھ کر دی۔ حضورؐ کی تمام اولاد میں چونکہ یہی باقی رہ گئی تھیں اس لئے حضورؐ ان سے اور ان کی اولاد سے بے حد محبت کرتے تھے اور ان کی اولاد کو اپنی ہی اولاد تصور فرماتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ کے پانچ اولادیں ہوئیں حسن حسین محسن۔ زینب۔ اُمّ کلثوم بعض نے ایک اور صاحبزادی رقیہ کا بھی نام لکھا ہے۔ حضرت محسن کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کے حالات سے تاریخ کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔ حضرت اُمّ کلثوم کا عقد حضرت عمر فاروق کے ساتھ ہوا۔ اور حضرت زینب کا عقد حضرت عبد اللہ بن جعفر کے

سالہ ہوا۔ رسولِ مقبول صلعم کے وصال کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہؓ کا بھی انتقال ہو گیا۔

(۷) حضرت ابراہیمؑ:۔ یہ نبی محترم کی سب سے آخری اولاد تھے جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے ۸ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ نے ساتویں دن ان کا عقیقہ کیا اور بالوں کی برابر چاندی خیرات کی۔ بعض نے لکھا ہے کہ ابراہیم دو ہی مہینے زندہ رہے۔ اور بعض کے نزدیک سات ماہ کے بعد ان کا انتقال ہوا۔ جب ان پر نزع کی کیفیت طاری تھی تو آپ نے گود میں اٹھا لیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضور کو ان سے بے حد محبت تھی۔ ان کے انتقال کے روز اتفاق سے سورج گہن ہو گیا تو لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ حضرت ابراہیم کی موت کا سبب ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ چاند اور سورج خدا کی نشانیاں ہیں کسی کی موت کا ان پر اثر نہیں ہوا کرتا۔

رسول اللہ صلعم کے پاکیزہ خصائل

رسول اللہ صلعم کی حیاتِ طیبہ کا بے پایاں سمندر جو تاریخ اور سیر کے اوراق کی صورت میں ہماری نگاہوں کے سامنے موجزن ہے۔ جی تو یہ چاہتا ہے کہ یہ سب کا سب بغیرہ اس تاریخ کے ناظرین کے رُوبرو پیش کر دیا جائے لیکن اس مختصر سی کتاب میں چونکہ اتنی گنجائش نہیں ہے اس لئے ہم تاریخِ اسلام کے اس مقدس باب کو صرف حضورِ اکرم کے چند پاکیزہ خصائل بیان کرنے کے بعد ختم کرنے پر مجبور ہیں۔ آپ کی مقدس زندگی کے ہزاروں واقعات میں سے ذیل کے جو چند واقعات پیش کئے جا رہے ہیں ان سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کا کردار کس قدر اعلیٰ اور بلند تھا۔ اور آپ نے دنیا کے سامنے ضبطِ نفس۔ ایثار۔ انسانیت۔ اخلاق اور محبت کا کیسا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے۔

عبادت و ریاضت:۔ عبادت و ریاضت سے آپ کے شغف کا یہ عالم تھا کہ اکثر اوقات صرف دوگانہ نفل میں ساری ساری رات گذار دیتے تھے۔ اور اس طرح قیام فرماتے تھے کہ پائے مبارک ورم کر جاتے تھے۔ آپ راتوں کا بیشتر حصہ ذکر و نماز

میں بیدار رہ کر بسر کرتے تھے حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ آپ کی دونوں پنڈلیاں کھڑے کھڑے ورم کر جاتی تھیں۔

عبادت میں اگرچہ آپ کو اس قدر استغراق اور محویت ہوتی تھی کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ بے حس اور بے جان پیکر ہیں۔ مگر پھر بھی اگر کوئی اس حالت میں آپ کی خدمت اقدس میں آجاتا تھا تو آپ اپنی نماز کو مختصر کر دیتے تھے اور اس سے پوچھتے تھے کہ "تم کو مجھ سے کوئی کام ہو تو کہو" اور اس کے کام کے لئے چلے جاتے تھے یعنی عبادت کے ساتھ خدمتِ خلق کا سلسلہ بھی برابر جاری رہتا تھا۔

آپ اگرچہ عبادت کے لئے خود محنتِ شاقہ برداشت کرتے تھے لیکن دوسروں کو تعلیم فرمایا کرتے تھے کہ اتنی عبادت کرنی چاہیئے جو آسانی کے ساتھ ہو سکے۔

اللہ پر توکل:- آغازِ اسلام میں چونکہ کفار آپ کے درپئے آزار تھے اس لئے صحابہ نے آپ کے مکان کے گرد پہرا لگوا دیا تھا۔ آپ نے اس پہرہ کو موقوف کر دیا۔ اور فرمایا کہ "پہرہ کی حاجت نہیں ہے میری حفاظت کا ذمہ خدا نے لے رکھا ہے۔"

آپ کے توکل کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ سارا ملکِ عرب آپ کے خون کا پیاسا تھا اور آپ کی گرفتاری کے لئے بڑے بڑے انعامات کا اعلان ہو چکا تھا۔ آپ صرف ایک ساتھی کو لیکر مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ راستہ میں چپہ چپہ پر آپ کے دشمن موجود ہیں ذرا بھی نہیں گھبرائے یہاں تک کہ آپ صحیح وسلامت مدینہ پہنچ گئے۔

آزادی کے سب سے بڑے علمبردار:- ایسے زمانہ میں جبکہ دنیا کے کونے کونے میں شہنشاہیت کا غلغلہ تھا۔ ہر امیر اور فرمانروا فرعون اور نمرود بنا ہوا تھا۔ اور حکمرانوں کے ہاتھوں ان کی رعایا پر بے پناہ مظالم ہو رہے تھے آپ نے پہلی مرتبہ دنیا کو جمہوری طرزِ حکومت سے روشناس کیا۔ اور شہنشاہیت کی بنیادوں کو ہلا ڈالا۔ آپ کا نقطہ نظر

یہ تھا کہ ہر بنی نوع انسان کو آزاد ہونا چاہیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ آزادی کے سب سے بڑے علمبردار ہیں۔

حکمران کی حیثیت سے اعلیٰ کردار: طلوعِ اسلام سے قبل جب کوئی فاتح کسی ملک کو فتح کرتا تھا تو مفتوحہ اقوام کا بُری طرح قتلِ عام ہوتا تھا۔ ان پر بالجبر حکومت کا مذہب ٹھونسا جاتا تھا۔ مفتوحہ اقوام کے بوڑھوں، مریضوں، بچوں اور عورتوں تک کو تہِ تیغ کر دیا جاتا تھا لیکن آپ نے دنیا میں آ کر بحیثیت ایک سپہ سالار اور فرمانروا کے جو اعلیٰ کردار پیش کیا ہے اس کی مثال اس سے قبل کی تاریخ میں مفقود ہے۔ آپ نے اسلامی سپہ سالاروں کو سخت ہدایت کر رکھی تھی کہ مفتوحہ اقوام کے بوڑھوں، مریضوں، بچوں اور عورتوں سے تعرض نہ کیا جائے۔ مذہب کے معاملہ میں ہرگز جبر نہ اختیار کیا جائے۔ مکانات کو اور ہری بھری کھیتیوں کو نہ جلایا جائے۔ اسیرانِ جنگ کے ساتھ انتہائی نرمی اور محبت کا سلوک کیا جائے۔

اشاعتِ اسلام کے لئے جدوجہد: آغازِ اسلام میں اشاعتِ اسلام کے لئے آپ خود مختلف قبائل میں جا کر دینِ اسلام قبول کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ جب اسلام میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ نے عرب کے کونے کونے میں اور نیز دیگر ممالک میں تبلیغ اور اشاعتِ اسلام کے لئے سینکڑوں وفود روانہ کئے۔ مبلغین کو ہدایت تھی کہ وہ لوگوں کو نرمی اور محبت سے اسلام کی طرف دعوت دیں۔ سختی ہرگز اختیار نہ کریں۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختصر سے عرصہ میں اسلام دور دور تک پھیل گیا۔

ایفائے عہد: ایک مرتبہ بعثت سے قبل حضور اکرم کو کسی شخص نے راستہ میں روک کر کہا کہ "آپ یہیں ٹھہریں مجھ کو آپ سے ایک ضروری کام ہے"۔ آپ نے وعدہ فرما لیا۔ وہ شخص چلا گیا۔ اور اسے یہ یاد ہی نہیں رہا کہ وہ آپ کو ٹھہرا کر کے چلا آیا ہے۔ یہاں تک کہ

دوسرا دن ہو گیا مگر آپ بدستور وہیں کھڑے رہے۔ جب دوسرے دن وہی شخص اتفاق سے اُسی راستہ سے گذرا اور حضور ؐ کو کھڑا ہوا دیکھا تو اسے بے حد شرمندگی ہوئی اور آپ سے معذرت کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا "کوئی بات نہیں ہے۔ بھول چوک انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔"

صلح حدیبیہ کے دوران میں کفارِ مکہ کی جانب سے ابورافع کسی معاملہ میں قاصد بنا کر رسول اللہ صلعم کی خدمت میں مدینہ بھیجے گئے۔ مدینہ آنے کے بعد آپ رسولِ مقبول صلعم کی ذاتِ اقدس سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے رسول اللہ صلعم سے عرض کیا کہ "اب میں آپ کے پاس سے نہیں جاؤں گا۔ مجھ کو مسلمان کر لیجئے"۔ حضور ؐ نے فرمایا "ابو رافع ہم ایسی بدعہدی نہیں کر سکتے کہ قاصد کو روک لیں۔ اب تم جاؤ اگر تمہارے دل میں اسلام قائم رہے تو پھر واپس چلے آنا"۔ ابورافع اس وقت تو چلے گئے لیکن دوبارہ حاضر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

عدل و انصاف :- عدل و انصاف کے معاملہ میں آپ کے لئے دوست دشمن مسلم اور غیر مسلم سب برابر تھے۔ آپ کسی حالت میں بھی کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرتے تھے۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ مکہ میں خاندان قریش کی ایک عورت نے جس کا نام فاطمہ تھا چوری کی۔ یہ معاملہ دربارِ رسالت میں پہنچا۔ عمائدین قریش نے یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ خاندانِ قریش کی عورت ہے شائد رسول اللہ صلعم اس کے ساتھ رعایت سے پیش آئیں اسامہ بن زید سے جو حضور ؐ کو بہت عزیز تھے سفارش کرائی۔ اُن کی سفارش کے جواب میں آنحضرت نے فرمایا کہ "اسامہ کیا تم حدودِ الٰہی میں سفارش کرتے ہو۔ اگر فاطمہ بنتِ محمد (صلعم) بھی ایسا کرتی تو میں اس پر بھی حد جاری کرتا"۔ چنانچہ اس عورت کا ہاتھ کاٹنے کا آپ نے حکم دیدیا۔

ایک دن ایک یہودی جس کے حضور ؐ مقروض تھے تقاضے کے لئے آیا اور سختی

سے مطالبہ کرنے لگا حضرت عمر فاروق رضؓ کو بہت بُرا معلوم ہوا۔ انھوں نے اسے جھڑک دیا حضورؐ ہنس پڑے اور فرمایا "عمرؓ تمہیں لازم تھا کہ میرے ساتھ اور اس کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرتے مجھ سے حُسنِ ادائیگی کے لئے کہتے اور اسے حُسنِ تقاضہ سکھاتے" پھر حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ اس کا قرض ادا کر دو اور بیس صاع یعنی ڈیڑھ من جَو زیادہ دینا کیونکہ تم نے اسے بلاوجہ دھمکایا ہے"۔

مدینہ میں ایک مسلمان اور یہودی میں جھگڑا ہو گیا۔ یہودی سچائی پر تھا۔ اُس نے مسلمان سے کہا کہ "چلو تمہارے ہی پیغمبر جو فیصلہ کر دیں وہ مجھ کو منظور ہے"۔ یہ دونوں دربارِ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے سارا معاملہ سننے کے بعد مسلمان کا کوئی پاس نہیں کیا اور یہودی کے حق میں فیصلہ دیدیا۔

ایک انصاری کی زرہ چوری ہو گئی۔ اس زرہ کی چوری کا الزام ایک مسلمان اور ایک یہودی دونوں پر تھا۔ اصل چور دراصل مسلمان ہی تھا۔ یہودی کا تو صرف اتنا قصور تھا کہ اس نے یہ زرہ رہن رکھ لی تھی۔ یہ معاملہ دربارِ رسالت میں پہنچا مسلمانوں کی یہ کوشش تھی کہ یہودی مجرم قرار دیا جائے اور مسلمان کو چھوڑ دیا جائے۔ گویا یہ معاملہ اچھا خاصہ یہود و مسلم سوال بن گیا تھا۔ حضورؐ نے معاملہ کو سُننے کے بعد یہودی کو رہا کر دیا اور مسلمان کو سزا کا حکم دیدیا۔

یہودیوں کے ایک قبیلہ کے لوگوں میں جب آپس میں کچھ جھگڑا پیدا ہوا تو ان میں سے ایک فریق کے ممتاز لوگوں نے حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگ یہود کے علماء اور سردار ہیں۔ اگر ہم مسلمان ہو جائیں گے تو تمام یہودی اسلام قبول کرلیں گے۔ ہماری قوم کے کچھ مناقشے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان مناقشوں میں آپ کو حَکَم بنائیں۔ اگر آپ نے ہمارے حق میں فیصلہ کر دیا تو ہم اسلام قبول کرلیں گے"۔ حضورؐ نے جواب دیا "خواہ تم اسلام قبول کرو یا نہ کرو لیکن میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ میں جادۂ انصاف سے باہر قدم رکھوں۔ میں وہی فیصلہ دوں گا جو حق ہو گا۔ خواہ وہ تمہارے موافق پڑے یا مخالف"۔

فروتنی اور انکسار۔ آپ اگرچہ دین اور دنیا کے شہنشاہ تھے لیکن آپ میں فروتنی اور انکسار بلا کا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ "تم میری تعریف میں اس طرح مبالغہ نہ کیا کرو جس طرح کہ عیسیٰ بن مریم کو نصاریٰ نے حد سے زیادہ بڑھا دیا ہے"۔ ایک مرتبہ آپ باہر سے تشریف لائے تو سب صحابہ تعظیماً کھڑے ہو گئے اس پر آپ نے فرمایا "جیسے عجمی آپس میں ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس طرح تم کو کھڑا نہیں ہونا چاہئے"۔ آپ اپنے اصحاب میں بالکل ملے جلے رہتے تھے اور مجلس میں جہاں بھی جگہ مل جاتی تھی وہیں بیٹھ جاتے تھے۔ آپ نوکروں کے کام میں بھی شریک ہو جاتے تھے اور اُن کو اپنے پاس بٹھا لیتے تھے۔

ایک دفعہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ آپ کی ہیبت سے کانپنے لگا آپ نے اس کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا "تو ڈرتا کیوں ہے۔ میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں بلکہ خاندان قریش کی ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔ بتا تیری کیا حاجت ہے"۔ اس نے مطلب عرض کیا تو آپ نے اس کی ضرورت پوری کر دی اور صحابہ سے فرمایا کہ "اے لوگو تم کو چاہئے کہ دوسروں کے کام نکالو۔ کوئی شخص اپنے آپ کو دوسرے سے اونچا نہ سمجھے اور نہ فخر کرے کیونکہ تم سب خدا کے بندے ہو"۔

مدینہ منورہ کی گلیوں میں جاتے ہوئے بوڑھی ضعیف عورتیں، مصیبت زدہ لوگ، لونڈی غلام، اور چھوٹے لڑکے آپ کا دامن پکڑ لیتے تھے۔ آپ وہیں کھڑے ہو جاتے تھے اور جب تک وہ خود نہیں بیٹھتے تھے، آپ بھی کھڑے رہتے تھے۔ بیچاری دکھیا عورتیں جب آپ سے اپنا دکھ بیان کرتی تھیں تو آپ بڑی ہمدردی سے ان کی باتیں سنتے تھے اور ان کو تسلی دیتے تھے۔ بازار سے اُن کا سودا تک لا دیتے تھے۔

فیاضی اور دریا دلی:۔ فیاضی اور دریا دلی کے معاملہ میں آپ سر تا پا جود و سخا کا مجسمہ تھے۔ اگرچہ آپ کو غیر مستحق سائلوں کا سوال کرنا بُرا معلوم ہوتا تھا۔ مگر پھر بھی آپ نے کبھی کسی سائل کے سوال کو رد نہیں کیا۔ اگر کبھی سائل کو دینے کے لئے کچھ پاس نہ ہوتا تھا تو

اس طرح اُس سے عذر فرماتے تھے جیسے کوئی شخص اپنے کسی قصور کی معافی مانگ رہا ہو۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم سب لوگوں سے زیادہ حسین سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ سخی تھے۔" حضورؐ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ "اگر احد کے پہاڑ کی برابر میرے پاس سونا ہو تو مجھے یہی اچھا معلوم ہوگا کہ میں رات گزرنے سے قبل سب راہِ خدا میں خرچ کر دوں اور اگر بچاؤں تو صرف اتنا جو ادائے قرض کے لئے ضروری ہو۔"

حضرت خدیجہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور انور کے پاس نوے ہزار درہم آئے جو ایک بوریئے پر ڈھیر کر دئے گئے۔ آپ نے ان سب درہموں کو تقسیم کر دیا اور کسی سائل کو محروم نہیں کیا لیکن اس شام کو آپ کے گھر فاقہ تھا۔"

جنگِ حُنین سے جب آپ واپس آئے تو اعراب نے آکر آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور سوال کر کے حضورؐ کو یہاں تک تنگ کیا کہ آپ ایک درخت سے چمٹ گئے اور اس آپ کی چادر تک اُچک کر لے گئے۔ آپ نے فرمایا کہ "لو تو میری چادر تو دیدو۔ اگر میرے پاس ان ببولوں کے کانٹوں کی برابر بھی مال سے لدے ہوئے اونٹ ہوتے تب بھی میں سب کے سب تمہیں دیدیتا۔" اس موقعہ پر آپ نے پانچ لاکھ درہم تقسیم کئے تھے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے سوال کیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ "میرے پاس اس وقت کچھ نہیں ہے۔ تم میرے نام پر قرض لیلو میں ادا کر دوں گا۔" آپ پر جو قرضہ رہتا تھا وہ عموماً اسی قسم کا قرض ہوتا تھا۔ اس موقعہ پر حضرت عمر فاروق رضؓ نے عرض کیا "خداوند کریم نے آپ کو یہ تکلیف ہرگز نہیں دی کہ آپ اپنی قدرت سے بڑھ کر کام کریں۔" حضورؐ انور خاموش ہوگئے۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضور انور کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک بچہ نے عرض کیا کہ میری ماں نے آپ کا پیراہن تبرکاً مانگا ہے۔ آپ فوراً گھر میں تشریف لے گئے اور جسم اطہر سے پیراہن اُتار کر اُسے دیدیا اس کے سوا کیونکہ

آپ کے پاس کوئی دوسرا پیرہن نہیں تھا۔ اس لئے آپ برہنہ جسم گھر میں بیٹھ رہے جب نماز کے وقت آپ باہر تشریف نہیں لائے تو سب کو تشویش ہوئی۔ گھر میں حاضر ہو کر دیکھا تو آپ برہنہ تشریف رکھتے تھے۔"

بادشاہی میں شانِ فقیری:۔ رسولِ مقبول صلعم اگرچہ عرب کے بادشاہ تھے۔ ہر چہار طرف سے آپ کی خدمتِ اقدس میں مالِ غنیمت چلا آرہا تھا جس کو آپ انتہائی فراخ حوصلگی کے ساتھ مستحقین اور غربا میں تقسیم فرما رہے تھے لیکن خود آپ کے گھر کی حالت یہ تھی کہ کئی کئی وقت کے فاقے ہو جاتے تھے۔ بدن پر کپڑا تک نہ تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضہ فرماتی ہیں کہ "رسولِ مقبول صلعم کو کبھی پے در پے دو دن تک پیٹ بھر کر جو کی روٹی میسر نہیں آئی۔ یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی۔" حضرت نعمان کہتے ہیں کہ "خیبر کی جنگ کے زمانہ میں مقامِ صہبا میں نبیِ کریم صلعم کے پاس سوائے ستو کے کچھ نہ تھا۔ چنانچہ ہم نے ان کو گھولا اور ہم سب نے مع حضورؐ کے پیا۔"

حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں کہ "حضورِ اکرم جس بچھونے پہ آرام فرماتے تھے وہ چمڑے کا تھا اور اس کے اندر روئی کی جگہ کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے۔ ایک روز ایک انصار کی بیوی ہمارے گھر آئیں تو حضورؐ کے بستر کو دیکھ کر افسوس کیا۔ اور انھوں نے ایک عمدہ بستر حضورؐ کے لئے بھیجا۔ جب آنحضرت گھر میں تشریف لائے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ "عائشہ یہ نئی چیز تمہارے ہاں کیا رکھی ہے"۔ میں نے عرض کیا "حضورؐ فلاں انصاریہ نے آپ کے لئے بستر بھیجا ہے"۔ آپ نے حکم دیا کہ "اسی وقت اس بستر کو واپس کر دو۔ یہ ہمارے کام کا نہیں ہے۔ خدا کی قسم اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑ چلتے۔"

حضرت حفصہ رضہ سے پوچھا گیا کہ "آپ کے ہاں حضورؐ کیسے بستر پر استراحت فرمایا کرتے تھے" تو ام المومنین نے جواب دیا کہ "ایک ٹاٹ تھا جسے ہم دوہرا کر کے بچھالیا

کرتے تھے۔ ایک دن میں نے اس کی چار تہیں کرکے حضور ﷺ کے نیچے بچھا دیا تاکہ نرم رہے صبح اٹھ کر آپ نے مجھ سے پوچھا کہ "رات کو تم نے میرے نیچے کیا بچھا دیا تھا"؟ میں نے عرض کیا "وہی ٹاٹ ہے جو روز بچھا کرتا ہے۔ البتہ کل شب میں نے اس کی چار تہیں کر دی تھیں۔ تاکہ نرم ہو جائے"۔ ارشاد ہوا کہ "اسے ویسا ہی کر دینا کیونکہ اس کی نرمی نے رات کو میری نماز میں ڈھیل ڈال دی"۔

سردارِ دو عالم کے پاس جو عبا تھی آپ جہاں تشریف لے جاتے تھے دوہری کرکے اسی کو اپنے نیچے بچھا لیتے تھے۔ آپ اکثر چٹائی پر بھی سو رہتے تھے۔ عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ "چٹائی کے نشان آپ کی پسلیوں پر دیکھ کر مجھے رونا آجاتا تھا"۔

حضرت عائشہ رضؓ کا ارشاد ہے کہ "کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ مہینہ مہینہ بھر ہمارے چولھے میں آگ نہیں جلتی تھی۔ کیونکہ ہمارے پاس کوئی پکانے کی چیز نہیں ہوتی تھی۔ صرف کھجوروں اور پانی سے گذر اوقات ہوتی تھی"۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ "جس وقت حضور ﷺ نے انتقال فرمایا میرے پاس تھوڑا سا جَو کا آٹا اور نصف وسق جَو تھے۔ اس کے سوا کھانے پینے کی کوئی شے یا روپیہ پیسہ ہمارے گھر میں نہیں تھا"۔ رسولِ مقبول صلعم کا جب انتقال ہو گیا تو حضرت عائشہ صدیقہ نے پیوند لگی ہوئی ایک چادر اور ایک موٹا تہہ بند دکھا کر فرمایا کہ "ان ہی دو کپڑوں میں جو ہمارے گھر میں تھے نبی کریم صلعم کی رُوح قبض کی گئی ہے"۔

ہمدردی، نرمی اور شفقت:- محمد رسول اللہ صلعم کے سینہ میں ہمدردی، نرمی اور محبت کا ایک بے پایاں سمندر موجزن تھا۔ آپ دُنیا کے کسی متنفس کی تکلیف نہیں دیکھ سکتے تھے۔ دوستوں، قرابت داروں اور متعلقین کے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی سے پیش آتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی ہمیشہ نرمی اور محبت کا سلوک فرماتے تھے۔

عبداللہ بن اُبی مدینہ کا بہت بڑا منافق اور رسول اللہ صلعم کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ یہ برابر رسولِ مقبول صلعم کے خلاف کوئی نہ کوئی فتنہ برپا کرتا رہتا تھا جب یہ منافق مرا تو آپ سے اُس کے جنازہ پر نماز پڑھنے کے لئے کہا گیا۔ صحابہ کا خیال تھا کہ آپ صاف انکار کر دیں گے لیکن صحابہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ آپ نے اس سب سے بڑے دشمن کے جنازہ پر نہ صرف نماز پڑھی بلکہ اُس کے کفن کے لئے اپنا پیراہنِ مبارک بھی عطا کر دیا۔ یہ تھا اپنے بڑے سے بڑے دشمن کے ساتھ حضورِ اکرم کا سلوک۔

سرورِ دو عالم کی شفقت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ اُسی سے آپ کو سب سے زیادہ محبت ہے۔ آپ کی عادت تھی کہ روزانہ صبح کی نماز کے بعد ہر ایک صحابی کا حال دریافت فرماتے تھے۔ اور جب آپ کو پتہ چلتا تھا کہ کوئی صحابی پریشان یا بیمار ہے تو فوراً اسکی امداد اور اعانت کے لئے خود پہنچ جاتے تھے۔

عام بچوں کے ساتھ اور خصوصاً یتیم بچوں سے آپ کو بے حد محبت تھی۔ جب کوئی نئی چیز آتی تو حضور۔ بچوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ آپ بچوں کو کاندھوں پر بٹھائے اُٹھائے پھرتے تھے۔

ازواج مطہرات کے ساتھ آپ کا سلوک نہایت ہی عمدہ اور قابلِ تقلید تھا چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ "جیسا تم آپ کھاؤ پہنو ویسا ہی اپنی بیویوں کو بھی کھلاؤ پہناؤ۔ خبردار ان کے ساتھ بہت مار دھاڑ سختی کرنا۔ اور ان کو ذلیل اور حقیر مت سمجھنا"

ایک بار آپ نے اپنی بیوی عائشہؓ اور حفصہؓ کی خاطر شہد کا استعمال چھوڑ دیا تھا کیونکہ ان دونوں کو شہد کی خوشبو پسند نہ تھی یعنی ازواج مطہرات کی آپ اس قدر دلداری کرتے تھے کہ جو چیز اُن کے خلاف طبع ہوتی تھی اسکو خود بھی ترک فرما دیتے تھے۔

اسودؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا کہ حضور اکرم گھر پر کیا کام کیا کرتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ حضرت گھر والوں کے کام میں ہاتھ بٹانے میں مصروف

رہتے تھے"۔ آپ نے کبھی اپنے ہاتھ سے اپنے خادم اور عورت کو نہیں مارا۔

اسی طرح آپ اولاد کے ساتھ بھی بڑی شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ حضرت فاطمۃ الزہرا سے آپ کو غیر معمولی محبت تھی۔ اور حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین آپ کے صحیح معنوں میں لخت جگر تھے۔ ایک مرتبہ رسول مقبول صلعم نے حضرت امام حسن کے رخسار کا بوسہ لیا۔ ایک اعرابی جو آپ کی خدمت میں حاضر تھا اس نے عرض کیا کہ "آپ اپنے بچوں کو پیار کرتے ہیں۔ حالانکہ میرے دس بیٹے ہیں۔ میں تو کسی کو اس طرح پیار نہیں کرتا" آپ نے فرمایا "اگر خدا نے تیرے دل سے رحم اور محبت کو نکال لیا ہے تو اس کا میرے پاس کیا علاج ہے"۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ صحابی آپ کے پیچھے صف بستہ استادہ تھے کہ حضرت امام حسین آئے اور جب رسول اللہ صلعم سجدہ میں گئے تو وہ آپ کی گردن مبارک پر بیٹھ گئے اور دیر تک بیٹھے رہے جب تک وہ خود نہ اُٹھ گئے حضور نے سجدے سے سر نہ اُٹھایا۔ نماز کے بعد صحابہ نے حضرت امام حسین سے کہا کہ "تم کیسے بے ادب ہو کہ ہمارے نبی کی گردن پر بیٹھ جاتے ہو" آپ نے فرمایا کہ "انھیں کچھ نہ کہو یہ جو کچھ بھی کریں ہمیں منظور ہے"۔

رسول مقبول نہایت ہی خوش اخلاق اور ہنس مکھ تھے خوش طبعی اور شگفتہ مزاجی آپ کو بے حد مرغوب تھی چنانچہ ایک مرتبہ رسول مقبول صلعم نے فرمایا کہ "قیامت کے دن میرے پیارے اور مجھ سے نزدیک بیٹھنے والے وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق اچھے ہونگے"

غرضکہ رسول اللہ کی زندگی کے جس پہلو پر بھی نظر ڈالی جاتی ہے۔ آپ ایک مکمل انسان دکھائی دیتے ہیں۔ اور آپ میں اتنی خوبیاں نظر آتی ہیں جو آفرینش عالم سے لیکر اس وقت تک کسی ایک انسان میں نہیں پائی گئیں۔

———— (ختم) ————

ASL-269 Mukammal Tarikh-i-Islam
Mufti Shawkat Ali Fahmi
Deen-o-Dunya Publishing Co. Delhi 968 Pages

ASL-270 Ood-i-Hindi عود ہندی
Mirza Asadullah Khan Galib
Munshi Nolkishore Press Lakhnow
1941 / 1360 H — 268 Pages

ASL-271 Bal-i-Jibril بال جبریل
Allama Iqbal (120 Pages)
Sultan Book Depot Chadarghat Haiderabad

تیسرا باب

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ

کا دورِ حکومت

سنہ ۱۱ھ تا ۱۳ھ

۶۳۲ء ۶۳۴ء



حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دورِ حکومت

رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد اگر ہوشمند صحابہ نے فوراً ہی ۱۲ ربیع الاول سلہ
(۶۳۲ء) کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت پر بیعت نہ کر لی ہوتی تو یہ حقیقت ہے کہ حالات
وواقعات ایسے پیدا ہو چکے تھے کہ مسلمانوں میں بُری طرح خانہ جنگی شروع ہو جاتی اور وہ
مُنافقینِ اسلام جو پہلے ہی سے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے تُلے ہوئے تھے۔ ان کو
مسلمانوں میں خونریزی کرانے کے لئے نہایت اچھا موقعہ ہاتھ آجاتا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ بلاشبہ خلافت کے لئے تمام صحابہؓ سے افضل اور موزوں
تھے رسولِ مقبول صلعم کی خواہش بھی یہی تھی کہ آپ کے بعد خلافت کی ذمہ داری حضرت
ابوبکر صدیقؓ کے سپرد کی جائے۔ رسولِ مقبول صلعم کا زمانہ علالت میں اپنی جگہ حضرت ابوبکر
صدیق رضؓ کو امام مقرر فرمانا اور ایک مرتبہ نہیں بلکہ دو مرتبہ حضرت ابوبکر رضؓ کی اقتدا میں
نماز پڑھنا حضرت ابوبکر رضؓ کی خلافت کی جانب کھلا ہوا اشارہ تھا۔ حضرت ابوبکر رضؓ کے
امام بنائے جانے پر جب حضرت عائشہ رضؓ نے رسول اللہ صلعم سے عرض کیا تھا کہ "میرے
باپ اس خدمت کو انجام نہیں دے سکیں گے کیونکہ وہ بے حد رقیق القلب ہیں آپ حضرت
عمر رضؓ کو امام مقرر فرما دیں"۔ تو اس پر رسول اللہ صلعم نے جواب دیا تھا کہ "نہیں ابوبکر ہی
امامت کریں گے"۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ہی کو اپنا جانشین
بنانا چاہتے تھے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے کہ رسولِ مقبول صلعم نے اپنی علالت کے
دوران میں حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا کہ "اپنے باپ اور بھائی کو بلا لو تاکہ میں تمہارے
باپ کے لئے خلافت نامہ لکھ دوں"۔ پھر خود ہی فرمایا "اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیونکہ

مسلمان سوائے اُن کے کسی دوسرے کو سردار مقرر نہیں کریں گے اور خدا تعالیٰ کی مشیت بھی یہی ہے۔“ اس کے علاوہ کتب احادیث میں ایسی بے شمار حدیثیں موجود ہیں جن سے حضرت ابوبکر صدیق رض کا خلیفۂ اوّل مقرر کیا جانا صاف طور پر ثابت ہے۔

خلافت کے بارے میں اختلاف

رسول اللہ صلعم کی وفات کا حال سن کر ایک طرف تو مسجد نبوی میں لوگ جمع ہو گئے تھے جن میں تقریباً سب مہاجرین تھے اور دوسری طرف حضرت سعد بن عبادہ انصاری کی نشست گاہ ثقیفہ بنی سعد میں انصاریوں کی بہت بڑی تعداد اکٹھی ہو گئی تھی۔ تاکہ خلافت کے مسئلہ پر غور کیا جائے۔ انصاریوں کے اس مجمع کی خواہش یہ تھی کہ حضرت سعد بن عبادہ انصاری کو رسول اللہ صلعم کا جانشین مقرر کیا جائے۔

اس اجتماع میں حضرت سعد بن عبادہ نے کہا کہ ”خلافت انصاریوں کا جائز حق ہے“۔ ایک انصاری نے جب سوال کیا کہ ”کیا مہاجرین انصار کی خلافت کو تسلیم کریں گے؟“ تو دوسرے انصاری نے جواب دیا کہ ”اگر مہاجرین نے ہمارے خلیفہ کو تسلیم نہیں کیا تو ہم ان کو بزورِ شمشیر مدینہ سے نکال دیں گے“۔ چند مہاجرین بھی اس مجمع میں موجود تھے۔ وہ اس پر برہم ہو گئے۔ اور اندیشہ ہوا کہ کہیں اس بحث و مباحثہ میں تلواریں نہ نکل آئیں۔ فوراً حضرت ابوبکر صدیق رض کو جو اس وقت مسجد نبوی میں تھے تمام حالات سے مطلع کیا گیا۔ حضرت ابوبکر رض اس پریشان کن خبر کو سُن کر حضرت عمر رض اور حضرت ابوعبیدہ کو ساتھ لیکر سیدھے انصاریوں کے اجتماع کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ اور دوسرے صحابۂ کرام کو تجہیز و تکفین کے کام کی تکمیل میں مصروف چھوڑ گئے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اس نازک موقعہ پر اگر حضرت ابوبکر رض پہنچنے میں ذرا بھی تاخیر کرتے تو کوئی تعجب نہ تھا کہ مہاجرین و انصار میں خونریزی تک کی نوبت آجاتی۔

حضرت ابوبکر رض نے انصاریوں کے مجمع میں پہنچنے کے بعد دیکھا کہ بڑی طرح افراتفری

بھی ہوئی ہے۔ آپ نے مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "ملے انصار محمد صلعم جوار رحمت میں پہنچ چکے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر کسی کو فوراً سردار مقرر نہ کیا گیا تو اُمور دین میں فتور پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے مُناسب ہے کہ ہم لوگ نسب اور بزرگی کے معاملہ پر غور و خوض کرنے کے بعد کسی ایک شخص کو اپنا سردار مقرر کر لیں"۔

سعد بن عبادہ نے جواب دیا کہ "جو بزرگی اللہ تعالیٰ نے انصار کو عنایت کی ہے وہ کسی کو حاصل نہیں کیونکہ انھوں نے رسول اللہ صلعم اور ان کے ساتھیوں کو پناہ دی اور اُن کے لئے دُشمنوں سے لڑے اور جان و مال فدا کیا جس کی بنا پر اسلام کے کاموں میں ترقی ہوئی"۔

حضرت ابوبکرؓ بولے "جو بزرگی انصار کو حاصل ہے اور اُن کے احسانات ہیں اُس کا ہم اقرار کرتے ہیں۔ لیکن قریش کی قوم جو رسول اللہ صلعم کی قوم ہے اللہ نے تمام عرب قوموں پر اُس کو فضیلت اور بزرگی دی ہے۔ اس لئے جب تک ان میں سے لوگ امارت کے قبول کرنے سے انکار نہ کر دیں۔ دوسری قوم میں سے کسی کا سردار ہونا مُناسب نہیں"۔

حضرت بشیر بن نعمان انصاری نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ "آنحضرت صلعم بے شک قبیلہ قریش میں سے تھے۔ لہٰذا ان کی قوم خلافت کی زیادہ مستحق ہے۔ ہم لوگوں نے بلاشبہ دین اسلام کی نصرت میں نُمایاں حصّہ لیا ہے۔ اور ہم سابق الایمان ہیں لیکن ہمارا اسلام لانا اور رسول اللہ صلعم کی امداد کے لئے مستعد ہو جانا محض اس لئے تھا کہ خدا ہم سے راضی ہو جائے۔ ہم اس کا معاوضہ دنیا میں نہیں چاہتے۔ اور نہ ہم خلافت و امارت کے معاملہ میں مہاجرین سے کوئی جھگڑا کرنا پسند کرتے ہیں"۔

بشیر بن نعمان کی اس حق گوئی پر وہ تمام انصاری جو انصار میں خلافت

دیکھنا چاہتے تھے بُری طرح برہم ہو گئے اور انھوں نے بشیر بن نعمان پر سخت نکتہ چینی شروع کر دی۔ اس پر بشیر بن نعمان نے کہا کہ "خواہ میری صاف گوئی پر میرے ہم قوم ناراض ہی کیوں نہ ہو جائیں مگر میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ یہ چیز کسی طرح بھی موزوں نہیں کہ ایک ایسی قوم سے خلافت اور امارت کے لئے جھگڑا کیا جائے جو بجا طور پر خلافت و امارت کی مستحق ہے۔ اے انصار کیا تم نے سُنا نہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ الائمۃ من القریش (امام قریش میں سے ہوں گے)"

انصار کو رسول اللہ صلعم سے سچا عشق تھا۔ جب بشیر بن نعمان نے انھیں قریش کے سردار ہونے کے بارے میں رسول مقبول صلعم کا یہ ارشاد یاد دلایا تو اس باخدا قوم کے سردار خود ہی خلافت کے دعوے سے دستبردار ہو گئے۔ اور مہاجرین و انصار کا وہ اختلاف جو نہایت ہی خطرناک صورت اختیار کرتا چلا جا رہا تھا آن واحد میں ختم ہو گیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے جب دیکھا کہ انصار بنی قریش کی سرداری پر رضامند ہو گئے ہیں تو انھوں نے موقعہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے فرمایا کہ "سردارانِ قریش میں سے عمر رضؓ اور ابو عبیدہ رضؓ موجود ہیں تم ان دونوں میں سے کسی ایک کو امارت کے لئے منتخب کر لو"۔ اس پر حضرت ابو عبیدہ رضؓ اور حضرت عمر رضؓ بولے "حضرت ابو بکر صدیق رضؓ ہم میں سب سے افضل ہیں۔ لہٰذا ابو بکر صدیق کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا خلافت و امارت کا مستحق نہیں ہو سکتا"۔ یہ فرمانے کے بعد سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضؓ نے حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُن کے بعد حضرت ابو عبیدہ رضؓ اور حضرت بشیر بن نعمان انصاری نے بیعت کی۔ پھر تو حالت یہ ہوئی کہ چاروں طرف سے لوگ بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ غرضکہ تقریباً تمام مہاجرین و انصار نے متفقہ طور پر حضرت ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ انصار میں سے حضرت سعد بن عبادہ نے بیعت نہیں کی اور مہاجرین میں سے صرف وہ لوگ بیعت نہیں کر سکے جو رسول مقبول صلعم کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے۔

دوسرے روز رسولِ مقبول صلعم کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہونے کے بعد حضرت

ابوبکر صدیق رضؓ نے منبر پر بیٹھ کر بیعتِ عامہ لی۔ تو گروہ در گروہ آتے تھے اور بیعت کرتے جاتے تھے۔ چنانچہ صحابۂ کرام میں سے تقریباً تینتیس ہزار صحابہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ صحابہ کی اس عظیم الشان تعداد کا صرف ڈیڑھ دن میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنا اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے کہ صحابۂ کرام آپ کی خلافت کے بارے میں بالکل متفق اور متحد تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ناگواری

حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہ رضؓ نے ضرور چالیس روز تک حضرت ابوبکر رضؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی لیکن اس بیعت نہ کرنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ حضرت علیؓ اپنی خلافت کے خواہشمند تھے بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ ان کو حضرت ابوبکر رضؓ سے اس بات کی سخت شکایت تھی کہ انھوں نے سقیفہ بنی سعد کی بیعت کے موقعہ پر ان کو شریکِ مشورہ کیوں نہیں کیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلوص اور بے لوثی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مکہ کے مشہور سپہ سالار ابوسفیان نے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کو حضرت ابوبکر رضؓ کے خلاف بھڑکاتے ہوئے جب یہ کہا کہ "آپ کے ہوتے ہوئے ابوبکر کو خلیفہ بن جانے کا کوئی حق نہ تھا۔ میں تو صرف آپ کی بیعت کے لئے تیار ہوں بلکہ یہاں تک آمادہ ہوں کہ آپ کا اشارہ پاتے ہی اس سارے میدان کو لشکر سے بھر دوں اور ابوبکر کے لئے عرصۂ حیات تنگ کر دوں" تو ابوسفیان کی زبان سے حضرت ابوبکر رضؓ کے خلاف یہ ناشائستہ الفاظ سُن کر حضرت علیؓ کو سخت ناگواری پیدا ہوئی۔ حضرت علیؓ کے دل میں اگر حضرت ابوبکر رضؓ کے خلاف ذرہ برابر بھی کدورت ہوتی تو آپ اس موقعہ سے پورا فائدہ اُٹھاتے لیکن آپ تو سرتاپا اخلاص اور صداقت کے پیکر تھے۔ ابوسفیان کی اس بات کو سُن کر آپ کے تیور بدل گئے اور آپ نے فرمایا۔" ابوسفیان تمہارے دل میں ہمیشہ

سے فتنہ اور فساد ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایمان لانے کے بعد بھی اس کا اثر باقی ہے۔ جاؤ مجھے تمہاری ہمدردی کی کوئی ضرورت نہیں" حضرت علیؓ کے اس تلخ جواب کے بعد ابوسفیان ناکام و نامراد واپس چلا گیا۔

ابوسفیان کی اس مفسدانہ روش سے جب حضرت علیؓ نے یہ محسوس کیا کہ اُن کے بیعت نہ کرنے سے فتنہ پردازوں کو مسلمانوں میں خانہ جنگی برپا کرانے کا موقع ہاتھ آگیا ہے تو آپ اُسی وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ "میں آپ کی فضیلت اور استحقاقِ خلافت کا منکر نہیں ہوں مجھ کو اور میرے ساتھیوں کو صرف یہ شکایت ہے کہ آپ نے ثقیفہ بنی ساعدہ میں رسول اللہ صلعم کے قریبی رشتہ داروں سے مشورہ کئے بغیر کیوں بیعت کی آپ اگر ہم کو بھی وہاں بلوا لیتے تو ہم سب سے پہلے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے جواب دیا۔ "رسول مقبول صلعم کے قرابت دار مجھ کو اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے زیادہ محبوب ہیں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ میں ثقیفہ میں بیعت کے لئے نہیں گیا تھا بلکہ اس غرض کے لئے گیا تھا کہ مہاجرین و انصار میں خلافت کے بارے میں جو جھگڑا پیدا ہو گیا تھا اُسے کسی نہ کسی طرح رفع کر دوں۔ اس جھگڑے کے رفع ہونے کے بعد میں نے اپنی بیعت کی خواہش ہرگز نہیں کی تھی۔ بلکہ حاضرین نے خود ہی اچانک میرے ہاتھ پر بیعت شروع کر دی۔ اگر میں اُس وقت بیعت کو ملتوی کر دیتا تو اندیشہ تھا کہ مہاجرین و انصار کا یہ جھگڑا دوبارہ کھڑا ہو کر کوئی نیا فتنہ نہ برپا کر دے۔ اس کے علاوہ آپ حضرات کو میں اس لئے بھی نہیں بلا سکا کیونکہ آپ تجہیز و تکفین کے کام میں مصروف تھے۔"

حضرت ابوبکرؓ کا عذر معقول تھا چنانچہ واقعات کا علم ہونے کے بعد حضرت علیؓ کو کوئی شکایت باقی نہیں رہی اور آپ نے اگلے ہی روز مسجد نبوی میں مجمع عام میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اس موقعہ پر یہ بھی بتا دینا نہایت ضروری ہے کہ رسول اللہ صلعم کے بھائی اور داماد ہونے کی وجہ سے حضرت علیؓ کو مہاجرین و انصار میں بے حد ہر دلعزیزی

حاصل تھی۔ حضرت علیؓ اگر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت نہ چاہتے تو بڑے سے بڑے فتنے کھڑے ہو سکتے تھے۔ لیکن حضرت علیؓ تو سرتاپا حقانیت کا پیکر تھے۔ ان کو خلافت کی کوئی خواہش نہ تھی وہ تو محض اسلام کا فروغ چاہتے تھے اور اس کے لئے خلافت تو کیا بڑے سے بڑے ایثار کے لئے تیار تھے۔ لہٰذا فتنہ پردازوں کی انتہائی کوشش کے باوجود آپ نے ہر ایسی چیز سے گریز کیا ہے جس سے کہ اسلام میں ضعف پیدا ہونے کا امکان تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ابتدائی زندگی

حضرت ابوبکرؓ صدیق کی خلافت اور آپ کے زمانہ کی فتوحات پر روشنی ڈالنے سے قبل یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ابتدائی زندگی پر بھی ہلکی سی روشنی ڈال دی جائے۔ تاکہ تاریخ کے مطالعہ کرنے والوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ مسندِ خلافت پر سرفراز ہونے سے پہلے آپ کی زندگی کیسی تھی اور آپ کو رسول اللہ صلعم سے کس قدر قرب حاصل تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق کا اصلی نام "عبداللہ عتیق ابن ابوقحافہ" تھا اور ابوبکرؓ آپ کی کنیت تھی۔ صدیق کا خطاب آپ کو رسول اللہ صلعم کی جانب سے ملا تھا۔ کیونکہ آپ نے مخالفین اسلام کی پروا کئے بغیر مردوں میں سب سے پہلے رسول اللہ صلعم کی نبوت کی تصدیق فرمائی تھی۔ اور معراج کے بارے میں بھی آپ نے بڑی دلیری سے کام لیتے ہوئے حضورِ اکرمؐ کے قول کی تصدیق کی تھی۔ آپ کی اس صداقت اور سچائی سے متاثر ہو کر رسول اللہ صلعم نے آپ کو صدیقؓ کا خطاب عطا کیا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا خاندان اور رسول اللہ صلعم کا خاندان ایک ہی ہے یعنی آپ رسول اللہ صلعم کے ہم جد ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب چھ پشتوں کے بعد رسول اللہ صلعم کے سلسلۂ نسب سے جا ملتا ہے۔ آپ حضورِ اکرم سے دو برس چھوٹے تھے۔ رسول اللہ صلعم کی طرح آپ بھی مکہ ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ وہیں پرورش پائی تھی۔ اور وہیں تعلیم و تربیت

حاصل کی تھی۔ آپ کا آبائی پیشہ تجارت تھا۔ چنانچہ آپ تجارتی قافلے لیکر قریبی ممالک میں جایا کرتے تھے۔

قبیلہ قریش میں جو دس ممتاز سردار تھے۔ اُن ہی میں سے ایک حضرت ابوبکر صدیق رضؓ بھی تھے۔ آپ نہایت دولت مند اور با اثر تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں خونبہا اور تاوان کا آخری فیصلہ آپ ہی فرماتے تھے۔ قبیلہ کے کسی آدمی کو آپ کے فیصلہ سے رُوگردانی کی طاقت نہیں تھی۔ آپ اعلیٰ درجہ کے مہمان نواز اور بے حد فیاض طبع تھے۔ دوست اور دشمنوں کی آپ یکساں امداد کرتے تھے۔ آپ کا اخلاق اور کردار نہایت ہی بلند تھا۔ ایامِ جاہلیت میں عرب اگرچہ کھلم کھلا شراب پیتے تھے لیکن آپ نے کبھی شراب کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ گویا زہد اور پرہیزگاری آپ کی خمیر میں شامل تھی۔ گو آپ کے آبا و اجداد بُت پرست تھے لیکن بچپن ہی سے آپ کو بُت پرستی سے نفرت تھی۔

مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ہی سب سے پہلے رسول اللہ صلعم پر ایمان لائے تھے۔ آپ رسولِ مقبول صلعم کے ساتھ سایہ کی طرح لگے رہتے تھے۔ چنانچہ رسولِ مقبول صلعم نے جب مکہ سے ہجرت کی تو آپ اپنے تمام اہل و عیال کو اللہ کے نام پر چھوڑ کر حضورؐ کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ آپ تقریباً تمام لڑائیوں میں رسول اللہ صلعم کے دوش بدوش کفار سے لڑے ہیں۔ اور ہر جنگ میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر آنحضرت کی حفاظت کی ہے اسلام کی راہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ جب آپ مسلمان ہوئے تو آپ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے وہ سب کے سب آپ نے رسول اللہ صلعم پر خرچ کر دیئے۔ جنگ تبوک کے لئے حضورِ اکرم نے جب مال تصدق کرنے کا حکم دیا تو حضرت ابوبکرؓ نے اپنا تمام مال اور اسباب اسلام پر قربان کر دیا۔ اور اہل و عیال کے لئے ایک درہم بھی باقی نہ رکھا۔

علم اور فضل کے اعتبار سے بھی حضرت ابوبکرؓ کا درجہ نہایت بلند تھا۔ قرآن شریف کا علم آپ کو سب صحابیوں سے زیادہ تھا۔ سُنت کے علم میں بھی آپ کامل تھے۔ علم تعبیر میں

آپ کو امتیازی درجہ حاصل تھا۔ آپ تمام اسلامی مسائل کا فیصلہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں فرمایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ نہایت ہی فصیح تقریر فرماتے تھے

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اگرچہ نہایت ہی دولتمند خاندان سے تعلق رکھتے تھے لیکن آپ کی معاشرت ابتدا ہی سے نہایت سادہ تھی۔ اور اسلام قبول کرنے کے بعد اور اسلام پر اپنی تمام دولت لٹانے کے بعد تو آپ کی سادگی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ چنانچہ مسندِ خلافت سنبھالنے کے دوسرے دن جب آپ چند چادریں تجارت کی غرض سے لئے ہوئے بازار جارہے تھے تو حضرت عمر رضؓ نے آپ کو روک کر کہا کہ "اب آپ مسلمانوں کے خلیفہ ہو گئے ہیں یہ دھندے چھوڑ دیجئے"۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ "اگر میں ایسا کروں گا تو میرے اہل و عیال کہاں سے کھائیں گے"۔ حضرت ابوبکر رضؓ کا عذر معقول تھا۔ صحابہ کے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ وہ خلیفہ کے معاش کے مسئلہ پر غور کریں۔ چنانچہ صحابہ نے یہ سوچتے ہوئے کہ اگر آپ اب بھی تجارت کرتے رہے تو اس سے سلطنت کے کاموں میں ہرج پیدا ہوگا۔ ایک مجلسِ شوریٰ منعقد کرنے کے بعد آپ کا وظیفہ مقرر کر دیا جو اس قدر کم تھا کہ اس میں مشکل ہی سے آپ کا گذارہ ہوتا تھا۔

حضرت ابوبکر رضؓ کے مسندِ خلافت سنبھالنے کے بعد مسلمانوں نے ہر چند چاہا کہ وہ اپنے نام کے ساتھ سلطان یا خلیفۃ اللہ کے لقب کا اضافہ کرلیں لیکن آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ "میں نہ تو سلطان ہوں اور نہ خدا کا خلیفہ ہوں۔ بلکہ اپنے نبیؐ کا خلیفہ ہوں۔ بس میرے لئے یہی بالکل کافی ہے"۔

خلیفہ ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی پہلی تقریر

خلیفہ ہونے کے دوسرے ہی دن مسجد نبویؐ میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے جو پہلی تقریر کی تھی اس سے آپ کے خلوص سچائی اور ایمانی قوت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

"مسلمانو میں تمہارا سردار بنایا گیا ہوں۔ حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ پس اگر میں نیک کام کروں تو تمہارا فرض ہے کہ میری مدد کرو۔ اور اگر میں کوئی غلط راہ اختیار کر دوں تو تمہارا فرض ہے کہ مجھے سیدھے راستہ پر چلنے کے لئے مجبور کرو۔ تم لوگ جہاد کو ترک نہ کرنا جب کوئی قوم جہاد کو ترک کر دیتی ہے تو ذلیل ہو جاتی ہے۔ جب تک کہ میں اللہ اور رسول ؐ کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرنا۔ لیکن جب میں اللہ اور رسول کی نافرمانی کرنے لگوں تو میرا ساتھ چھوڑ دینا۔ کیونکہ پھر تم پر میری اطاعت فرض نہیں ہے"۔

اسی تقریر کے آخر میں آپ نے مظلوموں کی امداد اور ظالموں کی سرکوبی کے لئے مسلمانوں کو توجہ دلائی تھی اور کتاب اللہ اور سنت رسول پر چلنے کی مسلمانوں کو ہدایت فرمائی تھی۔ جس وقت آپ نے یہ تقریر فرمائی تو مسجد نبوی میں کئی ہزار صحابہ موجود تھے۔

نقلی نبیوں اور مرتدوں کی بغاوت

رسول مقبول صلعم کی وفات کے بعد چونکہ یہ سمجھا جانے لگا تھا کہ مسلمانوں کی طاقت پاش پاش ہو چکی ہے۔ اس لئے سارے جزیرہ نمائے عرب میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سخت بغاوت برپا ہو گئی۔ اس بغاوت کی بنا پر یہ عام خیال تھا کہ اب اسلامی اقتدار دنیا میں صرف چند روز کا مہمان ہے۔ چنانچہ جب مسلمان یہ دیکھتے تھے کہ باغی قبائل ہر چہار طرف سے مکہ۔ مدینہ اور طائف کی جانب بڑھتے چلے آرہے ہیں تو وہ بھی سراسیمہ ہو جاتے تھے لیکن خلیفۂ اول حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے معتمد صحابۂ کرام کے پائے استقلال کو ذرہ برابر بھی جنبش نہ ہوئی اور وہ مردانہ وار اس فتنہ کو دبانے کے لئے میدان میں آگئے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اسلام کے لئے نازک ترین وقت تھا۔

مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے جس دلیری اور عزیمت کے ساتھ

اس فتنہ کو دبانے کی کوشش کی۔ وہ آپ کے دورِ خلافت کا سب سے بڑا اور سب سے اہم کارنامہ ہے۔ اس وقت جزیرہ نمائے عرب کی حالت یہ تھی کہ ایک طرف تو وہ تمام قبائل باغی اور مُرتد ہو گئے تھے جنہوں نے کہ مسلمانوں کی طاقت کے خوف سے اسلام قبول کر لیا تھا اور دوسری جانب عرب میں نئے نئے نقلی نبی نمودار ہو گئے تھے جنہوں نے کہ بُری طرح عرب کے مختلف علاقوں میں عوام کو گمراہ کر کے سخت ہنگامے برپا کر رکھے تھے۔

مُرتدین میں سے ایک بڑا گروہ ایسا بھی تھا جو رسول اللہ صلعم کی رسالت کا تو اقرار کرتا تھا لیکن اس بات کے لئے بضد تھا کہ ارکانِ اسلام میں اس گروہ کی مرضی کے مُطابق تبدیلی کر دی جائے۔ خصوصیت کے ساتھ یہ گروہ زکوٰۃ کی گرانقدر رقم کی ادائیگی کا مُخالف تھا۔ اس کا مُطالبہ تھا کہ زکوٰۃ کے رُکن کو اسلام سے خارج کر دیا جائے چنانچہ زکوٰۃ کے مخالفین کے وفود نے جب مدینہ آ کر حضرت ابو بکر رضہ سے درخواست کی کہ زکوٰۃ مُعاف کر دی جائے تو حضرت ابو بکر رضہ کو اس نامعقول مُطالبہ پر سخت ناگواری پیدا ہوئی آنجے وفود کے نمائندوں سے فرمایا کہ:-

"کسی دُنیاوی انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ ارکانِ اسلام میں ذرہ برابر بھی تبدیلی کر سکے۔ خدا کی قسم اگر زکوٰۃ کا ایک جانور یا ایک دانہ بھی کوئی قبیلہ ادا نہیں کریگا تو میں اس سے جنگ کروں گا۔"

حضرت ابو بکر رضہ کے اس انکار کے بعد مُرتدین کا جوشِ مخالفت اور بھی بڑھ گیا اور انھوں نے عوام کو بھڑکا کر ملک کے کونے کونے میں بغاوت کو بُری طرح پھیلا دیا۔

ایک طرف تو مُرتدین اور زکوٰۃ کے مخالفین کی بغاوت برابر بڑھ رہی تھی۔ دوسری جانب نقلی نبیوں کا فتنہ انتہائی خطرناک صورت اختیار کرتا چلا جا رہا تھا۔ نقلی نبیوں کی حالت یہ تھی کہ انھوں نے اپنی خانہ ساز شریعت کے جال میں عرب کے بے شمار قبائل کو پھانس لیا تھا۔ ان نقلی نبیوں نے عیش پسند طبقہ کو اپنی جانب رجوع کرنے کے لئے

اپنی شریعت میں عجیب وغریب اور نہایت ہی اخلاق سوز باتیں ٹھونس دی تھیں۔ چنانچہ بعض نبیوں نے اپنی اُمت کو زناکاری اور شراب نوشی کی کھلی اجازت دیدی تھی بعض نے نمازیں معاف کردی تھیں۔ اور بعض نے اپنے متبعین کے لئے سُور کا گوشت کھانا جائز قرار دیدیا تھا۔ غرضکہ وہ ملکِ عرب جس کو رسولِ مقبول صلعم نے سالہا سال کی جدوجہد کے بعد اخلاقی پستی سے نکالا تھا پھر ایک بار قعرِ مذلت میں جا پڑا تھا۔

مُرتدین اور نقلی نبیوں کے مقلدین صرف اسلام ہی سے منحرف نہیں ہوگئے تھے بلکہ یہ سب کے سب اسلام کو بیخ وبُن سے اُکھاڑنے کے لئے مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ کی فتح کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ گویا ایک طرف تو مُرتدین اور نقلی نبیوں کے مقلدین اسلام کو خیرباد کہنے کے بعد بُری طرح شرک اور کُفر میں مُبتلا ہوگئے تھے۔ اور دوسری جانب یہ سب ان تمام مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے کی قسم کھاچکے تھے جو مکہ مدینہ اور طائف میں اب بھی بدستور دینِ اسلام پر قائم تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر رسولِ مقبول صلعم کی تعلیم نے مسلمانوں میں غیر معمولی استقلال، ہمت اور ذاتِ الٰہی پر کامل بھروسہ کا جذبہ پیدا نہ کردیا ہوتا تو کُفر، شرک اور الحاد کے اس بے پایاں سیلاب کا مقابلہ کرنا مسلمانوں کے لئے ناممکن تھا۔

مدینہ پر مُرتدوں کا حملہ

حضرت ابوبکر صدیق رض نے جب دیکھا کہ اسلام بُری طرح مرتدین اور نقلی نبیوں کے نرغہ میں آگیا ہے اور دُشمنانِ اسلام مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے تُلے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ مدینہ کے نواح میں بھی حملہ کی غرض سے جمع ہوگئے ہیں۔ تو آپ نے مدینۂ منورہ کے تمام مسلمانوں کو حکم دیدیا کہ وہ جنگ کے لئے ہر وقت تیار رہیں۔ حضرت علی رض۔ حضرت زبیر رض۔ حضرت طلحہ رض اور دیگر متعدد صحابیوں کو آپ نے مدینۂ منورہ کے گرد گشت لگانے پر مامور کردیا تاکہ اگر مرتدین اچانک حملہ کریں تو اُن کا مُقابلہ کسی تاخیر کے بغیر فوراً مدینہ کے باہر ہی کیا جاسکے۔

حضرت ابوبکر رض اور دیگر صحابہ کی ان تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود مدینہ مُرتدوں

کے حملہ سے نہ بچ سکا چنانچہ قبیلہ عبس .قبیلہ ذبیان - بنو اسد اور بنو کنانہ نے متحدہ طور پر ایک بڑی جمیعت کے ساتھ مدینہ پر حملہ کر دیا - مدینہ پر حملہ ہوتے ہی مجاہدینِ اسلام کا لشکر بھی اُن کے مقابلہ پر آ گیا - اور اسلامی لشکر نے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہ رضؓ کی سرکردگی میں مدینہ کے باہر ایسی مردانگی کے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کیا کہ مرتدوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور اُن کے بے شمار آدمی مارے گئے -

اس شکست کے باوجود مرتدین چین سے نہیں بیٹھے - انھوں نے نہایت عیاری کے ساتھ پلٹ کر ایک دوسرے راستے سے مدینہ پر دوبارہ حملہ کر دیا - اس حملہ میں مسلمانوں کو شدید جانی اور مالی نقصان اُٹھانا پڑا حضرت ابوبکر رضؓ کو جب مرتدین کی اس عیاری اور مسلمانوں کے اس نقصان کا علم ہوا تو وہ خود بنفسِ نفیس ایک تازہ دم لشکر کے ہمراہ ان شرارت پسندوں کے مقابلہ کے لئے میدان میں آ گئے - مرتدین کو بُری طرح شکست ہوئی جب مُرتدین مقابلہ سے بھاگے تو حضرت ابوبکر رضؓ نے ان کا تعاقب کیا - ان کی بستیوں میں گھُس کر اچھی طرح سے مرتدین کو سزا دی - اور انکی بستیاں قبضہ میں آنیکے بعد مسلمانوں کو دیدی گئیں - اور ان کی چراگاہیں مجاہدینِ اسلام کے گھوڑوں کے لئے وقف کر دی گئیں - رسولِ مقبول صلعم کی وفات کے بعد یہ پہلی فتح تھی جو مسلمانوں کو مرتدین پر حاصل ہوئی اس فتح سے پھر ایک بار دشمنانِ اسلام کے دلوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھادی -

مُرتدوں اور نقلی نبیوں کے خلاف یُورش

مدینۂ منورہ پر مرتدین کے اس حملہ کے بعد خلافتِ اسلامیہ کے اراکین یہ طے کرنے پر مجبور ہو گئے کہ مرتدین کے تمام سرداروں اور نقلی نبیوں کے خلاف باقاعدہ جنگ شروع کر دی جائے تاکہ ان مُرتدین اور نقلی نبیوں کو مکہ - مدینہ اور طائف پر حملہ کرنے کا موقعہ ہی نہ مل سکے - چنانچہ اس مقصد کے پیشِ نظر مجاہدینِ اسلام کے گیارہ لشکر ۱۱ھ میں عرب کے مختلف علاقوں میں روانہ کر دیئے گئے اور سرداران

لشکر کو ہدایت کردی گئی کہ وہ سرزمینِ عرب کو جلد سے جلد فتنہ پردازوں سے پاک اور صاف کردیں۔ اور ان تمام نقلی نبیوں اور مرتدین کو قرار واقعی سزا دیں جو اسلام سے منحرف ہو گئے ہیں۔

نقلی نبی طلحہ اسدی کو شکست:۔ نقلی نبی طلحہ اسدی جس نے کہ سب سے زیادہ فتنہ برپا کر رکھا تھا۔ اس کی سرکوبی کے لئے حضرت خالد بن ولید کو ایک لشکر دیکر روانہ کیا گیا۔ طلحہ اسدی اپنے زمانہ کا بہت بڑا ابن الوقت تھا۔ یہ ابتدا میں کاہن تھا۔ جب مسلمانوں کا زور بڑھا تو یہ مسلمان بن گیا۔ لیکن چند ہی روز کے بعد یہ نبی بن بیٹھا۔ نجد کے قریب اس کا کیمپ تھا۔ عین اُس وقت جبکہ یہ مکہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہا تھا۔ حضرت خالد بن ولید نے اس پر اچانک حملہ کر کے اس کے لشکر کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ مگر پھر بھی طلحہ اسدی بڑی بہادری سے لڑا۔ لیکن اسے شکست ہو گئی۔ اور شام کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد یا تو ماری گئی یا فرار ہو گئی۔ جو باقی رہ گئے تھے انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ طلحہ اسدی نے بھی حضرت عمر رضؓ کے عہدِ خلافت میں مدینہ آ کر دوبارہ اسلام قبول کر لیا تھا۔

مالک بن نویرہ کی سرکوبی:۔ مالک بن نویرہ نے اسلام کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا تھا۔ اس کی سرکوبی کے لئے بھی حضرت خالد بن ولید ہی کو بھیجا گیا۔ مالک بن نویرہ قبیلہ بنو تمیم کا ایک سردار تھا۔ جو مسلمان ہو گیا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم کے زمانۂ حیات میں اسے بنو تمیم کی چند بستیوں کا حاکم بنا دیا گیا تھا۔ لیکن رسولِ مقبول صلعم کی وفات کے بعد یہ باغی ہو گیا۔ اور اس نے مدینہ پر چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس نے مصلحتاً اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضورؐ کی وفات کے بعد اس نے سوچا کہ کیوں نہ مدینہ اور مکہ کو فتح کرنے کے بعد یہاں اپنی بادشاہی قائم کر دی جائے۔ یہ ابھی مدینہ پر حملہ کی تیاریوں ہی میں مصروف تھا کہ حضرت خالد بن ولید کا لشکر اچانک

اس پر ٹوٹ پڑا۔ دونوں لشکروں میں بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں مالک بن نویرہ کو شکست ہوگئی اور وہ گرفتار کرلیا گیا۔ اس علاقہ کے جو لوگ اسلام پر قائم تھے ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا گیا۔ لیکن جو مُرتد ہوگئے تھے وہ قتل کر دئے گئے۔ مالک بن نویرہ چونکہ بار بار اپنے ملحدانہ خیالات کا اظہار کرچکا تھا اور وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا بھی بہت بڑا مخالف تھا۔ اس لئے جب گرفتار کرکے اسے حضرت خالد بن ولید کے سامنے لایا گیا تو انھوں نے اس سے پُوچھا کہ "تم زکوٰۃ کے کیوں مخالف ہو" اس پر مالک بن نویرہ نے جواب دیا کہ "جب ہم خدا کی عبادت بے خرچ کے کرسکتے ہیں تو پھر زکوٰۃ کیوں دیں"۔ ان ملحدانہ خیالات کو سُن کر حضرت خالد بن ولید نے اس کے قتل کا حکم دیدیا اور ضرار بن الازور نے اس کا کام تمام کر دیا۔ مالک بن نویرہ کی بیوی بے حد حسین تھی۔ مالک بن نویرہ کے قتل کے بعد حضرت خالد بن ولید نے اُس کے ساتھ نکاح کر لیا۔

حضرت خالد بن ولید اس حسین عورت سے نکاح کرنے کے بعد سخت مشکلات میں مُبتلا ہوگئے۔ کیونکہ ان کے مخالفین نے مدینہ جاکر مالک بن نویرہ کے قتل کے واقعہ کو کچھ ایسی رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کیا جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ مالک بن نویرہ مُلحد نہیں تھا بلکہ مسلمان تھا لیکن خالد بن ولید نے اس کی بیوی پر قبضہ جمانے کے لئے اسے خواہ مخواہ قتل کرا دیا۔ یہ معاملہ جب حضرت عمر رضہ کے علم میں آیا تو وہ بے حد برہم ہوئے دوسرے صحابی بھی خالد بن ولید کے مخالف ہوگئے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ یہ مُطالبہ کیا جانے لگا کہ خالد کو معزول کرکے قصاص لیا جائے۔ آخر خالد بن ولید کو دربار خلافت میں جواب دہی کے لئے طلب کیا گیا اور سارے معاملہ کی باقاعدہ تحقیقات کی گئی تو پتہ چلا کہ مالک بن نویرہ واقعی ملحد تھا۔ اور خالد بن ولید نے جو کچھ کیا وہ دُرست تھا۔

نبوّت کی دعویدار ملکہ سجاح :۔ ملکہ سجاح نے اپنے ہی جیسے ایک نقلی نبی مسیلمہ کذّاب سے نکاح کر لیا تھا۔ یہ ملکہ سبا کی ملکہ تھی اور قبیلہ تغلب سے تعلق رکھتی تھی۔ جب اس

عورت نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تو عرب کے کئی قبیلوں نے اس کی نبوت کو تسلیم کر لیا۔ سجاح کس قماش کی "نبی" تھی اُس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنی اُمت کے لئے سور کا گوشت کھانا، شراب پینا اور زنا کرنا جائز قرار دیدیا تھا۔ یہ ملکہ چونکہ بے حد عیاش تھی اس لئے اس نے اپنے خانہ ساز مذہب میں عیاشی کے لوازم خصوصیت کے ساتھ شامل کر لئے تھے۔ جب مسیلمہ کذاب کو اس خوبصورت نبی کا پتہ چلا تو اس نے اسے لکھا کہ "جب تک محمد (رسول اللہ صلعم) حیات تھے میں نے آدھی نبوت ان کے لئے چھوڑ دی تھی۔ لیکن چونکہ تم بھی نبوت کی دعویدار ہو اس لئے اب میں آدھی پیغمبری تم کو دیدوں گا۔ بہتر یہ ہے کہ تم اپنے لشکر کو چھوڑ کر تنہا میرے پاس چلی آؤ تاکہ باقی معاملات ہم زبانی طے کر لیں۔" مسیلمہ کے خط کے جواب میں سجاح خود اُس کے پاس پہنچ گئی۔ تین دن اور رات یہ اس کے خیمہ میں رہی اور ان میں ایسی یگانگت اور محبت پیدا ہو گئی کہ دونوں کا نکاح ہو گیا لیکن تین دن کے بعد جب ملکہ سجاح اپنے لشکر میں واپس گئی تو لشکر میں بغاوت پھیل چکی تھی سجاح نے لشکر کو یہ کہہ کر مطمئن کرنا چاہا کہ "میرے شوہر نے جو بہت بڑے نبی ہیں تم لوگوں کے لئے فجر اور عشا کی نمازیں معاف کر دی ہیں۔" لیکن لشکر میں اس قدر بدظنی پھیل چکی تھی کہ سجاح کے لئے اپنی جان بچانا دشوار ہو گیا۔ اور اس طرح اس کی نبوت کا فتنہ آپ ہی اپنی موت مر گیا۔

نقلی نبی مسیلمہ کذاب پر یورش: مسیلمہ کذاب کا اصل نام مسیلمہ بن حبیب تھا۔ یہ یمامہ کے قبیلہ بنو حنیفہ کا ایک سردار تھا۔ اس نے رسول اللہ صلعم کے زمانہ حیات ہی میں اپنی نبوت کا اعلان کر دیا تھا۔ حضورؐ کی وفات کے بعد یہ سمجھتے ہوئے کہ اب میدان خالی ہے اس نے اپنے خانہ ساز مذہب کو پھیلانا شروع کر دیا اور بہت سے قبائل کو اپنا معتقد بنا لیا۔ دوسرے مخالفین اسلام کی طرح چونکہ یہ بھی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہا تھا اسلئے حضرت ابوبکرؓ نے اسکے مقابلہ کیلئے بھی ایک لشکر روانہ کر دیا تھا مگر اس لشکر کو جب مسیلمہ کے مقابلہ میں شکست ہو گئی تو اسکی سرکوبی کے لئے بھی حضرت خالد بن ولید ہی کو روانہ کرنا پڑا۔ حضرت خالد بن ولید کے لشکر کی تعداد صرف

تیرہ ہزار تھی جبکہ مسیلمہ کا لشکر چالیس ہزار نفوس پر مشتمل تھا۔ یمامہ کے قریب جب دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا تو دشمن کے لشکر کی کثرت کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا تھا کہ دشمن مسلمانوں پر غالب آجائینگے مگر حضرت خالد بن ولید نے ایسی قابلیت کے ساتھ اس پر حملہ کیا کہ پہلے ہی حملہ میں مسیلمہ مارا گیا۔ مسیلمہ کا مارا جانا تھا کہ دشمن کے لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس جنگ میں بارہ سو مسلمان شہید ہوئے تھے اور دشمن کے ستر ہزار آدمی مارے گئے تھے۔ مگر مسلمان زخمیوں کی تعداد بہت کافی تھی۔ اسی جھوٹے نبی مسیلمہ کذاب نے اس جنگ سے قبل ملکہ سجاح سے جو نبوت کی دعویدار تھی سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر نکاح کیا تھا۔

بحرین میں فتنہ ارتداد:۔ بحرین میں بنو عبدالقیس اور بنو بکر بن وائل دو بڑے قبیلے تھے جنکی شاخیں اس علاقہ میں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد یہ دونوں قبیلے حضورؐ کی رسالت سے منکر ہو گئے تھے لیکن ان قبیلوں میں سے قبیلہ بنو قیس کے لوگوں نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا تھا مگر قبیلہ بنو بکر کے لوگ بدستور مرتد ہی رہے اور انھوں نے حطم کو اپنا سردار بنا کر مسلمانوں پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ حطم اور مسلمانوں کے لشکر میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں حطم مارا گیا، وہ بے شمار مرتدین ہلاک ہوئے یا بھاگ گئے جو باقی رہ گئے تھے انھوں نے اسلام قبول کر لیا غرضکہ اس جنگ کے بعد بحرین کا علاقہ بھی مرتدین سے پاک ہو گیا۔

عمان کے جھوٹے نبی سے جنگ:۔ رسول اللہ صلعم کی وفات کی خبر سن کر عمان میں لقیط بن مالک نامی ایک شخص نے اپنی نبوت کے اعلان کے بعد یہ مشہور کر دیا تھا کہ رسول اللہ صلعم کے بعد خدا نے اسے نبوت کا درجہ عطا کر دیا ہے۔ اہل عمان اور اہل مہرہ مرتد ہونے کے بعد اس عیار پر ایمان لے آئے حضرت ابوبکرؓ نے دیکھا کہ اس ابن الوقت کا فتنہ دن بدن بڑھ رہا ہے تو فوراً اسکی سرکوبی کیلئے ایک اسلامی لشکر روانہ کیا گیا اس نقلی نبی نے ایسی بہادری کے ساتھ اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا کہ اسلامی لشکر میں شکست کے آثار پیدا ہو گئے مگر فوراً ہی اسلامی لشکر سنبھل گیا اور مجاہدین اسلام نے دوبارہ تنظیم کے بعد جب دشمن پر حملہ کیا تو دشمن کو شکست ہو گئی اور اس طرح عمان سے بھی فتنۂ ارتداد مٹ گیا۔

عمان کے مرتدین کی سرکوبی کے بعد اسلامی لشکر بہرہ کی جانب متوجہ ہوا جہاں بہت سے قبائل اسلام سے منحرف ہو گئے تھے جب انکو دوبارہ اسلام کی دعوت دی گئی تو بعض نے تو اسلام قبول کر لیا اور بعض لڑنے مرنے کے لئے آمادہ ہو گئے آخر اسلامی لشکر کے مقابلہ میں بہرہ کے مرتد قبائل کو بھی شکست ہو گئی اور یہ علاقہ بھی بے دینوں اور ملحدوں سے پاک ہو گیا۔

یمن کے جھوٹے نبی کی اُمت:- اسود عنسی نامی ایک شخص نے حضورؐ کے زمانۂ حیات ہی میں اپنی نبوت کا اعلان کر دیا تھا۔ اگرچہ چند ہی روز کے بعد یہ مرتد اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھوں قتل ہونیکے بعد کیفر کردار کو پہنچ گیا تھا مگر پھر بھی اسکے متبعین کی ایک بڑی تعداد یمن میں موجود تھی حضورؐ کی وفات کے بعد اسکے متبعین نے اسود عنسی کو "شہیدِ مذہب" قرار دیکر نئے سرے سے اسکے خانہ ساز مذہب کی تبلیغ شروع کر دی جب ان کا زور زیادہ بڑھا تو خلافتِ اسلامیہ کو انکی سرکوبی کیلئے بھی اسلامی لشکر روانہ کرنا پڑا۔ ان لوگوں نے بڑی جرأت اور بہادری کے ساتھ اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا۔ مرتدین کے لشکر کے سپاہیوں کی تعداد چونکہ اسلامی لشکر سے دوگنی اور تین گنی تھی اسلئے مسلمانوں کو ان سے سخت جنگ کرنی پڑی۔ آخر بڑی دشواری کے بعد مسلمانوں نے انھیں زیر کیا۔ اس جنگ میں بے شمار مرتدین قتل ہوئے جو باقی رہ گئے تھے وہ یا تو فرار ہو گئے یا انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔

یمن کے مرتدین کی تادیب کے بعد اسلامی لشکر قبیلہ بنو کندہ کی جانب متوجہ ہوا۔ یہ قبیلہ بھی مرتد ہو گیا تھا اور مسلمانوں کے خلاف نہایت وسیع پیمانہ پر جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھا کہ اسلامی لشکر نے اچانک اس پر حملہ کرکے اس قبیلہ کی ساری طاقت کو پاش پاش کر دیا۔ اس قبیلہ کے سردار اور قبیلہ کے آدمیوں کو گرفتار کرکے جب حضرت ابو بکر صدیق کی خدمت میں پیش کیا گیا تو قبیلہ کے سردار اشعث نے اسلام قبول کر لیا۔ سردار کے اسلام قبول کرنے پر حضرت ابو بکر نے اشعث اور بنو کندہ کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔ ان لوگوں پر اس حسنِ سلوک کا ایسا اچھا اثر ہوا کہ سب نے خود ہی بخوشی اسلام قبول کر لیا۔

قصہ مختصر یہ کہ حضرت ابو بکرؓ نے ایک سال سے بھی کم مدت میں یعنی ۱۲ھ کے شروع ہونے سے قبل ہی پورے جزیرہ نمائے عرب کو نقلی نبیوں۔ مرتدوں اور باغیوں سے پاک کر دیا اور کفر والحاد کے اُس طوفان کو جو آندھی کی طرح اُٹھا تھا۔ انتہائی جرأت سے کام لیکر دبا دیا حضورؐ کی وفات اور حضرت ابو بکرؓ کے مسند خلافت پر بیٹھتے ہی سارا ہی یا تو یہ حالت تھی کہ سارا جزیرہ نمائے عرب اسلام کے خلاف صف آرا ہو گیا تھا ... کے بیشتر باشندے اسلام سے منحرف ہو چکے تھے۔ یا ایک سال سے بھی کم مدت میں یہ کیفیت ہو گئی کہ تمام مخالفین نے اسلام کے سامنے گردنیں جھکا دیں ملحدوں اور مرتدوں نے توبہ کے بعد دوبارہ دین اسلام قبول کر لیا اور پھر ایک بار جزیرہ نمائے عرب کے گوشہ گوشہ سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

مسلمانوں کا ملکِ شام پر پہلا حملہ

رسول مقبول صلعم کی زیر سرکردگی مسلمانوں نے جتنی بھی لڑائیاں لڑی تھیں وہ سب کی سب سرزمین عرب تک محدود تھیں کیونکہ مسلمانوں کو اتنا موقعہ ہی نہیں مل سکا تھا کہ وہ کسی بیرونی ملک پر حملہ کر سکتے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ رسول اللہ صلعم کی یہ دلی خواہش تھی کہ مسلمان ان سرحدی ممالک کی فتوحات کی جانب ضرور متوجہ ہوں جو مسلمانانِ عرب کو پریشان کرنے کے لئے اپنے پانچویں کالم کے ذریعہ جزیرہ نمائے عرب میں نئے نئے فتنے بپا کرتے رہتے ہیں۔ اس نوعیت کے فتنے شام کی سرحد سے جس پر کہ قیصر روم ہرقل کی حکومت تھی۔ برابر کھڑے ہوتے رہتے تھے اور انکی وجہ سے عرب کی نوزائیدہ اسلامی حکومت کیلئے دن بدن خطرہ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

رسول مقبول صلعم چونکہ یہ سمجھتے تھے کہ شام کے علاقہ پر قبضہ جمائے بغیر باشندگانِ عرب اور مسلمانوں کیلئے رومی عیسائیوں کی دستبرد اور فتنوں سے محفوظ رہنا ناممکن ہے اسلئے آپ نے اپنی شدید علالت ہی کے زمانہ میں شام پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس مقصد کیلئے ایک لشکرِ عظیم تیار کر کے اسامہ بن زید کی سرکردگی میں اپنی آنکھوں کے سامنے اُسے فتح اور نصرت کی خوشخبری دیکر روانہ بھی کر دیا تھا لیکن لشکر کی روانگی کے وقت چونکہ رسول اللہ صلعم

کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تھی اسلئے یہ لشکر مدینہ سے کچھ فاصلہ پر جا کر اس خیال سے خیمہ زن ہوگیا تھا کہ جب حضورؐ کی صحت کی جانب سے ذرا اطمینان ہوجائے تب آگے بڑھا جائے لیکن حضورؐ کی طبیعت دن بدن زیادہ ناساز ہوتی گئی یہاں تک کہ آپ رحلت فرما گئے حضورؐ کی رحلت کے بعد اس لشکر کو منتشر کردیا گیا اور شام کا حملہ موقوف ہوگیا۔

حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے تمام صحابۂ کرام جو خود اس لشکر میں شامل تھے چونکہ یہ جانتے تھے کہ رسول مقبول صلعم کی یہ انتہائی خواہش تھی کہ شام کے علاقہ کو ضرور فتح کیا جائے اسلئے حضرت ابوبکر صدیق نے مسند خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی شام پر حملہ کی تیاریاں شروع کردیں۔ چونکہ یہ تیاریاں ایسے وقت میں کی جا رہی تھیں جبکہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں مرتدین کا فتنہ اور اندرونی بغاوت پھیلی ہوئی تھی اسلئے اکثر و بیشتر صحابہ نے حضرت ابوبکرؓ کو مشورہ دیا کہ ایسی نازک حالت میں جبکہ عرب میں اندرونی بغاوت بڑھ رہی ہے اور ہر لمحہ مکہ اور مدینہ پر مرتدوں اور باغیوں کے حملہ کا خطرہ ہے شام کے حملہ کو ملتوی کردیا جائے لیکن حضرت ابوبکر کسی طرح بھی اس حملہ کو ملتوی کرنے کیلئے تیار نہ ہوئے۔

حضرت ابوبکرؓ کے سامنے یہ سوال نہیں تھا کہ اس وقت شام پر حملہ مناسب ہے یا غیر مناسب بلکہ ان کا مقدس اور اعلیٰ جذبہ تو یہ تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو وہ رسول مقبول صلعم کی ملک شام پر حملہ کی اس خواہش کو پورا کریں جسے حضورؐ اپنے ساتھ دنیا سے لے گئے ہیں چنانچہ آپ نے شام پر حملہ کے مخالفین کو جواب دیا کہ اگر مجھ کو اس بات کا بھی یقین دلا دیا جائے کہ اس لشکر کے روانہ کرنیکے بعد مدینہ کی ساری آبادی قتل کردی جائیگی اور مجھ کو مدینہ میں کوئی درندہ تنہا پاکر پھاڑ کھائیگا تب بھی میں اس لشکر کی روانگی کو ہرگز ملتوی نہیں کرونگا جس کو رسول اللہ صلعم نے روانہ کیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق کیونکہ اس لشکر کی روانگی کو سنتِ رسول اللہ تصور کر رہے تھے اسلئے وہ شدید سے شدید خطرات اور اندیشوں کے باوجود اس کیلئے کسی طرح بھی تیار اور آمادہ نہ تھے کہ شام کے حملہ کو کسی حالت میں بھی ملتوی کیا جائے۔ غرضکہ آپ نے

شدید مخالفت کے باوجود حکم دیدیا کہ "تمام وہ لوگ جو رسول اللہ صلعم کے زمانۂ حیات میں لشکر اسامہ میں شامل تھے فوراً روانگی کی تیاری کریں اور مدینہ کے باہر لشکر گاہ میں آکر جمع ہو جائیں اس حکم کے ملتے ہی صحابۂ کرام اسامہ بن زید کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔

غلام کے سپہ سالار ہونے پر اعتراض

آقائے دو جہاں دنیا میں چھوٹے بڑے کا امتیاز مٹانے کیلئے آئے تھے آپ نے آقا اور غلام کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کر دیا تھا چنانچہ آپ نے شام پر سب سے پہلے اور اہم حملہ کیلئے جب لشکر کو ترتیب دیا تھا تو دیدہ و دانستہ اس لشکر کا سپہ سالار ایک غلام لڑکے کو بنایا تھا۔ اسامہ بن زید اسی غلام لڑکے کا نام ہے حضرت ابو بکرؓ نے بھی رسول اللہ صلعم کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے اسی غلام لڑکے کو اس لشکر کا سردار برقرار رکھا حالانکہ اس لشکر میں سے بعض لوگوں کو اسامہ بن زید کی سرداری پر شدید اعتراض تھا۔ چنانچہ ان لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "اس بڑی جنگ کیلئے ایک سترہ سالہ غلام کی بجائے اگر کسی صحیح النسب اور پختہ عمر کے آدمی کو سردار مقرر کیا جائے تو زیادہ مناسب ہے" لیکن خلیفہ رسول جو خود بھی آقا اور غلام کے فرق کو مٹانے پر تلے ہوئے تھے وہ کسی طرح بھی اسامہ بن زید کی برطرفی پر راضی نہ ہوئے غرضکہ تمام بڑے بڑے صحابہ کو اس جنگ کے سلسلہ میں اسی غلام لڑکے کی قیادت تسلیم کرنی پڑی۔

اسامہ بن زید کی سرداری پر لوگوں کا اعتراض سنکر حضرت ابو بکرؓ نے محسوس کیا کہ اگرچہ اسلام نے خاندانی افتخار کو مٹا دیا ہے لیکن اب بھی عربوں میں تکبر باقی ہے لہذا اس تکبر کو دور کرنیکی غرض سے آپ اس غلام سردار کے گھوڑے کے ہمرکاب پیدل چلکر مدینہ میں لشکر گاہ تک تشریف لائے صرف عرب سرداروں کو یہ جتانے کیلئے کہ جب تمہارا خلیفہ ایک غلام کے ہمرکاب پیدل چل سکتا ہے تو تم کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے اور حسب نسب کے اس فخر کو مٹا دینا چاہیئے جو ایام جاہلیت کی یادگار ہے حضرت ابو بکرؓ کے اس انکسار اور طرز عمل نے ان تمام لوگوں کی زبان بندی کر دی جو اسامہ بن زید کی سرداری پر معترض تھے۔

اسلامی سپہ سالار کو حضرت ابوبکرؓ کی نصیحتیں

اسلامی لشکر کے سپہ سالار اسامہ بن زید کو میدانِ جنگ کی جانب روانہ کرتے وقت

حضرت ابوبکر صدیق نے جو دس نصیحتیں کی تھیں انکو اسلامی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہی دس نصیحتیں آگے چلکر اسلامی لشکر کا آئین اور دستور بن گئی تھیں اور ان پر عمل کرنا ہر مسلمان سپاہی کیلئے لازمی اور ضروری ہوگیا تھا۔ ان نصیحتوں سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ مسلمانوں کے آئینِ جنگ میں کس قدر رواداری اور حسنِ سلوک کا جذبہ پوشیدہ تھا یہ دس تاریخی نصیحتیں یہ تھیں

"(۱) جس سے جو عہد کرو اُسے پورا کرنا۔ بد عہدی سے ہمیشہ بچنا۔ (۲) خیانت اور جھوٹ سے ہمیشہ دُور رہنا۔ (۳) جنگ میں بچوں۔ بوڑھوں۔ عورتوں اور بیماروں کو قتل نہ کرنا۔ (۴) پھلدار درختوں کو ہرگز برباد نہ کرنا۔ کھلیانوں اور مکانوں کو آگ نہ لگانا۔ (۵) کھانے کی ضرورت کے سوا اُونٹ، بکری، گائے اور دوسرے چوپایوں کو نہ مارنا۔ (۶) جب کسی قوم پر فتحیاب ہو تو اسے نرمی کے ساتھ اسلام کی جانب دعوت دینا۔ اس پر کسی قسم کی سختی نہ کرنا۔ (۷) مفتوحہ ممالک کے لوگوں کے حفظِ مراتب کا خیال رکھنا جو عزت کے لائق ہوں ان کی عزت کرنا۔ (۸) وہ یہودی اور عیسائی جو ترکِ دُنیا کر کے عبادت خانوں میں بیٹھ گئے ہوں ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کرنا ان کے عبادت خانوں کو ضرر نہ پہنچانا۔ (۹) اپنے لشکر کے سپاہیوں پر ہمیشہ مہربان رہنا۔ ان کے تمام معاملات میں انصاف سے کام لینا۔ (۱۰) ان تمام کاموں میں جن کے کرنے کا حکم رسول اللہ صلعم نے تم کو دیا ہے نہ کمی کرنا نہ زیادتی۔ اللہ کے نام پر اللہ کی راہ میں لڑنا اور ذاتی اغراض سے پاک رہنا۔" یہ ہیں وہ تاریخی نصیحتیں جو آگے چلکر اسلامی لشکر کے لئے آئینِ جنگ بن گئی تھیں۔

اسامہ بن زید کو رخصت کرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رض مدینہ واپس آگئے حضرت ابوبکر رض چونکہ بالکل تن تنہا رہ گئے تھے اور ملکی معاملوں میں ان کو کسی نہ کسی

مُشیر کی ضرورت تھی اس لئے وہ حضرت عمر رضؓ کو جو دیگر مجاہدین کی طرح اس لشکر میں شامل تھے سپہ سالارِ لشکر کی اجازت سے اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ حضرت عمر رضؓ کے علاوہ حضرت علیؓ اور دوسرے تمام مقتدر صحابہ رُومی عیسائیوں سے جنگ کرنے کے لئے لشکر کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ اس موقعہ پر یہ غور کرنے کی بات ہے کہ حضرت ابوبکر رضؓ اگرچہ خلیفۂ وقت تھے۔ اپنے حکم سے جو چاہے کر سکتے تھے لیکن جب آپ نے حضرت عمر کو روکنا چاہا تو فوجی ڈسپلن کو برقرار رکھنے کے لئے انھیں باقاعدہ سپہ سالارِ اسلام سے اس کی اجازت حاصل کرنی پڑی۔ چنانچہ جب سپہ سالارِ اسلام نے اجازت دیدی۔ تب آپ حضرت عمر رضؓ کو فوج سے نکال کر اپنے ساتھ لا سکے۔ صرف اسی ایک واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ابتدا ہی سے مسلمانوں کا نظامِ سیاست اور نظامِ حکومت کس قدر مستحکم تھا کہ خلیفۂ وقت بھی ایک اسلامی سپہ سالار کی اجازت کے بغیر خواہ وہ ایک غلام زادہ ہی کیوں نہ ہو فوجی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کر سکتا تھا۔

سپہ سالارِ اسلام کی عیسائیوں پر شاندار فتح

اُس زمانہ میں رُومی سلطنت کو دُنیا میں بہت بڑی حیثیت حاصل تھی۔ عیسائیوں کی یہ عظیم الشان سلطنت مشرق سے لیکر مغرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن مسلمانوں کی بے جگری اور جرأت کا یہ عالم تھا کہ وہ اس سب سے بڑی سلطنت کو زیر کرنے کے لئے مُٹھی بھر مجاہدین کو لیکر چل کھڑے ہوئے اور انھوں نے دردانہ شام کی سرحد میں داخل ہوکر ۱۱ھ (۶۳۲ء) میں رُومی سلطنت پر پے در پے حملے شروع کر دئے۔

رُومی عیسائی جن کو پہلے ہی سے اسلامی لشکر کی آمد کا علم ہو چکا تھا انھوں نے اگرچہ بے اندازہ فوج دروم اور بلقائی وادیوں میں مسلمانوں کے مُقابلہ کے لئے جمع کر رکھی تھی لیکن پھر بھی رُومی فوج کثرت کے باوجود چند ہزار مجاہدین کے مقابلہ پر نہ ٹھہر سکی یعنی رُومیوں کو بُری طرح شکست ہوگئی۔ اسامہ بن زید بے شمار مالِ غنیمت اور قیدیوں کو ساتھ لیکر چالیس دن کے بعد مدینہ واپس آگئے۔

شام پر مسلمانوں کا یہ سب سے پہلا حملہ ایسے نازک وقت میں کیا گیا تھا جبکہ جزیرہ نمائے عرب میں اندرونی بغاوتیں برپا تھیں لیکن اس حملہ کا اثر یہ ہوا کہ وہ مخالفین اسلام جو یہ سمجھ رہے تھے کہ اب مسلمانوں کی طاقت ٹوٹ چکی ہے۔ یہ دیکھ کر سکتے کے عالم میں رہ گئے کہ مسلمانوں نے شام کی سرحد میں داخل ہو کر روم کی اس عظیم الشان سلطنت کو شکست دیدی جس کے نام سے بڑی بڑی حکومتیں کانپتی تھیں غرضکہ مسلمانوں کی شام پر فتح نے مسلمانوں کی دھاک پھر ایک بار نہ صرف جزیرہ نمائے عرب میں قائم کر دی بلکہ بیرونی حکومتوں کے دلوں میں بھی مسلمانوں کا خوف پیدا ہو گیا۔

غیر ممالک پر مسلمانوں کا یہ سب سے پہلا حملہ کچھ ایسی مبارک ساعت میں کیا گیا تھا۔ کہ اس حملہ اور فتح کے بعد مسلمانوں کے اقبال کا ستارہ چمکتا ہی چلا گیا۔ اور چمکنا بھی چاہئے تھا، کیونکہ یہ حملہ عین رسول اللہ صلعم کی منشا کے مطابق حضور ؐ ہی کے ترتیب دیئے ہوئے لشکر نے حضور ؐ کی ہدایتوں کے مطابق کیا تھا۔ چنانچہ اس حملہ اور فتح کے بعد اسلام خوب پھولا پھلا اور مختصر سے عرصہ میں مسلمان آدھی سے بھی زیادہ دنیا کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ حضور اکرم ہی کا فیضان تھا۔

اسامہ بن زید کے لشکر کو شام

رومیوں اور ایرانیوں کو اسلامی حکومت سے تشویش

میں رومیوں پر جو عظیم الشان فتح سالہ میں حاصل ہوئی تھی اس نے نہ صرف رومی عیسائیوں کو بلکہ ایران کے آتش پرستوں کو بھی چوکنا کر دیا تھا چنانچہ اس حملہ کے بعد بیرونی حکومتوں کو مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور حوصلہ مندیوں کی وجہ سے کافی پریشانی اور تشویش پیدا ہو گئی تھی۔ غرضکہ روم اور ایران کی دونوں حکومتیں اس فکر میں مبتلا ہو گئی تھیں کہ عرب کی اس جدید اسلامی حکومت سے اپنے اپنے ممالک کو کیونکر محفوظ رکھا جائے۔

رومی اور ایرانی سلطنتیں یوں تو رسول اللہ صلعم کے زمانہ حیات ہی میں اسلام

کی ترقی اور اسلام کی فتوحات کو بڑی تشویش کی نظر سے دیکھ رہی تھیں۔ ان دونوں سلطنتوں کے لئے یہ چیز بڑی اہم تھی کہ رسول اللہ صلعم کے زیر قیادت عرب کے تمام قبائل ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے تھے اور ان کے پڑوس میں ایک ایسی مستحکم حکومت قائم ہو گئی تھی۔ جو پورے ملک عرب پر حاوی تھی لیکن رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد جب ملکِ عرب میں اندرونی بغاوتیں پھوٹ پڑیں تو رُومیوں اور ایرانیوں کی یہ تشویش دُور ہو گئی تھی اور ان کو یہ یقین ہو چلا تھا کہ عنقریب یہ جدید اسلامی حکومت پاش پاش ہو جائیگی۔ اور ملک عرب میں پہلے کی طرح پھر طوائف الملوکی کا دَور دَورا شروع ہو جائیگا۔ مگر چند ہی روز کے بعد جب رومیوں اور ایرانیوں نے یہ دیکھا کہ ایک طرف تو مسلمان تیزی کے ساتھ اندرونی بغاوتوں کو دباتے چلے جا رہے ہیں اور دوسری جانب انھوں نے بیرونی سلطنتوں پر بھی حلے شروع کر دئے ہیں تو یہ دونوں حکومتیں پھر ایک بار بُری طرح سے تشویش میں مبتلا ہو گئیں۔

رومی اور ایرانی سلطنتوں کے خلاف مسلمانوں کی جنگی سرگرمیوں پر روشنی ڈالنے سے قبل یہ بتا دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں بڑی سلطنتیں جن سے مسلمانوں نے سب سے پہلے ٹکر لی ان کی اس زمانہ میں سیاسی حیثیت کیا تھی حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں سلطنتیں اُس زمانہ کی سب سے بڑی حکومتیں تسلیم کی جاتی تھیں۔ دُنیا کے بیشتر ممالک ان ہی دونوں سلطنتوں کے زیرِ اقتدار تھے یعنی آدھی دُنیا پر تو ایرانی قابض تھے۔ اور آدھی دُنیا پر رُومی عیسائیوں کی سیادت قائم تھی۔ ان دونوں بڑی حکومتوں میں صدیوں سے آپس میں جنگ جاری تھی۔ چنانچہ حالت یہ تھی کہ کبھی تو ایرانی رومی علاقوں پر قابض ہو جاتے تھے اور کبھی رومی ایرانی علاقوں کو فتح کر لیتے تھے یعنی دُنیا کے کروڑوں باشندوں کی قسمتیں ان ہی دو بڑی سلطنتوں کے ساتھ وابستہ تھیں۔

طلوعِ اسلام کے بعد جب جزیرہ نمائے عرب میں ایک تیسری اسلامی سلطنت کی بُنیاد پڑی تو یہ دو قدیمی بڑی حکومتیں تشویش میں مبتلا ہو گئیں۔ اور انھوں نے ایک طرف تو

عرب کے اندرونی علاقوں میں فتنے برپا کر انے شروع کر دئے اور دوسری طرف یہ دونوں سلطنتیں عرب پر حملے کی تیاریاں کرنے لگیں تاکہ اس تیسری حکومت کو اُبھرنے سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ رسولِ اکرم کی وفات کے بعد جب ملکِ عرب میں بغاوتیں شروع ہوئیں تو ان دونوں حکومتوں نے نہ صرف ان بغاوتوں کی آگ کو خوب ہوا دی۔ بلکہ اپنی فوجیں بھی حملہ کی غرض سے عرب کی سرحدوں پر لاکر کھڑی کر دیں یعنی رُومی عیسائیوں کا لشکر تو شام کی سرحد پر آکر جمع ہو گیا اور ایرانیوں نے عراق میں اپنی فوج لاکر ڈال دی تاکہ موقعہ ملتے ہی فوراً ملکِ عرب پر حملہ کر دیا جائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کو کمزور سمجھتے ہوئے رُومی اور ایرانی دونوں ہی عرب پر حملہ کے لئے آمادہ ہیں تو آپؓ نے اسامہ بن زید کو ایک لشکر دیکر شام کی اُس مہم پر روانہ کیا تھا جس کا تذکرہ ہم اس سے قبل کر چکے ہیں۔ جب اس لشکر نے رومیوں پر حملہ کر کے ان کو شکست دیدی تو رومیوں کو اندازہ ہو گیا کہ وہ مسلمانوں کو جتنا کمزور سمجھ رہے ہیں وہ اُتنے کمزور نہیں ہیں۔ چنانچہ اس شکست کے بعد رُومیوں کے حوصلے پست ہو گئے تھے اور مسلمانوں کو سنبھلنے کا موقعہ مل گیا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اسی زمانہ میں ایرانیوں کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے مثنیٰ ابن حارث کو بھی ایک چھوٹی سی فوج دیکر عراق کی سرحد پر بھیجدیا تھا۔ اور اُن کو ہدایت کر دی تھی کہ جب تک عرب کی اندرونی حالت دُرست نہیں ہو جاتی ایرانیوں سے کسی جگہ بھی جم کر نہ لڑنا بلکہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم ہو کر ایرانیوں پر چھاپے مارتے رہنا تاکہ ایرانی اس گوریلا جنگ میں اُلجھ کر رہ جائیں اور مسلمانوں کو اپنے ملک کے اندرونی بغاوتوں کے دبانے کے بعد ان پر باقاعدہ حملہ کا موقعہ ہاتھ آجائے۔

حضرت ابوبکر رضؓ کا یہ طریقۂ کار نہایت ہی مؤثر ثابت ہوا۔ نہ تو رومی ہی عرب پر حملہ کر سکے اور نہ ایرانیوں ہی کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کا موقعہ مل سکا۔ یہاں تک کہ مسلمان اپنے

ملک کی اندرونی بغاوتوں کے دبانے کے بعد بہت جلد اس قابل ہو گئے کہ وہ پوری بے فکری کے ساتھ بیرونی حکومتوں کا مقابلہ کر سکیں۔

شام اور عراق پر حملہ کی تیاریاں

ملک کی اندرونی بغاوتیں دب چکی تھیں فتنۂ ارتداد کچلا جا چکا تھا۔ باغی یا تو قتل کئے جا چکے تھے یا انھوں نے خلافتِ اسلامیہ کے سامنے گردنیں جھکا دی تھیں۔ غرضکہ ملک میں پوری طرح امن و امان قائم ہونے کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ اور صحابۂ کرام کو اس بات کا کامل یقین ہو گیا کہ اب خلافتِ اسلامیہ اس قابل ہے کہ اُن رومیوں اور ایرانیوں سے انتقام لے سکے جو زمانۂ دراز سے مسلمانوں کے لئے خطرہ بنے ہوئے ہیں تو فوراً ہی خلیفۂ اسلام کی جانب سے عرب سرداروں اور مسلم عوام کو دعوت دیدی گئی کہ وہ شام اور عراق پر حملہ کے لئے مدینہ کے باہر لشکر گاہ میں آکر جمع ہو جائیں۔ چنانچہ عرب سردار اور عرب عوام جوق در جوق جمع ہونے شروع ہو گئے۔ یہاں تک کہ مدینہ کے باہر جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی عرب سرداروں کے خیمے ہی خیمے نظر آتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب دیکھا کہ ہزاروں فدا کارانِ اسلام ان کے اشارے پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہیں تو انھوں نے اسلامی لشکر کی ترتیب شروع کی چنانچہ ۱۲ھ (۶۳۳ء) میں شام پر حملہ کی غرض سے ایک لشکر یزید بن سفیان کی سرکردگی میں روانہ کیا گیا۔ اس لشکر کا مقابلہ قیصرِ روم کے ایک بہت بڑے لشکر سے شام کی سرحد پر ہوا۔ اس معرکہ میں قیصرِ روم کا سردار مع بارہ سو سپاہیوں کے اسلامی لشکر کے ہاتھوں مارا گیا اور بہت سا سامانِ غنیمت ہاتھ آیا جو خلیفۂ اسلام کی خدمت میں مدینہ روانہ کر دیا گیا۔ یہ شام پر مسلمانوں کی دوسری شاندار فتح تھی۔

چند ہی روز کے بعد حضرت عمرو بن عاص کی سپہ سالاری میں ایک اور فوج شام کے لئے روانہ کی گئی۔ اور پھر برابر شام کے لئے فوجیں روانہ ہوتی رہیں۔ شام میں چونکہ بہت سی

اسلامی فوجیں جمع ہو گئی تھیں۔ اس لئے شام کے مختلف علاقے مختلف سرداروں کے لئے نامزد کر دئے گئے۔ تاکہ تمام سردار علیحدہ علیحدہ نامزد کردہ علاقوں کی فتوحات کا سلسلہ شروع کرسکیں حضرت ابوعبیدہ کو حمص اور شام کا فوجی گورنر مقرر کر دیا گیا۔ اور تمام دوسرے سپہ سالار ان کی ماتحتی میں دیدئے گئے۔ عمرو بن عاص کی سرگرمیوں کے لئے فلسطین کا علاقہ تجویز کیا گیا جو اس زمانہ میں شام کا ایک صوبہ تھا۔ یزید بن ابی سفیان کے لئے دمشق کا علاقہ نامزد کیا گیا۔ اور شرجیل کو دریائے یردون کے اطراف کا علاقہ سپرد کیا گیا اور ان تمام سپہ سالاروں کو حکم دیدیا گیا کہ وہ سب کے سب حضرت ابوعبیدہ کی ماتحتی میں جنگی کارروائیاں فوراً شروع کر دیں اور دورانِ جنگ میں ایک دوسرے سے رابطہ قائم رکھیں چنانچہ خلافتِ اسلامیہ کی ہدایتوں کے مطابق تمام فوجی افسر جنگی کارروائیوں میں مصروف ہو گئے۔ لیکن ان کو اس لئے کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوئی کیونکہ قیصر روم کی فوجوں کا دباؤ بہت بڑھ گیا تھا۔

عراق میں مسلمانوں کی شاندار فتح

اس سے قبل یہ بتایا جا چکا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے ایک مختصر سی فوج دیکر حارث بن مثنیٰ کو سلطنت میں عراق کی سرحد پر بھیجدیا تھا۔ اور یہ حکم دیا تھا کہ وہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم ہو کر ایرانیوں پر چھاپے مارتے رہیں۔ چنانچہ حارث عراق کی سرحد پر موجود تھے اور خلافتِ اسلامیہ کی ہدایت کے مطابق برابر اس علاقہ میں چھاپے مار رہے تھے کچھ دنوں کے بعد جب مشہور اسلامی سپہ سالار حضرت خالد بن ولید بھی ایک بڑا لشکر لیکر اُن کی امداد کے لئے عراق کی سرحد پر جا پہنچے تو عراق کے خلاف باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔

خلافتِ اسلامیہ نے حضرت خالد بن ولید کو حکم دیا تھا کہ وہ فوراً حیرہ اور ابلہ کے علاقے فتح کرنے کی کوشش کریں۔ حیرہ ایک چھوٹا سا ملک تھا جو بابل کے مغرب میں شام کے ریگستانی علاقہ کے کنارہ پر تھا۔ اس ملک کا بادشاہ کسریٰ فارس کا باجگذار تھا۔ حضرت خالد بن ولید نے دس ہزار کے لشکر سے شہر حیرہ کا محاصرہ کرلیا۔ اور اُس کی شہر پناہ کو توڑ

شہر کے اندر گھس گئے۔ اس جنگ میں حیرہ کا بادشاہ مارا گیا۔ اور یہ ملک ۱۲ھ (۶۳۳ء) میں فتح ہو گیا۔ حضرت خالد بن ولید نے حیرہ کی فتح کے بعد اس ملک پر ستر ہزار اشرفی سالانہ کا خراج مقرر کر دیا۔ یہ پہلا خراج تھا جو مسلمانوں نے کسی غیر ملک سے وصول کیا۔

حیرہ کی فتح کے بعد حضرت خالد بن ولید ابلہ پر حملہ آور ہوئے۔ اس علاقہ کا حاکم ہرمز نامی ایک آتش پرست تھا جس کی دلیری اور بہادری کی نہ صرف ایران میں بلکہ دور دور کے ممالک میں بھی بڑی شہرت تھی۔ حضرت خالد بن ولید نے تن تنہا میدان میں آنے کے بعد ہرمز کو مقابلہ کے لئے طلب کیا اور دونوں میں بڑی دیر تک سخت مقابلہ ہوتا رہا۔ آخر ہرمز مارا گیا۔ ہرمز دربار ایران کا اتنا بڑا سردار تھا کہ بادشاہوں کی طرح تاج پہنتا تھا۔ اس کا تاج حضرت خالد بن ولید کے ہاتھ لگا۔ اس تاج کی قیمت ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ تھی۔

ہرمز نے اپنی شکست سے پہلے کسرائے ایران کو امدادی فوج کے لئے لکھا تھا۔ اس نے فوراً ہی اس کی مدد کے لئے ایک عظیم الشان فوج قارن کی سرکردگی میں روانہ کر دی تھی قارن کو جب راستہ ہی میں ہرمز کی شکست اور موت کی اطلاع ملی تو وہ مذار ہی میں ٹھہر گیا۔ خالد بن ولید نے اُسے مذار ہی میں آکر گھیر لیا۔ بڑی خونریز جنگ کے بعد ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔ تیس ہزار ایرانی کام آئے۔ قارن اور تمام بڑے بڑے افسر مارے گئے۔ کسرائے ایران کو جب اس شکست کی اطلاع ملی تو اس نے مشہور ایرانی سردار بہمن جادویہ کو ایک عظیم الشان لشکر دیکر بھیجا مگر بہمن جادویہ کو بھی خالد بن ولید کے مقابلہ پر بُری طرح شکست ہوئی۔

ان فتوحات کے بعد حضرت خالد بن ولید دجلہ اور فرات کی جانب بڑھے۔ اس علاقہ کا جو سردار بھی مقابلہ پر آیا اُسے شکست دی۔ حضرت خالد بن ولید نے امغیشیا کا محاصرہ کر لیا۔ شہر امغیشیا والوں نے جب خالد بن ولید کا سختی سے مقابلہ کیا تو انھوں نے یہ پورا کا پورا شہر برباد کر ڈالا۔ اس کے بعد اس لائق سپہ سالار نے شہر انبار، عین التمر، دومۃ الجندل

اور عراق کے دوسرے تمام شہروں اور علاقوں کو فتح کرنے کے بعد پورے ملک عراق پر اسلامی پرچم لہرا دیا۔ مسلمانوں کو یہ شاندار فتح ۱۲ھ (۶۳۳ء) میں حاصل ہوئی تھی۔ اس موقعہ پر یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ اسلامی فوجوں نے صرف چند ماہ کے اندر اندر اس پورے ملک پر قبضہ جما لیا تھا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ بے اندازہ مال غنیمت آیا جس کا پانچواں حصہ اور ہرمز کا تاج تو حضرت خالد بن ولید نے مدینہ روانہ کر دیا اور باقی مال غنیمت حسب دستور فوج میں تقسیم کر دیا۔

عراق کی فتح کے بعد حضرت خالد بن ولید نے کسرائے فارس کو پیغام بھیجا کہ۔ "اسلام قبول کرو۔ یا جزیہ دو۔ اور اگر دونوں سے انکار کرو گے تو فارس کا بھی وہی حشر ہوگا جو عراق کا ہوا ہے"۔ جب اسلامی وفد خالد بن ولید کا یہ پیغام لیکر کسرائے فارس کے دربار میں پہنچا تو کسریٰ بڑی بے رخی کے ساتھ پیش آیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عراق کے بعد فارس کے خلاف بھی مسلمانوں نے لشکر کشی شروع کر دی اس لشکر کشی کی تفصیل آگے آئے گی۔

رسول مقبول صلعم سے حضرت خالد بن ولید کو "سیف اللہ" کا خطاب عطا ہوا تھا۔ عراق کے اس معرکہ میں اس لائق سپہ سالار نے یہ ثابت کر کے دکھا دیا کہ واقعی وہ "سیف اللہ" ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جنگ میں خالد بن ولید نے جس قابلیت کے ساتھ ایران جیسی مضبوط سلطنت کو ایک محدود لشکر کے ذریعہ سے شکست دی تھی۔ اس کی مثال سابقہ تاریخ میں مفقود تھی۔ چنانچہ عراق کی فتح کے بعد نہ صرف مملکت اسلامیہ میں بلکہ ساری دنیا میں خالد بن ولید کی شہرت اور وقعت بے حد بڑھ گئی۔ حضرت ابو بکرؓ جو خالد بن ولید کے سب سے بڑے سرپرست اور مداح تھے۔ ان کے لئے حضرت خالد بن ولید کی یہ فتوحات بے حد اطمینان بخش تھیں۔ اور وہ ان فتوحات پر بے حد مسرور رہتے۔

شام میں شکست کے بعد فتوحات

مسلمانوں کو جہاں عراق میں شاندار

فتوحات حاصل ہو رہی تھیں۔ وہاں شام میں اسلامی لشکر کو بُری طرح ناکامی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اور اس ناکامی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوعبیدہ نے شام کی اس لڑائی میں اسلامی لشکر کو تین حصّوں میں تقسیم کر کے ایک ساتھ تین مقامات پر حملہ شروع کر دیا تھا۔ لشکر کی طاقت چونکہ اس طرح بٹ گئی تھی۔ اس لئے مسلمانوں کو تقریباً ہر مورچہ پر بُری طرح سے شکست کا منہ دیکھنا پڑا

مسلمانوں کی اس شکست سے رُومی عیسائیوں کے حوصلے بے حد بڑھ گئے اور انھوں نے نئے سرے سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے تیاریاں شروع کر دیں حضرت ابوعبیدہ اور اسلامی سپہ سالاروں کو جب معلوم ہوا کہ قیصر رُوم ہرقل کا ایک بہت بڑا تازہ دم لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آ رہا ہے تو وہ بہت گھبرائے اور انھوں نے فوراً حضرت ابوبکرؓ کو تازہ کمک کے لئے لکھا تاکہ تازہ کمک آنے کے بعد ہرقل کے اس بے پناہ لشکر کا مقابلہ کیا جا سکے۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت ابوعبیدہ کی اس گھبراہٹ سے یہ اندازہ لگا لیا کہ شام کا مورچہ حضرت ابوعبیدہ کے قابو میں نہیں آ رہا۔ چنانچہ آپ نے فوراً خالدؓ بن ولید کو ہدایت بھیجی کہ وہ عراق کو اپنے ماتحت افسر مثنیٰ بن حارث کے سپرد کر کے فوراً شام کی جانب مع اپنے لشکر کے روانہ ہو جائیں اور شام کی فوجوں کے ساتھ مل کر شام کے علاقہ کی فتح کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کر دیں۔ خالد بن ولید ابھی روانہ بھی نہیں ہوئے تھے کہ حضرت ابوعبیدہ نے ایک اور غلطی یہ کی کہ باوجودیکہ بصرہ میں اسلامی لشکر بہت مختصر تھا۔ مگر انھوں نے پھر بھی سپہ سالارِ لشکر شرجیل کو حکم دیدیا کہ بصرہ کا محاصرہ کر لیا جائے۔

بصرہ ایک نہایت ہی مضبوط قلعہ کی صورت میں تھا جو چاروں طرف سے فولادی دیواروں سے گھرا ہوا تھا جس کی حفاظت کے لئے ہر وقت بارہ ہزار مسلح نوجوان تیار رہتے تھے۔ ضرورت تو یہ تھی کہ ایسے مضبوط قلعہ پر پوری تیاری کے بعد حملہ کیا جاتا

چنانچہ شرجیل نے جب بلا کسی تیاری کے بصرہ کا محاصرہ کرنا چاہا تو رومیوں کا لشکر بصرہ سے نکلا اور اس نے بُری طرح اسلامی لشکر کو گھیر کر مسلمانوں کا قتلِ عام شروع کر دیا لیکن مسلمانوں کی خوش قسمتی تھی کہ عین وقت پر حضرت خالد بن ولید اپنا عقاب کا جھنڈا اڑاتے ہوئے اور اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے مسلمانوں کی کمک کے لئے پہنچ گئے۔ اور رومیوں کو مار مار کر بصرہ کے قلعہ میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس نازک موقعہ پر اگر حضرت خالد بن ولید نہ پہنچ گئے ہوتے تو شاید شرجیل کی غلطی کی وجہ سے ایک مسلمان سپاہی بھی رومیوں کے ہاتھوں سے بچ کر نہ نکل سکتا۔

حضرت خالد بن ولید کے ہاتھ پر بصرہ کی فتح

حضرت خالد بن ولید کے پہنچ جانے کے بعد شام کے تمام اسلامی لشکروں میں نئی رُوح اور زندگی پیدا ہو گئی۔ خالد نے تمام لشکروں کو نئے سرے سے ترتیب دیکر بصرہ کے گرد ایک نہایت ہی مضبوط حلقہ ڈال دیا۔

بصرہ کا حاکم رومانوس مسلمانوں کی شجاعت اور حوصلہ مندی سے بخوبی واقف تھا۔ اُس نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان دن بدن محاصرہ کو مضبوط کرتے چلے جا رہے ہیں تو باشندگانِ شہر کو مشورہ دیا کہ وہ اطاعت قبول کر لیں۔ کیونکہ اب اطاعت اور صلح کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے لیکن کسی شخص نے بھی رومانوس کی بات نہیں سُنی بلکہ سب کے سب رومانوس کے مخالف ہو گئے اور اسے سرداری سے معطل کر کے اُسی کے گھر میں قید کر دیا اور ایک دوسرے رُومی سردار کو حاکم بنا لیا۔

نیا سردار رومیوں کے ایک بہت بڑے لشکر کو لیکر بصرہ کے قلعہ سے باہر آیا تاکہ اسلامی لشکر کے اس مضبوط محاصرہ کو توڑ دے جس نے کہ سارے بصرہ کو حلقہ میں لے رکھا ہے۔ اسلامی لشکر کی جانب سے فوراً ہی خلیفہ وقت کے صاحبزادے عبدالرحمن بن ابی بکرؓ ایک بڑی جمعیت کو ساتھ لیکر مقابلہ کے لئے آ گئے۔ اور انھوں نے رومیوں کے لشکر میں گھسکر

رُومی سردار پر ایسا شدید حملہ کیا کہ پہلے ہی حملہ میں یہ سردار بُری طرح زخمی ہوکر بھاگ گیا پھر گھمسان کی لڑائی چھڑ گئی۔ حضرت خالد بن ولید بھی عقاب کی طرح دُشمن پر ٹوٹ پڑے۔ اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ جب بصرہ والوں نے دیکھا کہ مسلمان غالب آتے چلے جا رہے ہیں۔ اور کوئی دم میں بصرہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے والا ہے تو سارے بصرہ میں کہرام مچ گیا۔ گرجوں میں گھنٹے بجنے لگے۔ پادری زور زور سے دُعائیں مانگنے لگے۔ عورتیں رونے لگیں اور چلانے لگیں اور رومی سپاہی بے تحاشا میدان سے بھاگ کر بصرہ کے قلعہ میں گھس گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر قلعہ کے دروازہ پر اسلامی جھنڈا لگا دیا۔

بصرہ کے سابق حاکم "رومانوس" کو بصرہ والوں نے اُسی کے گھر میں قید کر دیا تھا۔ اُس کا مکان بالکل شہر پناہ سے ملا ہوا تھا۔ اُس نے رات کے وقت اپنے مکان سے ملی ہوئی شہر پناہ میں نقب لگایا۔ اور رات کی تاریکی میں نکل کر خالد بن ولید کے خیمہ میں آ گیا۔ اور خالد بن ولید سے گزارش کی "کہ اپنے چند بہادر سپاہیوں کو میرے ساتھ کر دیجئے تاکہ وہ اس نقب کے راستہ قلعہ میں داخل ہو کر شہر پناہ کے دروازے کھول دیں اور اس کے بعد بصرہ پر قبضہ جمالیں۔"

خالد بن ولید نے اس اہم کام کے لئے عبد الرحمٰن بن ابی بکر کو منتخب کیا اور ان کے ساتھ سو منتخب سپاہی بھیج دیئے۔ عبد الرحمٰن مع سو سپاہیوں کے نقب کے راستہ بصرہ میں داخل ہو گئے۔ انھوں نے اپنے سپاہیوں میں سے چند سپاہیوں کو رومی سپاہیوں کا لباس تبدیل کرا دیا۔ اور ان کو قلعہ کے دروازوں کے پاس متعین کر دیا۔ اور حکم دیدیا کہ جیسے ہی وہ اللہ اکبر کے نعرہ کی آواز سُنیں۔ فوراً قلعہ کا دروازہ کھول دیں۔

ادھر بصرہ کے باہر بھی اسلامی لشکر قلعہ میں داخل ہونے کے لئے تیار رہا۔

جب سب انتظامات مکمل ہو گئے تو عبد الرحمٰن اور ان کے ساتھیوں نے قلعہ کے

اندر سے اللہ اکبر کا فلک شگاف نعرہ لگایا۔ نعرہ کا لگنا تھا کہ فوراً قلعے کے دروازے کھل گئے اور اسلامی لشکر بصرہ کے اندر داخل ہونا شروع ہو گیا۔ شہر میں بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ آخر رومیوں نے ہتھیار ڈال دئے۔ اور اس طرح ۱۲ھ (۶۳۳ء) میں بصرہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ شہر پر قبضہ کے بعد باشندوں کو امان دیدی گئی۔ بصرہ کے سابق حاکم روبانوس نے بصرہ کی فتح کے بعد مجمع عام میں اسلام قبول کر لیا۔ اس کے دیکھا دیکھی اور بھی بہت سے عیسائی داخلِ اسلام ہو گئے۔ روبانوس کے اسلام قبول کرنے کے بعد خالد بن ولید نے اُسے محافظِ مالی کا اہم عہدہ عطا کر دیا۔

حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں دمشق کا محاصرہ

بصرہ کی فتح کے بعد اسلامی فوجیں جن کی مجموعی تعداد تقریباً چالیس ہزار تھی۔ خالد بن ولید کی سرکردگی میں دمشق کی جانب روانہ ہو گئیں۔ ریگستان میں زندگی گزارنے والے عرب جب دمشق کے سرسبز اور شاداب علاقوں سے گزرے تو ان کو یہ محسوس ہوا جیسے وہ جنّت میں آ گئے ہوں ہر طرف سبزہ لہلہا رہا تھا۔ فضا پھولوں کی خوشبو سے معطّر تھی ہواؤں میں دل کو موہ لینے والی خنکی اور تازگی موجود تھی۔ عرب سپاہیوں نے جب اس پُر کیف فضا میں قدم رکھا تو اُن کے دل مسرت سے جھوم اٹھے۔

دمشق کے اُونچے مینار اور خوشنما بُرج دُور سے ایک خاص سماں پیدا کر رہے تھے۔ عرب سپاہی ان میناروں اور بُرجوں کی جانب بڑھتے چلے جا رہے تھے کہ انھوں نے دیکھا کہ سامنے سے دو رُومی سردار ایک بڑے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ ان سرداروں کا نام عزرائیل اور کیلوس تھا۔ ان دونوں سرداروں نے اس بات کی انتہائی کوشش کی کہ کسی طرح مجاہدینِ اسلام کو دمشق کی جانب بڑھنے سے روک دیں لیکن ایک مختصر سی جنگ کے بعد ان دونوں رومی افسروں کو اندازہ ہو گیا کہ

پُرجوش مسلمانوں کے سیلاب کو روکنا ناممکن ہے۔ مختصر سی جنگ کے بعد عیسائیوں کے لشکر کو شکست ہو گئی۔ کیلوس اور عزرائیل گرفتار ہو گئے۔ خالد بن ولید نے ان سے اسلام قبول کرنے کے لئے کہا تو انھوں نے انکار کر دیا جس پر ان دونوں کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔ ان دونوں کے سر کاٹ کر شہر کی دیوار پر اہلِ دمشق کو خوفزدہ کرنے کے لئے پھینک دئے گئے اور دمشق کا محاصرہ کر لیا گیا۔

دمشق کا محاصرہ دن بدن سخت ہوتا چلا جارہا تھا جس کی وجہ سے شہر کے باشندے گھبرا رہے تھے۔ اس کے علاوہ قلعہ کی فوج بھی بہت کم ہو گئی تھی۔ کیونکہ جو سپاہی بھی مسلمانوں سے لڑنے کے لئے نکلتے تھے وہ مارے جاتے تھے۔ مسلمانوں کے محاصرہ سے تنگ آنے کے بعد شہر کے باشندوں نے حضرت خالد بن ولید سے گزارش کی کہ "ایک ہزار اشرفی اور دو سو ریشمی تھان لے لیجئے اور محاصرہ اُٹھا لیجئے۔" انھوں نے جواب دیا۔ "دُنیاوی لالچ ہمارے لئے بے معنی چیز ہے اگر رہائی چاہتے ہو تو اسلام لاؤ یا اطاعت قبول کرنے کے بعد جزیہ دو۔"

ایک لاکھ رومی عیسائیوں سے مٹھی بھر مسلمانوں کا مقابلہ

محاصرہ بدستور جاری تھا کہ حضرت خالد بن ولید کو اطلاع ملی کہ قیصر روم نے دمشق کو بچانے کی غرض سے ایک لاکھ رومیوں کا لشکر جرار وردان حاکم حمص کی سرکردگی میں روانہ کر دیا ہے۔ فوراً تجویز ہوئی کہ خالد بن ولید کے بھائی ضرار کی سرکردگی میں ایک ہزار منتخب مجاہدین کا دستہ رومیوں کے لشکر کو راستہ میں روکنے کے لئے اور ان کو مسلمانوں سے خوفزدہ کرنے کے لئے بھیج دیا جائے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کر دی گئی کہ اتنے بڑے لشکر کے ساتھ باقاعدہ جنگ نہ کرنا کیونکہ اس میں خطرہ ہے۔

ایک ہزار مجاہدین کی اس مختصر سی فوج نے جب رومیوں کے لشکر جرار کو آتے ہوئے دیکھا تو بجائے اس کے کہ یہ خوفزدہ ہوتے اپنے اسلامی جوش کو قابو میں نہ رکھ سکے۔

اور انھوں نے کہنا شروع کر دیا کہ اگر ہماری تعداد کم ہے تو کیا ہے۔ تھوڑے سے مسلمان بھی بڑے سے بڑے مشرکوں کے لشکر کو شکست دینے کے لئے کافی ہیں۔ چنانچہ مٹھی بھر مسلمانوں نے قیصر روم کے ٹڈی دل لشکر پر حملہ کر دیا۔ اور قلب لشکر میں گھس کر رومی سردار کے ہاتھ سے مسیحی جھنڈا چھین لیا۔ یہ جھنڈا صرف جھنڈا ہی نہیں تھا بلکہ ایک جواہرات سے مرصع صلیب بھی تھی جس پر عیسائی جھنڈا لہرا رہا تھا۔

صلیب کا چھننا تھا کہ عیسائی پوری طاقت کے ساتھ مٹھی بھر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ اس جنگ میں ضرار کا نیزہ جب ٹوٹ گیا تو ضرار بغیر ہتھیار ہی کے لڑتے رہے آخر کار گرفتار ہو گئے۔ عیسائیوں نے فوراً انھیں حمص کی جانب روانہ کر دیا۔ اس مختصر سی اسلامی فوج کے سردار چونکہ ضرار تھے اس لئے یہ قدرتی بات ہے کہ مسلمان سپاہیوں میں ان کی گرفتاری سے کمزوری پیدا ہو گئی لیکن رفیع نے فوراً ضرار کی جگہ سنبھال کر ایسی پُرجوش تقریر کی کہ مسلمانوں کے حوصلے نئے سرے سے بلند ہو گئے۔ اور مٹھی بھر مسلمان پھر عیسائیوں کے ٹڈی دل لشکر سے ٹکرانے لگے۔ اسی دوران میں خالد بن ولید بھی اپنے لشکر کو لیکر آن پہنچے۔ خالد بن ولید کے آتے ہی جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا خالد کی فوج اگرچہ مشکل سے تین ۳ ہزار تھی لیکن اُس نے رومیوں کے لشکر کے چھکے چھڑوا دئیے یہ جنگ جاری ہی تھی کہ اسلامی مجاہدین کا ایک دستہ جو رفیع کی سرکردگی میں روانہ کیا گیا تھا۔ ضرار کا پتہ لگا کر اور حملہ کر کے ضرار کو چھڑا لایا۔ ضرار کے واپس آنے کے بعد ساری فوج میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔

خالد۔ ضرار اور رفیع تینوں نے لشکرِ اسلام کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد نئے سرے سے جب پوری طاقت کے ساتھ رومی عیسائیوں کے لشکر پر حملہ کیا تو رومیوں کا سردار وردان میدان سے فرار ہو گیا۔ ساٹھ ہزار کے قریب رومی قتل ہوئے۔ اور بے حساب مالِ غنیمت۔ خزانہ۔ ہتھیار۔ اسباب اور گھوڑے مسلمانوں کے ہاتھ آئے یعنی اس

جنگ کی بدولت نہ صرف مسلم لشکر مالا مال ہو گیا بلکہ اسلامی فوج بہترین آلاتِ حرب سے بھی آراستہ ہو گئی۔ اس معرکہ سے فارغ ہونے کے بعد خالد رض اپنے لشکر کے دمشق واپس آ گئے۔ اور اُس اسلامی فوج سے آن ملے جو دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے تھی۔

عیسائیوں کا ستر ہزار کا تازہ دم لشکر آ گیا

مسلمانوں کے ہاتھوں رومیوں کے سب سے بڑے لشکر کی تباہی قیصرِ روم کے لئے ایک بہت بڑا حادثہ تھا۔ اس عظیم الشان لشکر کی شکست کے بعد قیصر روم کو یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ اب پُرجوش مسلمانوں سے سلطنت روم کا بچانا آسان نہیں۔ اس تازہ شکست نے اسے مسلمانوں کے خلاف بُری طرح مشتعل کر دیا تھا۔ چنانچہ اس نے فوراً ہی ستر ہزار کا ایک تازہ دم لشکر مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے اُسی رومی سردار وردان کی سرکردگی میں روانہ کر دیا جس کو کہ پچھلی جنگ میں مسلمانوں کے مقابلہ میں بُری طرح شکست ہو چکی تھی۔

خالد بن ولید اور حضرت ابو عبیدہ کو جب دشمن کے اس نئے لشکر کی اطلاع ملی تو یہ بڑے فکر میں پڑ گئے کیونکہ مسلمانوں کے پاس اب اتنی فوج نہیں رہی تھی کہ ایک ہی وقت میں دمشق کا محاصرہ بھی کیا جا سکے اور دشمن کے ایک نئے تازہ دم لشکر سے بھی لڑا جا سکے۔ لہذا یہ طے پایا کہ دمشق کا محاصرہ اُٹھا لیا جائے اور مسلمانوں کی ساری فوج مل کر ایک ساتھ رومیوں کے تازہ دم لشکر کا مقابلہ کرے۔

دمشق کا محاصرہ اُٹھانے کے بعد مسلمانوں کے لئے ایک نئی مصیبت یہ کھڑی ہو گئی کہ جب محاصرین کی ایک بڑی تعداد جا چکی اور تھوڑے سے مسلمان رہ گئے جن میں عورتیں بھی تھیں تو دمشق کے قلعہ کی رومی فوج ان پر پل پڑی۔ انھوں نے بہت سے مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ خیموں اور اسباب کو لوٹ لیا اور مسلمان عورتوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔ گرفتار شدہ عورتوں میں ضرار کی بہن خولہ بھی تھیں۔

قائلہ اپنے بھائی کی طرح بڑی بہادر تھیں۔ انھوں نے اپنی تمام ساتھی عورتوں کو مشورہ دیا کہ رومی عیسائیوں کے ہاتھوں اپنی آبرو برباد کرنے کی بجائے یہ بہتر ہے کہ لڑکر جان دیدی جائے۔ لہٰذا قائلہ کی تجویز کے مطابق یہ سب عورتیں خیموں کے بانسوں سے مسلح ہوگئیں اور انھوں نے ایک حلقہ کی شکل بنالی تاکہ جس طرف سے بھی کوئی ان کی طرف آئے یہ اسے بانسوں سے ٹھنڈا کردیں۔ چنانچہ رومی سپاہی جب ان کے قریب آئے تو انھوں نے بانسوں سے مار مار کر ان کو ختم کر دیا اور معاملہ یہاں تک بڑھا کہ رومی سردار نے حکم دیدیا کہ ان عورتوں پر حملہ کرکے انھیں تہہ تیغ کردیا جائے۔

ان عورتوں کی خوش نصیبی تھی کہ جوں ہی رومی سپاہی ان پر حملہ کرنے والے تھے تو اچانک خالد بن ولید۔ ضرار۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور رفیع ایک بڑے اسلامی لشکر کے ساتھ ان کی مدد کو پہنچ گئے۔ اسلامی لشکر نے تقریباً تمام اُس رومی فوج کو کاٹ کر رکھ دیا جس نے کہ انتہائی بُزدلی کے ساتھ اُن نہتے مسلمانوں پر حملہ کیا تھا جو پیچھے رہ گئے تھے غرضکہ دمشق کے قلعہ کے چھ ہزار سواروں میں سے بہت ہی کم زندہ واپس جا سکے۔ اسلامی لشکر کے آنے کے بعد مسلمان عورتوں نے بھی تلواریں سنبھال لیں اور انھوں نے بھی جی کھول کر اُن رومی عیسائیوں سے انتقام لیا جو ان کو گرفتار کرکے لے چلے تھے مسلمانوں نے دمشق کے قلعہ کے دروازے تک رومیوں کا تعاقب کیا۔ اس کے بعد اسلامی لشکر مع عورتوں کے اپنی منزل پر واپس چلا گیا۔

حضرت خالد بن ولید کے قتل کی سازش

رومی عیسائیوں کا ستر ہزار کا وہ لشکر جس کا اُوپر تذکرہ کیا گیا ہے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اجنادین کے مقام پر مقیم تھا۔ مجاہدینِ اسلام جو رومیوں کے اس عظیم الشان لشکر سے مقابلہ کے لئے آئے تھے

انکے حوصلے بےحد بلند تھے اور بلا کا اسلامی جوش ان میں موجود تھا۔

مسلمانوں کے اسلامی جوش کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس جنگ میں صرف مرد ہی آمادۂ جہاد نہیں تھے بلکہ ضرار کی بہن قائکہ بغیرہ اور دوسری بے شمار عورتیں بھی ہتھیاروں سے آراستہ دکھائی دے رہی تھیں۔ حضرت خالد بن ولید نے ان عورتوں کو دو دستوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک دستہ کا فرض تو یہ تھا کہ وہ سامان کی حفاظت کرے اور دوسرے دستہ کو حکم دیا گیا تھا کہ جو بھی مسلمان میدان جنگ سے بھاگے اسے آگے بڑھ کر عورتوں کا یہ دستہ تہہ تیغ کر دے۔

جب اسلامی لشکر جنگ کے لئے بالکل تیار ہو گیا تو سب سے پہلے خالد کے بھائی ضرار میدان میں آئے اور انھوں نے ایک مختصر سی جمعیت کو ساتھ لیکر رومیوں پر ہلہ بول دیا۔ بڑی دیر تک جنگ جاری رہی، یہاں تک کہ مسلمانوں کی فتح کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ رومیوں کو جب یہ محسوس ہوا کہ اس مرتبہ بھی ان کو شکست کا منہ دیکھنا پڑیگا۔ تو انھوں نے یہ طے کیا کہ پہلے تو صلح کا پیغام دے کر جنگ کو روکدیا جائے اس کے بعد جب خالد بن ولید صلح کی بات چیت کے لئے آئیں تو انھیں دھوکہ سے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ رومی لشکر کی طرف سے قاصد نے آکر حضرت خالد بن ولید سے کہا کہ "ہمارا سپہ سالار وردان جنگ کی بجائے صلح چاہتا ہے۔ اس کی خواہش یہ ہے کہ کل صبح تک کے لئے جنگ ملتوی کر دی جائے۔ اور صبح سویرے ہمارے سپہ سالار کے خیمہ میں آکر صلح کے معاملات طے کر لئے جائیں"۔ خالد بن ولید نے جواب دیا کہ "ہم کو صلح منظور ہے۔ ہم صبح ہی وردان کے خیمہ میں آجائیں گے۔ اور صلح کی تفصیلات طے کر لیں گے"۔ غرضکہ جنگ ملتوی ہو گئی۔

رومی سپہ سالار وردان نے رات ہی کو دس منتخب رومی سپاہیوں کو اپنے خیمہ کے گرد متعین کر دیا تھا تاکہ جب صبح کو خالد بن ولید اس کے خیمہ میں آئیں تو یہ سپاہی

اشارہ پاتے ہی اُن کا خاتمہ کردیں۔ خالد بن ولید جن کو پہلے ہی سے اپنے جاسوسوں کے ذریعہ اس سازش کا علم ہو گیا تھا۔ انھوں نے رات ہی کو ضرار کے ہمراہ اپنے آدمی بھیج کر اُن دسوں سپاہیوں کو جنھیں قاتلانہ حملہ کے لئے متعین کیا گیا تھا سوتے ہوئے قتل کرا دیا۔ اور مجاہدین اسلام کو رومی سپاہیوں کا لباس پہنا کر ان کی جگہ متعین کر دیا۔ خالد بن ولید رومی سازش کا اس طرح توڑ کرنے کے بعد جب صبح کو رومی سپہ سالار وردان کے خیمہ میں پہنچے تو وردان نے صلح کی بات کرنے کی بجائے مسلمانوں کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ کیونکہ وردان کا منشا صلح کرنا نہیں تھا بلکہ کچھ اور تھا اس کی نامعقول گفتگو کو سُن کر حضرت خالد بن ولید بھی جوش میں آ گئے۔ انھوں نے کہا کہ "ہم میں اور تم میں کون بہتر ہے۔ اس کا فیصلہ تلوار کرے گی"۔ اور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ کر رُومی سپہ سالار کا گلا پکڑ لیا۔ اس پر وردان نے گھبرا کر اپنے آدمیوں کو پُکارا تو مسلمان رومی لباس پہنے ہوئے سامنے آ گئے۔ ان ہی میں ضرار بھی تھے۔ وردان ضرار اور دوسرے مسلمانوں کو رومی لباس میں دیکھ کر حیران رہ گیا وہ سب کچھ سمجھ گیا۔ اس نے چلانا شروع کیا کہ "مجھ پر رحم کرو مجھ پر رحم کرو"۔ خالد نے جواب دیا کہ "اُس کے لئے رحم نہیں ہے جس کی زبان پر تو صلح ہو مگر دل میں مکر ہو۔ ضرار نے ایک ہاتھ مار کر وردان کا سر اُتار لیا۔ اور رُومی لشکر کی طرف اسے پھینک کر اپنے لشکر میں آ گئے اور اسی وقت جنگ شروع کر دی۔

رومی سردار کا قتل ہونا تھا کہ سارے رومی لشکر میں ابتری پھیل گئی۔ رومی فوج بغیر لڑے ہی جب بھاگنی شروع ہوئی تو مجاہدین اسلام نے چاروں طرف گھیر کر اُن کی بہت بڑی تعداد کو ختم کر دیا جو باقی رہ گئے تھے ان میں سے کچھ تو قیصریہ کی جانب فرار ہو گئے اور کچھ انطاکیہ اور دمشق چلے گئے۔ غرضکہ اس طرح ایک سپاہی ضائع کئے بغیر مسلمانوں کو رومیوں کے ستر ہزار کے لشکر پر فتح حاصل ہو گئی۔ رومیوں کے لشکر کے

پاس جتنا بھی ساز و سامان تھا وہ سب مسلمانوں کے ہاتھ آیا جس میں سونے چاندی کے برتن اور جواہرات سے جڑی ہوئی صلیب بھی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کو جب مسلمانوں کی اس فتح کی خبر سُنائی گئی تو آپ نے اسی وقت سجدۂ شکر ادا کیا اور خالد بن ولید کو ان کی کامیابی پر مُبارکباد دی۔

مکہ اور مدینہ کے وہ مسلمان جو ابتدا میں لڑائیوں میں حصّہ لینے سے کتراتے تھے جب انھوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کو فتح پر فتح حاصل ہو رہی ہے اور مدینہ میں مالِ غنیمت بڑھا چلا آرہا ہے تو ان سب نے بھی خواہش کی کہ ان کو بھی مجاہدین کے لشکر میں شامل کر لیا جائے لیکن حضرت عمرؓ ان کو شامل کرنے کے خلاف تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ وہی لوگ ہیں جو کل ہمارے مخالف تھے۔ آج ذاتی نفع کی خاطر یہ ہمارے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں لیکن قریش مکہ نے جب ابوسفیان کو اپنا سردار بنا کر خلیفۂ وقت سے اِلتجا کی تو حضرت ابوبکرؓ نے ازراہِ مُروت ان کو لشکرِ اسلام میں شامل ہونے کی اجازت دیدی اور قریشِ مکہ کا ایک لشکر ابوسفیان کی سرکردگی میں مجاہدین کی امداد کے لئے شام کی جانب روانہ کر دیا گیا۔

دمشق میں مسلمانوں کا فاتحانہ داخلہ

اجنادین کے مقام پر رومی عیسائیوں کو شکست دینے کے بعد اسلامی لشکر دمشق کی جانب بڑھا اور حضرت خالد بن ولید اور دوسرے اسلامی سپہ سالاروں نے دوبارہ دمشق کا محاصرہ کر لیا۔

دمشق کے باشندوں کو کیونکہ سنبھلنے کا کافی موقعہ مل گیا تھا اس لئے انھوں نے دمشق کے قلعہ کے اندر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بہت بڑی فوج جمع کر لی تھی۔ اس کے علاوہ عیسائیوں نے دمشق کی دیواروں پر پتھر برسانے والی مشینیں بھی لگادی تھیں تاکہ ان مشینوں کے ذریعہ وہ مسلمانوں پر اچھی طرح سنگ باری کر سکیں۔ دمشق کے قلعہ

کی فوجوں کی رہنمائی اس مرتبہ قیصر روم ہرقل کا داماد ٹامس کر رہا تھا۔
ٹامس ایک بڑے لشکر کو لیکر قلعہ سے باہر مقابلہ کے لئے آگیا اور خونریز جنگ چھڑ گئی اس جنگ میں جہاں ہزاروں عیسائی مارے گئے وہاں بے شمار مسلمان بھی شہید ہوئے ان شہید ہونے والوں میں آبان بن زید بھی تھے جو ٹامس کے زہر آلود تیر سے زخمی ہونے کے بعد شہید ہوگئے تھے۔ آبان بن زید کی بیوہ جو لشکر اسلام کے ساتھ موجود تھی جب اُسے معلوم ہوا کہ اس کا شوہر ٹامس کے تیر سے شہید ہوگیا ہے۔ تو وہ بھی انتقام لینے کے لئے میدان میں آگئی۔ اور اس نے تاک کر ٹامس کے ایک ایسا تیر مارا جو اس کی آنکھ کے اندر اتر گیا۔ رُومی اُسے اٹھاکر قلعہ میں لے گئے لیکن ٹامس مرہم پٹی کرانے کے بعد پھر میدان میں آگیا اور اسلامی لشکر کے ساتھ گھمسان کی جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں آبان بن زید کی بیوہ نے اپنی بے خطا تیر اندازی سے بے شمار رُومیوں کو موت کے گھاٹ اُتارا۔
عیسائیوں کو جب بھی موقع ملتا تھا وہ ٹامس کی سرکردگی میں قلعہ سے باہر آجاتے تھے اور شکست کے بعد پھر قلعہ بند ہو جاتے تھے۔ جب عیسائیوں نے یہ دیکھ لیا کہ اُن کو شکستوں پہ شکستیں ہو رہی ہیں تو ان کی ہمتیں ٹوٹ گئیں مسلمانوں کے ستر روز کے محاصرہ کے بعد شہر کے باشندوں میں یارائے ضبط نہ رہی۔ اہلِ شہر نے آخر تنگ آکر حضرت خالد بن ولید سے صلح کے لئے مہلت چاہی لیکن خالد بن ولید نے ان کے مطالبہ کی جانب کوئی توجہ نہ کی۔ وہ شہر کو تلوار کے زور سے فتح کرنا چاہتے تھے تاکہ ان کی فوج کے ہاتھ مالِ غنیمت آسکے۔

باشندگانِ دمشق جب صلح کے معاملہ میں حضرت خالد بن ولید کی جانب سے مایوس ہوگئے تو انہوں نے یہ دیکھتے ہوئے کہ حضرت ابوعبیدہ کے مزاج میں نرمی ہے۔ اُن سے گزارش کی کہ وہ باشندگانِ دمشق کی جانب سے صلح قبول فرمالیں۔ اس غرض کے لئے رات کی تاریکی میں دمشق کے ایک سو معزز ین جن میں پادری بھی تھے حضرت ابوعبیدہ

کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ حضرت ابوعبیدہ نے یہ سوچ کر کہ دمشق کا محاصرہ ختم ہی ہونے میں نہیں آتا۔ جنگ موقوف کرنے اور صلح قبول کرنے کے لیے ایک معاہدہ کرلیا جس کی شرائط یہ تھیں:-

"شہر دمشق کا قبضہ مسلمانوں کو دیدیا جائیگا اور مخالفت موقوف کردی جائیگی۔ جو اسلام قبول کرلیں گے اُن سے کوئی تعرض نہیں کیا جائیگا۔ اور جو اسلام قبول نہیں کریں گے ان کو جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ جو باشندے شہر چھوڑ کر جانا چاہیں گے وہ اپنا تمام اسباب اور مال لے جاسکتے ہیں۔ ان کے گرجے ان کے لیے چھوڑ دیئے جائیں گے۔"

حضرت ابوعبیدہ نے اگرچہ اس معاہدہ پر اس لئے دستخط نہیں کیے تھے کیونکہ وہ سالار لشکر نہیں تھے لیکن پھر بھی اُنھوں نے زبانی وعدہ کرلیا تھا۔ اور عیسائیوں کو یقین دلا دیا تھا کہ سب مسلمان اس معاہدہ کی شرائط کو مان لیں گے۔ چنانچہ اس معاہدہ کے تحریر ہونے کے بعد ابوعبیدہ ایک سو آدمیوں کو ساتھ لیکر دمشق کے شہر میں قبضہ حاصل کرنے کے لئے داخل ہوگئے۔

دمشق بہت بڑا شہر تھا یہ میلوں کے اندر پھیلا ہوا تھا۔ اس کے ایک دروازہ سے تو حضرت ابوعبیدہ صلح کی شرائط لیکر داخل ہوئے اور ایک دوسرے حصہ سے یسوع نامی پادری کی رہنمائی کی مدد سے خالد بن ولید نے شہر پناہ کے ایک پوشیدہ راستہ سے ایک سو مجاہدین کو قلعہ کے اندر داخل کردیا۔ جنھوں نے اندر پہنچ کر قلعہ کا مشرقی دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کا کھلنا تھا کہ خالد بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتے ہوئے شیر ببر کی طرح قلعہ بند عیسائیوں پر ٹوٹ پڑے اور قتل عام کرتے ہوئے مریم کے گرجا تک جا پہنچے۔ یہاں پہنچ کر جب انھوں نے حضرت ابوعبیدہ کو دیکھا کہ کھڑے ہوئے ہیں۔ تلوار میان میں ہے عورتیں اور بچے انھیں گھیرے ہوئے ہیں تو خالد بن ولید حیران رہ گئے۔

حضرت ابوعبیدہ نے خالد کو غضبناک حالت میں دیکھا تو آپ نے دوڑ کر ان کا ہاتھ تھام لیا اور کہا کہ "خالد خونریزی بند کردو۔ خدا نے یہ شہر ہم کو صلح کے ذریعہ دلوایا ہے"۔ خالد بن ولید نے غصہ سے جواب دیا "ایسا ہرگز نہیں ہے ہم نے اس کو تلوار کے زور سے فتح کیا ہے اور ہم کسی کو بھی پناہ نہیں دے سکتے"۔ ابوعبیدہ بولے "مگر ہم تو اس شہر کے باشندوں کو ایک عہد نامہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیدیا ہے"۔ خالد نے نہایت ہی سخت لہجہ میں جواب دیا "سپہ سالار افواج کے ہوتے ہوئے آپ کو کیا حق حاصل تھا کہ ہماری مرضی کے بغیر اس قسم کا عہد نامہ لکھ کر دیں۔ ہم اس عہد نامہ کو نہیں مانتے۔ اب ہم اس شہر کے ایک ایک باشندے کو قتل کریں گے"۔

حضرت ابوعبیدہ اپنے کئے پر بے حد نادم تھے۔ واقعی انہوں نے سپہ سالار افواج کے علم میں لائے بغیر اس قسم کا عہد نامہ کر کے بہت بڑی غلطی کی تھی۔ انھوں نے اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے حضرت خالد بن ولید سے کہا کہ "میں نے جو کچھ کیا ہے وہ مسلمانوں کی بھلائی اور نیک جذبہ کے ماتحت کیا ہے۔ اگر اس عہد نامہ پر عمل نہیں کیا جائیگا تو غیر مسلموں کو یہ تو پتہ چلیگا نہیں کہ غلطی کس کی ہے لیکن یہ مشہور ہو جائیگا کہ مسلمان اپنے عہد کی پابندی نہیں کرتے۔ اس طرح مسلمان قوم بدنام ہو جائیگی۔ اسلام کی خاطر اور ایک مسلمان کے وعدہ کی لاج رکھنے کے لئے میری اس غلطی سے درگزر کرو"۔

اسلام کا نام آتے ہی حضرت خالد بن ولید کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ چنانچہ اس عہد نامہ کو بحالت مجبوری حضرت خالد بن ولید نے بھی منظور کر لیا۔ شہر کے باشندوں کو امان دیدی گئی اور حضرت ابوعبیدہ نے اعلان کر دیا کہ جو عیسائی ترک وطن کرنا چاہیں وہ تین دن کے اندر اندر چلے جائیں۔ وہ اپنے ساتھ اپنا تمام مال اور اسباب بھی لے جا سکتے ہیں۔ اس اعلان کے بعد قیصر روم ہرقل کی بیٹی ہرقل کا داماد ٹامس رومی سردار اور تمام بڑے بڑے امراء دمشق سے ترک وطن کر کے اور اپنا لاکھوں روپیہ کا سامان لیکر انطاکیہ اور شام

کے دوسرے علاقوں کی جانب روانہ ہوگئے۔ جو رہ گئے انھوں نے یا توجزیہ دینا منظور کر لیا یا اسلام قبول کر لیا اور دمشق پر ۱۳ھ (۶۳۴ء) میں مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔

حضرت خالد بن ولید چونکہ اس بات کے شدید مخالف تھے کہ ہرقل کے داماد طامس اور اُن عیسائی سرداروں کو رہائی دی جائے جنھوں نے کہ مسلمانوں کو بے حد پریشان کیا تھا اس لئے تین دن کی مہلت کی مدت جب گذر گئی تو یہ دمشق کے عیسائی امراء کے تعاقب میں برق و باد کی طرح روانہ ہوگئے، ان کو راستہ میں جا پکڑا عیسائی امراء کا یہ قافلہ اگرچہ رومی سلطنت کی حدود کے اندر داخل ہوگیا تھا لیکن پھر بھی یہ بھوکے عقاب کی طرح معہ اپنے لشکر کے ان پر جا پڑے۔ طامس بھی پانچ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مقابلہ پر آگیا۔ اور بڑی خوفناک جنگ چھڑ گئی۔ ہرقل کا داماد طامس اور دومیوں کے تمام بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ اُمرا کو لوٹ لیا گیا اور ہرقل کی بیٹی کو گرفتار کر لیا گیا لیکن بعد میں ایک بوڑھے پادری کی سفارش پر خالد نے زرِ مخلصانہ لئے بغیر ہرقل کی بیٹی کو رہا کر دیا۔ اس حملہ میں عبدالرحمن بن ابی بکر اور رفیع بھی خالد کے ساتھ تھے۔ اس معرکہ سے فارغ ہو کر خالد بن ولید بے اندازہ مالِ غنیمت لیکر دمشق کی جانب مع اپنی مختصر سی فوج کے روانہ ہوئے اور دمشق کے اسلامی لشکر سے آن ملے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی علالت

جس زمانہ میں کہ اسلامی فوجیں دمشق کے محاصرہ میں مصروف تھیں اسی زمانہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ بیمار ہوگئے۔ آپ کی بیماری کے بارے میں ابوالفدا اور دوسرے مورخین لکھتے ہیں کہ "ایک یہودی نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو پکا ہوا گوشت بھیجا تھا۔ اس کو آپ حارث بن کلاہ کے ساتھ تناول فرما رہے تھے کہ حارث کو کچھ شبہ ہوا۔ اور حارث نے کہا" خلیفہ رسول اللہ آپ اسے نہ کھائیے مجھے شبہ ہے کہ اس میں زہر کی آمیزش ہے" حارث کے اس کہنے پر حضرت ابوبکر رضؓ نے ہاتھ کھینچ لیا لیکن اسی روز سے

دونوں حضرات بیمار رہنے لگے اور انکی صحت گرنے لگی یہاں تک کہ ایک سال کے اندر اندر ایک ہی دن ان دونوں کا انتقال ہوگیا مگر آپکی صاحبزادی حضرت عائشہ رضؓ کا بیان ہے کہ "ایک روز جبکہ سردی زیادہ تھی آپنے غسل فرمالیا اور اسکی وجہ سے آپکو بخار آگیا جو برابر بڑھتا چلا گیا۔"

بیماری نے جب شدت اختیار کر لی اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو یہ یقین ہوگیا کہ آخری وقت آن پہنچا ہے تو آپ کو اس کی فکر ہوئی کہ کہیں اُن کے بعد خلافت کے لئے مہاجرین و انصار کا پُرانا جھگڑا نہ کھڑا ہو جائے اور اس جھگڑے کی وجہ سے مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچ جائے لہٰذا آپنے یہ طے کیا کہ اپنی زندگی ہی میں جانشین نامزد کرکے اس فتنہ اور جھگڑے کو ختم کر دیں۔ چنانچہ کافی غور و خوض کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضرت عمر رضؓ کو خلافت کے لئے نامزد کر دیا جائے لیکن نامزد کرنے سے قبل آپنے علحدہ علحدہ بلاکر حضرت عثمان غنی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ۔ حضرت طلحہ رضؓ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور دوسرے تمام مقتدر صحابۂ کرام سے حضرت عمر رضؓ کے بارے میں جب رائے لی تو سب ہی نے اس انتخاب کو پسند کیا۔ صرف حضرت طلحہ رضؓ نے حضرت عمر رضؓ کی درشتی مزاج کے بارے میں اندیشہ کا اظہار کیا تو اس پر حضرت ابوبکر رضؓ نے فرمایا کہ "خلافت کا بار ان کے مزاج میں نرمی پیدا کر دیگا" غرضکہ جب حضرت ابوبکر رضؓ کو یہ اطمینان ہوگیا کہ سب ہی حضرت عمر رضؓ کے انتخاب سے مطمئن ہیں تو آپنے حضرت عثمان رضؓ کو بلا کر ذیل کا وصیت نامہ لکھوا دیا۔

"یہ وصیت نامہ ابوبکر بن قحافہ نے اپنے آخر عہد دنیا اور شروع عہد آخرت میں اُس وقت لکھوا دیا ہے جبکہ کافر بھی ایمان لے آتا ہے اور کاذب بھی سچ بولنے لگتا ہے۔ میں نے مسلمانوں پر اپنے بعد عمر بن خطاب کو اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر کیا ہے۔ اور میں نے مسلمانوں کی بھلائی اور بہتری اسی میں سمجھی ہے۔ پس عمر نے اگر صبر اور عدل سے کام لیا تو میرا ان کے بارے میں قیاس درست نکلا اور اگر کسی قسم کی برائی کی تو مجھ کو علم غیب نہیں تھا۔

میں نے تو جو کچھ کیا ہے وہ مسلمانوں کی بہتری اور بھلائی کے قصد سے کیا ہے"۔

وصیت نامہ جب لکھا جا چکا تو حضرت ابوبکر نے اس پر اپنی مہر لگا دی اور حکم دیا کہ اسے لے جا کر صحابہ کے عام مجمع میں سُنا دو صحابہ کی ایک بہت بڑی تعداد باہر جمع تھی۔ چنانچہ آپؓ کی ہدایت کے مُطابق وصیت نامہ مجمع عام میں پڑھ کر سُنا دیا گیا۔ اس کے بعد آپ نے خود صحابہ کے رُوبرو تشریف لا کر فرمایا "میں نے اپنے کسی عزیز کو خلیفہ نہیں بنایا ہے بلکہ اُس شخص کو منتخب کیا ہے۔ جو میرے نزدیک تم سب میں بہتر ہے۔ اور یہ انتخاب میں نے صرف اپنی رائے سے نہیں کیا ہے۔ بلکہ تمام صاحب الرائے حضرات سے مشورہ کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے۔ کیا تم سب بھی عمر کے خلیفہ ہونے پر راضی ہو"۔ سب نے بالاتفاق اس انتخاب کی تائید کی۔ پھر حضرت ابوبکر رضؓ نے ایک مختصر سی تقریر میں مسلمانوں کو بہت سی نصیحتیں کرتے ہوئے کہا کہ "تم سب کا فرض ہے کہ عمر کا کہنا مانو اور ان کی اطاعت کرو"۔

انتخابِ خلیفہ کے اس اعلان کے بعد حضرت ابوبکر رضؓ اندر تشریف لے گئے۔ اور حضرت عمر رضؓ کو بلا کر ضروری ہدایتیں دیں۔ حضرت عمرؓ اس اہم ذمہ داری سے خوش نہیں تھے آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ "مجھ پر یہ بوجھ نہ ڈالیے"۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ "میں جانتا ہوں کہ تم کو خلافت کی ضرورت نہیں ہے لیکن وقت کا تقاضہ یہی ہے کہ یہ ذمہ داری تمہارے ہی سپُرد کی جائے"۔ یہ سُن کر حضرت عمر رضؓ خاموش ہو گئے۔

آخری وقت میں بھی مملکتِ اسلامیہ کی فکر

اللہ اللہ کیا جذبہ خلوص تھا کہ آخری وقت میں جبکہ ہر شخص کو اپنے متعلقین کی فکر ہوتی ہے۔ حضرت ابوبکر رضؓ ان کی طرف سے بالکل لاپرواہ تھے۔ اس وقت بھی آپ کو مسلمانوں کی اور مملکتِ اسلامیہ کی فکر دامنگیر تھی چنانچہ اس آخری وقت میں آپ نے اپنے جانشین حضرت عمرؓ کو وصیت فرمائی کہ "میرے

مرنے کے بعد پہلا کام یہ کرنا کہ ایرانیوں کے مقابلہ کے لئے عراق فوجیں روانہ کر دینا۔"
اس وصیت کی ضرورت اس لئے پیش آئی کیونکہ آپ کے انتقال سے ایک روز پہلے مثنیٰ بن حارث نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ تشویشناک اطلاع دی تھی کہ حکومت ایران مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے ایسی زبردست تیاریاں کر رہی ہے جس سے نہ صرف عراق بلکہ ملکِ عرب کے لئے بھی شدید خطرہ پیدا ہو گیا ہے"۔ جس وقت آپ کو یہ اطلاع دی گئی تھی۔ گو اُس وقت آپ کی حالت بے حد نازک تھی لیکن آپنے ایسی حالت میں بھی جملہ تفصیلات معلوم کرنے کے بعد حضرت عمرؓ کو ہدایت کی کہ "ایران کی جانب سے غافل نہ رہنا اور اسلامی فتوحات کا سلسلہ برابر جاری رکھنا۔ مثنیٰ بن حارث کی امداد کے لئے جلد سے جلد تازہ دم لشکر عراق بھیج دینا۔ تاکہ ایرانیوں کو عراق و عرب کی جانب رُخ کرنے کا حوصلہ نہ ہو سکے"۔ یعنی مرتے مرتے آپ کو اس بات کی فکر تھی کہ کہیں اُس مملکتِ اسلامیہ پر کوئی آنچ نہ آجائے جس کی بُنیاد آقائے دوجہاں رسول اللہ صلعم نے رکھی تھی۔ اور جسے بڑی دُشواریوں کے بعد خود آپ نے مضبوط کیا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات

دورانِ علالت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی غیر معمولی مصروفیات کا نتیجہ یہ نکلا کہ اچانک آپ کی حالت بہت زیادہ بگڑ گئی یہاں تک کہ ۲۳ جمادی الثانی ۱۳ھ (۶۳۴ء) کو بعدِ مغرب ۶۳ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہو گیا جس وقت آپ کا انتقال ہوا ہے عین اُسی وقت اسلامی فوجیں دمشق میں داخل ہو رہی تھیں۔ آپنے سوا دو برس خلافت کی۔ انتقال کے وقت آپ کے والدین زندہ تھے۔ آپ کے والد کی عمر ۹۷ برس کی تھی لیکن لائق بیٹے کے صدمہ میں چند ہی روز بعد وہ بھی راہیِ ملکِ عدم ہو گئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضہ کی چار بیویاں تھیں۔ جن سے بہت سی اولادیں پیدا ہوئیں۔ رسول اللہ صلعم کی پیاری بیوی حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ ہی کی صاحبزادی تھیں

آپ کے بڑے صاحبزادے عبدالرحمٰن بن ابی بکر بڑے بہادر اور لائق سپہ سالار تھے ابتدائی دور کی اسلامی فتوحات میں ان کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ یہ حضرت خالد بن ولید کے دست راست تھے۔ آپ کے دوسرے صاحبزادے محمد بن ابی بکر بھی بہت مشہور ہیں۔ آپ کی صاحبزادی اُم کلثوم آپ کی وفات کے بعد پیدا ہوئی تھیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کی خبر پر تمام ملکِ عرب میں ایک کہرام سا مچ گیا۔ اور وفاتِ نبویؐ کا دل خراش منظر پھر ایک بار نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ دوست دشمن سب آپ کی خوبیوں کے یکساں معترف تھے۔ رسولِ مقبول صلعم کے بعد کسی انسان میں اتنی خوبیاں نہیں دیکھی گئیں جتنی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ میں تھیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے قرآن مجید کے منتشر مضامین کو یکجا کیا

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے

عہدِ حکومت کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ ہی کے زمانہ میں قرآن مجید کے منتشر مضامین کو کتابی صورت دی گئی۔ رسول اللہ صلعم کے زمانۂ حیات میں تو صحابۂ کرام نے قرآن مجید کو یکجا طور پر جمع کرنے کی اس لئے ضرورت نہیں سمجھی کیونکہ اُن کے پاس خود ہادیِ قرآن موجود تھا۔ چنانچہ قرآنِ مجید کی جس آیت اور جس حکم کے بارے میں وہ استفسار کرتے تھے۔ ان کو شافی اور کافی جواب مل جاتا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلعم کی وفات کے فوراً ہی بعد یہ محسوس کیا جانے لگا کہ قرآن مجید کے منتشر ذخیرہ کو یکجا کر لیا جائے چنانچہ جنگِ یمامہ میں جب ایسے بہت سے صحابی شہید ہو گئے جنہیں قرآن مجید کی آیتیں حفظ تھیں تو حضرت عمر رضؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے کہا کہ "کشت وخون کا یہ سلسلہ اگر اسی طرح جاری رہا تو اندیشہ ہے کہ کہیں قرآن مجید کا کوئی حصہ ضائع نہ جائے۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ آپ قرآنِ مجید کی تمام آیتوں کو یکجا کر کے تحریر کرا لیں"۔

حضرت عمر فاروقؓ کی قرآنِ مجید کو یکجا لکھوانے کی اس تجویز پر پہلے تو حضرت ابوبکر صدیق

کو اعتراض ہوا اور آپنے فرمایا کہ "جب رسول اللہ صلعم نے اپنی زندگی میں ایسا نہیں کیا تو میں کیوں کروں"۔ لیکن بعد میں جب حضرت ابوبکرؓ نے اس اہم ضرورت کو محسوس کیا تو آپ اس کے لئے آمادہ ہو گئے اور آپنے رسول اللہ صلعم کے کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت کو بلوا کر سارا قرآنِ مجید یکجا کر کے ایک جگہ لکھنے کا حکم دیدیا۔ حضرت زید بن ثابت نے پتھر کے ٹکڑوں۔ اونٹ کی ہڈیوں۔ ہرن کی جھلیوں اور کھجور کے پتوں پر لکھی ہوئی تمام آیاتِ قرآنی کو جمع کیا۔ اس کے علاوہ حافظوں کے سینوں میں جو آیتیں محفوظ تھیں ان کو بھی سپردِ قلم کیا۔ اور اس کے بعد رسول اللہ صلعم کی قائم کردہ ترتیب کے مطابق قرآن مجید کی کتابت شروع کر دی۔ جہاں تک قرآنِ مجید کی ترتیب کا تعلق ہے رسول اللہ صلعم خود اپنی زندگی ہی میں اسے پایۂ تکمیل کو پہنچا چکے تھے۔ چنانچہ جب کوئی وحی نازل ہوتی تھی تو آپ فرمایا کرتے تھے "اس آیت کو فلاں سورۃ میں فلاں جگہ لکھ لو"۔ آپنے سورتوں کے نام تک تجویز کر دئے تھے۔ اس لئے حضرت زید بن ثابت کو قرآن مجید کی ترتیب قائم کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اور انھوں نے بڑی احتیاط اور تجسس کے بعد اس اہم کارنامے کو انجام دے دیا۔ جب پورا قرآن مجید ضبطِ تحریر میں آ گیا تو یہ نسخہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو دیدیا گیا۔ آپ کی وفات کے بعد یہ گنجِ گراں مایہ حضرت عمر فاروقؓ کے سپرد ہوا۔ اور ان کے بعد ان کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ کی تحویل میں رہا۔

عہدِ صدیقی پر ایک نظر

رسولِ مقبول صلعم کی وفات کے بعد نقلی نبیوں، مرتدین اور کفار نے مل کر اسلام کی بنیاد کو ہلا دیا تھا۔ اور اسلام کے دشمنوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ خود اسلام کے دوست یہ سمجھ رہے تھے کہ اب سر زمین عرب میں اسلام کا قائم اور برقرار رہنا آسان نہیں لیکن اسلام جو دنیا میں قائم اور برقرار رہنے کے لئے آیا تھا۔ اسے بھلا کونسی دنیاوی طاقت نقصان پہنچا سکتی تھی۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور صحابۂ کرام میں اس طوفان کے مقابلہ کا حوصلہ پیدا

کر دیا۔ اور اس حوصلہ کی بدولت کفر و الحاد کا یہ سیلاب خس و خاشاک کی طرح راستہ سے ہٹ گیا۔ گرد آلود فضا صاف ہو گئی۔ اور اسلام پھر ایک بار پورے جاہ و جلال کے ساتھ روشن اور درخشاں دکھائی دینے لگا۔ یہ حقیقت ہے اور اس حقیقت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس نازک دور میں حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے جس حوصلہ مندی اور بے جگری کا ثبوت دیا ہے۔ وہ صرف تائید غیبی تھی ورنہ ایسے مواقع پر کسی انسان کا ثابت قدم رہنا کوئی آسان کام نہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے اندرونی فتنوں اور بغاوتوں کو دبانے کے بعد جب بیرونی فتوحات کی جانب رُخ کیا تو اس میں بھی آپ کو نہایت شاندار کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ آپ نے بیک وقت دُنیا کی سب سے بڑی دو سلطنتوں یعنی سلطنتِ روما اور سلطنتِ ایران سے ٹکر لی۔ اور صرف ٹکر ہی نہیں لی بلکہ ان کو تقریباً ہر مورچہ پر شکست دیکر مملکتِ اسلامیہ کی حدود کو عراق اور شام تک پھیلا دیا۔ حضورِ اکرمؐ کی ہدایت کے مُطابق آپ نے بیرونی فتوحات کا سلسلہ کچھ ایسی نیک ساعت میں شروع کیا تھا کہ مسلمانوں کو نہ صرف حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے دور میں بلکہ آپ کے جانشینوں کے عہدِ حکومت میں بھی برابر فتوحات پر فتوحات حاصل ہوتی چلی گئیں۔ یہاں تک کے مسلمان نصف دُنیا سے بھی زائد کے مالک و مُختار بن گئے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے دورِ حکومت میں مملکتِ اسلامیہ چونکہ بالکل نئی نئی تھی اس لئے اس کا نہ کوئی باقاعدہ نظام تھا۔ اور نہ دستور تھا لیکن پھر بھی حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے مملکتِ اسلامیہ کا جو نظام اور دستور مرتب کیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سب سے زیادہ مکمل۔ پائدار اور غیر فانی دستور ہے یعنی آپ جو کچھ بھی کرتے تھے وہ قرآنِ پاک اور سنّتِ رسول اللہ کی روشنی میں کرتے تھے۔ آپ کی جہاں بانی۔ جنگ۔ صلح۔ مفتوحین کے ساتھ برتاؤ مسلمانوں کے حقوق اور مُعاملات... غرضکہ جملہ اُمور کا فیصلہ آپ اسی آسمانی دستور کے مطابق کرتے

تھے۔ اور آپ کی کوشش ہمیشہ یہ رہتی تھی کہ کسی معاملہ میں بھی قرآنِ مجید کے احکامات اور رسولِ مقبول صلعم کے معمولات سے سرِ مُو فرق نہ آنے پائے۔

قرآنِ پاک اور سُنتِ رسول اللہ چونکہ ہر معاملہ میں اپنی جگہ مکمل دستور ہے اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو اپنے دورِ حکومت میں کسی دُنیاوی دستور کے ترتیب دینے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اور آپنے اسی دستور کے ماتحت مختصر سے عرصہ میں مملکتِ اسلامیہ میں وہ ترقیاں کر کے دکھا دیں جو سالہا سال میں بھی ناممکن تھیں۔ مملکتِ اسلامیہ کے نئے نئے صُوبے بن گئے جن میں باقاعدہ شرعی نظامِ حکومت اور شرعی احکامات جاری ہو گئے۔ ان صوبوں میں جو حُکام بھی مقرر کئے جاتے تھے اُن کا پہلے قرآن اور سُنتِ رسول اللہ کی روشنی میں امتحان لے لیا جاتا تھا۔ جب وہ حکومت کرنے کی صلاحیتوں میں پُورے اُترتے تھے تو ان کو حکومت سُپرد کر دی جاتی تھی۔ ملکی باشندوں کو پُوری آزادی دیدی گئی تھی۔ یہاں تک کہ غیر مسلموں کو بھی ہر قسم کے پُورے حقوق حاصل تھے۔ ان کی خانقاہوں اور عبادت خانوں کو کوئی ہاتھ تک نہیں لگا سکتا تھا۔ ان کو اپنے تحفّظ کے لئے قلعہ تعمیر کرنے کی اجازت تھی۔ وہ آزادانہ اپنی مذہبی رسوم کی ادائیگی کے لئے ناقوس بجا سکتے تھے اور اپنے تہواروں کے موقعہ پر صلیب تک کا جلوس نکال سکتے تھے۔ ان سے جزیہ کی جو رقم لی جاتی تھی۔ وہ اُس رقم کے مقابلہ میں بہت کم تھی جو مسلمانوں سے بطور زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی یعنی غیر مسلم مردوں سے صرف فی کس دس درہم جزیہ لیا جاتا تھا۔ لیکن جو غریب تھے، ان کے لئے جزیہ کی ادائیگی مُعاف تھی۔ غرضکہ حضرت ابوبکر رضؓ کے عہدِ حکومت میں گو مملکتِ اسلامیہ فوزائیدہ تھی۔ لیکن اس میں اس بلا کی جاذبیت اور کشش تھی جو پُرانی سے پُرانی حکومتوں میں بھی ناپید تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے دورِ حکومت میں چونکہ بیرونی ممالک کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اور بڑی بڑی رقمیں خراج اور مالِ غنیمت کے ذریعہ خلافتِ اسلامیہ کو وصول ہونے لگی

تھیں۔ اس لئے روپیہ پیسہ کی بھی کمی نہیں تھی لیکن یہ روپیہ پیسہ انتظام حکومت۔ فوجی اخراجات اور عوام کی ضرورتوں کے لئے وقف تھا۔ چنانچہ حالت یہ تھی کہ آمدنی کی ایک ایک پائی حکومت اور رعایا کی فلاح اور بہبود پر صرف کردی جاتی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک میں فارغ البالی اور خوشحالی بڑھتی چلی گئی۔ اور عوام کے دلوں میں مملکت اسلامیہ کا اس قدر اعتماد پیدا ہوگیا۔ کہ ہر شخص اسے خود اپنی حکومت سمجھنے لگا۔

حضرت ابوبکرؓ کے دورِ حکومت کی مدت کل سوا دو سال ہے۔ یہ سوا دو سال کا زمانہ قوموں کی تاریخ میں سوا دو لمحوں کی برابر بھی حیثیت نہیں رکھتا لیکن حضرت ابوبکر صدیق نے اس مختصر سے وقفہ میں نہ صرف مملکت اسلامیہ کی بنیادوں کو مستحکم کر دیا۔ بلکہ ایک ایسا کامیاب دستور العمل مسلمانوں کے لئے تجویز کر دیا جس پر کاربند ہونے کے بعد مسلمان ترقی کے میدان میں برابر آگے بڑھتے چلے گئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی کے متفرق واقعات

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا کردار اس قدر بلند ہے کہ اس کی مثال ملنی ناممکن ہے۔ ذیل میں ہم آپ کی زندگی سے متعلق چند واقعات درج کرتے ہیں جن سے آپ کے بلند کردار کا تھوڑا بہت اندازہ ہوسکتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایثار۔ ۹ھ کا زمانہ رسول اللہ صلعم اور مسلمانوں کے لئے نہایت ہی نازک تھا۔ قیصر روم نے مسلمانوں کو تہس نہس کرنے کا عزم بالجزم کرلیا تھا۔ اس موقعہ پر مسلمانوں نے بے سر و سامان لشکر کی درستی کے لئے باہم چندہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے بہت کچھ نقد و جنس دیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے سارے مال و اسباب کا نصف حصہ تو اہل و عیال کے لئے رکھ لیا۔ اور نصف اس کارِ خیر میں دیدیا لیکن حضرت ابوبکر رضؓ اپنا تمام مال و اسباب لیکر دربارِ نبویؐ

میں حاضر ہو گئے۔ رسولِ اکرم نے پوچھا کچھ اہل و عیال کے لئے بھی رکھ لیا ہے۔ عرض کیا اہل و عیال کے لئے میرا خدا اور اس کا رسول کافی ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر ایثار کی مثال کوئی پیش کی جا سکتی ہے۔

اسلام کے لئے اولاد کو قربان کرنے کے لئے تیار:۔ جنگ بدر میں حضرت ابوبکرؓ کے بڑے صاحبزادے عبدالرحمٰن جو مسلمان نہیں ہوئے تھے مخالفین کے لشکر میں شامل تھے لڑائی کے دوران میں جب حضرت ابوبکرؓ بیٹے کی تلوار کی زد میں آ گئے تو بیٹے نے طرح دیدی۔ کچھ زمانہ کے بعد جب عبدالرحمٰن مسلمان ہو گئے اور اس واقعہ کا ذکر آیا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ "عبدالرحمٰن تم نے تو طرح دیدی تھی لیکن اگر تم اس وقت میری تلوار کی زد میں آ جاتے تو میں للٰہیت کے مقابلہ میں اولاد کی قطعی پرواہ نہ کرتا اور تم کو دشمن اسلام سمجھتے ہوئے تمہاری گردن اڑانا اپنا فرض خیال کرتا"۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تنخواہ:۔ حضرت ابوبکر جب خلیفہ ہو گئے تو صحابہ کے زور دینے پر بیت المال سے روزانہ صرف پانچ درہم لیا کرتے تھے جس میں کہ دن کا مشکل سے گذارہ ہوتا تھا چنانچہ جب آپ کا انتقال ہوا ہے تو ترکہ میں ایک لونڈی اور دو اونٹ چھوڑے تھے۔ یہ تھا اس بادشاہِ وقت کا سارا اثاثہ۔ اور اس کے لئے بھی وصیت یہ تھی کہ "اسے میرے بعد بیت المال میں داخل کر دینا"۔

انکساری کی انتہا:۔ جب مسلمانوں کا کوئی لشکر مدینہ سے روانہ ہوتا تھا تو حضرت ابوبکر کا یہ دستور تھا کہ تھوڑی دور تک سالارِ لشکر کے ہمرکاب ضرور پیدل چلتے تھے۔ چنانچہ جب شام کی فتح کے لئے اسامہ کی زیرِ سرکردگی لشکر روانہ ہوا تو اسامہ تو گھوڑے پر سوار تھے اور آپ پا پیادہ ساتھ ساتھ چلے جا رہے تھے۔ اسامہ نے عرض کی کہ حضور بھی گھوڑے پر سوار ہو جائیں یا مجھے اجازت دیجئے کہ میں اتر پڑوں۔ فرمایا "ایسا ہرگز نہ کرنا۔ اس سے مجھے رنج ہوگا۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ تمہارے ساتھ میں

بھی چند قدم چل کر جہاد کے ثواب میں شریک ہو جاؤں۔ اللہ اللہ کیا انکسار تھا۔

خلیفۂ وقت کے لئے پُرانا کفن:- حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اگرچہ مملکت اسلامیہ کے بادشاہ تھے۔ لیکن آپ کے مرنے کے بعد آپ کو پُرانے اور استعمال شدہ کپڑوں کا کفن آپ کی وصیت کے مطابق دیا گیا۔ آپ کی حالت جب زیادہ نازک ہوئی تو آپ نے حضرت عائشہ رضؓ کو وصیت کی "عائشہ دیکھو یہ میرے دو پُرانے کپڑے ہیں مجھے غسل دے کر ان دونوں پُرانے کپڑوں ہی میں کفنا دینا۔ کیونکہ مُردہ کی نسبت زندوں کو نئے کپڑوں کی زیادہ حاجت ہے۔ بس اگر اچھے اور نئے کپڑے میں کفنایا گیا تو کچھ بڑھ نہ جاؤں گا اور اگر پُرانے اور بوسیدہ کپڑوں میں کفنایا گیا تو گھٹ نہیں جاؤں گا۔ دُنیا کی تاریخ سے کیا ایسی سادگی کی مثال ایک بھی پیش کی جا سکتی ہے۔

ظالمانہ سزاؤں سے نفرت تھا:- حاکم یمامہ نے ایک عورت کے ہاتھ اس جرم میں کاٹ دئیے کیونکہ یہ عورت مسلمانوں کی ہجو میں گیت گایا کرتی تھی۔ حضرت ابوبکر رضؓ کو جب اس ظالمانہ سزا کا علم ہوا تو آپ نے حاکم یمامہ کو لکھا کہ تم کو ایک عورت کو ایسی ظالمانہ سزا نہیں دینی چاہئے تھی۔ اگر وہ مسلمان ہے تو صرف اسے نصیحت کر کے چھوڑ دینا چاہئے تھا، اور اگر وہ ذمیہ ہے تو اس کا یہ فعل شرک سے بدتر نہیں تھا۔ جب اُس کے شرک پر صبر کیا جا سکتا ہے۔ تو اس فعل پر بھی کرنا چاہئے تھا۔ ہاتھ پیر سوائے قصاص کے کاٹنا میں مکروہ سمجھتا ہوں"۔

زہد اور پرہیزگاری کی انتہا:- حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے ایک غلام نے آپ کی دست میں کھانے کی کوئی چیز پیش کی تو آپ نے اس کی دلداری کی غرض سے کھا لی لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ کہانت کہنے کے معاوضہ میں جو رقم اسے ملی تھی۔ اس سے اس نے یہ چیز خریدی تھی تو آپ نے حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دی کیونکہ اسلام میں کہانت کی کمائی ناجائز ہے۔ یہ تھا حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے زہد کا عالم۔

چوتھا باب

حضرت عمر فاروق رضؓ

کا عہدِ حکومت

۱۳ھ تا ۲۴ھ

۶۳۴ء تا ۶۴۵ء



حضرت عمر فاروق رضؓ کا عہدِ حکومت

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کی وفات کے بعد ۲۳ جمادی الثانی ۱۳ھ (۶۳۴ء) کو تمام صحابہ اور مسلمانوں نے بغیر کسی اختلاف کے حضرت عمر فاروق رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسولِ مقبول صلعم کے زمانۂ حیات ہی سے تمام صحابۂ کرام میں حضرت عمر فاروق رضؓ کو غیر معمولی عزت اور عظمت حاصل تھی سب ہی آپ کا احترام کرتے تھے۔ اور سب ہی آپ کے تقدس، تدبر اور ہوشمندی کے قائل تھے۔

حضرت ابو بکر رضؓ کی طرح حضرت عمر رضؓ بھی رسول اللہ صلعم کو نہایت ہی عزیز تھے۔ ابو خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ "جس شخص نے عمر سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ اور جس نے عمر سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی" بخاری اور صحیح مسلم کی ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے خود حضرت عمر رضؓ کی خلافت کے بارے میں بشارت فرمائی تھی۔ چنانچہ ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ایک مرتبہ اپنا ایک خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "میں نے اپنے آپ کو ایک ایسے کنویں پر دیکھا جس پر ایک ڈول پڑا تھا۔ میں نے کچھ ڈول پانی کے کھینچے میرے بعد ابو بکر رضؓ نے ڈول لے لیا۔ مگر ایک دو ڈول کھینچنے کے بعد وہ تھک گئے۔ پھر عمر آئے اور انھوں نے اس طرح ڈول پر ڈول کھینچنے شروع کئے کہ میں نے کسی جوانمرد کو بھی اس طرح کھینچتے ہوئے نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ ہر چہار طرف سے پیاسے آئے اور خوب سیراب ہوئے"۔ اس حدیث کے متعلق آئمہ کی رائے ہے کہ یہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے بعد حضرت عمر فاروق کی خلافت کے بارے میں رسول اللہ صلعم کا خلافت اشارہ ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم کی یہ حدیث بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ دُنیا نے دیکھ لیا کہ حضرت عمر فاروق رضؓ کے عہدِ حکومت میں مسلمانوں کو

بلند اندازہ فتوحات حاصل ہوئیں اور اسلام دُور دُور تک پھیل گیا۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں صحابۂ کرام کی کیسی پاکیزہ رائے تھی، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے رُوئے زمین پر حضرت عمرؓ سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے"۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ "جب تم صالحین کا ذکر کرو تو حضرت عمر کو کبھی نہ بھولنا"۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ "عمرؓ نہایت تیز فہم اور تیز خاطر تھے"۔ حضرت ابنِ عمر کا بیان ہے کہ "ہم نے رسول اللہ صلعم کے بعد کسی آدمی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ ذکی اور ذہین نہیں پایا"۔ یہ ہے حضرت عمرؓ کے بارے میں صحابہ کرام کے بلند و بالا خیالات۔

حضرت عمر فاروق کی ذاتِ مبارک فی الحقیقت اسلام اور حکومتِ اسلامیہ کے لئے ایک نعمت تھی، کیونکہ آپ کے دورِ حکومت میں نہ صرف اسلام کو خوب عروج حاصل ہوا بلکہ حکومت اسلامیہ ایک ایسی صفِ اوّل کی حکومت بن گئی جس نے کہ مختصر سی مدت میں ملک کے ملک فتح کر ڈالے۔ اور اپنی عظیم الشان فتوحات سے ساری دُنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔

حضرت عمر فاروقؓ کی ابتدائی زندگی

حضرت عمر فاروق رسولِ مقبول صلعم ہی کے خاندان کے ایک لائق فرد تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب آٹھویں پشت میں جا کر حضور اکرم کے سلسلۂ نسب سے مل جاتا ہے یعنی حضرت ابوبکرؓ کی طرح حضرت عمرؓ بھی رسول اللہ کے ہم جد ہیں۔ حضرت عمرؓ کی کنیت ابو حفص تھی اور فاروق کا خطاب آپ کو آنحضرت صلعم نے عطا فرمایا تھا۔ آپ ہجرت نبوی سے چالیس سال قبل پیدا ہوئے تھے۔

زمانۂ جاہلیت میں جب خاندانِ قریش کی کسی دوسرے قبیلہ سے لڑائی ہوتی تھی تو آپ کے بزرگوں کو ان قبائل کی جانب سفیر بنا کر بھیجا جاتا تھا یا جب کبھی تفاخرِ نسب کے اظہار کی ضرورت پیش آتی تھی تو اس کام کے لئے بھی آپ ہی کے بزرگ پیش پیش دکھائی دیتے تھے یعنی آپ کا گھرانا

ابتدا ہی سے بنی قریش میں نہایت معزز خیال کیا جاتا تھا چنانچہ جب حضرت عمر رضؓ جوان ہوئے تو آپنے بھی اپنی خاندانی روایات کے مطابق نسب دانی اور سپہ گری کی تعلیم حاصل کی۔ تمام بنی قریش میں صرف سترہ آدمی ایسے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان ہی میں سے ایک حضرت عمرؓ بھی تھے حضرت عمر رضؓ کے خاندان کا ذریعۂ معاش چونکہ تجارت تھا۔ اس لئے ہوش سنبھالنے کے بعد آپنے بھی تجارت کا پیشہ اختیار کیا اور اس پیشہ کے ذریعہ بے اندازہ دولت پیدا کی۔

حضرت عمر فاروق رضؓ کو پہلوانی کا بے حد شوق تھا۔ چنانچہ جو حیثیت کہ ایران میں پہلوانی کی وجہ سے رستم کو حاصل تھی وہی حیثیت سرزمینِ عرب میں حضرت عمر رضؓ کو حاصل تھی۔ سپہ گری اور شہ سواری میں بھی آپ اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ سرزمینِ عرب میں کسی کو جرأت نہیں تھی کہ شہ سواری یا سپہ گری میں آپ کا مقابلہ کر سکے۔ غرضکہ عرب کا بڑے سے بڑا بہادر بھی حضرت عمر رضؓ کے نام سے کانپتا تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ ابتدا میں رسول اللہ صلعم کے جانی دشمن تھے۔ جب آپ کو اطلاع ملی کہ آپ کی بہن اور بہنوئی نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ تو آپ اس ارادہ سے گھر سے نکلے کہ پہلے تو بہن اور بہنوئی کا خاتمہ کریں اور اس کے بعد نعوذ باللہ حضورِ اکرمؐ کا کام تمام کریں۔ مگر بہن کے ہاں پہنچنے کے بعد جب آپنے قرآنِ مجید کے معجز اثر کلام کو سنا تو آپ کا دل موم ہو گیا۔ اور آپنے رسولِ اکرم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ رسولِ مقبول صلعم کو آپ کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے سے بے اندازہ مسرت حاصل ہوئی۔

حضرت عمر فاروق رضؓ نے چالیس مردوں اور گیارہ عورتوں کے بعد اسلام قبول کیا تھا بعض مورخین کے نزدیک آپ انتالیس ۳۹ مردوں اور تئیس ۲۳ عورتوں کے بعد اسلام میں داخل ہوئے۔ آپ سابقین اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ کو رسولِ مقبول صلعم کے خسر ہونے کی بھی سعادت حاصل ہے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ سے قبل جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا وہ سب کے سب خوف کی وجہ سے اپنے مسلمان ہونے کو چھپاتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ

کی حالت ان لوگوں سے بالکل مختلف تھی۔ یہ جب مسلمان ہوئے تو خود دشمنانِ اسلام کے دروازوں پر جا جاکر انھیں بتاتے تھے کہ "میں نے بت پرستی چھوڑ کر دینِ اسلام قبول کر لیا ہے۔ کسی میں ہمت ہو تو میرے مقابلہ پر آجائے"۔ سب سے بڑے دشمنِ اسلام ابوجہل کے دروازہ پر جاکر جب آپ نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا تو اس نے خوف سے دروازہ بند کر لیا۔ اسی طرح دوسرے دشمنانِ اسلام کو بھی آپ کے مقابلہ پر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

حضرت عمر رض کے اسلام لانے سے قبل مسلمانوں میں یہ جرأت نہیں تھی کہ وہ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر سکیں۔ یا خانۂ کعبہ میں نماز پڑھ سکیں لیکن حضرت عمر جب مسلمان ہوئے تو انھوں نے مشرکین کو مار مار کر سیدھا کر دیا اور اس کے بعد مسلمان آزادانہ خانۂ کعبہ میں نماز پڑھنے لگے۔ پھر مشرکین کی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ وہ مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے روک سکتے حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر بڑے ہی دل گردے کے بزرگ تھے۔

مکہ سے مدینہ کے لئے جتنے بھی مہاجرین نے ہجرت کی وہ سب ہی مشرکین مکہ سے چھپ چھپ کر اور نہایت خاموشی کے ساتھ گئے۔ لیکن ایک حضرت عمر رض تھے کہ جب آپ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو ڈنکے کی چوٹ اعلان کر دیا اور ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے خانۂ کعبہ میں آئے سات مرتبہ طواف کیا۔ تنِ تنہا نماز ادا کی اور پھر ان سردارانِ قریش کو جو خانۂ کعبہ میں جمع تھے مخاطب کر کے کہا "میں ہجرت کر کے مدینہ جا رہا ہوں جو اپنی ماں کو بے فرزند اور اپنی بیوی کو بیوہ بنانا چاہے مجھے روکنے کے لئے مقابلہ پر آجائے"۔ حضرت عمر اگرچہ اس وقت بالکل تنہا تھے لیکن ان کی للکار کے جواب میں کسی کو بھی ان کے مقابلہ پر آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ حضرت عمر فاروق رض رسول اللہ صلعم سے پہلے ہی ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے تھے۔

مکہ سے ہجرت کر کے حضرت عمر رض جب مدینہ پہنچے تو وہاں بھی آپکی جرأت اور بے خوفی کا یہی عالم تھا آپ رسولِ مقبول صلعم پر ہر وقت اپنی جان نچھاور کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ رسول اللہ صلعم کے مدینہ پہنچنے کے بعد جب کفارِ مکہ نے مدینہ پر یورشوں کا سلسلہ شروع کیا تو ان یورشوں

سے مقابلہ کے لئے آپ سب سے زیادہ پیش پیش دکھائی دیتے تھے۔ بدر، اُحد، حُنین، خیبر اور تبوک کی لڑائیوں میں آپ بڑی بے جگری کے ساتھ لڑتے رہیں اور ان لڑائیوں میں یہ ثابت ہوگیا کہ آپ بہترین سپہ سالار رہیں۔ اسلامی لشکر جب رسول اللہ صلعم کی سرکردگی میں فاتحانہ حیثیت سے مکہ میں داخل ہوا تو آپ اس معرکہ میں بھی سب سے آگے تھے۔ غرضیکہ ہمت جرأت اور دلیری میں آپ کا کوئی مد مقابل نہیں تھا۔

حضرت عمر فاروق رضہ یوں تو پیدائشی طور پر ہی بے حد جری تھے لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد جب فطری جرأت کے ساتھ اسلامی خدمت کا جوش بھی شامل ہوگیا تو آپ کی اولالعزمی اور ہمت انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ چنانچہ آپ کی اس اولالعزمی کا یہ نتیجہ ہے کہ آپ کے مسند خلافت پر بیٹھتے کے ساتھ ہی نئے نئے ملک فتح ہونے لگے۔ اور سلطنت اسلامیہ صف اول کی حکومت بن گئی۔ آپ کے خلیفہ ہونے کے بعد لوگوں نے آپ کو خلیفہ رسول اللہ کے نام سے مُبارکباد دی۔ تو آپ نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ "اگر ہر خلیفہ کے وقت میں خطاب اسی طرح بڑھتا رہا تو یہ مضحکہ انگیز بن جائیگا۔" لیکن آگے چل کر مسلمان آپ کو امیرالمومنین کے نام سے پُکارنے لگے اور یہی آپ کا خطاب بن گیا۔

حضرت خالد بن ولید کی معزولی

خالد بن ولید کی غیر معمولی اور شاندار فتوحات کے اگرچہ مسلم عوام اور صحابہ بے حد مداح تھے لیکن حضرت عمر رضہ کبھی بھی ان کی فتوحات سے متاثر نہیں ہوئے وہ ان کو جلد باز اور فوجی سپاہیوں کو خطرہ میں ڈال دینے والا تصور کرتے تھے۔ اُن کی رائے تھی کہ اسلامی فوجوں کا سپہ سالار کسی ایسے شخص کو ہونا چاہیئے جس میں بلا کا تحمل اور بُردباری ہو۔ چنانچہ آپ نے مسند خلافت سنبھالتے کے ساتھ ہی خالد بن ولید کو سالارِ اعظم کے عہدہ سے ہٹا دیا۔ اور ان کی جگہ حضرت ابوعبیدہ جراح کو اسلامی فوجوں کا سالار اعظم مقرر کر دیا۔

خالد بن ولید کی معزولی کے سلسلہ میں بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضہ

چونکہ مالک بن نویرہ کی بیوہ سے خالد کے نکاح کرنے کی وجہ سے ناراض تھے۔ اور خالد کو فضول خرچ بھی سمجھتے تھے اس لئے مسندِ خلافت کے سنبھالتے کے ساتھ ہی انھوں نے خالد کو معزول کردیا۔ لیکن خالد بن ولید کی معزولی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں میں یہ غلط خیال پھیلتا چلا جارہا تھا کہ خالد بن ولید کے بغیر مسلمانوں کو کوئی فتح نہیں حاصل ہوسکتی۔ اس لئے آپ نے حضرت ابوعبیدہ اور دوسرے سپہ سالاروں کو آگے بڑھایا تاکہ مسلم عوام اور مخالفینِ اسلام دونوں کو یہ محسوس ہوجائے کہ مسلمانوں میں صرف خالد بن ولید ہی واحد سپہ سالار نہیں ہیں بلکہ دوسرے فوجی سردار بھی غیر معمولی فوجی قابلیت کے مالک ہیں۔ چنانچہ خالد بن ولید کی معزولی کے بعد بہت سے نئے نئے اسلامی سپہ سالار میدان میں آئے اور انھوں نے نہایت ہی عظیم الشان فتوحات انجام دیں۔ اور غالباً یہی حضرت عمر رض کا منشا بھی تھا۔

حضرت عمر رض کا وہ پروانہ جس میں کہ خالد کی معزولی اور ابوعبیدہ کے سالارِ لشکر کے عہدہ پر سرفراز کئے جانے کا حکم تھا۔ اور جس کے ذریعہ حضرت عمر رض کے خلیفہ ہوتے اور حضرت ابوبکر رض کے انتقال کی خبر دی گئی تھی۔ حضرت ابوعبیدہ کو اس وقت ملا تھا جبکہ خالد بن ولید لشکر میں موجود نہیں تھے۔ ابوعبیدہ نے یہ سوچا کہ جب نئے خلیفہ کو خالد کے بارے میں شام کی شاندار فتوحات کا علم ہوگا تو وہ اپنے فیصلہ پر نظرِ ثانی کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ لہٰذا انھوں نے اس پروانہ کا کسی سے ذکر تک نہیں کیا۔ اور وہ بدستور خالد بن ولید کے ماتحت کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

ایک دوروز کے بعد ہی جب حضرت عمر رض کو دمشق کی فتح کا علم ہوا تو آپ کو بے حد خوشی ہوئی لیکن یہ معلوم کرکے آپ بے حد کبیدہ خاطر ہوئے کہ دمشق کے عیسائیوں سے امان دینے کا معاہدہ کرنے کے باوجود خالد بن ولید نے تین دن کے بعد حملہ کرکے ان تمام عیسائی سرداروں کو لوٹ لیا ہے اور قتل کردیا ہے جو دمشق سے چلے گئے تھے۔ اس اطلاع پر آپ نے فرمایا کہ "یہ غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کی کھلی ہوئی بدعہدی ہے جس سے کہ مسلمان ہماری قوم پر ...

ہو جائیں گے"۔ چنانچہ اس واقعہ نے حضرت عمر رضؓ کی اس رائے کو اور بھی پختہ کر دیا کہ خالد بن ولید سپہ سالاری کی اہم ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے قابل نہیں ہیں۔

دمشق کی فتح اور خالد بن ولید کی لغزش کی اس اطلاع کے ساتھ ہی جب حضرت عمرؓ کو یہ بتایا گیا کہ اُن کے سابقہ حکم کے باوجود خالد بن ولید بدستور اسلامی لشکر کے سپہ سالار ہیں۔ تو آپ نے سمجھ لیا کہ ابو عبیدہ نے مروت سے کام لیتے ہوئے ان کے خط کو ظاہر نہیں کیا ہے۔ لہٰذا آپ نے اپنے ایک ذاتی نمائندہ کے ہاتھ ایک دوسرا پروانہ روانہ کیا۔ اس نمائندہ نے حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق مسلمانانِ لشکر کو جمع کر کے خالد بن ولید کی معزولی اور حضرت ابو عبیدہؓ کے سپہ سالار بنائے جانے کے حکم کو پڑھ کر سنا دیا۔

اسلامی لشکر کو حضرت خالد بن ولید کی معزولی کے غیر متوقع حکم سے بڑا ہی تعجب ہوا عام خیال یہ تھا کہ اس حکم پر خالد بن ولید بُری طرح برہم ہوں گے لیکن خالد بن ولید نے اس نازک موقع پر اپنے صبر، ضبط اور تحمل سے یہ ثابت کر دیا کہ واقعی ان کی شخصیت بے حد بلند ہے۔ ان کی تیوری پر بَل تک نہ آیا۔ انھوں نے بخوشی سپہ سالاری کا عہدہ حضرت ابو عبیدہؓ کے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ "میں جانتا ہوں کہ حضرت عمر رضؓ مجھے پسند نہیں کرتے لیکن پھر بھی چونکہ وہ مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہو گئے ہیں اس لئے میں اسلام کی خاطر ان کی اطاعت کرنا اپنا فرض سمجھوں گا۔ اور اب پہلے سے بھی زیادہ جوش کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ کی ماتحتی میں خدمات انجام دوں گا"۔ چنانچہ اس کے بعد واقعی حضرت خالد بن ولید اسلامی فتوحات کے سلسلہ میں پہلے سے بھی زیادہ مستعد دکھائی دینے لگے۔ اللہ اللہ کیا جوشِ اسلامی تھا کہ نہ عہد کی پرواہ تھی اور نہ عزت کا خیال۔ فقط اسلام کی پُرخلوص خدمت سے کام تھا۔

شام اور ایران کے خلاف جنگی تیاریاں

حضرت عمر فاروق رضؓ کی خواہش یہ تھی کہ وہ ایک طرف تو شام میں جنگی سرگرمیوں کو تیز کر دیں اور دوسری طرف ایران پر بھی پُوری طاقت سے حملہ کر دیا جائے۔

کیونکہ شام اور ایران دونوں ہی علاقوں کی جانب سے مملکتِ اسلامیہ کو ہر وقت خطرہ رہتا تھا۔ اسی لئے آپ کے مسندِ خلافت پر بیٹھتے کے ساتھ ہی جہاں شام کے فوجی ہائی کمانڈ میں تبدیلی کرکے شام کے لئے تازہ دَم فوجیں روانہ کرنی شروع کر دی تھیں۔ وہاں آپ ایران کے خلاف بھی نہایت وسیع پیمانہ پر جنگی تیاریوں میں مصروف تھے۔ چنانچہ آپ نے مثنیٰ بن حارثہ کی امداد کے لئے ابو عبیدہ ثقفی کو ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ روانہ کر دیا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آگے چل کر ایک جانب تو شام میں سپہ سالارانِ اسلام ابو عبیدہ۔ خالد بن ولید۔ ضرار اور رفیع نے زبردست فتوحات حاصل کیں۔ اور دوسری جانب ابو عبیدہ ثقفی سعد بن ابی وقاص اور دوسرے سپہ سالارانِ اسلام نے حکومتِ ایران کی بُنیادوں کو ہلا ڈالا۔ اس موقعہ پر اس تاریخ کے ناظرین کو یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ شام اور ایران کی فتوحات تقریباً ایک ہی وقت اور زمانہ میں مسلمانوں کو حاصل ہو رہی تھیں لیکن ہم اس تاریخ میں پہلے شام کی فتوحات پر روشنی ڈالیں گے اور اس کے بعد ایران کی فتوحات پر تبصرہ کریں گے۔

شام میں یمن کے عیسائیوں کی آبادکاری

یمن کے عیسائیوں اور یہودیوں نے رسول اللہ صلعم کے زمانہ ہی سے یمن کو غیر ملکی سازشوں اور فتنوں کا سب سے بڑا مرکز بنا رکھا تھا۔ ان کا قاعدہ یہ تھا کہ یہ قیصرِ رُوم سے سازشیں کرکے حکومتِ اسلامیہ کے لئے نئی نئی دشواریاں اور اُلجھنیں پیدا کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ یہودیوں اور عیسائیوں کی اس ابن الوقتی سے تنگ آکر رسول اللہ صلعم یہ چاہتے تھے کہ عرب کی سرزمین کسی نہ کسی طرح ان فتنہ پردازوں سے پاک ہو جائے لیکن نہ تو حضورؐ کو ان کی تادیب کا موقع مل سکا اور نہ حضرت ابو بکر صدیق ہی اپنے عہدِ حکومت میں اس فتنہ کو دُور کر سکے۔ لہذا حضرت عمر رضؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد ۱۳ھ (۶۳۴ء) میں یعلی بن اُمیہ کو یمن کی طرف روانہ کیا اور وہاں کے یہودیوں اور عیسائیوں کو حکم دیا کہ وہ یمن سے تبدیلِ وطن کرکے ملکِ شام کے ان علاقوں میں جاکر آباد ہو جائیں جو حکومتِ اسلامیہ کے

زیر تسلط آچکے ہیں۔ اور یمن سے کہیں زیادہ زرخیز ہیں۔ نیز آپنے ان کو یہ بھی اطمینان دلایا کہ خلافتِ اسلامیہ ان کو کسی قسم کا جانی یا مالی نقصان نہیں پہنچانا چاہتی بلکہ اس بات کے لئے بخوشی آمادہ ہے کہ ان کو یمن سے زیادہ وسیع اور زرخیز زمینیں تبادلہ میں دیدی جائیں اور ان کی آباد کاری کا بھی پوری طرح انتظام کر دیا جائے۔

حضرت عمر رضؓ نے یمن کے غیر مسلموں کو یہ حکم دینے کے ساتھ ہی شام کے مسلم حکام کو ہدایت روانہ کر دی کہ جو عیسائی اور یہودی یمن سے شام میں آرہے ہیں ان کو آباد کاری کے سلسلہ میں ہر قسم کی سہولتیں اور آسانیاں بہم پہنچائی جائیں۔ چنانچہ ان کو بہترین زمینیں دی گئیں۔ اور ان کی آباد کاری کا خلافتِ اسلامیہ کی جانب سے ایسا معقول انتظام کیا گیا کہ کسی ایک عیسائی یا یہودی کو بھی تبدیلِ وطن کرنے میں ذرا سی بھی پریشانی نہیں اُٹھانی پڑی مختصر یہ کہ یمن کے تمام یہودی اور عیسائی علاقہ شام میں جاکر آباد ہوگئے۔ اور سرزمین عرب اس طرح غیر ملکی فتنہ سے پاک ہوگئی۔

ملکِ شام میں نئے سرے سے فتوحات

حضرت ابوبکر رضؓ کے انتقال کے وقت چونکہ ملکِ شام کی فتح نامکمل رہ گئی تھی۔ اور ابھی شام کا بیشتر حصہ فتح کرنے کے لئے باقی تھا۔ اس لئے حضرت عمر رضؓ نے اسلامی سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ کو ہدایت روانہ کی کہ وہ شام کے ان علاقوں کو فتح کرنے کی پوری کوشش کریں جو باقی رہ گئے ہیں۔ اس حکم کے ملتے ہی حضرت ابوعبیدہ نے شام کے پورے ملک کو فتح کرنے کی تیاریاں نہایت ہی وسیع پیمانہ پر شروع کر دیں۔

حضرت عمر فاروق رضؓ کے عہدِ حکومت میں شام میں مسلمانوں کو جو سب سے پہلی فتح حاصل ہوئی وہ آبیلا کی فتح ہے۔ یہ مقام طرابلس کے قریب تھا۔ یہاں آبیلا کے نام سے ایک سالانہ میلہ ہوتا تھا۔ چنانچہ اس میلہ کی نسبت سے اس جگہ کا نام آبیلا پڑ گیا تھا۔

آبیلا کی فتح کی تفصیل یہ ہے کہ ایک عیسائی جاسوس نے اسلامی لشکر میں آکر خبر دی کہ

ابیلا میں ہزاروں عیسائی جمع ہیں۔ اس اطلاع کے پاتے ہی عبد اللہ بن جعفر طیار اس مجمع کو سر کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور صرف پانچ سو سوار لیکر چل دئے۔

عبد اللہ بن جعفر جب اس مقام کے قریب پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ پانچ ہزار کے قریب عیسائی جمع ہیں جو سب کے سب ہتھیار بند ہیں۔ عبد اللہ بن جعفر دشمن کی کثرت کی پروا کئے بغیر عیسائیوں پر ٹوٹ پڑے۔ عیسائی گھبرا گئے۔ عیسائیوں میں بھگدڑ سی مچ گئی۔ عورتیں اور بچے چیخنے اور چلانے لگے لیکن عیسائیوں نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے تو ان کی ڈھارس بندھی اور انھوں نے پوری طاقت سے مجتمع ہو کر اسلامی لشکر پر حملہ کر کے اسلامی لشکر کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

اسلامی کیمپ میں جب یہ اطلاع پہنچی کہ پانچ ہزار عیسائیوں نے اسلامی لشکر کو اس طرح گھیر رکھا ہے کہ ان کے بچ کر نکلنے کی کوئی امید نہیں ہے تو حضرت خالد بن ولید ایک تازہ دم لشکر لیکر اپنا سیاہ عقاب کا جھنڈا اڑاتے ہوئے فوراً مسلمانوں کی مدد کو پہنچ گئے۔ ان کے پہنچنے کے بعد عیسائیوں اور مسلمانوں میں گھمسان کی لڑائی چھڑ گئی۔ بڑی جدوجہد کے بعد عیسائیوں کو شکست ہوگئی۔ یہ واقعہ سنہ ۱۴ھ میں پیش آیا تھا۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کے ہاتھ بے اندازہ مال غنیمت لگا۔ مال غنیمت میں حاکم ابیلا کی حسین جمیل لڑکی بھی تھی جس نے کہ مسلمان ہونے کے بعد عبد اللہ بن جعفر طیار سے نکاح کر لیا تھا۔

شہر بعلبک کی فتح

ابیلا کی فتح کے بعد حضرت ابوعبیدہ نے دمشق کی حفاظت کے لئے تو صرف پانچ ہزار سوار چھوڑ دئے۔ اور باقی تمام لشکر لیکر حمص، بعلبک اور شام کے دوسرے اہم علاقوں کی فتح کی جانب متوجہ ہوئے۔ اس معرکہ میں حضرت خالد بن ولید، ضرار اور رافع جیسے نامور سپہ سالار بھی حضرت ابو عبیدہ کے ہمراہ تھے۔

حمص کے راستہ میں شام کا ایک چھوٹا سا شہر جابیہ تھا۔ جب اسلامی لشکر اس شہر

کے پاس پہنچا تو جابیشہ کے رومی حاکم نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن اس نے یہ سمجھتے ہوئے کہ مسلمانوں پر فتح پانی ناممکن ہے چار سو اشرفیاں اور پچاس ریشمیں عبا دیکر ایک سال کے لئے مہلت طلب کر لی اور وعدہ کیا کہ ایک سال کے بعد ہم اطاعت قبول کر لیں گے۔

جابیشہ کے معرکہ کے بعد اسلامی لشکر نے آگے بڑھ کر حمص کا محاصرہ کر لیا حمص ایک بہت بڑا شہر تھا جس کو کہ اس علاقہ کا دارالسلطنت سمجھنا چاہیئے۔ اسلامی لشکر جس روز حمص کے سامنے خیمہ زن ہوا اتفاق سے اسی روز اس شہر کا رومی حاکم فوت ہو گیا شہر کے باشندوں نے جب دیکھا کہ ان کا حاکم مر چکا ہے۔ اور شہر میں خورد و نوش کا سامان بالکل نہیں ہے تو حمص والوں نے بھی دس ہزار اشرفی اور دو سو کپڑے کے تھان دیکر ایک سال کیلئے مسلمانوں سے صلح کر لی اور وعدہ کیا کہ ایک سال کے بعد اطاعت قبول کر لیں گے۔

جابیشہ اور حمص کے بعد اسی طرح بغیر لڑے الحضر کنا سرن۔ اور شام کے دوسرے شہروں نے بھی اطاعت قبول کر لی مسلمانوں کے رعب اور دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ اسلامی لشکر شام کے جس علاقہ میں بھی داخل ہوتا تھا وہاں کے باشندے بغیر لڑے ہتھیار ڈال دیتے تھے۔ حضرت ابوعبیدہ کے لشکر کے علاوہ دوسری اسلامی فوجیں بھی چھوٹے چھوٹے دستوں میں منقسم ہو کر گردونواح کے قصبات اور دیہاتوں کی فتح میں بڑی مستعدی سے ساتھ مصروف تھیں چنانچہ عیسائی قیدیوں کے غول کے غول مفصلات سے گرفتار کر کے حضرت ابوعبیدہ کی خدمت میں پیش کیے جاتے تھے۔

حضرت ابوعبیدہ ان جنگی قیدیوں کے ساتھ نہایت ہی نرمی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ان میں سے جو اسلام قبول کر لیتے تھے ان کو بغیر کسی شرط کے آزاد کر دیا جاتا تھا اور جو اپنے قدیمی مذہب پر قائم رہنا چاہتے تھے ان سے جزیہ وصول کر کے رہا کر دیا جاتا تھا حضرت ابوعبیدہ کے اس نرم رویہ کی وجہ سے شام میں اسلام کو خوب ترقی ہوئی۔ چنانچہ عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد نے تو مسلمانوں کی غیر معمولی رواداری سے متاثر

ہوکر خود ہی اسلام قبول کرلیا جو باقی رہ گئے وہ جزیہ کی شرط قبول کرنے کے بعد حکومتِ اسلامیہ کی پناہ میں آگئے۔

اسلامی لشکر درمیانی علاقوں کو زیر کرتا ہوا بعلبک جا پہنچا۔ بعلبک اُس زمانہ میں شام کا بہت بڑا شہر تھا۔ جو ایک مضبوط قلعہ کی طرح چاروں طرف سے فولادی فصیلوں سے گھرا ہوا تھا۔ مسلمانوں نے اپنے فیاضانہ رویّہ سے مفتوحین کے دلوں میں جو جگہ پیدا کرلی تھی اس کی بنا پر اس شہر کے باشندے بھی یہی چاہتے تھے کہ مسلمانوں سے لڑے بغیر صلح کرلی جائے۔ مگر شہر کا حاکم "ہربس" جو مسلمانوں سے بڑی طرح عناد رکھتا تھا صلح کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ آخر بعلبک کے لئے عیسائیوں اور مسلمانوں میں خونریز جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو چونکہ سنگ باری کی وجہ سے سخت جانی نقصان پہنچ رہا تھا۔ اس لئے حضرت ابوعبیدہ قلعہ کی فصیلوں کے قریب سے اپنی فوجیں ہٹانے پر مجبور ہوگئے۔ اسلامی فوجوں کا ہٹنا تھا کہ رومی عیسائیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور انھوں نے قلعہ سے باہر آکر ایسے زور کے ساتھ حملہ کیا کہ مسلمانوں کی شکست بالکل صاف دکھائی دینے لگی۔

حضرت ابوعبیدہ اور حضرت خالد بن ولید نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کو عنقریب شکست ہونے والی ہے تو انھوں نے دورانِ جنگ ہی میں اپنے منتشر سپاہیوں کو جمع کرکے اللہ اکبر کے نعروں کے ساتھ کچھ اس طرح پلیٹ کر حملہ کیا کہ اچانک جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ یا تو حالت یہ تھی کہ عیسائی مسلمانوں پر غالب آتے چلے جارہے تھے یا اب کیفیت یہ ہوگئی کہ عیسائی لشکر کے پاؤں بالکل اُکھڑ گئے اور عیسائی حاکم "ہربس" بھاگ کر ایک معبد میں پناہ لینے پر مجبور ہوگیا۔ جب مسلمانوں نے اس معبد کو بھی گھیر لیا تو "ہربس" نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کردیا اور بعلبک کے باشندے جو پہلے ہی صلح کے خواہشمند تھے انھوں نے فوراً اطاعت قبول کرلی۔ ہزارہا اشرفیاں اور ہتھیار مسلمانوں کی خدمت میں ان لوگوں نے پیش کئے اور جزیہ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ غرضکہ ۱۵ھ (۶۳۶ء) میں بعلبک پر

مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا بعلبک جمص کے بعد شام کا دوسرا بڑا شہر تھا۔

شہر اردو حمص کی تسخیر

اس سے قبل ہم بتا چکے ہیں کہ حمص والوں نے ایک سال کے لئے مسلمانوں سے صلح کا معاہدہ کر لیا تھا۔ اور یہ وعدہ کیا تھا ایک سال کے بعد وہ مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لیں گے لیکن ایک سال کے بعد جب حضرت ابوعبیدہ اپنا لشکر لیکر حمص پہنچے تو انھوں نے نہ صرف اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا بلکہ وہ لڑنے مرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اصل بات یہ ہے کہ انھوں نے ایک سال کی مہلت اطاعت کے لئے نہیں لی تھی بلکہ وہ موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی طاقت کو بڑھانا چاہتے تھے چنانچہ انھوں نے ایک سال کے اندر ایک طرف تو اپنی فوجی طاقت کو خوب بڑھالیا۔ دوسری جانب انھوں نے شہر میں بے اندازہ غلہ جمع کر لیا۔ تاکہ مسلمان اگر حمص کا محاصرہ کر لیں تو خوراک کی دقت پیش نہ آئے۔

حضرت ابوعبیدہ بڑے ہی نبض شناس اور ہوشیار سپہ سالار تھے۔ انھوں نے جنگی چال چلنے کی غرض سے اسلامی لشکر کو ہدایت کر دی کہ وہ حمص والوں کا مضبوطی کے ساتھ مقابلہ نہ کریں بلکہ جنگ میں یہ دکھائیں کہ وہ کمزور پڑ رہے ہیں۔ چنانچہ حمص والوں کو اپنی طاقت کے بارے میں مغالطہ ہو گیا۔ اور ان کو یہ یقین ہو گیا کہ مسلمان ان پر غالب نہیں آ سکتے۔

حمص کے عیسائیوں کو اس طرح مغالطہ میں ڈال لینے کے بعد حضرت ابوعبیدہ نے حمص والوں کو ایک قاصد کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ ہم چاہتے ہیں کہ محاصرہ اٹھا کر آگے بڑھ جائیں لیکن ہماری شرط یہ ہے کہ ہم کو غلہ کافی مقدار میں دیا جائے خواہ یہ غلہ قیمتاً ہی کیوں نہ دیا جائے۔ حمص کے حکام اور باشندے جو پہلے ہی مغالطہ میں مبتلا ہو چکے تھے انھوں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ اب مسلمان ہمارا کیا بنا سکتے ہیں۔ غلہ کی فروخت کے لئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ نے کافی مقدار میں غلہ اس طرح شہر سے نکال لیا اور اپنے لشکر کو لیکر

آگے روانہ ہو گئے۔

حمص۔ سے روانہ ہو کر اسلامی لشکر ارستا کے مضبوط قلعہ کے قریب خیمہ زن ہو گیا لیکن ارستا کی رومی فوج نے جب قلعہ سے نکل کر اسلامی لشکر پر حملہ کیا تو اسلامی لشکر غروب آفتاب کے وقت تک تو لڑتا رہا۔ لیکن غروب آفتاب کے بعد۔ بیس پچیس سامان سے بھرے ہوئے صندوق چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اسلامی لشکر کے فرار ہونے کے بعد رومی سپاہی ان صندوقوں اور دوسرے سامان کو اٹھا کر قلعہ کے اندر لے گئے۔ اور قلعہ کا دروازہ بند کر لیا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی اسلامی لشکر کی جنگی چال تھی ان صندوقوں میں مسلح سپاہی چھپے ہوئے تھے جن میں ضرار، عبداللہ بن جعفر اور عبدالرحمن بن ابی بکر جیسے سرفروش تھے۔ یہ سرفروش موقع پاتے ہی صندوقوں سے نکل آئے۔ اور انھوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر قلعہ کے دروازے کھول دئے۔ اسلامی لشکر جو پہلے ہی سے منتظر تھا۔ دروازہ کھلتے کے ساتھ ہی پوری طاقت کے ساتھ قلعہ میں گھس گیا۔ اور اس طرح ارستا کے مضبوط ترین قلعہ پر کسی بڑی لڑائی کے بغیر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس معرکہ سے فارغ ہونے کے بعد اسلامی لشکر نے شہزار پر حملہ کر دیا۔ شہزار والوں نے برائے نام مقابلہ کے بعد اطاعت قبول کر لی۔

مسلمانوں کے دوسری طرف مصروف ہونے کے بعد حمص والے مسلمانوں سے قطعی بے فکر ہو گئے تھے۔ غلہ تو مسلمانوں نے پہلے ہی نکلوا لیا تھا۔ اب مطمئن ہونے کے بعد انھوں نے اپنی فوجی طاقت بھی کم کر دی۔ ان کو اس بات کا تصور تک نہ تھا کہ مسلمان دوبارہ بھی حمص کی جانب رُخ کر سکتے ہیں لیکن اسلامی لشکر جب ارستا اور شہزار کی فتح کے بعد حمص کی جانب پلٹ پڑا۔ اور اچانک حمص کا محاصرہ کر لیا۔ تو حمص والے گھبرا گئے۔ کیونکہ ان کے پاس نہ تو کافی غلہ تھا اور نہ سپاہی۔ اب ان کو اپنی حماقت اور غلطی کا احساس ہوا اور اس بات کا پتہ چلا حمص سے جنگ کئے بغیر صرف غلہ لیکر مسلمانوں کے چلے جانے میں کتنی گہری چال پوشیدہ تھی۔ لیکن پھر بھی حمص والوں نے بڑی بہادری

کے ساتھ مقابلہ کیا۔ آخر بڑی خونریزی کے بعد حمص والوں نے ۱۶ھ مطابق ۶۳۷ء میں مسلمانوں کی اطاعت قبول کرلی۔

شہر حمص پر ابھی مسلمانوں کا قبضہ بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ اچانک اُن کو اطلاع ملی کہ رومی عیسائیوں کا ایک بہت بڑا لشکر مسلمانوں سے مقابلہ کے لیئے آرہا ہے۔ اس لشکر کی آمد کا حال سُن کر یہ طے پایا کہ حمص کو تو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور اسلامی لشکر کا ایک ایک سپاہی آگے بڑھ کر راستہ ہی میں رومی لشکر سے مقابلہ کرکے اسے منتشر کرنے کی کوشش کرے۔ لہٰذا حمص کو چھوڑ کر اسلامی لشکر رومی لشکر کے مقابلہ کے لئے فوراً روانہ ہوگیا اور حمص بدستور عیسائیوں کے قبضہ میں رہا۔

عیسائیوں کے تین لاکھ کے لشکرِ عظیم سے مقابلہ

ہرقل قیصرِ رُوم نے اس مرتبہ مسلمانوں کو کچلنے کے لیئے جو عظیم الشان لشکر بھیجا تھا اس کی تعداد تقریباً تین لاکھ تھی اصل بات یہ ہے کہ قیصرِ رُوم کو مسلمانوں کی پے در پے فتوحات نے سراسیمہ کر دیا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ اگر مسلمانوں کی فتوحات اسی رفتار سے جاری رہیں تو وہ وقت دُور نہیں ہے جب مسلمان پوری رومن امپائر پر قابض ہوجائیں گے لہٰذا اس نے یورپ و ایشیا کے مختلف ممالک سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیئے ایک بہت بڑی فوج فراہم کرکے مشہور رومی سپہ سالار مینول کی سرکردگی میں روانہ کردی۔

ہرقل کے اس نئے لشکر کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس لشکر میں بادشاہ جبلہ غسانی جو اسلام قبول کرنیکے بعد مُرتد ہوگیا تھا مع اپنے ساٹھ ہزار عرب سپاہیوں کے شامل تھا جبلہ غسانی کے اسلام سے منحرف ہونے کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان ہونے کے بعد حج کے موقعہ پر جب وہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا تو کسی دیہاتی عرب کے پاؤں کے نیچے اس کے احرام کا کپڑا دبکر پھٹ گیا۔ اس پر جبلہ کو غصہ آگیا اور اس نے اس بُری طرح عرب دیہاتی

کو زدوکوب کیا کہ اس کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ عرب دیہاتی نے حضرت عمرؓ سے اس ظلم کی شکایت کی تو حضرت عمر رضؓ نے جبلہ کو بلا کر سختی کے ساتھ جواب طلب کیا۔ جبلہ نے کہا کہ "جو کچھ ہم نے کیا ٹھیک کیا یہ اسی قابل ہے"۔ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ "تم کو سزا دی جائیگی کیونکہ اسلام میں آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت کا حکم ہے"۔ جبلہ نے غرور کے ساتھ جواب دیا کہ "ہم بادشاہ ہیں اور یہ شخص دیہاتی ہے"۔ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ "اللہ کی نظر میں تم دونوں برابر ہو۔ اس کے ہاں چھوٹا بڑا کوئی نہیں ہے۔ اسلام اجازت نہیں دیتا کہ کوئی بادشاہ اس طرح غریبوں پر ظلم کرے لہٰذا کل تم کو عام مجرموں کی طرح سزا دیجائیگی"۔ یہ سنکر غستانی راتوں رات حضرت عمر رضؓ کے خوف سے بھاگ گیا۔ اور اس نے اسلام ترک کر کے دوبارہ دینِ مسیحی اختیار کر لیا۔ اس واقعہ کے بعد چونکہ قدرتی طور پر اسے مسلمانوں سے عناد ہو گیا تھا اس لئے وہ مملکت اسلامیہ کے سب سے بڑے دشمن قیصر روم سے جا ملا۔ قیصر روم نے مینول کی سرکردگی میں تین لاکھ کا لشکرِ عظیم جب شام میں مسلمانوں کو کچلنے کے لئے روانہ کیا تو اس لشکر میں جبلہ غستانی اور اسکی ساٹھ ہزار فوج بھی شامل ہو گئی تاکہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر وہ مسلمانوں سے جی کھول کر انتقام لے سکے۔

اسلامی فوج عیسائیوں کے اس لشکرِ عظیم کا مقابلہ کرنے کے لئے شام میں یرموک کے ایک چشمہ کے قریب خیمہ زن تھی۔ رومی سردار مینول کو جب پتہ چلا کہ مسلمانوں کی فوج یرموک میں پڑی ہے۔ تو اس نے جبلہ غستانی کو مع اس کے ساٹھ ہزار عرب سپاہیوں کے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اور میدان صاف کرنے کی غرض سے پہلے ہی سے روانہ کر دیا۔ غرضکہ غستانی کی فوج اسلامی فوج کے مقابلہ میں صف آرا ہو گئی۔ مسلمانوں کی تعداد کیونکہ بہت کم تھی اس لئے حضرت ابو عبیدہ کی یہ رائے ہوئی کہ مدینہ سے کمک آنے تک جنگ نہ شروع کی جائے مگر خالد بن ولید نہ مانے انھوں نے کہا کہ ان شیطانوں کا لشکر خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ یہ ہرگز اللہ کے لشکر پر غالب نہیں آسکتے۔ اور یہ کہہ کر حضرت خالد بن ولید نے

مختصر سی فوج لیکر غسانی کے لشکرِ عظیم پر حملہ کر دیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان بڑی بہادری کے ساتھ لڑے لیکن اس جنگ میں دشمنوں کے ہاتھوں ضرار۔ رفیع اور یزید جیسے لائق سرداروں کے گرفتار ہو جانے سے اسلامی لشکر کو سخت نقصان پہنچا۔

حضرت عمر فاروق رض نے اسی دوران میں سعید ابن عمر کی سرکردگی میں ایک تازہ دم لشکر مسلمانوں کی مدد کے لئے مدینہ سے روانہ کر دیا تھا۔ اتفاق سے اس اسلامی لشکر کی مڈبھیڑ راستہ ہی میں ایک ایسی رومی فوج سے ہوگئی جس کی تعداد پانچ ہزار تھی۔ رومی فوج مسلمانوں کے مقابلہ پر نہ ٹھہر سکی۔ اور اسے شکست ہوگئی۔ اسی طرح حضرت زبیر کی سرکردگی میں ایک دوسری اسلامی فوج سے جب رومیوں کی فوج کا مقابلہ ہوا تو اسے بھی بری طرح شکست اٹھانی پڑی۔

صلح کی گفتگو کی ناکامی کے بعد خوفناک جنگ

عیسائیوں اور مسلمانوں کی یرموک کے میدان میں اگرچہ ابھی تک کوئی فیصلہ کن جنگ نہیں ہوئی تھی۔ لیکن رومیوں کو دو تین مورچوں پر جو شکستیں ہو چکی تھیں۔ کچھ تو ان کی وجہ سے اور کچھ قیصرِ روم کی تحریک کی بنا پر میئول نے صلح کی گفتگو شروع کر دی اور اسلامی سپہ سالار کو پیغام بھیجا کہ ہماری خواہش یہ ہے کہ جنگ شروع کرنے سے قبل صلح کے پہلوؤں پر بھی غور کر لیا جائے تاکہ اگر صلح ہو سکے تو ملک خونریزی سے بچ جائے۔

حضرت ابوعبیدہ اور خالد بن ولید اگرچہ دونوں ہی صلح کے مخالف تھے لیکن خالد بن ولید محض اس لئے صلح کی گفتگو کے لئے آمادہ ہو گئے کیونکہ ضرار۔ رفیع اور یزید عیسائیوں کی قید میں تھے۔ انھوں نے سوچا کہ اگر اس گفتگو کے ذریعے ان سرداروں کی رہائی کی کوئی صورت نکل آئے تو اس سے کیوں نہ فائدہ اٹھایا جائے۔

دوسرے روز حضرت خالد بن ولید ایک سو منتخب سپاہیوں کو ساتھ لیکر رومی سپہ سالار میئول کے خیمہ میں صلح کی گفتگو کے لئے پہنچ گئے۔ اور صلح کی گفتگو ہونے لگی لیکن رفتہ رفتہ اس

گفتگو میں گرمی بڑھتی ہی گئی۔ اس گرمیٔ گفتار میں کہیں مینول کی زبان سے یہ نکل گیا کہ "اسلام لٹیروں کا مذہب ہے"۔ اسلام کی یہ اہانت بھلا خالد بن ولید کہاں برداشت کر سکتے تھے۔ یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ وہ دشمن کے لشکر میں گھرے ہوئے ہیں۔ آپے سے باہر ہو گئے۔ اور انھوں نے انتہائی جوش کے ساتھ کھڑے ہو کر مینول سے کہا کہ "اسلام کے ساتھ اس گستاخی کی سزا تمہیں بھگتنی ہوگی وہ دن دور نہیں ہے کہ ہم تمہارے گلے میں پٹہ ڈال کر حضرت عمر رض کے سامنے کھینچتے ہوئے لیکر جائیں گے اور تمہارا سر قلم کریں گے"۔

مینول بھی غصہ میں آگ بگولا ہو گیا اور اس نے کہا کہ تمہاری اس گستاخی کی سزا یہ ہے کہ میں ابھی تمہارے دوست قیدیوں کو اسی جگہ بلا کر تمہارے سامنے قتل کئے دیتا ہوں"۔ خالد نے تلوار نکالتے ہوئے جواب دیا کہ "اللہ اور اس کے رسول کی قسم ہے کہ اس دھمکی کے بعد ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں جائیں گے جبتک کہ یا تو خود نہ مرجائیں یا اپنے ساتھیوں کو چھڑا کر نہ لے جائیں"۔ خالد کے ساتھ ہی کیونکہ ان کے ایک سو ہمراہیوں نے بھی تلواریں نکال لی تھیں۔ اس لئے مینول کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں اسی خیمہ سے جنگ نہ چھڑ جائے اور سب سے پہلے اسی پر ہاتھ صاف نہ کیا جائے۔ مسلمانوں کی اس غیر معمولی بہادری سے وہ کچھ ایسا خوفزدہ ہوا کہ اس نے اسی وقت ضرار۔ رفیع۔ یزید اور دوسرے مسلمان قیدیوں کو رہا کر کے خالد کے حوالہ کر دیا اور فوراً گفتگو میں نرمی اختیار کر کے مسلمانوں کو ٹھنڈا کیا۔ صلح کی گفتگو پھر نئے سرے سے شروع ہو گئی لیکن خالد صلح کی گفتگو کی غرض سے نہیں آئے تھے۔ بلکہ ان کا منشا اپنے ساتھیوں کو رہا کرانا تھا جب ان کا یہ منشا پورا ہو گیا تو وہ صلح کی تمام شرطوں کو ٹھکرا کر اور ضرار۔ رفیع۔ یزید اور دوسرے مسلمان قیدیوں کو ساتھ لیکر اسلامی کیمپ میں واپس چلے گئے۔ صرف اس ایک واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کے جوشِ ایمانی کا یہ عالم تھا کہ وہ دندانہ دشمنوں کے نرغہ میں گھس جاتے تھے۔

خالد بن ولید کے دشمن کے کیمپ سے واپس آتے کے ساتھ ہی اسلامی فوجیں رومیوں

کے لشکر پر حملہ کرنے کے لئے صف آرا ہونے لگیں حضرت ابو عبیدہ نے اپنی جانب سے اسلامی فوج کی سپہ سالاری خالد بن ولید کے سپرد کر دی۔ اس جنگ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس جنگ میں مسلمان عورتوں نے مردوں کے دوش بدوش جنگ میں حصہ لیا تھا۔ ضرار کی بہن خائلہ عورتوں کی فوج کی سپہ سالار تھیں۔ عورتوں کی فوج کا ایک دستہ اسلامی لشکر کے پیچھے متعین کر دیا گیا تھا تاکہ اگر مسلمان میدانِ جنگ سے بھاگیں تو مسلمان عورتیں پہلے تو ان کو غیرت دلائیں اور جب بھاگنے والوں پر غیرت دلانے کا کوئی اثر نہ ہو تو انھیں قتل کر دیں۔

سب سے پہلے خالد بن ولید میدان میں آئے اور اُن کا اشارہ پاتے کے ساتھ ہی اسلامی لشکر رومیوں پر ٹوٹ پڑا۔ رومیوں کے لشکر کی تعداد چونکہ بے اندازہ تھی۔ اس لئے اسلامی لشکر کا دایاں بازو ٹوٹ گیا۔ اور مسلمان بھاگنے لگے۔ بھاگتے ہوئے مسلمانوں کو فوراً عورتوں کی فوج نے گھیر لیا۔ اور ان کو ملامت کر کے دوبارہ میدانِ جنگ کی طرف لوٹا دیا۔ ان بھاگنے والوں میں ابو سفیان بھی تھے۔ جب وہ بھاگنے لگے تو ایک عورت نے ان کے چہرہ پر خیمہ کا اس زور سے بانس مارا کہ وہ بُری طرح زخمی ہو گئے۔ غرضکہ شام تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی جب رات کی تاریکی پھیلی تو جنگ بند ہو گئی۔ جنگ بند ہونے کے بعد اسلامی فوج کی عورتوں نے ان تمام زخمیوں کی مرہم پٹی کی جو اس جنگ میں زخمی ہو گئے تھے اور تمام رات ان کی خبر گیری اور خدمت کرتی رہیں۔

دوسرے دن سورج نکلتے کے ساتھ ہی پھر جنگ چھڑ گئی۔ جنگ کی ابتدا میں تو مسلمان رومیوں کے مقابلہ میں دبے چلے جا رہے تھے لیکن جُوں جُوں وقت گذرتا گیا مسلمان سمبھلتے چلے گئے۔ جب مسلمانوں نے یہ محسوس کر لیا کہ اب دشمن کے پاؤں ڈگمگانے لگے ہیں تو مسلمان اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے لگاتے ہوئے عیسائیوں کے لشکر کے قلب میں گھس گئے اور رومیوں کو گاجر اور مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ رومی اس سخت حملہ کے مقابلہ پر نہ ٹھہر سکے۔ ان کا سپہ سالار مینول مارا گیا۔ تمام دوسرے بڑے افسر بھی جنگ

میں کام آ گئے۔ اور رومی شکست کھانے کے بعد ایک لاکھ سے زیادہ لاشیں میدانِ جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس جنگ میں اس قدر سامانِ جنگ مسلمانوں کے ہاتھ لگا جو بڑی سے بڑی فوج کے لئے کافی تھا۔ اسی طرح مالِ غنیمت بھی بے اندازہ قبضہ میں آیا۔

۱۵ھ (۶۳۶ء) کی اس فیصلہ کن جنگ کے بعد مسلمان تقریباً سارے ملک شام کے حکمران بن گئے۔ انطاکیہ اور چند دوسرے مقامات جو باقی رہ گئے تھے وہ مسلمانوں نے آگے چل کر فتح کر لئے۔ حضرت عمر فاروق رضہ کے عہدِ حکومت میں یہ پہلی شاندار فتح تھی جو مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ جب اس فتح کی خبر مدینہ میں پہنچی، تو گھر گھر خوشیاں منائی گئیں۔

بیت المقدس پر مسلمانوں کا حملہ

شام کے اس سب سے بڑے معرکہ سے فارغ ہونے کے بعد ابو عبیدہ حضرت عمر فاروق کی ہدایت کے بموجب بیت المقدس کی فتح کی جانب متوجہ ہوئے۔ حضرت ابو عبیدہ نے سب سے پہلے یزید بن ابی سفیان کو پانچ ہزار کے لشکر کے ساتھ روانہ کیا اور ہدایت کر دی کہ وہ پہنچتے کے ساتھ ہی شہر کا محاصرہ کر لیں۔ اس کے بعد ابو عبیدہ برابر تازہ دم لشکر بیت المقدس کی فتح کے لئے روانہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مجاہدینِ اسلام کی ایک بہت بڑی تعداد بیت المقدس کے گرد و پیش جمع ہو گئی۔

دس روز کے بعد خود حضرت ابو عبیدہ بھی ایک بہت بڑے لشکر کے ہمراہ بیت المقدس پہنچ گئے۔ اور آپ نے پہنچنے کے ساتھ ہی شہر کے باشندوں کو تحریری پیغام بھیجا کہ تم کو چاہیئے کہ توحیدِ باری پر ایمان لاؤ۔ محمد صلعم کو خدا کا رسول سمجھو۔ یا اطاعت قبول کر لو اور جزیہ ادا کرو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو تمہارے مقابلہ کے لئے وہ لوگ موجود ہیں جن کو موت اس سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ جیسا کہ تم کو سؤر کا گوشت اور شراب عزیز ہے۔

حضرت ابو عبیدہ کے پیغام کے جواب میں بیت المقدس کے بڑے پادری نے سپہ سالارِ اسلام کو تحریری جواب بھیجا کہ۔ یہ مقدس شہر اور پاکیزہ جگہ ہے۔ جو شخص یہی

اس پر حملہ کرتا ہے وہ خدا پر حملہ کرتا ہے۔ اور تباہ ہو جاتا ہے۔ تم کو چاہیے کہ اس پر حملہ کر کے گناہگار نہ ہو۔ جب تک ہماری جان میں جان ہے ہم اس مقدس مقام کی حفاظت کریں گے"۔ پادری مذکور اگرچہ مسلمانوں کی بے پناہ طاقت اور حوصلہ مندی سے بخوبی واقف تھا لیکن اس نے یہ جواب اس لئے دیا تھا کیونکہ اُس کو شہر کے استحکام کی طرف سے پورا اطمینان تھا اور اسے اس بات کا یقین تھا کہ مسلمان اس مضبوط شہر کو کسی طرح بھی تسخیر نہیں کر سکتے۔

بیت المقدس کے محاصرہ کو پورے چار مہینے گذر گئے۔ اس چار مہینے میں تقریباً روزانہ عیسائیوں سے لڑائیاں ہوتی رہیں۔ لیکن عیسائی بدستور محصور ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ آخر چار مہینے کے بعد جب عیسائی اس محاصرہ سے تنگ آگئے تو بڑے پادری نے دیوار کے اُوپر سے حضرت ابو عبیدہ سے صلح کی گفتگو شروع کی۔ اس نے کہا کہ "کیا تم نہیں جانتے کہ یہ مقدس جگہ ہے جو اس کو صدمہ پہنچاتا ہے وہ قہرِ الٰہی میں مبتلا ہو جاتا ہے"۔

حضرت ابو عبیدہ نے جواب دیا کہ "ہم کو معلوم ہے کہ یہ وہ مقدس جگہ ہے جہاں پیغمبر دفن ہیں لیکن تم کو بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ ہمارے نبی محمد صلعم یہیں سے معراج کے لئے آسمان پر گئے تھے۔ اس لئے ہم اس مقام کے زیادہ مستحق ہیں۔ ہم اُس وقت تک محاصرہ نہیں اُٹھائیں گے جب تک کہ خدا تعالیٰ ہم کو اس مقدس سرزمین پر قبضہ نہ عنایت کر دیگا۔"

بڑے پادری نے جب یہ سمجھ لیا کہ مسلمان بیت المقدس کو فتح کئے بغیر نہیں رہیں گے تو اس نے مجبور ہو کر کہا "ہم تم کو اس شرط پر قبضہ دینے کے لئے تیار ہیں کہ تمہارے خلیفہ یہاں آئیں اور خود شرائط نامہ پر دستخط کر کے ہم سے قبضہ لیں"۔

حضرت ابو عبیدہ نے فوراً قاصد بھیجکر بذریعہ خط تمام حالات سے حضرت عمر فاروقؓ کو مطلع کر دیا۔ اور لکھا کہ "اگر آپ یہاں تشریف لے آئیں تو جنگ کے بغیر بڑی آسانی سے

بیت المقدس پر قبضہ ہو سکتا ہے"۔ اس خط کے ملنے پر حضرت عمر فاروق رضؓ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو حضرت عثمان غنی رضؓ نے فرمایا کہ "اب عیسائی مغلوب ہو چکے ہیں چند دن میں خود ہی بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائیگا۔ آپ کے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن حضرت علی رضؓ نے رائے دی کہ آپ کو ضرور جانا چاہیئے۔ اس سے اسلامی لشکر پر بھی اچھا اثر پڑے گا۔ اور عیسائی بھی متاثر ہوں گے۔ خود حضرت عمر فاروق رضؓ کی بھی رائے یہی تھی کہ ان کو ضرور جانا چاہیئے۔ لہذا ضروری انتظامات کرنے کے بعد حضرت عمر فاروق رضؓ شام کے لئے روانہ ہو گئے۔

اس باعظمت شہنشاہ کے مزاج میں کیسی قدر سادگی تھی اس کا اندازہ اس سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ آپ جب روانہ ہوئے ہیں تو آپ کے ساتھ نہ فوج تھی اور نہ محافظوں کا دستہ صرف ایک اونٹ تھا جو خلیفہ اور غلام دونوں کے لئے کافی تھا کبھی آپ اونٹ پر سوار ہو جاتے تھے۔ اور غلام مہار پکڑ کر ساتھ ساتھ چلتا تھا اور کبھی غلام سوار ہو جاتا تھا اور آپ اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ سامان سفر میں ایک پانی کا مشکیزہ تھا اور ایک تھیلا جس میں کھجوریں بھری ہوئی تھیں۔ آپ کے جسم مبارک پر جو لباس تھا وہ نہ صرف بالکل سادہ تھا بلکہ پھٹا ہوا بھی تھا۔ جس میں جابجا پیوند لگے ہوئے تھے۔ یہ اس بلند مرتبہ شہنشاہ کا سفر تھا جس سے کہ روم اور ایران کی سلطنتیں لرز رہی تھیں۔ آپ جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو فوجی سردار استقبال کے لئے موجود تھے۔ ان سرداروں نے محسوس کرتے ہوئے کہ جب عیسائی ہمارے خلیفہ کو ایسے ادنیٰ لباس میں دیکھیں گے تو کیا کہیں گے آپ کی خدمت میں ایک اعلیٰ لباس اور ترکی گھوڑا پیش کیا۔ تاکہ آپ لباس تبدیل فرمالیں اور گھوڑے پر سوار ہو جائیں۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے اس پیشکش کو منظور نہیں کیا اور فرمایا کہ "خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ صرف اسلام کی وجہ سے ہے یہی عزت ہمارے لئے کافی ہے۔ ان ظاہری باتوں میں کیا رکھا ہے"

آپ نے بعض مسلم سرداروں کو لباس فاخرہ میں دیکھا تو ان پر ناراض ہوئے اور فرمایا کہ "تم نے دو ہی برس میں اپنی خصوصیات چھوڑ کر عجمیوں کی خو بو اختیار کر لی ہے"۔

بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ

حضرت عمر فاروق رضہ جب بیت المقدس کے سامنے پہنچے تو عیسائی پادری اور امرا آپ کو معمولی اور سادہ لباس میں دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے بعض مورخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ عیسائیوں میں یہ پیشین گوئی زمانہ دراز سے چلی آتی تھی کہ عمر نامی ایک شخص جو نہایت ہی سادہ لباس میں ہوگا بیت المقدس پر آ کر قبضہ کر لیگا" حضرت عمر رضہ لشکر اسلام میں پہنچنے کے بعد ایک معمولی سے خیمہ میں فروکش ہو گئے اور فرش پر بیٹھ گئے جب عیسائی خلیفہ اسلام کی زیارت کیلئے چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے تو مسلمانوں کو اندیشہ ہوا کہ کوئی ناگوار حادثہ رونما نہ ہو جائے۔ اسی لئے انھوں نے عیسائیوں کو روکنا چاہا لیکن حضرت عمر رضہ نے منع کر دیا چنانچہ عیسائی خیمہ کے اندر باہر اور ہر طرف جمع ہو گئے۔ عیسائیوں کے بڑے پادری نے نہایت ادب سے جھک کر خلیفہ اسلام کی خدمت میں بیت المقدس کے دروازوں کی کنجیاں پیش کر دیں آپ نے فوراً ذیل کا عہد نامہ لکھوا دیا جس کی رو سے عیسائیوں کو پوری آزادی عطا کر دی گئی۔ عہد نامہ یہ تھا:۔

"یہ وہ امان نامہ ہے جو امیر المومنین عمر نے ایلیا (بیت المقدس) والوں کو دیا ہے۔ ایلیا والوں کی جان و مال، گرجے صلیب، بیمار، تندرست، سب کو امان دی جاتی ہے۔ اور ہر مذہب والے کو امان دی جاتی ہے۔ ان کے گرجاؤں میں سکونت نہ کی جائیگی اور نہ وہ ڈھائے جائیں گے یہاں تک کہ ان کے احاطوں کو بھی نقصان نہ پہنچایا جائیگا لیکن ایلیا والوں کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیا والوں کا فرض ہے کہ وہ اسلام قبول کریں یا جزیہ دیں۔ اور رومیوں کو شہر سے نکال دیں۔ رومیوں میں سے

جو شہر سے نکل جائیگا اُس کی جان و مال کو امان دی جاتی ہے جب تک کہ وہ محفوظ مقام تک نہ پہنچ جائیں۔ اور اگر کوئی رومی ایلیا ہی میں رہنا پسند کرتا ہے تو اس کو بھی باقی اہلِ شہر کی طرح جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر اہلِ ایلیا میں سے کوئی شخص رومیوں کے ساتھ جانا چاہے تو اس کی جان و مال کے لئے بھی امان ہے یہاں تک کہ وہ محفوظ مقام پر پہنچ جائے جو کچھ اس عہدنامہ میں درج ہے۔ اُس پر خدا اور رسول اور خلفاء اور تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے بشرطیکہ ایلیا والے مقررہ جزیہ کی ادائیگی سے انکار نہ کریں۔ اور شرطوں کی پابندی کریں"

اس عہدنامہ کی تکمیل کے بعد بیت المقدس کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھول دئے گئے۔ اور شہر مسلمانوں کے سپرد کر دیا گیا بعض اہلِ شہر نے تو اسلام قبول کر لیا اور بعض نے فوراً ہی جزیہ ادا کر دیا حضرت عمر فاروقؓ پاپیادہ بیت المقدس میں داخل ہوئے آپ سب سے پہلے مسجد اقصیٰ میں گئے اور سجدۂ شکر ادا کیا۔ پھر عیسائیوں کے گرجوں کی آپ نے سیر فرمائی۔ آپ ایک گرجا ہی میں تھے کہ نماز کا وقت آگیا۔ جب آپ نے نماز پڑھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو پادری نے عرض کی کہ گرجا ہی میں نماز ادا کر لیجئے مگر آپ نے گرجا میں نماز ادا نہیں کی بلکہ گرجا کے باہر آکر شرقی دروازہ پر جو سیڑھی تھی اس پر نماز ادا کی۔ نماز کے بعد آپ نے پادری سے فرمایا کہ اگر ہم گرجا کے اندر نماز پڑھ لیتے تو ہمارے جانے کے بعد مسلمان اسے توڑ کر مسجد بنا لیتے اسلئے ہم نے گرجا میں نماز پڑھنے سے احتراز کیا۔ لیکن حضرت عمرؓ کی احتیاط اور دوراندیشی کے باوجود آپکے جاتے ہی مسلمانوں نے گرجا کی اس سیڑھی کو توڑ کر مسجد تعمیر کر لی جہاں حضرت عمرؓ نے نماز ادا کی تھی غالباً یہی وہ مسجد ہے جو مسجدِ عمر کے نام سے مشہور ہے۔ اور جو آج بھی بیت المقدس میں موجود ہے۔ مسلمانوں کو بیت المقدس پر یہ فتح ۱۶ھ (۶۳۷ء) میں حاصل ہوئی تھی۔

حضرت عمر فاروقؓ دس دن تک بیت المقدس میں رہے تاکہ بیت المقدس اور شام کے

انتظام کو زیادہ چست اور مضبوط بنائیں۔ آپ نے انتظامی مقصد کے پیش نظر شام کو دو حصوں میں
تقسیم کر دیا یعنی شمالی شام اور جنوبی شام اور ان دونوں حصوں کے لئے علٰحدہ علٰحدہ حاکم مقرر کر دیئے
جنوبی شام جس میں کہ بیت المقدس اور ساحلی علاقے شامل تھے یزید بن ابی سفیان کے حوالے کیا گیا۔
اور ان کو حکم دیا گیا کہ جنوبی شام کے جو حصے فتح ہونے سے رہ گئے ہیں وہ ان کو فتح کریں اور شمالی شام
کا فوجی گورنر حضرت ابو عبیدہ کو مقرر کیا گیا۔ اور ان کو بھی ہدایت کی گئی کہ شمالی شام کے جو حصے فتح
ہونے سے رہ گئے ہیں وہ انھیں جلد سے جلد فتح کر کے مملکت اسلامیہ میں شامل کر دیں۔

شام کے ساتھ مصر کی فتح کی بھی تیاریاں

بیت المقدس کی تسخیر کے بعد
جب حضرت عمرؓ مدینہ واپس
آئے تو آپ نے مسجد نبوی میں صحابہ کرام کو جمع کرنے کے بعد ایک مجلس مشاورت منعقد کی جس میں
کر مملکت اسلامیہ کی فتوحات کے لئے ایک جدید پروگرام مرتب کیا گیا اور کافی غور و خوض کے
بعد یہ طے پایا کہ شام جس کا بیشتر حصہ فتح ہو چکا ہے۔ اب وہاں زیادہ فوجیں بھیجنے کی ضرورت
نہیں وہاں اس وقت جتنی بھی فوجیں ہیں وہ پورے شام کو فتح کرنے کے لئے بالکل کافی ہیں۔
لیکن ایران میں کیونکہ کسرائے ایران کی طاقت سے مسلمانوں کو سخت مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے۔
اس لئے وہاں فوجیں بڑھا دی جائیں۔ اس موقع پر ناظرین کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جس وقت
بیت المقدس فتح ہوا ہے۔ اس وقت سعد بن وقاص کو بھی ایران میں نہایت ہی شاندار فتوحات
حاصل ہو رہی تھیں چنانچہ اسی سال انھوں نے ایران کے دارالسلطنت مدائن پر قبضہ کر لیا
تھا۔ ایران کی ان فتوحات کا تذکرہ ہم آگے چل کر ایرانی فتوحات کے سلسلہ میں تفصیل کے ساتھ
کریں گے قصہ مختصر یہ ہے کہ مسجد نبوی کی مجلس مشاورت میں یہ قرار پایا کہ اب ایران کی فتوحات
پر سب سے زیادہ زور دینے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ یہ طے کیا گیا کہ فوراً ہی مصر پر
بھی چڑھائی کر دی جائے مصر پر حملہ کے لئے اسلامی سپہ سالار عمرو بن عاص کا نام تجویز کیا گیا
جن کی فاتحانہ سرگرمیوں پر ہم شام کی فتوحات کے حالات مکمل کرنے کے بعد روشنی ڈالنے

غرضکہ بیت المقدس کی فتح کے بعد مسلمانوں کے حوصلے اتنے بڑھ گئے تھے کہ انھوں نے نئے ممالک کی فتح کے لئے ایک مستقل پروگرام تیار کرلیا تھا

حلب کا محاصرہ اور جنگ

اس سے قبل ہم یہ بتا چکے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رض نے بیت المقدس کے قیام کے دوران میں حضرت ابوعبیدہ کو شمالی شام کا فوجی گورنر بنانے کے بعد ہدایت کی تھی کہ وہ اس ملک کے اُن تمام علاقوں کو جلد سے جلد فتح کرلیں جو باقی رہ گئے ہیں چنانچہ اس ہدایت کے بموجب حضرت ابوعبیدہ نے فوجی کارروائیاں شروع کردیں۔

شمالی شام کے دو چھوٹے چھوٹے شہر گنسرن اور الحضر اگرچہ اس سے قبل مطیع ہو چکے تھے لیکن ان دونوں نے بغاوت برپا کردی تھی حضرت ابوعبیدہ اپنا لشکر لیکر جب ان کی تادیب کے لئے گئے تو ان دونوں شہروں کے باشندوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے ہتھیار ڈالدیئے اور پانچ ہزار اشرفی۔ ہزار ہا روپیہ اور دو سو ریشمی کپڑے کے تھان پیش کرکے اطاعت کی خواہش ظاہر کی حضرت ابوعبیدہ نے ان کو معاف کردیا اور اطاعت قبول کرلی۔ اس کے بعد اسلامی لشکر شہر حلب کی فتح کے لئے آگے بڑھا۔

حلب شام کا بہت بڑا صنعتی اور تجارتی شہر تھا۔ یہ شہر شیشہ کی صنعت کے لئے ساری دُنیا میں مشہور تھا۔ کاروباری اور صنعتی مرکز ہونے کی وجہ سے یہاں کے باشندے بے حد دولتمند تھے مضبوطی کے اعتبار سے بھی یہ شام کے تمام شہروں سے زیادہ مستحکم خیال کیا جاتا تھا۔ یہ تین طرف سے پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا۔ اور ایک طرف کی فصیل اس قدر مضبوط تھی کہ اس کا توڑنا ناممکن تھا۔ اس شہر کی حکومت یوقنا اور یوحنا نامی دو بھائیوں کے سپرد تھی۔ یوقنا ایک جنگجو سپاہی تھا اور یوحنا ایک گوشہ نشین خدا پرست تھا۔ یوحنا کی خواہش تھی کہ عیسائی کسی خونریزی کے بغیر جزیہ دیکر مسلمانوں سے صلح کرلیں لیکن یوقنا اس کے لئے آمادہ نہ ہوا اور وہ بارہ ہزار کا لشکر لیکر مسلمانوں کے مقابلہ پر آگیا۔

یوقنا جس وقت اپنے سپاہیوں کے ہمراہ مسلمانوں سے برسرِپیکار تھا تو یوحنا کی تحریک پر حلب کے شہریوں نے درپردہ یہ طے کر لیا کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے۔ چنانچہ انہوں نے یوقنا سے پوشیدہ تیس آدمیوں کا ایک وفد حضرت ابو عبیدہ کے پاس صلح کی گفتگو کرنے کے لیے روانہ کر دیا۔ اس وفد سے گفتگو کرنے کے بعد حضرت ابو عبیدہ نے حلب والوں کو پناہ دینے کا وعدہ کر لیا۔ اور یہ لوگ تمام معاملات طے کر کے حلب کے قلعہ میں واپس چلے گئے مگر یوقنا کو جب معلوم ہوا کہ شہری اس کے بھائی یوحنا کی تحریک پر مسلمانوں سے بالا ہی بالا صلح کر چکے ہیں تو وہ غصہ میں بھرا ہوا حلب کے قلعہ میں آیا اور اس نے اُن تین سو آدمیوں کو تہہ تیغ کر دیا جو مسلمانوں سے صلح کرنے کے معاملہ میں پیش پیش تھے۔ اُس کے بھائی یوحنا نے جب اُسے اس ظلم و ستم سے روکنا چاہا تو اس نے یوحنا کا بھی کام تمام کر دیا۔

مسلمان اگرچہ قلعہ شکنی کے معاملہ میں کافی شہرت رکھتے تھے لیکن یوقنا نے ایسا اچھا انتظام کیا تھا کہ اسلامی لشکر کا ایک سپاہی بھی حلب کے قلعہ کی دیوار کے قریب تک نہ پہنچ سکا۔ یوقنا نے پانچ ماہ تک ایسی مضبوطی کے ساتھ مقابلہ کیا کہ حضرت ابو عبیدہ حلب کی لڑائی سے تنگ آ گئے اور انہوں نے حضرت عمر فاروق رضہ کو لکھا کہ چونکہ فی الحال حلب کے فتح ہونے کی کوئی توقع نہیں ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو حلب سے محاصرہ اُٹھا کر شام کے دارالسلطنت انطاکیہ کی تسخیر کی کوشش کی جائے۔" حضرت عمر فاروق رضہ نے جواب میں لکھا کہ "محاصرہ اُٹھانے سے دشمنوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔ محاصرہ کو قائم رکھو۔ اور خدا پر بھروسہ کر کے فتح کی کوشش کیے جاؤ۔ تازہ دم لشکر تمہاری مدد کے لئے بھیج رہا ہوں۔"

صرف تیس مجاہدین نے حلب فتح کر لیا

حضرت عمر رضہ نے ابو عبیدہ کی امداد کے لیے جو تازہ دم لشکر بھیجا تھا اس لشکر میں ایک منچلا سپاہی دامس نامی بھی تھا اس نے حضرت ابو عبیدہ اور خالد بن ولید کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اگر مجھ کو تیس منتخب آدمی دیدیے جائیں تو میں حلب کے

قلعہ پر قبضہ کرا دوں گا" اس کی استدعا منظور کر لی گئی اور اسے تیس سرفروش مجاہد دیدئے گئے۔ دامس اپنے تیسوں ساتھیوں کو بھیڑ کی کھالیں اڑھا کر حلب کے قلعہ کے ایک محفوظ گوشے میں عین دیوار کے نیچے پہنچ گیا۔ رات کے سناٹے میں اس نے سات آدمیوں کو یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کے کندھوں پر کھڑا کیا۔ اور اس طرح ایک آدمی کو فصیل کی دیوار پر پہنچا دیا۔ اس آدمی نے سب سے پہلے اس سنتری کو اٹھا کر نیچے پھینک دیا جو پہرہ دے رہا تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنی پگڑی لٹکا دی جس کے ذریعہ دامس اور باقی سب آدمی فصیل پر چڑھ آئے۔ ان سب نے پہلے تو ایک ایک کر کے فصیل پر پہرہ دینے والے تمام سنتریوں کو ختم کیا۔ پھر نہایت خاموشی کے ساتھ قلعہ کے دروازوں پر پہنچ گئے اور انتہائی سرعت کے ساتھ محافظین کا صفایا کر کے قلعہ کے دروازے کھول دئے۔ دروازوں کا کھلنا تھا کہ خالد بن ولید اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے مع اپنے لشکر کے قلعہ میں داخل ہو گئے اسلامی لشکر کے اس طرح اچانک قلعہ میں گھس آنے کی وجہ سے عیسائی گھبرا گئے عیسائی لشکر نے برائے نام مقابلہ کے بعد ہتھیار ڈال دئے۔ یوقنا جو مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ اس نے سب سے پہلے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے اسلام قبول کرتے ہی سیکڑوں دوسرے عیسائی بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اور مسلمانوں کا ۱۶ھ (۶۳۷ء) میں حلب پر قبضہ ہو گیا

حلب کی اس فتح کا سہرا دامس کے سر تھا جس نے کہ اسلام کی خاطر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر ایک ایسا سرفروشانہ کارنامہ انجام دیا تھا۔ جو ہمیشہ اسلامی تاریخ میں یادگار رہیگا۔ دامس کی ہمت۔ جرأت اور حوصلہ مندی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلامی لشکر میں کیسے کیسے من چلے مجاہدین موجود تھے۔ چنانچہ ایسے ہی مجاہدین کی سرفروشیوں کی بدولت مسلمان مختصر سی مدت میں آدھی دنیا کے حکمراں بن گئے تھے۔

اعزاز کی فتح کے لئے نو مسلم یوقنا کی جنگی چال

اسلام کی یہ عجیب معجزنمائی ہے کہ اسلام کا بڑے

سے بڑا دشمن بھی جب اسلام میں داخل ہوگیا خواہ وہ کسی مجبوری ہی کی بنا پر کیوں نہ داخل ہوا ہو تو وہ آگے چل کر اسلام کا سچا فدا کار بن گیا ہے۔ چنانچہ خالد بن ولید اور تقریباً تمام بڑے بڑے سپہ سالاران اسلام ابتدا میں مسلمانوں کے جانی دشمن تھے لیکن جب انھوں نے اسلام قبول کر لیا تو وہ اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ بالکل یہی حالت حلب کے نومسلم سردار یوقنا کی تھی۔ حلب کی فتح سے قبل تو وہ مسلمانوں کا جانی دشمن تھا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں سے ہمدردی رکھنے کے جرم میں اس نے اپنے حقیقی بھائی یوحنا تک کو قتل کر دیا تھا لیکن حلب کی فتح کے بعد جب اس نے اسلام قبول کر لیا تو وہ اسلام کا سچا فدا کار بن گیا۔

نومسلم یوقنا اسلامی فتوحات کے لئے کس قدر مضطرب تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے چچا زاد بھائی تھیوڈرس حاکم اعزاز کو گرفتار کرانے اور شہر اعزاز کی فتح کے لئے ایک نہایت ہی خوبصورت جال تیار کیا۔ اعزاز حلب سے متصل ایک نہایت ہی مستحکم شہر اور قلعہ تھا۔ اس قلعہ اور شہر کو زیر کرنے کے لئے یوقنا نے جو جال بچھایا تھا اس کی دلچسپ تفصیل یہ ہے کہ اس نے ایک سو بہترین مسلمان سپاہیوں کو عیسائی سپاہیوں کا لباس پہنایا اور ان کو ساتھ لیکر شہر اعزاز کی طرف چلدیا اور مسلمانوں سے کہا کہ وہ اس کا تعاقب کریں۔ چنانچہ بنے ہوئے پروگرام کے مطابق مسلمان سپاہی اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئے یہ پایا تھا کہ یوقنا مسلمانوں سے بنائی جھگڑا کرتا ہوا اپنے بھائی تھیوڈرس کے پاس شہر اعزاز میں داخل ہو جائیگا۔ چونکہ اس کے بھائی کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ اس نے اسلام قبول کر لیا ہے وہ اسے ضرور پناہ دیدیگا۔ اور جب اسے پناہ مل جائیگی تو وہ رات کو شہر کا دروازہ کھول دے گا تاکہ اسلامی لشکر آسانی کے ساتھ اس شہر میں داخل ہو جائے۔

یہ پروگرام واقعی بڑی چالاکی کے ساتھ بنایا گیا تھا۔ اور اس پروگرام کے مطابق یوقنا یہ سمجھ رہا تھا کہ اعزاز ایک ہی جھٹکے میں مسلمانوں کے قدموں پر آن پڑے گا لیکن یوقنا کی بدقسمتی کہ اس کے بھائی تھیوڈرس حاکم اعزاز کو ایک جاسوس کے ذریعہ قبل از وقت اس ساری

سازش کا علم ہو گیا۔ چنانچہ یوقنا حسب بنے ہوئے پروگرام کے مطابق مسلمانوں سے لڑتا ہوا اعزاز کے قلعہ میں داخل ہوا تو حاکم اعزاز نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ لیکن قلعہ میں داخل ہوتے ہی یوقنا اور اس کے سب ساتھی گرفتار کر لئے گئے اور یہ قرار پایا کہ اس عیار کو مع اس کے ساتھیوں کے ہرقل قیصر روم کے پاس بھیجا جائے تاکہ وہ اسے اور اس کے عیار ساتھیوں کو سخت سے سخت سزا دے سکے۔ غرضکہ تھیوڈورس نے ان تمام قیدیوں کو اپنے بیٹے نیون کے سپرد کر دیا۔

اب نیون کی سنیے وہ زمانہ دراز سے یوقنا کی بیٹی پر بُری طرح عاشق تھا۔ چنانچہ وہ دلبریہ طلب ہوتا رہتا تھا۔ اور یوقنا ہی کے ہاں بطور مہمان ٹھہرا رہتا تھا۔ لیکن نیون کی انتہائی منت وسماجت کے باوجود یوقنا کسی طرح بھی اپنی بیٹی کی شادی اس کے ساتھ کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا تھا یوقنا جب گرفتار کر کے نیون کے حوالے کیا گیا تو نیون کو اپنی مقصد برآری کا موقع مل گیا۔ نیون نے یوقنا سے کہا کہ "اگر آپ اپنی بیٹی کے ساتھ میری شادی کرنے کا اقرار کر لیں تو میں اسلام قبول کر لوں گا اور آپ کے تمام ساتھیوں کو چھوڑ دوں گا۔" یوقنا نے وعدہ کر لیا۔ نیون کی امداد حاصل ہونے کے بعد اس نے قید ہی کی حالت میں قلعہ کی تسخیر کے لئے ایک نیا پروگرام مرتب کر کے حضرت ابو عبیدہ کو مطلع کر دیا۔ اور لکھ دیا کہ اسلامی لشکر فلاں وقت مدد کے لئے پہنچ جائے۔

جدید پروگرام کے مطابق ایک رات کو نیون نے یوقنا اور اس کے ساتھیوں نے اچانک اعزاز کے قلعہ کے سپاہیوں پر حملہ کر دیا۔ اور قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اسلامی لشکر جو پہلے ہی سے تیار تھا فوراً شہر اعزاز میں داخل ہو گیا۔ بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی قلعہ کا حاکم تھیوڈورس اپنے ہی بیٹے نیون کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس طرح شہر اعزاز اور قلعہ پر سنہ ۱۶ھ (۶۳۷ء) میں مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس شہر اور قلعہ کی فتح میں چونکہ یوقنا کا سب سے بڑا ہاتھ تھا اس لئے یہ فتح یوقنا ہی کے نام لکھی گئی۔

شام کے دارالسلطنت انطاکیہ کی فتح

انطاکیہ شام کا دار السلطنت تھا۔ نہایت ہی خوبصورت شہر تھا۔

قیصر روم ہرقل کا بیشتر وقت یہیں گذرتا تھا۔ اس زمانہ میں اس شہر کو عشرت پسندی کے اعتبار سے وہی شہرت حاصل تھی جو اس زمانہ میں پیرس کو حاصل ہے۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ ان کو اس شہر کے فتح کرنے میں بڑی دشواری کا سامنا کرنا ہوگا لیکن حلب کے سابق حاکم یوقنا کی شطرنجی چالوں نے مسلمانوں کے لئے اس شہر کی فتح کو نہایت ہی آسان بنا دیا۔

ابھی حضرت ابوعبیدہ انطاکیہ کی فتح کے لئے روانہ بھی نہیں ہوئے تھے کہ یوقنا دو سو نومسلموں کو ساتھ لیکر انطاکیہ جا پہنچا۔ انطاکیہ میں داخل ہونے سے قبل اس نے اپنے ساتھیوں کو پہاڑی علاقہ میں چھوڑ دیا۔ اور ان کو ہدایت کر دی کہ وہ اسلامی لشکر کی امداد کے منتظر رہیں اور خود شہر میں چلا گیا۔ انطاکیہ کی پولیس کو اس کی نقل و حرکت پر شبہ ہوا اور اسے گرفتار کر لیا گیا گرفتاری کے بعد جب یہ پتہ چلا کہ وہ حلب کا سابق حاکم یوقنا ہے تو اسے قیصر روم ہرقل کے روبرو پیش کیا گیا۔

ہرقل جسے اپنے ارکان حکومت کے ذریعہ یوقنا کے مسلمان ہونے کا علم ہو چکا تھا۔ اس نے یوقنا کے اسلام قبول کرنے پر ملامت کی تو یوقنا نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا "یہ بات بالکل غلط ہے کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ میں نے جان بچانے کے لئے یہ چال چلی تھی۔ اگر میں مسلمان ہو گیا ہوتا تو انطاکیہ آنے کی بجائے مدینہ جاتا جہاں مسلمانوں سے بڑے سے بڑے فوائد حاصل کر سکتا تھا۔ میرا یہ حرکت تن تنہا انطاکیہ آنا خود اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ میں ابھی تک اپنے پرانے دین پر قائم ہوں۔ آپ میرے بارے میں خواہ کچھ ہی رائے کیوں نہ رکھتے ہوں لیکن میرا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ میں تو محض اس لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ کے پاس رہ کر مسلمانوں پر سخت سے سخت ضرب لگانے کے انتظامات کروں۔"

ہرقل کے دل میں یوقنا کی پہلے ہی سے قدر تھی وہ اس کی چکنی چپڑی باتوں سے فریب میں آ گیا۔ مختصر یہ کہ یوقنا پھٹے تو ہرقل کے مصاحبین میں شامل ہوا۔ اس کے بعد ہرقل نے

انطاکیہ کی حکومت اُس کے سپرد کر دی۔ جب انطاکیہ کی حکومت یوقنا کے ہاتھ میں آگئی تو اس نے اپنے ان دو سو ساتھیوں کو جنہیں وہ پہاڑ پر چھوڑ آیا تھا بلا کر شاہی قلعہ کی حفاظت کا کام ان کے سپرد کر دیا۔ یعنی ان کو بھی اپنے پاس ہی رکھ لیا۔ اس کے علاوہ یوقنا نے مسلمانوں کی ایک خفیہ فوج بھی انطاکیہ میں بنالی تھی تاکہ وقت ضرورت اس فوج سے بھی کام لیا جا سکے۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ حسنِ اتفاق تھا یا کسی سوچے ہوئے پروگرام کے ماتحت ایسا کیا گیا تھا کہ مشہور اسلامی سپہ سالار ضرار انطاکیہ کے خلاف جنگ کرتے ہوئے گرفتار ہو گئے تھے اور انہیں مع ان کے ساتھیوں کے انطاکیہ لایا گیا تھا۔ ان کے انطاکیہ لائے جانے کے بعد یوقنا نے بظاہر تو انہیں قید میں ڈال دیا لیکن درپردہ ان کو مطلع کر دیا کہ جوں ہی انطاکیہ میں اندرونی بغاوت برپا ہو وہ فوراً انطاکیہ کی باغی فوجوں کی قیادت سنبھال لیں غرضکہ یوقنا نے پوری طرح سے رومی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لئے انطاکیہ کے کونے کونے میں سازش کا جال بچھا دیا تھا۔

ایک طرف تو انطاکیہ میں یہ سازشیں جاری تھیں دوسری طرف حضرت ابوعبیدہ شام کے علاقوں کو فتح کرتے ہوئے انطاکیہ کی جانب بڑھے چلے آرہے تھے۔ انطاکیہ اور انطاکیہ کے بیرونی علاقہ کے درمیان ایک بہت بڑا آہنی پل دریائے اورنٹس پر تھا۔ یہی پل انطاکیہ کو بیرونی علاقہ سے ملاتا تھا۔ اس پل کے دونوں طرف سنگین قلعے بنے ہوئے تھے جن میں بہت بڑا رومی لشکر شہر کی حفاظت کے لئے متعین تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہی پل انطاکیہ کا دروازہ تھا ہرقل کو اس پل کی پختگی پر بڑا ناز تھا۔ وہ اسے ناقابلِ تسخیر سمجھتا تھا لیکن ہرقل یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اسلامی لشکر نے کسی زحمت کے بغیر اس پل پر آسانی سے قبضہ جما لیا۔ مسلمانوں کے آسانی سے قبضہ کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس علاقہ کے فوجی افسر زیادہ تر شرابی اور عیاش تھے۔ چنانچہ جب اسلامی لشکر نے اس پل پر رات کے وقت اچانک حملہ

گیا تو فوجی افسر نشہ میں مدہوش پڑے تھے اور انکو سنبھلنے کا موقعہ ہی نہ مل سکا۔ یہاں تک کہ اسلامی فوجیں فولادی پُل سے گذر جانے کے بعد انطاکیہ کی شہر پناہ کے قریب جا پہنچیں۔

رومی عیسائیوں کا لشکر بھی اب مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے میدان میں آگیا اور گھمسان کی لڑائی چھڑ گئی۔ عین اُس وقت جبکہ شہر پناہ کے باہر عیسائی اور اسلامی لشکر میں جنگ ہو رہی تھی۔ یوقنا نے ضرار اور ان کے ساتھیوں کو رہا کر دیا۔ ان کو ہتھیار دئے۔ یوقنا کی خفیہ فوج اور نومسلم ساتھی سب کے سب ضرار کے آدمیوں سے جا ملے اور اس طرح ضرار کے زیر قیادت خاص انطاکیہ کے قلب میں مسلمانوں کی ایک بڑی فوج نے بُری طرح ہنگامہ برپا کر دیا۔ ہرقل نے یہ رنگ دیکھا تو وہ فرار ہو کر سمندر کے کنارے جا پہنچا اور وہاں سے قسطنطنیہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ ہرقل کے فرار ہوتے ہی ضرار کی فوج نے جو انطاکیہ کے اندر موجود تھی۔ اور ابو عبیدہ کے لشکر نے جو انطاکیہ میں داخل ہو چکا تھا متحد ہو کر سنہ ۱۷ھ (سنہ ۶۳۸ء) میں شام کے دار السلطنت انطاکیہ پر قبضہ جمالیا۔

شام کی فتح پر ساری مملکت میں جشن

انطاکیہ کی فتح شام میں مسلمانوں کی سب سے بڑی فتح تھی۔ کیونکہ اس فتح کے بعد تقریباً سارے شام پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ صرف چند چھوٹے چھوٹے علاقے باقی رہ گئے تھے۔ جن کا فتح کر لینا اب دشوار نہیں تھا۔ انطاکیہ کی فتح چونکہ بڑی اہم فتح تھی اس لئے اس فتح کے بعد انطاکیہ حمص۔ شیزار۔ بیت المقدس۔ دمشق اور شام کے دوسرے تمام شہروں میں نہایت وسیع پیمانہ پر فتح کا جشن منایا گیا۔ مکہ۔ مدینہ اور ایران کے ان شہروں میں جو حکومت اسلامیہ کے ماتحت آچکے تھے وہاں بھی اس فتح پر خوب خوشیاں منائی گئیں۔ غرضکہ یہ فاتحانہ جشن تقریباً ساری مملکت اسلامیہ میں کئی روز تک جاری رہا۔

حضرت ابو عبیدہ۔ خالد بن ولید۔ ضرار اور یہ فتح جن کا کہ شام کی فتوحات میں سب سے بڑا ہاتھ تھا مسلمانوں کی ان کامیابیوں پر بےحد خوش تھے لیکن اس کے ساتھ ہی ان کو اس

بات کی بڑی فکر پیدا ہو گئی تھی کہ شام کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد جفاکش عرب سپاہی آرام طلب بنتے چلے جا رہے تھے اور شامیوں کی دیکھا دیکھی عشرت پسندی کی جانب مائل نظر آنے لگے تھے یہاں تک کہ بعض سپاہی شراب کے نشہ میں بھی مدہوش پائے گئے تھے جن کو حضرت ابوعبیدہ نے بڑی سخت سزائیں دی تھیں۔

حضرت ابوعبیدہ کے لئے ایک بڑی اُلجھن یہ بھی پیدا ہو گئی تھی کہ عرب سپاہی شام کی خوبصورت عورتوں کے بے حد گرویدہ بن گئے تھے۔ اور وہ ان سے نکاح کرنے پر بضد تھے لیکن حضرت ابوعبیدہ کسی طرح بھی اس چیز کے حق میں نہیں تھے کہ عرب سپاہیوں کو شامی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی جائے۔ جب اس معاملہ نے زیادہ پیچیدگی اور اہمیت اختیار کی تو ابوعبیدہ کو ایک خط بھیج کر اس معاملہ میں حضرت عمرؓ کی رائے طلب کرنی پڑی۔

حضرت ابوعبیدہ کے خط کے جواب میں حضرت عمرؓ نے انکیں لکھا کہ " آپ کو چاہیئے کہ آپ مسلمان سپاہیوں کے اخلاق کو گرنے سے ضرور بچائیں لیکن ان پر ناجائز پابندیاں ہرگز عائد نہیں کرنی چاہئیں۔ اسلام کے وہ سپاہی جنہوں نے اپنا خون بہا کر اتنا بڑا ملک فتح کیا ہے انکے آرام اور آسائش کی طرف سے محض شامی اور عربی کے سوال کی بنا پر آنکھیں بند کر لینا درست نہیں۔ یہ سپاہی اگر جائز طریقہ پر اسلام کی حدود کے اندر رہتے ہوئے شامی عورتوں سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو ان کو اجازت دیدینی چاہیئے۔ میرے خیال میں جن کی بیویاں نہیں ہیں ان کا تو نکاح کر لینا ہر حال میں بہتر ہے۔ کیونکہ وہ نکاح کے ذریعہ بہت سی اخلاقی برائیوں سے بچ جائیں گے"۔ حضرت عمرؓ کے اس جواب کے بعد ابوعبیدہ نے اسلامی لشکر کے سپاہیوں کو ایسی شامی عورتوں سے نکاح کی اجازت دیدی جنہوں نے کہ اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس اجازت سے سپاہی بے حد محظوظ ہوئے۔

پورے شام پر مسلمانوں کا قبضہ

انطاکیہ کی فتح کے بعد اسلامی لشکر کچھ روز تک

آزادی کا جشن منانے اور آرام کرنے کے بعد پھر نئی فتوحات میں مصروف ہوگیا۔ اور اس نے شام کے اُن باقی علاقوں کو زیر کرنے کے لئے ۱۸ھ (۶۳۹ء) میں جدوجہد شروع کردی جو ابھی تک رُومی سلطنت کے زیرِ اقتدار تھے۔ اس تازہ جدوجہد کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں سپہ سالار شام حضرت ابوعبیدہ، خالد بن ولید اور ضرار کے علاوہ ایک تیز مگر نہایت ہی تجربہ کار سپہ سالار عمرو بن عاص نے بھی حصہ لیا تھا۔ عمرو بن عاص کو حضرت عمر فاروق رضؓ نے مصر کی فتح کا کام سپرد کیا تھا لیکن عمرو ابن عاص نے یہ ضروری سمجھا کہ وہ شام کے فوجی افسروں کے ساتھ مل کر پہلے پورے شام کے علاقہ کو زیر کرلیں تاکہ شام کے زیر ہونے کے بعد ان کے لئے مصر کی فتح میں آسانیاں پیدا ہو جائیں۔

حضرت خالد بن ولید نے اپنے ذمہ دریائے فرات کے کنارے تک کا تمام علاقہ لے لیا۔ اور وہ بڑی تیزی کے ساتھ اس علاقہ کے تمام شہروں اور قصبوں کو زیر کرتے چلے گئے۔ چنانچہ انھوں نے قدیم ہیراپولس۔ بیرآہ۔ بلبیس اور بہت سے دوسرے علاقوں کو زیر کرلیا۔ اور ان علاقوں کے باشندوں پر ایک لاکھ اشرفی سالانہ خراج مقرر کیا۔

مصر کے سپہ سالار عمرو بن عاص شہر قیساریہ کی جانب بڑھے جہاں قیصر روم ہرقل کا بیٹا قسطنطین ایک بڑے لشکر کے ساتھ موجود تھا۔ عمرو بن عاص کی فوج کی تعداد اگرچہ قسطنطین کے لشکر کے مقابلہ میں ایک چوتھائی ہی تھی لیکن ان کی بہادری اور جرأت نے قسطنطین کے قدم اکھاڑ دیے وہ بھاگ کر قیساریہ کے شہر میں قلعہ بند ہوگیا۔ اسلامی لشکر نے چاروں طرف سے قیساریہ کا محاصرہ کرلیا۔

عمرو بن عاص جس زمانہ میں قیساریہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے تو مسلم یوقنا مع اپنے دو سو ساتھیوں کے عیسائی بن کر شام کی بندرگاہ طرابلس میں جا پہنچا عیسائیوں نے اسے اپنا ہم مذہب اور بہی خواہ سمجھ کر ہاتھوں ہاتھ لیا۔ چند ہی روز کے بعد جب اسلامی فوج یوقنا کی مدد کے لئے طرابلس کے قریب پہنچ گئی تو یوقنا نے حملہ کرکے طرابلس کو فتح کرلیا عیسائی جھنڈا اُتار دیا اور اسلامی جھنڈا لہرا دیا۔

یوقنا کی خوش قسمتی سے رومیوں کا سامانِ جنگ سے لدا ہوا ایک جہاز اسی زمانہ میں طرابلس پہنچ گیا۔ یہ جہاز قبرس اور کریٹ سے قسطنطین کے لئے سامانِ حرب لیکر آیا تھا یوقنا نے اس جہاز اور تمام سامانِ جنگ پر قبضہ جمالیا۔ اس نے فوراً نو سو آدمیوں کو اپنے ساتھ لیا اور رومیوں کے اسی جہاز پر سوار ہو کر طائر کی بندرگاہ پر جا اُترا۔ یہاں بھی اُس نے اپنی وہی پرانی چال چلی۔ جہاز پر عیسائی جھنڈا اس نے لہرا دیا۔ اور یہ ظاہر کیا کہ قیصر روم ہرقل نے اسے قسطنطین کی مدد کے لئے روانہ کیا ہے۔ طائر کے حاکم نے اس کی بڑی عزت کی اور اسے قلعہ میں جگہ دیدی۔ یوقنا رات کے وقت قلعہ پر شبخون مارنا چاہتا تھا مگر شبخون مارنے سے قبل اسی کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے جاسوسی کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یوقنا اور اس کے تمام ساتھی گرفتار کر لیے گئے۔

یوقنا جس وقت طائر کی جانب روانہ ہوا تھا اس نے اسلامی لشکر کو اپنے منصوبہ سے مطلع کر دیا تھا۔ اور اپنی امداد کے لئے اسلامی فوج طلب کی تھی چنانچہ یزید بن ابی سفیان فوراً دو ہزار فوج لیکر طائر جا پہنچے ان کو توقع تھی کہ یوقنا نے حسب عادت عیاری کے ساتھ طائر پر ضرور قبضہ جمالیا ہوگا لیکن یہاں آکر ان کو پتہ چلا کہ یوقنا کی چال اوندھی پڑ گئی ہے۔ اور وہ اُلٹا گرفتار ہو گیا۔

یوقنا بڑا ہی ہوشیار آدمی تھا۔ اسے جب معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر آچکا ہے تو اس نے قلعہ کے ایک عیسائی افسر باصل کو جو اسلام کی طرف رجوع تھا شیشہ میں اتار کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور ایک جاسوس کے ذریعہ اسلامی سپہ سالار یزید بن ابی سفیان کو کہلوا دیا کہ جب تک قلعہ سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند نہ ہوں ہرگز حملہ نہ کریں لیکن جب یہ آواز سنائی دیں تو فوراً قلعہ میں گھس پڑیں۔

قلعہ کا عیسائی افسر باصل جسکو یوقنا نے اپنے ساتھ ملا لیا تھا اس نے قلعہ میں یوقنا اور اسکے تمام ساتھیوں کو رہا کر دیا بلکہ یہ انہیں اسلحہ خانہ کی طرف لے گیا اور یہ سب

آن کی آن میں بہترین ہتھیاروں سے مسلح ہو گئے۔ ہتھیاروں سے مسلح ہوتے ہی یوقنا اور اس کے ساتھی اللہ اکبر کا نعرہ لگاکر قلعہ کی بے خبر فوج پر ٹوٹ پڑے۔ بُری طرح قتلِ عام کیا۔ ادھر قلعہ کا دروازہ کھل جانے کی وجہ سے یزید بن ابی سفیان کا لشکر بھی شہر میں داخل ہو گیا۔ چند گھنٹوں کے اندر شہر طائر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ شہریوں کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا جو باقی رہ گئے تھے ان کو جزیہ ادا کرنا پڑا۔

ہرقل قیصرِ روم کا بیٹا قسطنطین جو کئی ماہ سے قیساریہ میں محصور ہو کر عمرو بن عاص کے لشکر کا مقابلہ کر رہا تھا جب اسے یہ معلوم ہوا کہ طرابلس۔ طائر اور شام کے تقریباً تمام مقامات عیسائیوں کے قبضہ سے نکل چکے ہیں تو اس کا دل ٹوٹ گیا۔ اور اس نے سوچا کہ اب قیساریہ کی خاطر جان کو خطرہ میں ڈالنا بیکار ہے۔ لہٰذا وہ ایک رات کو مع اہل و عیال کے قیساریہ سے فرار ہو کر اپنے باپ کے پاس قسطنطنیہ چلا گیا۔ قیساریہ کے باشندوں کو صبح کے وقت جب پتہ چلا کہ ان کا شہزادہ انھیں مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ گیا ہے تو انھوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ اور شاہی خزانہ عمرو بن عاص کے حوالے کر دیا۔ اور دو لاکھ روپیہ سالانہ دینے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد عسقلان۔ غزہ۔ نابلس۔ طبریہ عکا۔ یافہ۔ بیروت۔ جبلہ۔ لاذقیہ اور شام کے تمام شہر اور علاقے بلا جدال و قتال مسلمانوں کے مطیع بن گئے۔ اور اس طرح پانچ برس کی جنگ کے بعد ۱۸ھ (۶۳۹ء) میں مسلمان پورے ملکِ شام کے مختارِ مطلق بن گئے۔

فاتحین شام کی موت اور امیر معاویہ شام کے گورنر

شام کی فتح جہاں تاریخ اسلام کا نہایت ہی ندار کارنامہ ہے وہاں شام کی فتح کے سلسلہ میں یہ واقعہ بھی نہایت ہی درد انگیز ہے کہ جب شام فتح ہو گیا تو اس کو فتح کرنے والوں میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہ بچا۔ شمالی شام کے گورنر اور سپہ سالارِ اسلام حضرت ابو عبیدہ۔ حاکم دمشق یزید بن ابی سفیان۔ خالد کے

بھائی ضرار۔ سپہ سالار شرجیل۔ نومسلم سردار یوقنا اور دوسرے تمام فوجی افسر طاعون کی نذر ہوگئے۔ حضرت خالد بن ولید باقی رہ گئے تھے۔ وہ بھی مرنے کے ہی برابر تھے کیونکہ حضرت عمرؓ نے ان کو شام کی فتح کے بعد بالکل معطل کر دیا تھا اور وہ خانہ نشین ہوگئے تھے۔

شام کا یہ تاریخی طاعون جس نے کہ چن چن کر فداکارانِ اسلام کو ختم کر دیا تھا اس قدر خوفناک تھا کہ شام کا ایک گھر بھی ایسا باقی نہیں رہا جہاں موت نہ واقع ہوئی ہو۔ اس وبا میں پچیس ہزار سے زیادہ آدمی لقمۂ اجل ہوگئے۔ جن میں مسلمان۔ عیسائی۔ یہودی۔ سب ہی شامل تھے۔

طاعون کی اس وبا میں حاکمِ دمشق یزید بن ابی سفیان کے مرنے کے بعد ان کے بھائی معاویہ بن سفیان جوان ہی کے ساتھ دمشق میں رہتے تھے ۱۸ھ (۶۳۹ء) میں دمشق کے حاکم مقرر کر دئے گئے پھر یہ رفتہ رفتہ سارے شام کے گورنر بن گئے۔ امیر معاویہ وہی بزرگ ہیں جو حضرت علیؑ کے شدید مخالف تھے اور جن کی حضرت علیؑ کے ساتھ بے شمار لڑائیاں ہوئی ہیں حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد حکومتِ بنی اُمیہ کی بنیاد ان ہی امیر معاویہ نے رکھی تھی اور ان ہی نے سب سے پہلے اسلامی جمہوری حکومت کو ختم کر کے سلطنت اسلامیہ میں شہنشاہیت کا سلسلہ جاری کیا تھا۔

حضرت خالد بن ولید کی برطرفی

خالد بن ولید جنہوں نے کہ پورے عراق کو فتح کیا تھا اور شام کی فتح میں بھی جن کا سب سے بڑا ہاتھ تھا ملکِ شام کی تسخیر کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے انھیں فوجی خدمات سے ۱۸ھ میں بالکل معطل کر دیا تھا۔ خالد بن ولید سے یوں تو حضرت عمرؓ پہلے ہی سے خوش نہ تھے لیکن حمص کی فتح کے موقع پر ایک عربی شاعر نے ان کی شان میں قصیدہ لکھ کر پیش کیا تو خالد نے خوش ہو کر اسے تیس ہزار روپیہ بطور انعام دیدیا تھا۔ جب حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا تو آپ کو شبہ ہوا کہ خالد نے مالِ غنیمت میں تصرف کیا ہے۔ اسی قسم کے چند دوسرے واقعات بھی تھے جن کی

وجہ سے حضرت عمر رضؓ کی نظر میں خالد بن ولید کی دیانتداری مشتبہ ہو گئی تھی چنانچہ شام کی تسخیر کے بعد ان کو معطل کر دیا گیا اور ان کے خلاف باقاعدہ تحقیقات شروع کی گئیں لیکن تحقیقات کے بعد وہ قطعی بے گناہ ثابت ہوئے مگر پھر بھی ان کو فوجی عہدہ پر بحال نہیں کیا گیا۔

حضرت خالد بن ولید کو ان واقعات نے دل شکستہ کر دیا تھا۔ ان کی صحت دن بدن گرتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ ۲۱ھ (۶۴۲ء) میں ان کا انتقال ہو گیا۔ انتقال کے وقت ان کو اس بات کا ملال تھا کہ وہ میدان جنگ میں کیوں نہ شہید ہوئے۔ مرنے کے بعد انھوں نے جو ترکہ چھوڑا وہ صرف ایک گھوڑا، کچھ ہتھیار اور ایک لونڈی تھی۔ خالد بن ولید کو اگرچہ لشکر اسلام سے معطل کر دیا گیا تھا لیکن جب وہ مرے ہیں تو ساری مملکت اسلامیہ میں ان کی موت پر کہرام مچ گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بے حد ہر دلعزیز تھے اور عرب و عجم میں ان کی بڑی وقعت تھی۔

مصر میں مسلمانوں کا فاتحانہ داخلہ

شام کی فتوحات پر تبصرہ کرنے کے بعد ضرورت تو یہ تھی کہ اس تاریخ کے ناظرین کو سب سے پہلے ایران کی ان شاندار فتوحات سے روشناس کیا جاتا جو شام کی فتح کے زمانہ ہی میں ہوتی رہی ہیں لیکن ابھی ناظرین کو ایران کے واقعات سے واقف ہونے کے لیے تھوڑا سا انتظار کرنا ہوگا۔ کیونکہ ہم پہلے مصر کی فتوحات پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ مصر کا علاقہ بالکل شام سے ملا ہوا ہے۔ اور مصر کی فتوحات کو بھی شام کی فتح ہی کی ایک کڑی سمجھنا چاہیے۔

ہم اس سے قبل بتا چکے ہیں کہ بیت المقدس کی تسخیر کے فوراً ہی بعد حضرت عمر فاروق رضؓ نے عمرو بن عاص کو مصر کی فتح کے لیے مامور کیا تھا۔ لیکن عمرو بن عاص چونکہ نہایت ہی لائق سپہ سالار تھے انھوں نے ضروری سمجھا کہ مصر پر حملہ سے قبل شام کے ان تمام علاقوں کو قیصر روم کے قبضہ سے نکال لیں جو مفتوحہ شام اور مصر کے درمیان واقع ہیں تاکہ ان علاقوں پر مسلمانوں کے قبضہ کے بعد مصر کی جنگ میں شام کے راستہ کمک اور رسد حاصل کرنے میں کوئی دقت نہ پیدا ہو سکے۔ چنانچہ اسی مقصد کے ماتحت ۱۸ھ میں عمرو بن عاص نے قیساریہ اور جنوبی شام کے ان علاقوں کی فتح

میں مصروف رہے جو شام کو مصر سے ملانے تھے۔ اور جب وہ ان کی فتح سے فارغ ہو گئے تب انھوں نے مصر کی جانب توجہ کی۔

ملکِ مصر بھی شام کی طرح قیصرِ روم کی حکومت کا ایک جزو تھا جس پر رومی عیسائی صدیوں سے حکمرانی کر رہے تھے۔ شام کی کامل فتح کے بعد قیصرِ روم کی طاقت ٹوٹ چکی تھی اور مسلمانوں کے حوصلے بے حد بڑھے ہوئے تھے لہٰذا مسلمانوں نے عمرو بن عاص کی سرکردگی میں صرف پانچ ہزار سپاہیوں سے ۱۸ھ (۶۳۹ء) میں مصر جیسے وسیع ملک پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کا حملہ کرنا تھا کہ رومی عیسائیوں کا بے پناہ لشکر اسلامی فوج پر ٹوٹ پڑا لیکن عیسائی کیونکہ پہلے ہی سے مسلمانوں سے خائف تھے اس لئے کثرت کے باوجود عیسائیوں کو شکست ہو گئی اور عمرو بن عاص نے اپنے پہلے ہی حملہ میں بیلوزہ اور فراوق جیسے اہم مقامات پر قبضہ جما لیا۔ فراوق وہ مقام تھا جو مصر کو شام اور عراق سے ملاتا تھا اور جسے اس ملک میں کلیدی حیثیت حاصل تھی۔ فراوق کی فتح کے معنی یہ تھے کہ مسلمان مصر کے دروازہ میں داخل ہو گئے تھے۔ مصر میں داخل ہونے کے بعد عمرو بن عاص نے میڈیٹرینین اور بحرِ احمر کے درمیان عین اسی جگہ ایک نہر کھودنے کی تجویز پیش کی تھی جہاں صدیوں کے بعد نہرِ سویز کھودی گئی۔ حضرت عمرؓ نے اس تجویز سے اس لئے اتفاق نہیں کیا کیونکہ آپ کا خیال تھا کہ اس نہر کے کھدنے کے بعد ملکِ عرب پر بحری حملہ کے امکانات پیدا ہو جائیں گے۔ لہٰذا یہ تجویز ختم کر دی گئی اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ نہر سویز جسے یورپین دماغوں کا کارنامہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس کا بنیادی تخیل فاتحینِ اسلام ہی کے دماغوں میں سب سے پہلے پیدا ہوا تھا۔

مصر پر مسلمانوں کا قبضہ

اُس زمانہ میں منفس کے نام سے اس ملک میں ایک بہت بڑا شہر آباد تھا جس کا دوسرا نام مصر تھا۔ اس شہرِ مصر کے نام پر ہی یہ سارا ملکِ مصر کہلایا۔ فراوق پر قبضہ کے بعد عمرو عاص نے سب سے پہلے اسی شہر کا محاصرہ شروع کیا۔ رومی عیسائیوں نے اسلامی لشکر کا بڑی سختی کے ساتھ مقابلہ کیا جس کا

نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی لشکر کی تعداد بہت کم ہوگئی۔ جب محاصرہ کو کئی مہینے ہوگئے اور فتح کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو عمرو بن عاص نے خلیفہ اسلام کو مدد بھیجنے کے لئے لکھا جس کے جواب میں چار ہزار کا تازہ دم لشکر آگیا اور اس لشکر کے آنے کے بعد مسلمانوں کی طاقت بڑھ گئی

مصر کے حاکم شاہ مقوقس نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کی تازہ دم فوج آگئی ہے تو وہ خائف ہوا اور اس نے در پردہ مسلمانوں سے صلح کی بات چیت شروع کر دی۔ مقوقس اس لئے بھی مسلمانوں سے صلح کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ قبطی تھا۔ اور قبطیوں کو رومی عیسائیوں سے فطری نفرت تھی۔ چنانچہ مصر کے قبطیوں اور رومیوں میں آئے دن خانہ جنگی برپا رہتی تھی۔ مقوقس نے سوچا کہ اگر مسلمانوں کو مصر پر اقتدار حاصل ہو جائے تو قبطی مسلمانوں کے ساتھ مل کر ان رومی عیسائیوں سے جن کے ظلم و ستم سے وہ تنگ تھے اچھی طرح انتقام لے سکیں گے۔

مقوقس نے اپنے دور حکومت میں ٹیکسوں اور دیگر ذرائع سے بے اندازہ دولت مصر کے خزانہ میں جمع کر رکھی تھی۔ وہ بالا ہی بالا اس دولت پر قبضہ کرنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے اسلامی سپہ سالار عمرو بن عاص کے پاس پیغام بھیجا کہ "اگر مسلمان یہ وعدہ کریں کہ وہ خزانہ کو ہاتھ نہیں لگائیں گے اور یہ خزانہ میرے حوالہ کر دیں گے۔ اس کے علاوہ یہ یقین دلائیں کہ وہ رومی عیسائیوں کے مقابلہ میں قبطیوں کی ہر طرح امداد کریں گے تو میں اس کے لئے تیار ہوں کہ بغیر لڑے ہوئے شہر مسلمانوں کے حوالے کر دوں" عمرو بن عاص نے مقوقس کی شرائط منظور کر لیں۔

مقوقس سے در پردہ معاملات طے ہونے کے بعد اب مسلمانوں کے لئے شہر مصر پر قبضہ کر لینا دشوار نہیں تھا۔ چنانچہ اسلامی لشکر جب قلعہ کی جانب بڑھا تو قلعے کے دروازے کھلے ہوئے تھے قبطی پہلے ہی مسلمانوں کے ہمنوا بن چکے تھے اس لئے انہوں نے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی۔ اب رہ گئے رومی جب وہ مقابلہ پر آئے تو ان کو تہ تیغ کر دیا

گیا۔ شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ اور شہر کے دروازہ پر اسلام کا جھنڈا سنہ ۲۰ھ (سنہ ۶۴۱ء) میں لہرا دیا گیا۔ رومی عیسائیوں کی ایک بہت بڑی تعداد تو جہازوں کے ذریعہ فرار ہوگئی جو باقی رہ گئے تھے انھوں نے اطاعت قبول کر لی۔

مصر پر قبضہ کے بعد عمرو بن عاص نے شہر کے باشندوں کے ساتھ بڑی نرمی کا سلوک کیا۔ صرف دو روپیہ فی کس سالانہ جزیہ مقرر کیا گیا۔ بوڑھوں۔ سولہ برس سے کم عمر کے لڑکوں اور عورتوں کے لئے جزیہ معاف کردیا گیا۔ شہر کو بالکل نہیں لوٹا گیا۔ یہاں تک کہ اسلامی لشکر کے لئے جو جنس حاصل کی جاتی تھی وہ بھی قیمت ادا کرکے لی جاتی تھی۔ عورتوں کی آبرو کے تحفظ کا ایسا اچھا انتظام تھا کہ کسی ایک عورت کو بھی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ مقوقس کو حسب وعدہ پورے کا پورا خزانہ دیدیا گیا چنانچہ وہ اپنے خزانہ کو لیکر دریائے نیل کے کنارے کے ایک دور دراز شہر میں چلا گیا۔

اسکندریہ بھی فتح ہوگیا

مصر پر قبضہ کے بعد عمرو بن عاص نے نئے سرے سے فوج کو ترتیب دیا۔ انھوں نے اپنے غیر معمولی تدبر کی بنا پر قبطیوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا جس سے کہ مسلمانوں کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ اسی دوران میں عمرو بن عاص کو پتہ چلا کہ رومی عیسائی تازہ حملہ کے لئے کرام الشوارق میں جمع ہو رہے ہیں تو انھوں نے فوراً پوری طاقت سے اس علاقہ پر حملہ کردیا۔ رومی عیسائیوں کو شکست ہوگئی اور وہ فرار ہونے کے بعد اسکندریہ چلے گئے۔

اسلامی لشکر بھی سوا سو میل کی مسافت طے کرنے کے بعد اسکندریہ کے سامنے خیمہ زن ہوگیا۔ اسکندریہ اس زمانہ میں ملک مصر کا دارالسلطنت تھا جس کو سارے مشرق میں بہت بڑی تجارتی اہمیت حاصل تھی۔ اسی شہر کے ذریعہ یورپ اور دور دور کے ممالک سے تجارت کی جاتی تھی۔ اس شہر کی وسعت اور خوبصورتی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس ایک شہر میں اُمرا کے چار ہزار محل تھے۔ اور پانچ ہزار حمام تھے۔ چار سو کے قریب

تماشہ گاہیں تھیں۔ اور بارہ ہزار کے قریب چھوٹے بڑے باغ تھے شہر کے باشندوں کے تمول اور دولتمندی کا یہ عالم تھا کہ یہاں چالیس ہزار ایسے یہودی رہتے تھے جن کی دولت کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ دیگر مذاہب کے لوگ بھی نہایت ہی خوشحال تھے۔

فوجی اعتبار سے بھی یہ شہر بے حد مضبوط تھا بلکہ اسے ناقابلِ تسخیر خیال کیا جاتا تھا اول تو پہلے ہی اس شہر میں بے اندازہ فوج موجود تھی لیکن مصر اور دوسرے شہروں کے ہاتھ سے نکل جانیکے بعد جب تقریباً تمام رومی فوج اسی شہر میں چلی آئی تو اس کی فوجی طاقت اور بھی بڑھ گئی۔ عمرو بن عاص نے اسکندریہ کا محاصرہ کرنے سے پہلے حسب دستور رومی عیسائیوں سے اطاعت کا مطالبہ کیا لیکن وہ اس مطالبہ کو ٹھکرا کر مقابلہ پر آ گئے۔ اور بڑی بہادری کے ساتھ لڑے۔

مسلمانوں کو اسکندریہ کی فتح میں کس قدر دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمان مسلسل چودہ مہینے تک محاصرہ کئے رہے۔ اس دوران میں کئی مرتبہ امدادی لشکر مسلمانوں کی مدد کے لئے آیا۔ آخر چودہ مہینے کے محاصرہ کے بعد جب رومی عیسائی تنگ آ گئے تو وہ کھلے میدان میں لڑنے پر مجبور ہو گئے۔ بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ چودہ ماہ مقید رہنے کے بعد چونکہ عیسائیوں کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ اس لئے وہ شہر کو مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

عمرو بن عاص نے فوراً اسکندریہ پر قبضہ جما لیا مگر ان سے غلطی یہ ہوئی کہ وہ ایک مختصر سی فوج کو اسکندریہ میں چھوڑ کر عیسائی لشکر کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ جب عیسائیوں کو اس کا پتہ چلا کہ اسکندریہ میں مسلمانوں کی فوج بہت کم ہے تو انھوں نے رات کے وقت پلٹ کر دوبارہ اسکندریہ پر قبضہ کر لیا۔ اور جو تھوڑے سے مسلمان شہر کے اندر موجود تھے ان کی بیشتر تعداد کو ختم کر دیا۔

عمرو بن عاص کو جب علم ہوا کہ عیسائی دوبارہ اسکندریہ پر قابض ہو گئے ہیں تو انھیں بے حد افسوس ہوا۔ وہ فوراً پلٹے لیکن عیسائیوں نے شہر میں محصور ہونے کے

نے شہر کے دروازے بند کرلئے تھے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ دوبارہ اس شہر کا محاصرہ کرلیا جائے۔ چنانچہ اسکندریہ کو دوبارہ محاصرہ میں لے لیا گیا۔ اور پھر نئے سرے سے اسکندریہ کی تسخیر کے لئے اہتمام کیا گیا۔ آخر بڑی دشواریوں کے بعد مسلمانوں نے ۲۱ھ (۶۴۲ء) میں اسکندریہ کو فتح کرنے کے بعد سرزمینِ مصر پر سے بھی رومی حکومت کا خاتمہ کردیا۔

اسلامی فوج نے چونکہ بڑی تکلیفیں اٹھاکر اسکندریہ کو فتح کیا تھا اس لئے فوج کا مطالبہ تھا کہ شہر میں لوٹ مار کی عام اجازت دی جائے۔ اس بارے میں جب حضرت عمر فاروق رضی کی رائے معلوم کی گئی تو آپ نے اس تاریخی شہر کو لوٹ مار سے بچانے کی سخت ہدایت کی اور لکھا کہ "صرف جزیہ پر اکتفا کیا جائے"۔ چنانچہ اس ہدایت کے بعد کسی ایک سپاہی کو بھی یہ جرأت نہ ہوسکی کہ اسکندریہ کے ایک تنکے کو بھی ہاتھ لگا سکتا۔ اس واقعہ سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلامی فوج میں کس بلا کا ڈسپلن تھا کہ جب اسے کسی بات سے منع کردیا جاتا تھا تو وہ اس حکم پر پوری طرح عمل کرتی تھی۔ خواہ اس میں اس کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اسکندریہ لوٹ مار سے قطعی محفوظ رہا اور اس شہر کے باشندوں کو ذرہ برابر بھی نقصان نہ پہنچنے پایا۔ اس رواداری اور اچھے سلوک کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسکندریہ کی آبادی کے ایک بہت بڑے حصہ نے بخوشی اسلام قبول کرلیا جنہوں نے اسلام نہیں قبول کیا تھا وہ جزیہ ادا کرنے لگے۔ اسکندریہ کی فتح کے بعد مصر کے جو چھوٹے بڑے چند شہر باقی رہ گئے تھے انھوں نے جدال اور قتال کے بغیر ہی اطاعت قبول کرلی۔

شام کے بعد ملکِ مصر کا رومی سلطنت سے نکل جانا قیصرِ روم ہرقل کے لئے بہت بڑا حادثہ تھا۔ چنانچہ اس حادثہ کا اثر یہ ہوا کہ وہ اسکندریہ کی فتح کے دو ماہ بعد ہی اس صدمہ کی وجہ سے مرگیا۔ ہرقل کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا قسطنطین تخت پر بیٹھا لیکن وہ ہرقل کی طرح لائق نہ تھا۔

مصر جیسے خوشحال ملک کی تسخیر سے سلطنتِ اسلامیہ کو کس قدر فائدہ پہنچا۔ اس کا

اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف اس ایک ملک سے بارہ کروڑ روپیہ سالانہ کا خراج اور محصول وصول ہوتا تھا اور ملکی پیداوار کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ جب عرب میں قحط پڑا اور عمرو بن عاص نے مصر سے عرب کے لئے غلہ روانہ کیا تو یہ غلہ اس کثرت سے بھیجا گیا تھا کہ غلہ لیجانے والے قافلہ کا اگر پہلا اونٹ مدینہ میں تھا تو آخری اونٹ مصر ہی میں موجود تھا یعنی مصر سے لیکر مدینہ تک غلہ سے بھرے ہوئے اونٹ ہی اونٹ دکھائی دیتے تھے۔

اسکندریہ کے کتب خانہ کے جلانے کا بے بنیاد افسانہ

اسکندریہ کی فتح کے سلسلہ میں ایک قطعی بے بنیاد افسانہ یہ مشہور ہے کہ عمرو بن عاص نے حضرت عمر رضہ کے حکم سے اسکندریہ کے ایک ایسے عظیم الشان کتب خانہ کو جلا دیا تھا جس میں کئی لاکھ نایاب کتابیں تھیں چنانچہ بعض یوروپین مؤرخین نے لکھا ہے کہ عمرو بن عاص نے فتح اسکندریہ کے بعد جب حضرت عمر فاروق رضہ سے یہ پوچھا کہ "اسکندریہ کے کتب خانہ کا کیا کیا جائے" تو حضرت عمر فاروق رضہ نے جواب دیا کہ "اگر یہ کتابیں قرآن کے موافق ہیں تب بھی ان کا رہنا ضروری نہیں کیونکہ قرآن ہی ہمارے لئے کافی ہے۔ اور اگر قرآن کے خلاف ہیں تو ان کو ضرور ضائع کر دینا چاہئے۔ لہذا لاکھوں کتابیں مثل ردی کے جلا دی گئیں۔"

مشہور یورپین مورخ گبن اس واقعہ کو بے سروپا قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ ہم اس بارے میں اس زمانہ کے دو سب سے بڑے مورخوں کے بیانات پر اعتبار کر سکتے ہیں ایک مورخ الماکن جس نے کہ اسکندریہ کے محاصرہ کے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔ اور دوسرا پادری اتی جیس جو اس زمانہ میں اسکندریہ کا مذہبی پیشوا تھا اور جس نے کہ اس محاصرہ کا پورا حال لکھا ہے۔ لیکن ان دونوں میں سے کسی نے بھی کتب خانہ کی بابت ذکر تک نہیں کیا۔

فرانسیسی مورخ سیدیو اسکندریہ کے کتب خانہ کے معاملہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے کہ "یہ روایت سچائی سے خالی ہے کیونکہ یہ وحشیانہ فعل ہے اور اسے ایک ایسے

خلیفہ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں جو عقل و دانش میں تمام اُمت کے نزدیک سب سے بہتر ہو۔ چنانچہ اُس زمانہ کے کسی مورخ نے بھی اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا۔ اسکندریہ کا کتب خانہ باقی ہی کہاں رہا تھا کیونکہ اس کتب خانہ کا بڑا حصہ ۴۸ قبل مسیح میں بادشاہ کے حکم سے جلایا جا چکا تھا۔"

یہ بیانات مسلم مورخوں کے نہیں ہیں بلکہ ان عیسائی مورخوں کے ہیں جن کو مسلمانوں سے کوئی ہمدردی فطری طور پر نہیں ہو سکتی۔ ان مورخوں کے بیانات سے اندازہ لگائیے کہ اس بے سروپا واقعہ کو کس طرح حضرت عمر فاروق رضی کی ذات گرامی کے ساتھ چسپاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ذرا غور فرمائیے کہ جو خلیفہ اسلام کسی گرجا یا مشرکوں کی عبادتگاہ کو بھی ہاتھ لگانا پسند نہیں کرتا ہو وہ نعوذ باللہ اس قدر تنگ نظر کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک عظیم الشان کتب خانہ کو جبکہ وہ مسلمانوں کے قبضہ میں بھی آچکا ہو جلوا ڈالے۔

ایران میں مسلمانوں کی شاندار فتوحات

ایران میں مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ چونکہ حضرت ابو بکر صدیق رض کے زمانہ خلافت ہی میں فتح عراق کے بعد ۱۲ھ (۶۳۳ء) ہی سے شروع ہو گیا تھا اس لئے ہم کو آٹھ نو سال پیچھے ہٹنے کے بعد ان تمام واقعات پر ابتدا ہی سے روشنی ڈالنی ہوگی جو ایران میں گذشتہ آٹھ نو سال کے اندر رونما ہوتے رہے ہیں۔

ہم اس سے قبل یہ بتا چکے ہیں کہ جن ایام میں کہ اسلامی فوجیں شام اور مصر میں فتوحات حاصل کر رہی تھیں عین اسی زمانہ میں ایران میں بھی مسلمان شہر بہ شہر اور علاقوں پر علاقے فتح کر رہے تھے لیکن شام و مصر کی فتوحات کی تفصیل بیان کرنے کے دوران میں ہم نے ایران کے واقعات کو محض اس لئے بیان نہیں کیا کیونکہ ایسا کرنے سے کئی ملکوں کے واقعات آپس میں اس طرح اُلجھ جاتے کہ ناظرین کو ان کے سمجھنے میں بڑی دقت پیدا ہوتی لیکن اب جبکہ ہم شام اور مصر کی فتوحات پر مفصل تبصرہ کر چکے ہیں تو ایران کے

واقعات ابتدا سے بیان کریں گے۔ اور یہ بتائیں گے کہ شام و مصر کی طرح گذشتہ آٹھ نو سال میں ایران میں بھی مسلمانوں نے کیسی کیسی شاندار فتوحات حاصل کی ہیں۔

ایران میں اسلامی فتوحات کی سرگزشت بیان کرنے سے قبل یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے حملہ سے قبل کی ایرانی تاریخ پر بھی ہلکا سا تبصرہ کر دیا جائے تاکہ ناظرین کو یہ پتہ چل جائے کہ جس ایرانی سلطنت کے خلاف مسلمانوں نے یلغار کیا تھا۔ اس کی کیا حیثیت تھی اور اس سلطنت میں اندرونی طور پر کیسی کیسی پیچیدگیاں اُس زمانہ میں پیدا ہو گئی تھیں۔

سلطنتِ ایران آتش پرستوں کی نہایت قدیم مستحکم اور وسیع ترین سلطنت تھی یہ اپنے زمانہ کی سب سے متمدن۔ دولتمند اور طاقتور حکومت شمار کی جاتی تھی۔ اس عظیم الشان سلطنت کی سرحدیں مشرق میں ہندوستان سے ملی ہوئی تھیں۔ شمال میں روسی ترکستان تک یہ حکومت پھیلی ہوئی تھی۔ مشرق میں شام و عراق کی سرحدوں تک اسے وسعت حاصل تھی اور جنوب میں آبنائے فارس اور بحر ہند اس کے قدم چوم رہے تھے۔ دنیا میں اُس وقت صرف دو ہی بڑی حکومتیں شمار کی جاتی تھیں جن میں سے ایک سلطنتِ ایران تھی اور دوسری سلطنتِ روم۔ یہ دونوں بڑی حکومتیں کیونکہ ایک دوسرے کی مدمقابل اور رقیب تھیں اس لئے ان میں آئے دن لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ ان لڑائیوں سے اگرچہ دونوں حکومتوں کو کافی نقصان پہنچ چکا تھا لیکن پھر بھی سلطنتِ ایران دنیا کی نہایت مضبوط حکومت شمار کی جاتی تھی۔

سے ھ (۶۲۸ء) میں جبکہ مسلمانانِ عرب نے رسول اللہ صلعم کی زیر قیادت خیبر میں عظیم الشان فتح حاصل کی تھی اسی زمانہ سے حکومتِ ایران میں اندرونی خلفشار پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ چنانچہ اسی سال جب کسرائے ایران خسرو پرویز کو سنہ ھ میں قیصر روم کے مقابلہ میں شکست ہوئی تو اراکینِ سلطنت خسرو پرویز کے دشمن بن گئے اور انھوں نے اس بادشاہ

کو معزول کر کے اس کے بیٹے شیرویہ کو ایران کے تخت پر بٹھا دیا۔ شیرویہ نہایت ہی بد خلق اور عیاش تھا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی ایک طرف تو اپنے باپ اور سترہ بھائیوں کو تہ تیغ کر دیا اور دوسری جانب اپنی سوتیلی ماں شیریں پر جو کہ بے حد حسین تھی قبضہ جمانا چاہا لیکن اس ناپاک مقصد میں اُسے کامیابی نہیں ہوئی۔ بلکہ اس پاکدامن خاتون نے بیٹے سے اپنی آبرو بچانے کے لئے خودکشی کر لی تھی۔ شیرویہ کا یہ ظلم و ستم زیادہ مدت تک جاری نہیں رہ سکا کیونکہ وہ آٹھ مہینے کے بعد ہی پاگل ہو کر مر گیا تھا۔

شیرویہ کے مرنے کے بعد اسی سال یعنی ۶۲۸ء میں اس کا بیٹا اردشیر تخت نشین ہوا لیکن وہ بھی مارا گیا۔ اس کے قتل ہوتے ہی ۶۳۰ء میں جس سال کہ مکہ فتح ہوا تھا ایک ایرانی امیر نے تخت پر قبضہ جما لیا مگر وہ بھی مارا گیا۔ ایرانی امیر کے قتل کے بعد خسرو پرویز کی بیٹی "توران دخت" ۶۳۰ء (سنہ ۹ ہجری) میں اسی زمانہ میں تخت پر بیٹھی جس زمانہ میں کہ رسول اللہ صلعم کو جنگ تبوک لڑنی پڑی تھی۔ لیکن اُمرائے سلطنت نے اسے بھی ڈیڑھ سال کے بعد معزول کر دیا۔

اُمرائے ایران نے "توران دخت" کو معزول کرنے کے بعد ۱۱ھ (۶۳۲ء) میں جو رسول اللہ صلعم کا سالِ وفات ہے خسرو پرویز کی دوسری بیٹی آذرمیہ کو تخت نشین کر دیا یہ لڑکی اگرچہ نہایت ہوشمند تھی لیکن اس کے لئے ایک نئی مصیبت یہ کھڑی ہو گئی کہ ایک ایرانی امیر فرخ زاد حاکم خراسان اس پر عاشق ہو گیا۔ اور اس نے ملکہ پر شادی کے لئے زور دینا شروع کر دیا۔ جب یہ شادی کے لئے تیار نہ ہوئی تو ایرانی امیر فرخ زاد ایک رات شاہی محل میں گھس آیا مگر محافظوں نے امیر کو قتل کر دیا۔ امیر کا قتل ہونا تھا کہ امیر کے بیٹے رستم نے ملکہ آذرمیہ سے انتقام لینے کے لئے اس پر فوج کشی کر دی۔ اور آذرمیہ کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ یہ واقعہ حضرت ابوبکر رضؓ کے عہدِ خلافت میں ہوا تھا۔ آذرمیہ کے قتل کے بعد اس کے بھائی کو تخت پر بٹھایا گیا۔ لیکن چالیس روز کے بعد اسے بھی زہر

ویز ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے بعد خسرو پرویز کا پوتا یزدجرد سوم ایران کا بادشاہ بنا۔ اسی یزدجرد سے متعدد لڑائیوں کے بعد مسلمانوں نے ایران کا ملک چھینا تھا سلطنت ایران کے ان حالات سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جس زمانہ میں مسلمانوں نے ایران پر حملہ کیا تھا اُس زمانہ میں اس سلطنت میں بُری طرح اندرونی خلفشار پھیلا ہوا تھا چنانچہ یہ اندرونی خلفشار مسلمانوں کے لئے ایران فتح کرنے میں بے حد ممد و معاون ثابت ہوا۔

ایران میں مسلمانوں کی پہلی فتح

حضرت ابوبکر صدیق کے دورِ حکومت کے حالات بیان کرتے ہوئے ہم گزشتہ اوراق میں یہ بتا چکے ہیں کہ اسلامی سپہ سالار حضرت خالد بن ولید نے پورے ملک عراق کو جو سلطنتِ ایران کا ایک صوبہ تھا ۱۲ھ (۶۳۳ء) میں فتح کر کے سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کر لیا تھا۔ یہ سلطنتِ ایران کے مقابلہ میں مسلمانوں کی پہلی شاندار فتح تھی۔ عراق کی فتح کے بعد خالد بن ولید خاص ایران پر بھی حملہ کرنے والے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے شاہِ ایران یزدجرد کو اعلانِ جنگ بھی دے دیا تھا کہ اچانک ان کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کا حکم ملا کہ وہ عراق و ایران کے معاملات کو اپنے کسی ماتحت افسر کے سپرد کر کے فوراً حضرت ابو عبیدہ کی مدد کے لئے شام پہنچ جائیں۔ شام میں اس وقت اسلامی فوجوں کی حالت نہایت خراب تھی۔ قیصرِ روم کی فوجوں کے غیر معمولی دباؤ کی وجہ سے شام میں مسلمانوں کی فتح مشتبہ بن گئی تھی۔ اسی لئے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے خالد بن ولید کو شام جانے کی ہدایت کی تھی چنانچہ اس سے قبل بتایا جا چکا ہے کہ خالد بن ولید کے شام پہنچنے کے ساتھ ہی شام کے اسلامی لشکر میں نئی زندگی اور روح پیدا ہو گئی تھی اور مسلمانوں کو شام میں اس قدر فتوحات حاصل ہوئیں کہ مختصر سی مدت میں مسلمان پورے ملک شام کے مالک و مختار بن گئے۔

خالد بن ولید جس وقت عراق سے شام کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ اُس وقت عراق کی اسلامی فوجیں پورے عراق کو فتح کرنے کے بعد دریائے فرات کے کنارے ایران کی سر

پرچھائی ہوئی تھیں۔ خالد بن ولید نے اسلامی فوجوں کی سپہ سالاری مثنیٰ بن حارث کے سپرد کرتے ہوئے ان کو ہدایت کی تھی کہ وہ ایران کے ملحقہ علاقوں کو فتح کرنے کی جان توڑ کوشش کریں لیکن خالد بن ولید کے جانے کے بعد مثنیٰ بن حارث کسی ایک علاقہ میں بھی کوئی قابل تذکرہ فتح حاصل نہیں کرسکے۔ شائد اس کی وجہ یہ تھی کہ خالد بن ولید نصف سے زیادہ لشکر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اور عراق میں جو فوج باقی رہ گئی تھی اس کی تعداد بہت محدود تھی۔

خالد بن ولید کے شام چلے جانے کے بعد ایرانیوں کے حوصلے بے حد بڑھ گئے تھے۔ انھوں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ خالد کی غیر موجودگی میں عراق کا مسلمانوں کے قبضہ سے نکال لینا کوئی دشوار نہیں، ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ عراق پر حملہ کردیا تھا۔ مثنیٰ بن حارث حیرہ سے چل کر مقابلہ کے لئے بابل پہنچ گئے تھے۔ بابل میں دونوں لشکروں میں بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ آخر بڑے کشت وخون کے بعد ایرانیوں کو شکست ہوگئی۔ اس شکست کے بعد ایرانیوں نے جب نہایت وسیع پیمانہ پر عراق پر دوسرے حملہ کی تیاریاں شروع کیں تو مثنیٰ بن حارث خلیفۂ اسلام کو تمام حالات سے مطلع کرنے کے لئے مدینہ گئے لیکن مدینہ پہنچنے کے بعد انھوں نے دیکھا کہ خلیفہ اسلام حضرت ابوبکرؓ سخت بیمار ہیں لیکن پھر بھی مثنیٰ بن حارث نے خلیفۂ اسلام کو عراق و ایران کے نازک حالات سے مطلع کردیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی زندگی کا اگرچہ یہ آخری دن تھا لیکن آپ نے پھر بھی حضرت عمر رضؓ کو بلا کر ہدایت کردی تھی کہ "ایران کی جانب سے غافل نہ رہنا اسلامی فتوحات کو برابر جاری رکھنا اور مثنیٰ بن حارث کی امداد کے لئے جلد سے جلد تازہ دم لشکر بھیجدینا تاکہ ایرانیوں کو عراق و عرب کی جانب رُخ کرنے کا حوصلہ نہ ہوسکے۔"

ایرانیوں کے نامور سرداروں کو شکست

حضرت عمر فاروق رضؓ نے اپنی خلافت کے پہلے ہی

ہفتہ میں حضرت ابوبکرؓ کی ہدایت کے مطابق ابو عبیدہ ثقفیؓ کو تازہ دم لشکر دیکر اور سالار لشکر بنا کر مثنیٰ بن حارثہ کی مدد کے لئے عراق روانہ کر دیا تھا۔ ابو عبیدہ ثقفیؓ مدینہ کے لشکر کے علاوہ راستہ کے قبائل سے بھی لوگوں کو اپنے ساتھ لیتے گئے تھے اور اس طرح انھوں نے ایرانیوں کے مقابلہ کے لئے اچھا خاصہ لشکر جمع کر لیا تھا۔

رستم بن فرخ زاد جو اُس زمانہ میں سلطنتِ ایران میں وزیر جنگ کے عہدہ پر مامور تھا جب اسے یہ معلوم ہوا کہ عراق میں عربوں کا تازہ دم لشکر جمع ہو رہا ہے تو اس نے مسلمانوں کے خلاف نہایت ہی وسیع پیمانہ پر جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور اس نے کئی مشہور ایرانی سرداروں کی سرکردگی میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے متعدد ایرانی لشکر روانہ کر دئے۔ ان ایرانی لشکروں کے سپاہیوں کی تعداد کسی صورت میں بھی پچاس ساٹھ ہزار سے کم نہ تھی۔

رستم کے بھیجے ہوئے ان ایرانی لشکروں میں سے پہلے لشکر کا مقابلہ حضرت ابو عبیدؓ سے مقام نمارق میں ہوا۔ ایرانی لشکر کی رہنمائی ایران کا مشہور سردار جابان کر رہا تھا جسے بُری طرح شکست ہوئی۔ دوسرا لشکر جو شہزادہ نرسی کی زیر سرکردگی روانہ کیا گیا تھا اور جس کی تعداد تیس ہزار تھی مقام کسکر میں خیمہ زن تھا۔ ابو عبیدہ ثقفیؓ نے اس لشکرِ عظیم کو بھی شکست دیدی۔ تیسرا لشکر جو جالینوس کی سرکردگی میں تھا دوسرے ایرانی لشکروں کی مدد کے لئے آ رہا تھا۔ اسے اسلامی لشکر نے باقسیاثا کے میدان میں جنگ کے بعد راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا یعنی رستم نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے جتنے بھی لشکر بھیجے تھے ان کو بُری طرح شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور مسلمانوں کے ہاتھ بے اندازہ مالِ غنیمت آیا۔

مسلمانوں کی شکست اور ابو عبیدہ ثقفیؓ کی شہادت

عربوں کے ایک چھوٹے سے لشکر کے مقابلہ میں ایران کے عظیم الشان لشکروں کی شکست اور نمارق کے بہترین جرنیل

کا میدانِ جنگ سے راہِ فرار اختیار کرنا سلطنتِ ایران کے لئے بہت بڑا حادثہ تھا۔ رستم نے مسلمانوں سے اس ذلت کا انتقام لینے کے لئے ایران کے سب سے بہادر سپہ سالار بہمن جادویہ کو چالیس ہزار کا لشکر اور تین سو جنگی ہاتھی دیکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ ادھر ابو عبیدہ ثقفی بھی اپنے مختصر سے لشکر کو لیکر میدان میں آ گئے۔ دریائے فرات کے اس کنارہ پر تو اسلامی لشکر خیمہ زن تھا۔ اور دوسرے کنارے پر ایرانی لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ چونکہ دریائے فرات درمیان میں حائل تھا اس لئے کچھ روز تو دونوں لشکر خاموش رہے۔ بالآخر دریا پر پُل بنایا گیا۔ پُل کے تیار ہونے کے بعد بہمن جادویہ نے ابو عبیدہ ثقفی سے دریافت کرایا کہ "تم دریا کو عبور کر کے اس طرف آتے ہو یا ہمیں دریا کے اُس طرف بُلاتے ہو۔" ابو عبیدہ ثقفی نے جواب دیا کہ "ہم دریا کے پار آکر مقابلہ کریں گے۔" لہذا وہ لشکر لیکر دریائے فرات کے اُس پار چلے گئے۔ اور دونوں لشکروں میں جنگ چھڑ گئی۔

بہمن جادویہ نے اس جنگ میں ہاتھیوں کو اپنے لشکر کے آگے رکھا تھا۔ ان ہاتھیوں پر تیر انداز بیٹھے ہوئے لشکرِ اسلام پر تیروں کا مینہ برسا رہے تھے۔ عربوں کے گھوڑوں نے اس سے قبل چونکہ ہاتھی نہیں دیکھے تھے اس لئے وہ ہاتھیوں کو دیکھ کر بے قابو ہو گئے۔ ابو عبیدہ ثقفی نے جب دیکھا کہ گھوڑے قابو سے باہر ہو گئے ہیں تو انہوں نے حکم دیا کہ پا پیادہ ہو کر حملہ کیا جائے۔ مسلمانوں نے یہ حملہ اگرچہ بڑی بہادری کے ساتھ کیا لیکن جب ہاتھی مسلمانوں کو کچلتے ہوئے آگے بڑھے تو سارا اسلامی لشکر منتشر ہو گیا۔ ابو عبیدہ نے مسلمانوں کو ہمت دلاتے ہوئے چلا کر کہا "گھبراؤ نہیں ہاتھیوں کی سونڈیں تلواروں سے کاٹ ڈالو۔" اور یہ کہہ کر وہ خود آگے بڑھے اور انہوں نے بڑی جرأت کے ساتھ ہاتھیوں کی سونڈیں قلم کرنی شروع کیں۔ اور کئی ہاتھیوں کے اگلے پاؤں کاٹ کر گرا دیا۔ غرضکہ ابو عبیدہ اور ان کے ساتھی جب ہاتھیوں سے میدانِ جنگ کو صاف

کر رہے تھے تو اچانک ایک جنگی ہاتھی نے ابو عبیدہ پر حملہ کر دیا۔ آپ نے اس پر ایک ایسا وار کیا کہ اس کی سونڈ کٹ کر جا پڑی لیکن ہاتھی نے غصہ میں آگے بڑھ کر ان کو گرا دیا اور ان کے سینہ پر پاؤں رکھ کر کچل ڈالا۔ اور ان کو شہید کر دیا۔ ابو عبیدہ کی شہادت کے بعد یکے بعد دیگرے سات آدمیوں نے اسلام کا جھنڈا سنبھالا اور ساتوں کے ساتوں شہید ہو گئے۔ آخر مثنیٰ ابن حارث نے جھنڈا لے لیا اور بڑی مردانگی کے ساتھ مدافعت شروع کی لیکن سپاہیوں کی حالت یہ تھی کہ وہ یکے بعد دیگرے سات سرداروں کی شہادت اور ہاتھیوں کے حملہ سے اس قدر گھبرا گئے تھے کہ اب ان میں مقابلہ کی ہمت ہی نہ تھی۔

مسلمان سپاہی جب شکست کھا کر بھاگنے لگے تو بعض پُرجوش مجاہدین نے جا کر پل توڑ دیا۔ اور چلا کر کہا کہ اب تمہارے بھاگنے کا راستہ بند ہو گیا ہے یا تو لڑو یا ذلت کی موت مرو" مثنیٰ ابن حارث نے یہ حالت دیکھی تو بچی کھچی فوج کو لیکر میدان میں ڈٹ کر کھڑے ہو گئے۔ لوگوں کو ہمت دلائی اور ساتھ ہی پل بنانے کا حکم دیا۔ جب پل بن گیا تو اسلامی فوج میں اعلان کر دیا کہ "میں ایرانی لشکر کو آگے بڑھنے سے روکے ہوئے ہوں تم اطمینان سے ساتھ پل کے راستہ دریا کو عبور کر لو"۔ غرضکہ مثنیٰ ابن حارث نے اس موقعہ پر بڑی بہادری کا ثبوت دیا۔ وہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اس وقت تک ایرانی لشکر کو روکنے میں مصروف رہے جب تک کہ تمام مسلمان سپاہیوں نے پل عبور نہیں کر لیا۔ پھر سب سے آخر میں لڑتے ہوئے خود بھی پل کے دوسری طرف چلے گئے اور پل کو توڑ دیا۔ نو ہزار کے اسلامی لشکر میں سے چار پانچ ہزار اس جنگ میں کام آگئے۔ جو باقی بچ گئے تھے ان میں سے بھی بہت سے بُری طرح زخمی تھے۔ ایرانیوں کے بھی چھ سات ہزار آدمی مارے گئے۔ لیکن اب تک جتنی بھی لڑائیاں ہوئی تھیں ان میں سے کسی ایک لڑائی میں بھی مسلمانوں کو اتنا جانی نقصان نہیں اُٹھانا پڑا تھا جتنا کہ اس لڑائی میں اُٹھانا پڑا۔ یہ لڑائی ۱۳ھ (۶۳۴ء) میں دریائے فرات کے کنارے لڑی گئی تھی۔

جنگ بویب کے بعد مسلمانوں کا ایرانیوں پر غلبہ

مسلمانوں کو ایرانیوں کے مقابلہ میں گذشتہ جنگ میں جو ناکامی ہوئی تھی اس نے نہ صرف مجاہدین عراق کو بلکہ خلیفۂ اسلام حضرت عمر فاروقؓ کو بھی بے حد متاثر کیا۔ چنانچہ اس شکست کے بعد خلیفۂ اسلام نے عرب کے تقریبًا تمام بڑے بڑے قبائل کو حکم بھیجا کہ وہ ایران کی جنگ میں شامل ہونے کے لئے مدینہ میں آکر جمع ہو جائیں۔ جب بہت سے قبائل مدینہ میں آکر جمع ہو گئے تو آپ نے مثنیٰ بن حارث کی امداد کے لیے انھیں عراق کی جانب روانہ کر دیا۔ اُدھر مثنیٰ بن حارث نے بھی عراق میں نئی فوجی بھرتی شروع کر کے اپنی طاقت کو خوب بڑھا لیا۔

ایرانی وزیر جنگ رُستم کو جب پتہ چلا کہ عراق میں پھر مسلمانوں کا ایک بہت بڑا لشکر جمع ہو گیا ہے تو اس نے ایران کے مشہور سپہ سالار مہران کو ایک بہت بڑی جمعیت دیکر مسلمانوں پر حملہ کے لئے روانہ کر دیا۔ مثنیٰ بن حارث نے مہران کی روانگی کا حال سُن کر اپنی تمام افواج کو دریائے فرات کے کنارے بویب کے مقام پر مجتمع کر لیا۔ گذشتہ تلخ تجربہ کی بنا پر اس مرتبہ اسلامی لشکر نے دریائے فرات پار نہیں کیا۔ بلکہ ایرانیوں کے لشکر کو موقعہ دیا کہ وہ دریائے فرات پار کر کے خود ہی اسلامی لشکر کے مقابلہ پر آجائیں چنانچہ مہران اپنی تمام ایرانی فوج اور جنگی ہاتھیوں کو لیکر دریا کے اِس طرف آگیا اور اس نے فورًا اپنی فوج کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کا حکم دیدیا۔

گذشتہ جنگ میں تو مسلمانانِ عرب کے لئے ہاتھی ایک نئی چیز تھے لیکن اب وہ ہاتھیوں سے جنگ کرنے کے عادی ہو چکے تھے لہٰذا اسلامی لشکر نے اس مرتبہ اس طریقہ سے جنگ کی کہ جنگی ہاتھی مسلمانوں کو کچھ زیادہ نقصان نہ پہنچا سکے۔ طرفین بڑی بہادری کے ساتھ لڑے اور آخر بڑی گھمسان کی لڑائی کے بعد ایرانیوں کو بری طرح شکست ہوئی۔ ایرانی سپہ سالار مہران میدانِ جنگ میں مارا گیا۔ ایرانیوں کی شکست کے بعد

اسلامی لشکر نے چونکہ فرات کا پل توڑ دیا تھا اس لئے ایرانی سپاہیوں کی ایک بہت بڑی تعداد دریا کو پار کرنے کی کوشش میں غرق ہو گئی۔ ابن خلدون کے بیان کے مطابق اس جنگ میں ایرانی لشکر کے تقریباً ایک لاکھ آدمی یا تو مقتول ہوئے یا غرق ہو گئے۔ اور اسلامی لشکر کے صرف ساڑھے ڈیڑھ سو آدمی شہید ہوئے۔ یہ جنگ بویب کے مقام پر سلہ ھ (۶۳۴ء) کے آخری مہینہ میں لڑی گئی تھی۔ اسی جنگ کے بعد مسلمانوں کو ایران میں عروج حاصل ہونا شروع ہوا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ایران کے فوجی گورنر

بُویَب کے میدان میں

مسلمان مجاہدین کے مقابلہ میں تقریباً ایک لاکھ ایرانیوں کا قتل عام ایک ایسا واقعہ تھا جس کی بنا پر سارے ایران میں کہرام مچ گیا۔ ایرانی جو مدت سے خانہ جنگی میں مبتلا تھے اس شکست کے بعد اپنے سارے اختلافات بالائے طاق رکھ کر مسلمانوں کے خلاف متحد ہو گئے۔ اور ایران کے کونے کونے میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے فوجیں بھرتی ہونے لگیں۔ اس کے علاوہ جن علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ تھا وہاں ایرانیوں نے بغاوتیں برپا کرانی شروع کر دیں تاکہ اندرونی بغاوتیں مسلمانوں کی طاقت کو کمزور کر دیں۔ غرضکہ سارے ایران میں مسلمانوں کے مقابلہ کی ایسی زبردست تیاریاں شروع ہو گئیں جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھیں۔

حضرت عمر فاروق رضؓ کو جب معلوم ہوا کہ حکومت ایران مسلمانوں پر تازہ حملہ کرنے کے لئے زبردست تیاریاں کر رہی ہے۔ تو آپ نے بھی عرب کے تمام عاملوں کے نام احکامات جاری کئے کہ تمام قبائل سے جنگجو مجاہدین جہاد فی سبیل اللہ کے لئے بھیجے جائیں۔ آپ کا حکم ملتے ہی عاملوں نے مجاہدین کی ایک بڑی تعداد کو مدینہ روانہ کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ مدینہ کا سارا میدان چند ہی روز میں ہزاروں اسلامی سرفروشوں سے بھر گیا۔

حضرت عمر فاروق کو ایرانیوں کی جنگی تیاریوں کے بارے میں جو اطلاعات ملی تھیں۔ ایک طرف تو وہ بے حد پریشان کن تھیں دوسری جانب ایرانیوں کے مقابلہ کیلئے کوئی لائق افسر بھی موجود نہیں تھا۔ تمام بڑے بڑے فوجی افسر شام کی فتح میں مصروف تھے۔ صرف مثنیٰ ابن حارث اکیلے پوری ایرانی سلطنت سے ٹکر لے رہے تھے۔ مثنیٰ کیونکہ کوئی بڑے سالارِ لشکر نہیں تھے۔ اس لئے حضرت عمرؓ کو ان کی ذات پر پوری طرح اعتماد ہی نہ تھا۔ ان تمام حالات کے پیشِ نظر مجبوراً حضرت عمر فاروق رضؓ کو یہ طے کرنا پڑا کہ وہ ایران کی جنگ میں خود ہی فوجوں کی قیادت کریں گے یہاں تک کہ آپ ایران جانے کے لئے بالکل تیار ہو گئے۔ آخر صحابہ کرام نے بڑی مشکل سے آپ کو اس ارادہ سے باز رکھا۔ اور یہ اہم کام مشہور صحابی اور رسول اللہ صلعم کے قریبی عزیز حضرت سعد بن ابی وقاص کے سپرد کیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے ان کو ایران کی فوجوں کا گورنر بنا کر اس جنگ کے لئے خود مکمل ہدایتیں دیں۔ اور ایک نقشہ بھی بنا کر دیا تاکہ وہ اس نقشہ کو سامنے رکھ کر ایران میں جدید فتوحات کا سلسلہ شروع کریں نیز ہدایت کی کہ وہ انھیں ہر چھوٹے بڑے واقعہ سے برابر مطلع کرتے رہیں۔

سعد بن وقاص جب مدینہ سے چلے تھے تو ان کے ساتھ صرف چار ہزار مجاہدین اسلام کا لشکر تھا۔ لیکن ان کی روانگی کے فوراً ہی بعد حضرت عمر فاروق رضؓ نے چار ہزار کا مزید لشکر عراق کے لئے روانہ کر دیا تھا جو ان سے راستہ ہی میں آن ملا۔ اُدھر مثنیٰ بن حارث جن کے پاس آٹھ ہزار کا لشکر تھا ان کی آمد کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ پچھلی لڑائیوں میں مثنیٰ بُری طرح زخمی ہو گئے تھے۔ اور ان کی حالت دن بدن غیر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ چنانچہ حضرت سعد بن وقاص ابھی پہنچے بھی نہ تھے کہ مثنیٰ بن حارث کا انتقال ہو گیا۔ سعد بن وقاص کو جب ان کے انتقال کی خبر ملی تو ان کو بے حد افسوس ہوا۔

شاہِ ایران کو اسلام کی دعوت اور قادسیہ کی جنگ

حضرت سعد بن

وقاص نے عراق کے اسلامی کیمپ میں پہنچنے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ آپ نے ایران پر حملہ سے قبل ایران کے نوجوان بادشاہ یزدجرد سوم کو مسلم وفد کے ذریعہ اسلام کی دعوت دی۔ اسلامی وفد نے یزدجرد سے جب اسلام قبول کرنے کے لئے کہا تو وہ آگ بگولا ہو گیا اور مسلم وفد کے نمائندوں کے ساتھ بڑی گستاخی کے ساتھ پیش آیا۔ اسلامی وفد کے نمائندے اگرچہ اس وقت موت کے منہ میں تھے لیکن وہ شاہِ ایران کے جاہ و جلال اور غصہ سے ذرہ برابر بھی متاثر نہیں ہوئے اور انھوں نے اس سے کہا کہ "اے بادشاہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ یا تو اسلام قبول کر لے یا اطاعت اختیار کر لے۔ ورنہ تجھے ایک ایسی قوم سے واسطہ پڑنے والا ہے جسے موت دُنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے"۔ وفد جب بادشاہ کو اس طرح متنبہ کر کے رُخصت ہوا تو شاہِ ایران اِن کی جرأت دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

اسلامی وفد کے واپس آنے کے بعد فوراً ہی ایران پر حملہ کی تیاریاں مکمل کر لی گئیں اور اسلامی لشکر آگے بڑھ کر قادسیہ کے مقام پر خیمہ زن ہو گیا۔ مسلمانوں کے قادسیہ میں قدم رکھتے کے ساتھ ہی گرد و نواح کے ایرانی بھاگنے شروع ہو گئے۔ اور انھوں نے دربارِ ایران سے کہنا شروع کیا کہ یا تو مسلمانوں کا کوئی علاج کیا جائے ورنہ ہم اس کے لئے مجبور ہیں کہ مسلمانوں کی اطاعت قبول کر کے اپنی جان و مال محفوظ کر لیں۔

یزدجرد شاہِ ایران نے ایرانی رعایا میں گھبراہٹ اور پریشانی کو محسوس کرتے ہوئے اپنے وزیرِ جنگ رُستم کو حکم دیا کہ وہ فوراً ایک لشکرِ عظیم لیکر خود قادسیہ کی جانب روانہ ہو جائے اور مسلمانوں کے روز روز کے جھگڑے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دے۔ بادشاہ کا حکم ملتے ہی رستم ایران کے دارالسلطنت مدائن سے روانہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ ایک لاکھ اسّی ہزار کا لشکرِ جرار تھا۔ جس کی کمان کئی بڑے بڑے ایرانی سپہ سالار کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ سیکڑوں جنگی ہاتھی بھی اس کے ساتھ تھے۔ غرضکہ رستم اس لشکرِ عظیم کو لیکر قادسیہ میں اسلامی لشکر کے بالکل بالمقابل آن ڈٹا۔

دونوں لشکر اگرچہ آمنے سامنے پڑے تھے لیکن کئی مہینے تک دونوں میں سے کسی نے بھی جنگ کرنے میں پہل نہیں کی مسلمان تو اس لئے حملہ کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے کیونکہ ان کا لشکر ایرانی لشکر کے مقابلہ میں ایک چوتھائی بھی نہیں تھا۔ اور ایرانی اس لئے اسلامی لشکر پر حملہ کرتے ہوئے گھبرا رہے تھے کیونکہ گذشتہ لڑائیوں میں ان کے دلوں پر مسلمان عربوں کی ہیبت بڑی طرح قائم ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس دوران میں رستم نے کئی مرتبہ مسلمانوں سے صلح کی بات چیت شروع کی لیکن صلح کی شرائط طے نہ ہو سکیں اور جنگی حالت بدستور قائم رہی۔

ایرانی لشکر کو مسلمانوں کے لشکر کے سامنے پڑے ہوئے جب چھ ماہ ہو گئے تو دربارِ ایران سے رستم کے پاس جنگ شروع کرنے کے لئے پیغامات آنے لگے۔ آخر رستم نے نہر پار کر کے اپنی فوجوں کو اسلامی لشکر کے سامنے صف آرا کر دیا اور دونوں لشکروں میں جنگ چھڑ گئی۔ ایک طرف تو مع جنگی ہاتھیوں کے پونے دو لاکھ کا لشکرِ جرار تھا۔ اور دوسری طرف تیس ہزار سے بھی کم مجاہدینِ اسلام تھے لیکن اس کثرت وقلت کے مقابلہ کے باوجود پہلے روز برابر کی جنگ رہی۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ پہلے ہی روز ہرمز اور کئی بڑے بڑے ایرانی سردار مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔

دوسرے دن جب جنگ چھڑی تو مسلمانوں کی امداد کے لئے شام سے بھی ایک تازہ دم لشکر آ گیا تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کی طاقت پہلے سے زیادہ ہو گئی۔ ایرانیوں کو سب سے زیادہ ہاتھیوں پر بھروسہ تھا لیکن اب مسلمان ہاتھیوں سے مقابلہ کرنے کے عادی ہو چکے تھے۔ اس لئے ہاتھیوں کا غول مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ دوسرے دن کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ دوسرے روز کی جنگ میں ایرانیوں کا سب سے بڑا سپہ سالار بہمن جادویہ میدانِ جنگ میں مارا گیا جس سے کہ ایرانی لشکر میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔

تیسرے دن کی جنگ گذشتہ دونوں دنوں کی لڑائیوں سے کہیں زیادہ خوفناک

تھی کیونکہ ہر دو جانب سے پوری طاقت کے ساتھ حملے ہو رہے تھے۔ اس تیسرے دن کی جنگ میں جب ایرانیوں نے ہاتھیوں کو بڑھا کر اسلامی لشکر کو کچلنا چاہا تو مسلمانوں نے ایسی دیدہ دلیری سے ہاتھیوں پر حملے کئے کہ ہاتھیوں کا غول اُلٹا ایرانی لشکر پر پلٹ پڑا اور اپنی ہی فوج کو کچلتا چلا گیا۔ تیسرے دن صبح سے لیکر رات تک لڑائی بدستور جاری رہی۔ رات کے وقت مسلمانوں نے مجتمع ہو کر ایسی سختی کے ساتھ حملہ کیا کہ مسلمان ایرانی لشکر کو کاٹتے ہوئے رستم تک جا پہنچے اور رستم کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ رستم نے پہلے تو مقابلہ کیا لیکن جب زخمی ہو گیا تو پیٹھ پھیر کر بھاگا۔ ہلال بن علقمہ نے فوراً آگے بڑھ کر بھاگتے ہوئے اس پر برچھے کا وار کیا جس سے رستم کی کمر کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ نہر میں گر پڑا۔ علقمہ نے فوراً جھک کر اس کی ٹانگیں پکڑ لیں اور باہر کھینچ لیا۔ اور اس کا کام تمام کرنے کے بعد لشکر میں بآواز بلند پکار کر کہا۔ "خدا کی قسم میں نے رستم کو قتل کر دیا ہے"۔ اس آواز کے سنتے ہی اسلامی فوج نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اور ایرانی بدحواس ہو کر بھاگنے شروع ہوئے چنانچہ ان میں سے بیشتر سپاہی بھاگتے ہوئے مارے گئے۔ غرضکہ ایرانیوں کو اس جنگ میں جو ۱۵ھ (۶۳۶ء) میں لڑی گئی تھی بُری طرح شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

ایرانیوں کا مقدس جھنڈا "درفش کاویان" حضرت عمر ابن الخطابؓ کے ہاتھ لگا جس کے عوض ان کو تیس ہزار درہم دیئے گئے۔ رستم کا لباس سامان و اسلحہ ہلال بن علقمہ کے حوالے کئے گئے کیونکہ وہی اس کے مستحق تھے انھوں ہی نے رستم کا سر قلم کیا تھا۔ رستم کے لباس میں ہزارہا دینار کے جواہرات لگے ہوئے تھے جو علقمہ کے قبضہ میں آئے۔ ایرانیوں کو اپنے مقدس جھنڈے کے چھن جانے کا بے حد صدمہ تھا۔ کیونکہ اس جھنڈے کے چھن جانے کے بعد ایرانی عقیدہ کے مطابق انھوں نے سمجھ لیا تھا کہ اب ایران کی حکومت کا آتش پرستوں کے ہاتھوں میں رہنا ناممکن ہے

قادسیہ کی اس تاریخی معرکہ میں چھ ہزار مسلمان شہید ہوئے اور تیس چالیس ہزار ایرانی مارے گئے قادسیہ کی اس جنگ کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ بے اندازہ مالِ غنیمت آیا جس کا پانچواں حصہ فوراً خلیفہ اسلام کے پاس مدینہ روانہ کر دیا گیا خلیفۂ اسلام حضرت عمرؓ اس جنگ کے نتیجہ کا بڑی بے صبری کے ساتھ انتظار کر رہے تھے جب آپ کو معلوم ہوا کہ قادسیہ میں خدا نے مسلمانوں کو فتح عنایت کی ہے تو آپ بےحد مسرور ہوئے اور آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ قادسیہ کی فتح کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس فتح کے بعد مسلمان ایران کے دارُالسلطنت مداین کے دروازہ پر پہنچ گئے تھے کیونکہ مداین قادسیہ سے صرف تیس میل کے فاصلہ پر تھا۔

شہر بصرہ کی تعمیر اور مزید فتوحات

قادسیہ کی فتح کے بعد سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کی ہدایت پر شہر بصرہ کی بنیاد اس جگہ رکھی جہاں دجلہ اور فرات ملتے ہیں اور حکم دیا کہ بصرہ کی تعمیر کا کام فوراً شروع کر دیا جائے۔ اس جدید شہر کے بسانے کا مقصد یہ تھا کہ اس ملک میں ایک ایسے جدید تجارتی شہر کی بنا ڈالی جائے۔ جہاں سے ہند اور دُور دُور کے ممالک سے تجارت کرنے میں سہولت ہو۔ چنانچہ آگے چل کر بصرہ بہت بڑا تجارتی مرکز بن گیا۔

سعد بن ابی وقاص کو اسی دوران میں دربارِ خلافت سے حکم ملا کہ وہ قادسیہ اور مداین کے درمیان کے چھوٹے چھوٹے شہروں کی فتح کی جانب متوجہ ہوں۔ اس حکم کے ملتے ہی آپ لشکر لیکر بابل کی جانب روانہ ہو گئے کیونکہ قادسیہ کی جنگ سے فرار ہونے والے سرداروں نے بابل میں پناہ لے رکھی تھی لیکن ابھی اسلامی لشکر بابل پہنچا بھی نہیں تھا کہ تمام ایرانی سردار بابل سے بھی فرار ہو گئے کچھ تو مداین کی جانب چلے گئے اور کچھ نے اہواز اور نہاوند کی جانب رُخ کیا۔ بابل سے جاتے ہوئے انھوں نے راستہ کے تمام پُل توڑ دئے اور نہروں کو ناقابلِ عبور بنا دیا مسلمانوں نے میدان خالی پاکر بابل پر قبضہ جما لیا۔

بابل پر بلا مقابلہ قبضہ جمانے کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص کوثی کی جانب متوجہ ہوئے۔ کوثی وہ تاریخی مقام ہے جہاں نمرود نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو قید کیا تھا۔ اسلامی لشکر جب کوثی کے مقام پر پہنچا تو مشہور ایرانی سردار شہریار مسلمانوں کے مقابلہ پر میدان میں آ گیا۔ لیکن ایک مسلم غلام حنظل نے تن تنہا اس سے نبرد آزمائی کر کے اسے قتل کر دیا۔ شہریار کا قتل ہونا تھا کہ کوثی کی تمام فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور بغیر لڑے ہوئے اس مقام پر بھی مسلمانوں کا تسلط ہو گیا۔ کوثی کی فتح کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص نے اُس جگہ کو جا کر دیکھا جہاں حضرت ابراہیم قید کئے گئے تھے یہ جگہ اُس وقت تک محفوظ تھی۔

اسلامی فوجیں اس کے بعد بہرہ شہرہ کی جانب بڑھیں۔ بہرہ شہرہ ایک نہایت ہی خوبصورت مقام تھا۔ جو مداین کے بالکل قریب تھا۔ بس فرق اتنا تھا کہ مداین دجلہ کے اُس طرف تھا اور بہرہ شہرہ اِس طرف تھا۔ یہ خوبصورت شہر ایک نہایت ہی مضبوط قلعہ کی طرح چاروں طرف سے فصیلوں سے گھرا ہوا تھا۔ شاہِ ایران کبھی تو مداین میں رہتا تھا اور کبھی بہرہ شہرہ میں۔ بہرہ شہرہ بھی معمولی سی جنگ کے بعد مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

ایران کے دارالسلطنت مداین کی فتح

جب مسلمانوں نے بہرہ شہرہ کو فتح کیا تو شاہِ ایران یزدجرد اُس وقت دارالسلطنت مداین میں تھا لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان بہرہ شہرہ پر قابض ہو چکے ہیں تو اس نے مال اور خزانوں کو مداین سے منتقل کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

حضرت سعد بن وقاص کو جب یہ پتہ چلا کہ شاہِ ایران مداین سے بھاگ رہا ہے تو وہ بڑی تیزی کے ساتھ مداین کی طرف مع لشکر کے بڑھے لیکن سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ راستہ میں دریائے دجلہ حائل تھا۔ جتنے بھی پل تھے وہ ایرانیوں نے توڑ دئے

تھے۔ حضرت سعد کے پاس اتنا وقت تھا نہیں کہ وہ پل بناتے اس لئے انھوں نے دجلہ کے اُس حصّہ کو تلاش کیا جہاں پانی کم تھا۔ فوج کے ایک حصّہ کو تو دشمن پر تیر اندازی کے لئے متعین کر دیا اور دوسرے حصّہ کو لیکر سعد بن ابی وقاص نے دجلہ میں گھوڑا اڑا دیا اور پانی کی لہروں کا مقابلہ کرتے ہوئے بڑی مردانگی کے ساتھ دریا کو پار کر لیا۔ دشمن کے سپاہی جب انھیں روکنے کے لئے آگے بڑھے تو لشکر کے دوسرے حصّہ نے تیر برساکر انھیں پسپا ہوتے پر مجبور کر دیا۔ غرضکہ سعد بن ابی وقاص اپنے لشکر کو لئے ہوئے دجلہ کے پار اُتر گئے۔ جب ایرانی لشکر نے مسلمانوں کا راستہ روکنا چاہا تو مجاہدین اسلام نے انھیں شکست دیدی۔

مسلمانوں کے دجلہ پار کرنے سے قبل ہی شاہ ایران یزدجرد اپنے اہل وعیال اور قیمتی مال واسباب کو مدائن سے منتقل کر چکا تھا۔ اسے جب معلوم ہوا کہ مسلمان دجلہ پار کر چکے ہیں اور مدائن میں داخل ہو گئے ہیں تو وہ لڑے بغیر ہی فرار ہو گیا اور اس طرح کسی بڑی لڑائی کے بغیر ۱۶ھ (۶۳۷ء) میں مسلمانوں کا ایران کے دارالسلطنت مدائن پر قبضہ ہو گیا۔

مدائن نہایت ہی خوبصورت شہر تھا جس میں کسرائے فارس کے محل اور شاندار عمارتیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ سعد بن ابی وقاص جب کسرائے فارس کے محل میں داخل ہوئے تو یہ جمعہ کا مبارک دن تھا۔ آپ نے سب سے پہلے شکرانہ کی نماز ادا کی۔ رسول اللہ صلعم کی یہ پیشین گوئی یاد آئی کہ آپ نے فرمایا تھا کہ "ایک روز کسرائے فارس کی حکومت پارہ پارہ ہو جائیگی" پھر آپ نے قصر ابیض میں جمعہ کی نماز کی تیاری شروع کی جس جگہ کسریٰ کا تخت تھا وہاں ممبر رکھا گیا جس پر سعد نے خطبہ پڑھا خطبہ کے بعد سالار لشکر اور سپاہیوں نے اس شاہی محل میں جمعہ کی نماز ادا کی گویا ایران میں مسلمانوں نے جو پہلی جمعہ کی نماز پڑھی تھی وہ کسریٰ کے شاہی محل میں ادا کی گئی تھی۔

کسرائے فارس کا محل نادر و نایاب سامان سے آراستہ تھا۔ محل کے در و دیوار نہایت قیمتی تھے اور ہیرے سے مُزیّن تھے جو سونے اور چاندی کے چوکھٹوں میں جڑے ہوئی تھیں

سعد بن ابی وقاص نے ان تصاویر کو بدستور قائم رکھا۔ شاہِ ایران اگرچہ بہت سا خزانہ اور قیمتی سامان شاہی محلوں سے لے گیا تھا لیکن پھر بھی شاہی محلات سونے چاندی کے برتنوں، قیمتی سامان۔ جواہرات نوادرات اور مال و دولت سے بھرے ہوئے تھے۔

ان ہی نوادرات میں سے ایک قالین بھی تھا۔ جو دس گز چوڑا اور نوے گز لانبا تھا۔ اس میں پھول پتیاں۔ درخت۔ نہریں اور تصویریں سب سونے چاندی کے تاروں اور جواہرات سے بنائی گئی تھیں۔

حضرت سعد نے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ اور جو چیزیں کہ نوادرات میں شمار ہوتی تھیں مثلاً بادشاہوں کے تاج۔ نایاب ہتھیار اور وہ نادرِ روزگار قالین جس کا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ نیز دوسری بے شمار قیمتی اشیاء دربارِ خلافت میں روانہ کردیں مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ اور یہ عجیب و غریب سامان کس قدر تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ سب سامان نو سو اونٹوں پر بار کیا گیا تھا۔ جب یہ سامان مدینہ پہنچا تو لوگ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے اس تمام سامان کو مستحقین میں تقسیم کر دیا۔ نادر و نایاب قالین کے بارے میں عام طور پر لوگوں کی رائے تھی کہ اس کو تقسیم نہ کیا جائے لیکن حضرت علی ؑ نے فرمایا کہ "ہم کو اس قسم کے سامانِ امارت کی کوئی ضرورت نہیں"۔ لہٰذا یہ قالین بھی کاٹ کاٹ کر لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ یہ قالین کس قدر قیمتی تھا۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت علی ؑ کے حصہ میں جو ٹکڑا آیا تھا گو وہ بہت عمدہ نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ آٹھ ہزار درہم نقرئی میں فروخت ہوا تھا۔ اس کے علاوہ فتح میں جو مالِ غنیمت تقسیم کیا گیا تھا وہ بھی بے شمار تھا چنانچہ فوج کے ساٹھ ہزار سپاہیوں میں سے ہر سپاہی کے حصہ میں جو مال آیا وہ ڈیڑھ ہزار درہم نقرئی سے کم کا نہ تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ مداین کی فتح کے بعد مسلمانانِ عرب مالا مال ہو گئے۔

جیلولہ بھی فتح ہو گیا

قادسیہ کی فتح کی طرح جیلولہ کی فتح کا واقعہ بھی ایران میں

اسلامی فتوحات کا شاہکار تسلیم کیا جاتا ہے کیونکہ جیلولہ میں بارہ چودہ ہزار کی مختصر سی اسلامی فوج نے ڈیڑھ لاکھ ایرانی لشکر کو ایسی منہ توڑ شکست دی تھی جس پر آج تک مورخین حیران ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ شاہِ ایران جب مداین سے فرار ہو کر حلوان چلا گیا تو رستم کے بھائی خرزاد نے جیلولہ کو جو حلوان کے بالکل قریب ہے فوجی مرکز قرار دیدیا۔ اور وہاں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بے اندازہ فوج اس مقصد کے لئے فراہم کرنی شروع کر دی۔ تاکہ اس عظیم الشان فوج کی مدد سے تمام مفتوحہ علاقے مسلمانوں سے چھین لئے جائیں۔

خرزاد ابھی فوجیں فراہم ہی کر رہا تھا کہ اچانک بارہ ہزار کے اسلامی لشکر نے ہاشم بن عتبہ کی سرکردگی میں جیلولہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور ایرانیوں کے لئے فرار اور رسد کی ساری راہیں بند کر دیں۔ محاصرہ چونکہ کئی مہینے جاری رہا اس لئے مسلمانوں اور ایرانیوں میں اس دوران میں متعدد لڑائیاں برابر ہوتی رہیں اور تقریباً ان تمام لڑائیوں میں ایرانیوں کو شکست ہی کھانی پڑی لیکن پے در پے شکستوں کے باوجود بھی ان کو اپنی کثرت پر بڑا زعم تھا۔ اور یہ زعم اس وقت اور بھی بڑھ جاتا تھا جب وہ یہ دیکھتے تھے کہ اسلامی فوج کی تعداد کسی طرح بھی بارہ چودہ ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ آخر ایرانی ایک آخری اور فیصلہ کن جنگ کا تہیہ کر کے ٹڈیوں کی طرح جیلولہ کے قلعہ سے نکل پڑے۔ بڑا سخت مقابلہ ہوا لیکن شام ہوتے ہوتے ایرانیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ ایرانیوں کو بُری طرح شکست ہوئی۔ ایک لاکھ سے بھی زیادہ ایرانی اس معرکہ میں مارے گئے اور تین کروڑ کا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اللہ اللہ کیا جوشِ ایمانی تھا کہ مٹھی بھر مسلمان لاکھوں کے لشکر سے ٹکرا جاتے تھے اور اُسے کاٹ کر رکھ دیتے تھے۔

حلوان پر مسلمانوں کا قبضہ

جیلولہ کی شکست نے ایرانیوں کا دھڑ توڑ دیا تھا۔ اب ان میں مقابلہ کی ہمت باقی

نہیں رہی تھی۔ شاہِ ایران یزدجرد جو جلولہ کے معرکہ کے وقت حلوان میں تھا جب اسے معلوم ہوا کہ جلولہ زیر ہو گیا ہے اور لاکھ سوا لاکھ ایرانی تہہ تیغ کر دئے گئے ہیں تو اس نے سمجھ لیا کہ اب حلوان کی بھی خیر نہیں لہٰذا وہ حلوان چھوڑ کر رے کی طرف بھاگ گیا۔

حلوان بالکل جلولہ کے متصل تھا۔ اس کا حاکم خسرو شنوم تھا۔ اسلامی لشکر جلولہ سے فارغ ہوتے ہی حلوان کی طرف بڑھا۔ حلوان کا حاکم ایرانیوں کی ناکامی سے دل شکستہ ہو چکا تھا اس مایوسی اور نا اُمیدی کے عالم میں وہ جس قدر بھی مقابلہ کر سکتا تھا اس نے مقابلہ کیا۔ آخر شکست کے بعد اُسے بھی راہِ فرار اختیار کرنی پڑی اور مسلمان حلوان پر بھی قابض ہو گئے۔ حضرت عمر فاروق رضہ کی خدمت میں جلولہ اور حلوان کا بے اندازہ مالِ غنیمت بھیجا گیا تو آپ مسلمانوں کی ان شاندار فتوحات سے بے حد خوش ہوئے۔ یہ دونوں لڑائیاں بھی ۱۶ھ (۶۳۷ء) میں لڑی گئی تھیں۔

شہر کوفہ کی تعمیر و سعد بن ابی وقاص کا محل

ایران کے فوجی گورنر سعد بن ابی وقاص نے مدائن کی فتح کے بعد گو مدائن کو ایران کی جدید اسلامی سلطنت کا صدر مقام بنا لیا تھا لیکن اس شہر کی آب و ہوا عربوں کو موافق نہیں آئی اور عرب نئی نئی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے۔ ان تمام حالات سے سعد نے جب خلیفۂ اسلام کو مطلع کیا تو حضرت عمر فاروق نے ان کو ہدایت کی کہ ایران کی جدید اسلامی سلطنت کے صدر مقام کے لئے کوئی ایسی جگہ تجویز کر لی جائے جہاں کی آب و ہوا عربوں کے مزاج کے مطابق ہو اور وہیں تمام سرکاری دفاتر منتقل کر دئے جائیں۔ سعد بن ابی وقاص نے کافی غور و خوض کے بعد دریائے فرات کے مغرب میں اس مقصد کے لئے ایک علاقہ تجویز کیا اور وہاں ایک نئے شہر کی تعمیر ۱۷ھ (۶۳۸ء) میں شروع ہو گئی۔ اس نئے شہر کا نام کوفہ رکھا گیا۔

کوفہ کی تعمیر کے لئے پتھر سنگِ مرمر اور دوسرا عمارتی سامان مداین کی شکستہ عمارتوں سے حاصل کیا گیا اور اس طرح کوفہ ایک نہایت شاندار شہر بن گیا۔

سعد بن ابی وقاص نے کوفہ میں اپنے لئے شاہان ایران کی طرح ایک نہایت ہی شاندار محل خاص طور پر تعمیر کرایا تھا۔ اس محل کا دروازہ کسرائے فارس کے محل کے دروازوں کی طرح شاندار اور بلند و بالا تھا۔ جب حضرت عمرؓ کو اس محل کی تعمیر کا علم ہوا تو آپ کو سخت ناگواری پیدا ہوئی۔ کیونکہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ عرب کے سردار اپنی سادگی چھوڑ کر غیر ملکیوں کی تقلید میں تکلفات میں مبتلا ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ کو سعد کے محل بنانے سے اس قدر ناگواری پیدا ہوئی تھی کہ آپ نے مدینہ سے اپنا خاص آدمی بھیج کر اس محل کو آگ لگوا کر خاک کا ڈھیر کرا دیا تھا۔ اور سعد بن ابی وقاص سے کہلوا دیا تھا کہ "تم کو شاہانِ روم اور کسرائے ایران کی تقلید کرتے ہوئے ہرگز ایسے شاندار محلوں میں نہیں رہنا چاہئے جن میں غربا اور عام آدمی انصاف اور فریاد کے لئے آتے ہوئے ڈریں"۔ چنانچہ محل کے جلنے کے بعد سعد نے اپنے لئے ایک سادہ سا مکان بنا لیا تھا۔ اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کس قدر سادگی پسند تھے۔ اور امیرانہ تکلفات سے انہیں کس قدر نفرت تھی۔

اہواز کی فتح اور ایرانی شہزادہ کا قبولِ اسلام

اہواز کے حاکم ہرمزان کو بصرہ کی تعمیر کی وجہ سے سخت مالی نقصان پہنچا تھا۔ کیونکہ اس جدید شہر کی تعمیر کے بعد اہواز کی تجارتی منڈیاں پٹ ہو گئی تھیں۔ ہرمزان جو ایران کے قدیم شاہی خاندان سے تھا۔ اس نے بصرہ کو تباہ اور برباد کرنے کے لئے بصرہ پر حملہ کر دیا لیکن اسلامی لشکر کے مقابلہ میں اسے بُری طرح شکست ہوئی اور اسے اپنا نصف ملک دیکر مسلمانوں سے صلح کرنی پڑی۔

شاہِ ایران یزدجرد جو اس زمانہ میں رَے میں تھا۔ اس نے ہرمزان کے صلح کرنے پر اسے سخت ملامت کی جس پر ہرمزان مسلمانوں سے عہد شکنی کرنے کے بعد دوبارہ بغاوت پر آمادہ ہوگیا۔ اس کا عَلَم بغاوت بلند کرنا تھا کہ اسلامی لشکر نے چاروں طرف سے اہواز کا محاصرہ کرلیا۔ جب اس محاصرہ کو کئی مہینے گذر گئے تو ایک مُخبر کی خبر دینے پر چند مجاہدینِ اسلام ایک بڑے نالے کے راستہ سے اہواز کے قلعہ میں داخل ہوگئے اور پہرہ داروں کو قتل کرکے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور اس طرح ۱۹ھ (۶۴۰ء) میں اہواز بھی فتح ہوگیا۔

مسلمان جس وقت اہواز کی فتح کے بعد قلعہ میں داخل ہوئے ہیں تو ہرمزان اُس وقت ایک بُرج میں تھا۔ اس نے برج ہی سے مسلمانوں سے صلح کی گفتگو شروع کردی۔ اور گذارش کی کہ مجھے خلیفۂ اسلام کے پاس لے چلو وہ میرے بارے میں جو بھی فیصلہ کریں گے میں اس کے لئے رضامند ہوں مسلمانوں نے اس کا مُطالبہ مان لیا اور اسے حضرت عمر رضؓ کی خدمت میں روانہ کردیا۔

ہرمزان جس وقت مدینہ پہنچا تو حضرت عمر اپنے مکان پر نہیں تھے بلکہ مسجد نبویؐ میں تھے۔ اس لئے محافظ دستہ ہرمزان کو مسجد نبوی کی طرف لے گیا ہرمزان نے دیکھا کہ خلیفۂ وقت پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے اور اپنا عصا سر کے نیچے رکھے ہوئے مسجد نبویؐ میں سو رہے ہیں۔ ہرمزان خلیفۂ اسلام کی اس سادگی کو دیکھ کر بے حد متاثر ہوا۔ اور اس نے کہا کہ "یہ شان بادشاہوں کی نہیں ہے بلکہ اس سادگی میں تو پیغمبری کی جھلک مجھے دکھائی دے رہی ہے"۔ چنانچہ اس نے فوراً حضرت عمر رضؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا۔

سعد بن ابی وقاص کی معزولی اور نہاوند کی فتح | ایران کے فوجی گورنر

سعد بن ابی وقاص کے بارے میں حضرت عمر فاروق رض کو یہ شبہ ہو گیا تھا کہ وہ شاہان فارس کی طرح عشرت پسندی کی جانب راغب ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ دربار خلافت میں ان کے عدل و انصاف کے بارے میں بھی مسلسل شکایتیں پہنچ رہی تھیں اس لئے حضرت عمر فاروق رض نے ان کو معطل کر کے ان کی جگہ نعمان کو ایران کا نوجی گورنر مقرر کر دیا۔

شاہ ایران یزدجرد اور ایرانی سرداروں کو جب یہ پتہ چلا کہ ایران کا فاتح اعظم سعد بن ابی وقاص معطل کر دیا گیا ہے تو ایرانیوں کے گھروں میں گھی کے چراغ جل گئے۔ ان کے شکستہ دلوں میں امید کی نئی جھلک پیدا ہو گئی۔ اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ اب ایران کا مسلمانوں کے قبضہ سے نکال لینا کوئی دشوار نہیں چنانچہ مفتوحہ علاقوں کو واپس لینے کے لئے ایرانیوں نے نئے سرے سے دوڑ دھوپ شروع کر دی اور اس مقصد کے لئے نہاوند کے مقام پہ بے اندازہ ایرانی لشکر فیروزاں کی سرکردگی میں جمع ہو گیا۔ فیروزاں نے نہاوند کے گرد خندق کھدوائی اور اسے پانی سے بھر دیا تاکہ ایرانی مورچہ بند ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں۔

حضرت عمر فاروق رض کو جب معلوم ہوا کہ ایرانی نئے سرے سے حملہ کی تیاریوں میں مصروف ہیں تو انھوں نے نعمان کو جو ان دنوں اہواز میں تھا لکھا کہ وہ اپنا لشکر فوراً نہاوند پہنچ جائیں۔ اور ساتھ ہی ہر چہار طرف سے ان کی مدد کے لئے کئی امدادی لشکر روانہ کر دئے۔ نعمان حسب ہدایت اہواز پہنچ کر دشمن کے لشکر کے سامنے صف آرا ہو گئے۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ ایرانی مقابلہ پر آنے کا نام ہی نہیں لیتے تو نعمان نے اس طرح اپنا لشکر ہٹانا شروع کیا جیسے وہ میدان جنگ سے بھاگ رہے ہوں۔ ایرانی مغالطہ میں آ گئے۔ اور انھوں نے اسلامی لشکر کا تعاقب شروع ہی کیا تھا کہ اسلامی لشکر نے پلٹ کر بجلی کی طرح سے ایرانیوں کا

قتلِ عام شروع کر دیا۔ ایرانی مسلمانوں کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے۔ انھیں سلہ ۲۱ھ (سنہ ۶۴۲ء) میں بُری طرح شکست ہوگئی اور نہاوند پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا ایرانی لشکر کا سپہ سالار فیروزان بھاگتے ہوئے مارا گیا۔ مؤرخوں کا بیان ہے کہ اس جنگ میں نوتے ہزار ایرانی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ نہاوند کی اس فتح کے بعد جب نعمان چند مفرورین کا تعاقب کر رہے ہیں تو دُشمن کا ایک تیر ان کے آ کر لگا اور یہ شہید ہوگئے۔

نہاوند کی فتح کے بعد آتش پرستوں کا ایک مذہبی رہنما نئے سالارِ لشکر حذیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے ان کی خدمت میں سر بمہر جواہرات کا صندوق پیش کرتے ہوئے کہا "یہ صندوق شاہِ ایران یزدجرد سے جاتے ہوئے میرے سپرد کر گیا تھا۔ اب چونکہ آپ اس ملک کے بادشاہ ہیں اس لئے یہ امانت میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں"۔ حذیفہ نے اس کو کھول کر دیکھا تو یہ قیمتی جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔ حذیفہ نے یہ سوچتے ہوئے کہ یہ جواہرات ہم کو جنگ میں ہاتھ نہیں آئے ہیں بلکہ جنگ کے بعد بطورِ امانت پیش کئے گئے ہیں۔ خلیفۂ اسلام کی خدمت میں ان کو روانہ کر دیا۔ خلیفہ کے پاس جب جواہرات کا یہ صندوق پہنچا تو آپ نے جواہرات کو ایک نظر دیکھ کر واپس کر دیا اور لکھ دیا کہ "ان جواہرات کے مستحق ہم نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر نہاوند جیسے مضبوط قلعہ کو فتح کیا ہے"۔ حذیفہ نے ان جواہرات کو فروخت کرنے کے بعد جب ان کی رقم لشکر میں تقسیم کی تو ہر پیادہ کو دو ہزار اور ہر سوار کو چار ہزار اشرفی ملی۔

ایران کے چند دوسرے شہروں کی فتح

نہاوند میں شکست کھانے کے بعد ایرانی لشکر نے ہمدان میں جمع ہونا شروع کیا۔ ہمدان ایران کا بہت بڑا شہر تھا۔ یہاں کثرت

سے مالدار یہودی آباد تھے۔ یہ ایران کا سب سے خوشحال خطہ تصور کیا جاتا تھا۔ جب حذیفہ نے اس شہر کا محاصرہ کیا تو یہاں کے حاکم نے صلح کر لی لیکن یہ صلح محض دکھاوٹی تھی۔ اصل مقصد شہر کو مستحکم کرنا تھا چنانچہ ایرانی لشکر کے آتے ہی وہ مسلمانوں سے لڑنے مرنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ بڑی خوفناک لڑائی ہوئی۔ یہ لڑائی نہاوند کی جنگ سے بھی زیادہ سخت تھی۔ آخر تین روز کی مسلسل خونریزی کے بعد مسلمانوں نے ہمدان فتح کر لیا۔

ہمدان کی فتح کے بعد اسلامی فوجوں نے اصفہان۔ قومس۔ دامغان اور جرجان کو خفیف سی مزاحمت کے بعد لے لیا۔ رے کا علاقہ بھی زیر ہو گیا۔ آذربائیجان جہاں آتش پرستوں کا سب سے بڑا آتشکدہ تھا اسکی فتح میں مسلمانوں کو بڑی دشواری پیش آئی اسکی وجہ یہ تھی کہ اس مورچہ پر آتش پرست ایرانی پورے مذہبی جوش کے ساتھ لڑتے لیکن انھیں شکست ہو گئی اور آذربائیجان پر بھی ۲۲ھ (۶۴۳ء) میں مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

اسلامی فوجیں ان فتوحات کے بعد کوہ قاف کے دروں کی جانب بڑھیں اور یہاں پر مجاہدین اسلام نے ان تمام اہم علاقوں کو فتح کر لیا۔ جہاں سے تاتاری ترکوں کے ایران میں داخلہ کا اندیشہ تھا حضرت بکیر نے آرمینیا کو فتح کر لیا۔ عبدالرحمٰن ابن ربیعہ نے شہر بیضا اور علاقہ خزر تسخیر کر لیا۔

۲۳ھ (۶۴۴ء) میں عاصم بن عمر نے سیستان پر فوج کشی کر کے اسے زیر کر لیا۔ اور اسی سال عمرو تغلبی نے مکران اور بلوچستان پر یورش کر دی کیونکہ یہاں کا راجہ راسل جو شاہ ایران کا باجگزار اور طرفدار تھا مسلمانوں کو بہت پریشان کرتا رہتا تھا۔ اس راجہ نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ایرانیوں کو بے حد مدد دی تھی۔ مکران کے لئے بڑی سخت جنگ کے بعد راجہ کو شکست ہو گئی اس جنگ میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا تھا۔ اس میں چند ہاتھی بھی تھے جو خلیفۂ اسلام حضرت عمر فاروق رضؓ کی خدمت میں مدینہ روانہ کر دئے گئے مختصر یہ کہ اسلامی فوجوں نے چند سال کے اندر اندر ایرانیوں کی اس سلطنت کے بیشتر حصہ کو فتح کر لیا

جو مشرق کی سب سے عظیم الشان اور سب سے مضبوط حکومت شمار کی جاتی تھی۔

ایک آتش پرست کے ہاتھوں حضرت عمر کا قتل

حضرت عمر فاروق رضؓ نے چونکہ آتش پرستوں کی حکومت کا تختہ الٹ کر رکھ دیا تھا۔ اس لئے آتش پرست آپ کے جانی دشمن ہو گئے تھے۔ چنانچہ فیروز ابولولو نامی آتش پرست ایک روز صبح کی نماز کے وقت نمازیوں کی صف میں آکر کھڑا ہو گیا۔ اور عین اس وقت جبکہ حضرت عمر فاروق رضؓ نماز پڑھا رہے تھے اس نے صف میں سے نکل کر خنجر سے پے در پے حضرت عمر فاروق رضؓ پر چھ وار کئے۔ فاروق اعظم نے زخمی ہونے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو اگلی صف میں سے کھینچ کر امامت کے لئے اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور زخموں کی تکلیف سے بے ہوش ہو گئے۔ مسلمانوں نے ابولولو کو پکڑنے کی کوشش کی تو اس نے کئی شخصوں کو زخمی۔ اور کلیب بن ابی بکیر کو شہید کر دیا۔ غرضیکہ مسلمانوں نے بڑی مشکل سے اسے گرفتار کیا مگر اس نے گرفتار ہوتے ہی خودکشی کر لی۔ حضرت عمر فاروق رضؓ بہت بری طرح زخمی ہوئے تھے انہیں مسجد سے اٹھا کر گھر لایا گیا۔ گھر آنے کے بعد آپ کو جب ہوش آیا تو آپؓ نے پوچھا کہ "میرا قاتل کون ہے"۔ لوگوں نے ابولولو کا نام بتایا تو آپؓ نے فرمایا کہ "خدا کا شکر ہے کہ میں کسی مسلمان کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا"۔

حضرت عمر فاروقؓ کا قاتل فیروز ابولولو مغیرہ بن شعبہ کا ایک ایرانی غلام تھا مورخوں کا بیان ہے کہ ایک روز اس غلام نے حضرت عمر فاروق رضؓ سے شکایت کی کہ میرا آقا مغیرہ مجھ سے دو درہم روز لیتا ہے آپ کم کرا دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا کہ "تو کیا کام کرتا ہے" اس نے جواب دیا کہ "آہنگری نجاری اور نقاشی کا کام کرتا ہوں"۔ آپ نے فرمایا کہ "تو ایک اچھا کاریگر ہے۔ اس اعتبار سے یہ رقم زیادہ نہیں ہے"۔ اس پر فیروز کو ناگواری پیدا ہوئی اور وہ حضرت عمر فاروقؓ کو قتل کی دھمکی دے کر چلا گیا اور تین دن کے بعد اس نے خلیفۂ اسلام پر قاتلانہ حملہ کر دیا لیکن بعض مورخوں کی رائے ہے کہ حضرت عمر فاروق رضؓ پر یہ قاتلانہ حملہ محض ابولولو کی ذاتی رنجش کی

بنا پر نہیں ہوا تھا بلکہ اس کی تہہ میں ایک بہت بڑی سازش کام کر رہی تھی جس کا مقصد سلطنت اسلامیہ کو نقصان پہنچانا تھا اور غالباً یہی رائے درست بھی ہے۔

زخمی ہونے کے بعد حضرت عمر فاروق کی حالت برابر خراب ہوتی چلی گئی۔ آپ کے پیٹ میں جو کاری زخم لگا تھا۔ اسکی وجہ سے آپ کا معدہ پھٹ گیا تھا چنانچہ جو چیز بھی آپکو پلائی جاتی تھی وہ زخم کے راستے سے باہر آجاتی تھی جس نے آپکی یہ مایوس کن حالت دیکھی تو عرض کیا کہ جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا اسی طرح آپ بھی کسی کو اپنا جانشین مقرر فرما دیں۔ آپنے جواب دیا "میں وہ نہیں کر سکتا جو رسول اللہ صلعم نے نہیں کیا تھا"۔ آپنے چھ معتمد حضرات کی مجلس شوریٰ بنا دی اور ان کو اختیار دیا کہ وہ ان چھ میں سے جسے چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں۔ اس مجلس شوریٰ کے ارکان کے نام یہ ہیں حضرت عثمان غنیؓ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ۔ حضرت زبیرؓ بن العوام۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص۔ آپنے فرمایا کہ "یہ چھ کے چھ حضرات خلافت کے لائق ہیں لیکن مجھے اُمید ہے کہ حضرت علی یا حضرت عثمان منتخب کئے جائیں گے"۔

پھر آپنے فرمایا کہ "میں وصیت کرتا ہوں کہ میرے بعد جو خلیفہ منتخب ہو وہ انصار کے حقوق کا ہمیشہ خیال رکھے۔ یہ ہمارے محسن ہیں۔ ان کی غلطیوں سے درگزر کرنا۔ نیز مہاجرین کا بھی خیال رکھنا کیونکہ اسلام انہی کے گھر سے دُنیا میں پھیلا ہے۔ اسی طرح ذمیوں کا بھی پورا پورا خیال رکھنا۔ ان سے جو وعدہ کیا جائے اُسے پورا کرنا۔ دُشمنوں سے ان کی حفاظت کی جائے۔ ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے"۔

اس وصیت کے بعد آپنے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کو بلا کر حکم دیا کہ "اٹھارہ ہزار درہم جو ہم نے بیت المال سے قرض لئے تھے اس کو فوراً ادا کر دو"۔ لوگوں نے کہا "اس کی کیا ضرورت ہے کیونکہ آپنے یہ رقم کارِ خیر میں صرف کی ہے"۔ آپنے جواب دیا "یہ درست ہے مگر میری خواہش یہی ہے کہ بیت المال کا قرضہ فوراً ادا ہو جائے"۔ اس کے بعد آپنے

عبد اللہ بن عمر سے کہا کہ میہ حضرت عائشہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ مجھے حضرت ابوبکر صدیق رض کے پہلو میں دفن کی اجازت دیدیں"۔ عبد اللہ بن عمر نے جب حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت عمرؓ کی خواہش کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا:" یہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی تھی لیکن میں عمر فاروق رض کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں"۔ حضرت عمر فاروق کو جب معلوم ہوا کہ ان کو دوست کے پہلو میں جگہ مل گئی ہے تو بے حد خوش ہوئے اور فرمایا کہ "میری اولین تمنا پوری ہو گئی"۔

زخمی ہونے کے بعد آپ صرف تین دن زندہ رہ کر ۶۳ سال کی عمر میں یکم محرم ۲۴ھ (۶۴۴ء) کو رحلت فرما گئے۔ اسی روز آپ کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ آپ نے ساڑھے دس برس خلافت کی۔ آپ کے انتقال پر نہ صرف مکہ اور مدینہ میں بلکہ پوری مملکت اسلامیہ میں کہرام مچ گیا۔

حضرت عمر فاروق رض نے چھ نکاح کئے تھے جن سے کئی اولادیں پیدا ہوئی تھیں۔ آخری عمر میں آپ نے حضرت علیؑ کی صاحبزادی اُمِ کلثوم سے بھی نکاح کیا تھا جن سے دو اولادیں ہوئی تھیں۔ حضرت عمرؓ کی اولاد میں حضرت حفصہ زوجہ رسول اللہ صلعم اور حضرت عبد اللہ بن عمر بہت نامور ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رسولِ مقبول صلعم کے ساتھ تقریباً تمام لڑائیوں میں شریک رہے ہیں۔

حضرت عمرؓ کا کردار اور ملکی خدمات

حضرت عمر فاروق نہایت ہی بلند کردار کے مالک تھے۔ خدا نے آپ کو بڑا ہی قوی دماغ اور سلجھی ہوئی عقل عطا کی تھی۔ آپ انصاف کے معاملہ میں دوست اور دشمن میں مطلق تمیز نہیں کرتے تھے۔ آپ بہترین مدبر ہونے کے ساتھ لائق ترین فوجی جرنیل بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے جس اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی تھی آپ نے اپنے دورِ حکومت میں اسے خوب ترقی دی۔ آپ مملکتِ اسلامیہ کے افسروں اور

سپہ سالاروں پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔کسی لائق سے لائق حاکم کے بارے میں آپ کو جب یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ اس نے سادہ زندگی ترک کرکے شاہانہ کر وفر کی زندگی اختیار کر لی ہے تو آپ اسے فوراً معزول کر دیتے تھے۔

سب سے بڑے اسلامی سپہ سالار حضرت خالد بن ولید سے آپ اسی لئے خفا رہتے تھے کہ وہ ضرورت سے زیادہ فضول خرچ تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے ان کو لشکرِ اسلام کی سرداری سے معزول کر دیا تھا۔آپ نے دوسرے بڑے سپہ سالار سعد بن ابی وقاص فاتح ایران کے محل کو آگ لگوا دی تھی اور محض اس لئے ان کو معطل کر دیا تھا کیونکہ سعد نے ایرانی بادشاہوں جیسا ٹھاٹ باٹ اختیار کر لیا تھا اور عوام کو ان کے انصاف کے بارے میں شکایتیں پیدا ہونی شروع ہو گئی تھیں۔ آپ جس مسلمان کو بھی رومیوں یا ایرانیوں جیسا شاندار لباس پہنے ہوئے دیکھتے تھے تو اسے پھاڑ ڈالتے تھے۔ آپ گورنر شام امیر معاویہ کے بارے میں شاکی تھے کہ انھوں نے اسلام کی سادگی چھوڑ کر رومی بادشاہوں کا طرز تمدن اختیار کر لیا تھا۔حضرتِ عمر فاروق رض خود بھی سادہ زندگی گذارتے تھے۔ اور یہ چاہتے تھے کہ ان کے ماتحت بھی عام مسلمانوں کی سی سادہ زندگی گذاریں۔ آپ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ شاہانِ وقت جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو آپ کے لباس میں پیوند لگے ہوئے دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے۔

آپ بڑے دریا دل اور فیاض تھے آپکے پاس جو مال غنیمت بھی آتا تھا۔آپ اسے غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیتے تھے یہاں تک کہ اپنے لئے دوسرے وقت کے کھانے کے بقدر بھی نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے اسلام کے پرانے خادموں اور رسول اللہ کے کنبہ کے افراد کے لئے گرانقدر وظائف مقرر کر رکھے تھے۔چنانچہ حضرت عباس عمِ رسول اللہ کا سالانہ وظیفہ دو لاکھ درہم تھا اور حضور کے دوسرے قرابت داروں کا وظیفہ بھی ان کے مدارج کے مطابق مقرر تھا جو لوگ جنگِ بدر میں لڑے تھے ان کو پانچ

ہزار درہم سالانہ وظیفہ دیا جاتا تھا اور اسی طرح ابن مجاہدین نے شام۔ ایران اور مصر میں جنگی کارنامے انجام دئیے تھے اُن کو بھی معقول پنشن دی جاتی تھی رسولِ مقبول صلعم کی تمام ازواجِ مطہرات کا وظیفہ دس دس ہزار درہم سالانہ تھا لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کو بارہ ہزار درہم سالانہ دیا جاتا تھا۔ حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کا سالانہ وظیفہ پانچ پانچ ہزار درہم تھا اس کے علاوہ دیگر مستحق حضرات کے بھی حسبِ حیثیت وظائف مقرر تھے۔

ملکی اصلاحات میں بھی آپ نے بڑے بڑے کارنامے انجام دئیے ہیں۔ آپنے حکومت کا کاروبار چلانے کے لئے باقاعدہ بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا۔ فوج کے لیے دفتر قائم کیا۔ رضاکاروں کے لیے تنخواہیں مقرر کیں۔ ملک کی پیمائش کا قاعدہ جاری کیا۔ مردم شماری کرائی۔ نہریں کھدوائیں۔ شہر آباد کئے۔ مقبوضہ علاقوں کو باقاعدہ صوبوں میں تقسیم کیا اور ہر صوبے کے لئے گورنر اور حکام مقرر کئے۔ جیل اور پولیس کا محکمہ قائم کیا۔ پرچہ نویس یعنی سی، آئی، ڈی اور مخبروں کو مقرر فرمایا۔ سڑکیں بنوائیں اور مسافروں کے لئے سڑکوں پر کنوئیں اور سرائیں تعمیر کرائیں۔ مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے روزینے مقرر کئے مملکتِ اسلامیہ میں باقاعدہ سکے جاری کئے۔ آپ ملزموں کو سزا دینے میں بہت سخت تھے۔ کوڑے کی سزا آپ ہی نے ایجاد کی تھی چنانچہ "درہ عمرؓ" آج تک مشہور ہے۔ آپ راتوں کو خود گشت کر کے رعایا کا حال معلوم کرتے تھے۔ آپ ہی کے دور میں باجماعت نماز تراویح کی ابتدا ہوئی۔

آپکے زمانہ کی فتوحات پر غور کرنے کے بعد عقلِ انسانی حیران رہجاتی ہے۔ آپ کی فتوحات کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جو ملک آپ کے دورِ خلافت میں فتح ہوئے ان کا رقبہ بائیس لاکھ مربع میل تھا۔ اس بائیس لاکھ مربع میل کے اندر ۳۶ ہزار شہر اور قلعے مسلمانوں کے قبضے میں آئے۔ شام و فلسطین مصر۔ ایران۔ خراسان۔ مکران و آرمینیہ جیسے ممالک آپ ہی کے زمانۂ خلافت میں سلطنتِ اسلامیہ میں شامل ہوئے۔ ان ممالک میں دینِ اسلام کو

خوب فروغ حاصل ہوا۔ غرضیکہ آپ کے دورِ حکومت میں اس قدر فتوحات حاصل ہوئیں کہ ان کی مثال اس سے قبل کی دنیا کی تاریخ میں مفقود ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی زندگی سے متعلق متفرق حالات

حضرت عمر فاروقؓ

آپ کے ایثار، سچائی اور دینداری کے واقعات سے تاریخوں کے صفحات بھرے پڑے ہیں ہم ان سیکڑوں واقعات میں سے صرف چند واقعات ذیل میں درج کرتے ہیں جن سے کہ آپ کے اعلیٰ کردار کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عمر فاروق عدالت میں :۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ حکومت میں عوام کو اس قدر آزادی حاصل تھی کہ اگر کوئی شخص چاہتا تھا تو خلیفۂ وقت تک کو عدالت میں کھینچ بلاتا تھا۔ چنانچہ ایک شخص ابی نے حضرت عمرؓ کے خلاف قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ حضرت عمرؓ بلا تکلف جواب دہی کے لئے عدالت میں جا پہنچے۔ آپ جیسے ہی عدالت میں پہنچے حاکم عدالت زید آپ کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس پہ اعتراض کیا اور فرمایا کہ "یہ بات اصولِ انصاف کے خلاف ہے کہ مقدمہ کے فریقوں میں سے کسی ایک فریق کو فوقیت دی جائے"۔ یہ کہہ کر آپ مدعی کے برابر بیٹھ گئے۔ ابی کے پاس اپنے دعوے کے حق میں کوئی تحریری ثبوت نہیں تھا اور حضرت عمرؓ کو دعوے کی سچائی سے انکار تھا۔ اس پر مدعی نے کہا کہ "حضرت عمرؓ قسم کھا لیں تو میں دعویٰ واپس لے لوں گا"۔ اس پر حاکم نے کہا کہ "امیر المومنین کا درجہ اس قدر بلند ہے کہ ان سے قسم نہیں لی جا سکتی"۔ اس پر حضرت عمرؓ بولے کہ "جب تک تمہارے نزدیک ایک معمولی آدمی اور عمر دونوں برابر نہیں ہوں گے تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے"۔

چادروں کی تقسیم پر اعتراض :۔ حضرت عمرؓ میں بلا کا تحمل اور برداشت تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا "لوگو سنو"

ایک شخص نے فوراً اُٹھ کر کہا کہ "ہم تمہاری بات ہرگز نہیں سنیں گے"۔ آپ نے پوچھا کہ "اس کی وجہ کیا ہے"۔ وہ شخص بولا کہ "مالِ غنیمت میں جو چادریں آئی تھیں وہ سب میں ایک ایک تقسیم ہوئی تھی۔ لیکن آپ کے بدن پر جو کرتا ہے وہ ایک چادر میں نہیں بن سکتا جب تک آپ یہ نہ بتائیں گے کہ یہ زائد کپڑا آپ کے پاس کہاں سے آیا اور حصّہ سے زیادہ آپ نے کیوں لیا ہم آپ کی کوئی بات نہیں سنیں گے"۔ آپ نے یہ اعتراض سُن کر اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کی طرف اشارہ کیا۔ انھوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ "یہ صحیح ہے کہ سب کو ایک ہی چادر ملی ہے اور امیرالمومنین کو بھی ایک ہی چادر ملی تھی لیکن چونکہ ان کا لانبا کرتا ایک چادر میں نہیں بن سکتا تھا۔ اس لئے میں نے اپنے حصّہ کی چادر ان کو دیدی تھی"۔ معترض نے کہا "اب میرا شک رفع ہو گیا۔ فرمائیے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ہم آپ کے ہر حکم کے لئے تیار ہیں" اللہ اللہ کیا زمانہ تھا کہ ایک معمولی شہری بھرے مجمع میں خلیفۂ وقت سے جواب طلب کر لیتا تھا۔

ایک معصوم لڑکی کی حق گوئی:۔ ایک مرتبہ حضرت عمرِ فاروق رضؓ اپنے غلام اسلم کے ہمراہ مدینہ منورہ کا رات کے وقت گشت کر رہے تھے کہ ایک مکان کی دیوار کے نیچے سے جب آپ گذرے تو آپ نے سُنا کہ ایک دودھ فروش کی عورت کہہ رہی ہے کہ "بیٹی دودھ میں تھوڑا سا پانی ملا دے"۔ لڑکی نے جواب دیا کہ "امیرالمومنین نے ابھی تھوڑے دن ہوئے منادی کرائی ہے کہ دودھ میں پانی ملا کر فروخت نہ کیا جائے۔ پھر دودھ میں پانی کیسے ملایا جا سکتا ہے"۔ عورت بولی "یہاں نہ امیرالمومنین ہیں اور نہ منادی کرنے والا۔ پھر کس بات کا ڈر ہے"۔ لڑکی نے جواب دیا "اماں مگر یہ دیانت کے خلاف ہے"۔ یہ گفتگو سُن کر حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے اور اس لڑکی کی حق گوئی اور دیانت سے متاثر ہو کر اپنے بیٹے عاصم بن عمر کی اس کے ساتھ شادی کر دی۔ اسی دودھ فروش کی لڑکی کے بطن سے امّ عاصم پیدا ہوئیں جو حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے عابد و زاہد خلیفہ کی والدہ تھیں۔

بیت المال پر خلیفہ کا کوئی حق نہیں:۔ ایک مرتبہ کسی مرض کی وجہ سے طبیب نے

آپ کو شہد کھانے کی ہدایت کی۔ آپ کے ہاں شہد نہ تھا اور نہ کسی دوسری جگہ مل سکا البتہ بیت المال میں شہد ضرور موجود تھا۔ لوگوں نے کہا کہ "آپ بیت المال سے شہد کیوں نہیں لے لیتے"۔ آپ نے جواب دیا کہ "بیت المال میرا نہیں ہے بلکہ سب مسلمانوں کا ہے جب تک عام مسلمان مجھ کو اجازت نہ دیں میں کیسے لے سکتا ہوں۔ آخر بمجمع عام میں جب مسلمانوں سے آپ نے اجازت لے لی۔ تب بیت المال سے شہد لیکر استعمال کیا۔ یہ تھا دیانت اور احتیاط کا عالم۔

بادشاہی میں درویشی کی شان :۔ سلطنتِ اسلامیہ کے اس شہنشاہ کی سادگی کی کیا کیفیت تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ کے کپڑوں میں اکثر پیوند لگے رہتے تھے۔ اگر پیوند کے لئے کپڑا نہیں ملتا تھا تو باریک چمڑے کا بھی پیوند لگا لیتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ ملنے آئے تو آپ کسی قدر دیر میں گھر سے نکلے۔ بعد کو معلوم ہوا کہ آپ کے کپڑے میلے ہو گئے تھے۔ دوسرا جوڑا آپ کے پاس تھا نہیں اس لئے آپ نے بدن کا جوڑا دھو کر ڈال دیا تھا جب یہ سوکھ گیا تو آپ باہر تشریف لائے۔

بیٹے کو خلافت دینے سے انکار :۔ حضرت عمرؓ کے زخمی ہونے کے بعد جب لوگ آپ کی زندگی سے مایوس ہو گئے تو آپ کے بعض ساتھیوں نے آپ سے اس بات کی خواہش کی کہ آپ اپنے بعد عبد اللہ بن عمر کو جو بے حد نیک اور صالح ہیں خلافت کے لئے نامزد کر دیں۔ آپ یہ سن کر بے حد ناراض ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ "عمر کے گھر میں صرف عمر ہی کا خلیفہ ہونا کافی ہے"۔

مکان فروخت کر کے قرضہ ادا کر دیا :۔ حضرت عمر فاروقؓ کو اپنے آخری وقت میں بیت المال کے قرضہ کی ادائیگی کی بڑی فکر تھی۔ چنانچہ آپ نے مرنے سے قبل اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمر کو حکم دیا کہ میرا مکان بیچ کر قرضہ ادا کر دیا جائے چنانچہ آپ کا مکان جو مسجد نبوی سے بالکل متصل تھا اسے امیر معاویہ نے خرید لیا اور آپ کا قرضہ ادا ہو گیا۔

ASL-269 Mukammal Tarikh-i-Islam
Mufti Shawkat Ali Fahmi
Din-o-Dunya Publishing Co. Delhi 968 Pages

ASL-270 Ood-i-Hindi عود ہندی
Mirza Asadullah Khan Galib
Munshi Nolkishore Press Lakhnow
1941 / 1360 H — 268 Pages

ASL-271 Bal-i-Jibil بال جبریل
Allama Iqbal (120 Pages)
Sultan Book Depot Chekaman Haiderabad



پانچواں باب

حضرت عثمان غنیؓ

کا دورِ حکومت

سنہ ۲۳ھ تا سنہ ۳۵ھ

۶۴۵ء ۶۵۵ء





حضرت عثمان غنیؓ کا دورِ حکومت

حضرت عمرِ فاروق رضؓ نے رحلت سے قبل چھ معتمد حضرات کی ایک مجلسِ شوریٰ قائم کردی تھی اور مجلس کے ارکان کو وصیت فرمادی تھی کہ اُن کی وفات کے تین دن کے اندر اندر ارکانِ مجلس ان چھ میں سے جسے بھی موزوں سمجھیں مسلمانوں کے لئے خلیفہ منتخب کرلیں ان چھ معتمد حضرات کے نام نامی یہ ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہ۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت زبیرؓ بن العوام۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص۔

حضرت عمرِ فاروق رضؓ کی تجہیز و تکفین کے بعد تمام ارکانِ مجلس علاوہ حضرت طلحہ کے جو مدینہ سے باہر تھے حضرت عائشہؓ کے مکان میں جمع ہوئے اور جدید خلیفہ کے انتخاب کے مسئلہ پر غور ہونا شروع ہوا۔ اس موقعہ پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ "اب ہم کو خلیفہ کے انتخاب کے لئے کوئی مناسب طریقہ کار اختیار کرنا ہوگا میری رائے میں خلیفہ کے انتخاب کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ حضرت عمرِ فاروق رضؓ نے جن چھ آدمیوں کے نام خلافت کے لئے تجویز کئے ہیں، ان میں سے جو حضرات خلافت کے حق سے دستبردار ہو جائیں ان ہی کو نئے خلیفہ کے انتخاب کا حق دیدیا جائے، اور وہی اُمیدواران خلافت میں سے جس کو افضل اور بہتر سمجھیں مسلمانوں کا خلیفہ منتخب کرلیں اس لئے وہ حضرات جو خلافت کے خواہشمند نہیں ہیں اس عہدہ کی اُمیدواری سے دستبردار ہو جائیں۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تھوڑی دیر تو اپنی اس تجویز کے جواب کا انتظار کرتے رہے لیکن جب اس مختصر سے مجمع میں سے کسی نے بھی جواب نہ دیا یعنی کوئی بھی خلافت کے حق سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہ ہوا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اعلان کیا کہ "میں خلافت کے حق سے دستبردار ہوتا ہوں۔ اور چونکہ کوئی دوسرا خلافت

کے حق سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اس لئے میرے لئے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ میں جدید خلیفہ کے انتخاب کی ذمہ داری اپنے سر لیلوں"

حضرت علی کرم اللہ وجہ کے علاوہ باقی تمام ارکان نے عبدالرحمٰن بن عوف کی اس تجویز کی تائید کی اور انھیں خلیفہ کے انتخاب کا حق دیدیا۔ حضرت علی رضا ابتدا میں تو خاموش رہے لیکن جب بعد میں خاص طور پر ان کی رائے طلب کی گئی تو انھوں نے فرمایا کہ "مجھے کو عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے سے پورا اتفاق ہے بشرطیکہ وہ اس بات کا اقرار کریں کہ جو بھی فیصلہ کریں گے ایمان و دیانت اور غیر جانبداری پر محمول ہوگا۔ اور اس فیصلہ کے وقت اُمت کی خیر خواہی کے معاملہ کو پوری طرح مدّ نظر رکھا جائیگا" حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اقرار کیا کہ وہ جدید خلیفہ کے انتخاب میں پوری ایمانداری اور غیر جانبداری سے کام لیں گے۔ اور اُمتِ مسلمہ کی خیر خواہی کو سب پر مقدم رکھیں گے اس اقرار کے بعد انھوں نے تمام اُمیدوارانِ خلافت سے کہا کہ "اب آپ سب بھی اس بات کا اقرار کریں کہ میں جس کو بھی خلیفہ مقرر کروں گا آپ اس انتخاب کو تسلیم کر لیں گے"۔ حضرت علی ؓ حضرت عثمان رضا اور سب اراکینِ مجلس نے اس بات کا اقرار کر لیا کہ وہ عبدالرحمٰن بن عوف کے منتخب کردہ خلیفہ کو بے چون و چرا تسلیم کر لینگے۔ اس کارروائی کے بعد آئندہ نشست کے لئے مجلسِ شوریٰ منتشر ہو گئی۔ اس موقعہ پر یہ بھی بتادینا ضروری ہے کہ مجلسِ شوریٰ کے اس جلسہ میں مجلس کے ممبروں کے علاوہ بجز عبداللہ بن عمر کے کسی کو شریک ہونے کی اجازت نہیں تھی اور یہاں تک احتیاط کی گئی تھی کہ جس مکان میں یہ مجلسِ شوریٰ منعقد ہو رہی تھی اس کے دروازہ پر باقاعدہ پہرہ بٹھادیا گیا تھا تاکہ خلیفہ کے انتخاب کے آخری اعلان سے قبل مجلس کی خُفیہ روئداد کا علم کسی ایک متنفّس کو بھی نہ ہوسکے۔

مجلسِ شوریٰ سے خلیفہ کے انتخاب کا حق حاصل کرنے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن

بن عوف تقریباً تمام اہل الرائے حضرات سے خلیفہ کے انتخاب کے بارے میں رائیں حاصل کرتے رہے اور برابر صاحب فہم حضرات سے اس معاملے میں مشورے کرتے رہے حضرت عبدالرحمٰن کے لئے اس اہم کام میں آگے چل کر سہولت اس سے پیدا ہو گئی کیونکہ دو دن کے اندر اندر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے علاوہ مجلسِ شوریٰ کے باقی تمام ارکان حقِ خلافت سے دست بردار ہو گئے کیونکہ ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ اکثریت حضرت علیؓ اور عثمان غنیؓ کے حق میں ہے اور ایسی حالت میں کسی دوسرے کے لئے انتخاب میں کامیاب ہونا تقریباً ناممکن ہے۔

اب میدان میں چونکہ خلافت کے صرف دو امیدوار یعنی حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ باقی رہ گئے تھے۔ اس لئے عبدالرحمٰن بن عوف نے ان کے بارے میں دوبارہ صاحب الرائے حضرات کی رائیں معلوم کرنی شروع کیں تقریباً تمام مقتدر حضرات سے تبادلۂ خیال کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف کو اندازہ ہوا کہ اگرچہ صاحب فہم حضرات کی خاصی تعداد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں ہے لیکن حضرت عثمان غنیؓ کی جانب لوگوں کا رجحان بلحاظ زیادہ ہے لہٰذا کافی غور و خوض کے بعد انھوں نے یہ طے کیا کہ حضرت عثمان غنیؓ کے انتخاب کا مجمع عام میں اعلان کر دیا جائے۔

نئے خلیفہ کے انتخاب

حضرت عمر فاروقؓ کی وصیت کے مطابق چونکہ تیسرے روز نئے خلیفہ کے انتخاب کا اعلان ہونا ضروری تھا اس لئے صبح کی نماز کے بعد ہی سے مسجد نبوی میں مسلمان جمع ہونے شروع ہو گئے اور مسجد میں تل رکھنے کے لئے بھی جگہ نہیں رہی یہاں تک کہ مسجد کے باہر بھی ہزاروں کی تعداد میں مسلمان اکٹھے ہو گئے اور نئے خلیفہ کے انتخاب کے اعلان کا بڑی بیتابی سے انتظار ہونے لگا۔

مسجد نبوی میں حضرت طلحہ کے علاوہ جو باہر گئے ہوئے تھے سب ہی ارکانِ مجلس جمع تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ارکانِ مجلس اور مجمع عام کے سامنے خلیفہ کے

انتخاب کے سلسلہ میں ایک مختصر سی تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "میں نے خلیفہ کا انتخاب اپنی ذاتی رائے سے نہیں کیا ہے بلکہ جہاں تک میری طاقت میں تھا میں نے ہر طبقہ، ہر گروہ اور ہر قبیلہ کی رائے معلوم کر لی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنے فرض کی انجام دہی میں پوری ذمہ داری سے کام لیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مجلس شوریٰ کے وہ تمام ارکان جن کو حضرت عمر فاروق رضؓ نے خلیفہ کے عہدہ کے لئے نامزد کیا تھا انھوں نے برضا و رغبت میرے فیصلہ کو ناطق تسلیم کر لیا ہے۔ اس لئے اب کسی کے لئے بھی اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ مجھ کو اُمید ہے کہ میں خلیفہ کے عہدہ کے لئے جو نام بھی تجویز کروں گا اسے پسند کیا جائیگا اور مجھے مسلم عوام کی پوری تائید حاصل ہوگی۔"

اس مختصر سی تقریر کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمان غنی رضؓ کے خلیفہ منتخب کئے جانے کا اعلان کر دیا۔ آپ نے مجمع عام میں حضرت عثمان غنی رضؓ کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ "خدا اور رسولؐ کے احکام اور سنت شیخین پر چلنے کا اقرار کرو۔" حضرت عثمان غنی رضؓ نے با آواز بلند اقرار کیا کہ "میں خدا اور رسول کے حکم کے مطابق عمل کرونگا اور صدیقؓ و فاروقؓ کے نقش قدم پر چلنے کی پوری پوری کوشش کرونگا" عثمان غنی رضؓ کے اس اقرار کے بعد سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے آپکے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کے بعد دوسرے لوگ حضرت عثمان غنی رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ چونکہ اس عہدہ کے لئے حضرت عثمان غنی رضؓ کے مقابلہ میں اپنے آپ کو زیادہ مستحق سمجھتے تھے اور اُن کو قوی اُمید تھی کہ اُن ہی کا انتخاب عمل میں آئیگا اس لئے حضرت عثمان غنی رضؓ کے انتخاب کے اعلان سے آپ کو اور آپکے ہمنواؤں کو سخت ناگواری پیدا ہوئی۔ چنانچہ آپ بیعت کئے بغیر مسجد نبویؐ سے اُٹھ کر باہر جانے لگے لیکن آپ کے ساتھ ہی جب آپ کے تمام ہمنواؤں کی جماعت بھی برافروختہ ہو کر کھڑی ہو گئی تو آپ کو خانہ جنگی کا خطرہ محسوس ہوا۔ اس خطرہ کے محسوس ہوتے ہی آپ فوراً ہی بڑی تیزی سے

پلٹے اور صفوں کو چیرتے ہوئے حضرت عثمان غنی رضہ کے ہاتھ پر جاکر بیعت کر لی۔ آپ کا بیعت کرنا تھا کہ مسجد نبوی اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اُٹھی۔

یہ حقیقت ہے اور اس حقیقت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ سرتاپا ایثارِ مجسّم تھے۔ آپ کے لئے اسلام سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں تھی چنانچہ حضرت عثمان غنی رضہ کے انتخاب کو اپنی حق تلفی سمجھنے کے باوجود جب آپنے یہ محسوس کیا کہ آپ کے بیعت نہ کرنے کی وجہ سے اُمتِ رسول اللہ میں انتشار اور خانہ جنگی پیدا ہو جائیگی تو آپ نے بلا توقف حضرت عثمان غنیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے ایک بہت بڑے فتنہ کو دبا دیا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اگر حضرت علی ؑ نے اس انتخاب پر مہرِ تصدیق ثبت نہ کر دی ہوتی تو مسلمانوں میں بہت بڑا ہنگامہ برپا ہو جاتا۔ دوسرے روز جب حضرت طلحہ باہر سے مدینہ واپس آئے اور یہ معلوم ہوا کہ ان کی غیر موجودگی میں بالا ہی بالا جدید خلیفہ کا انتخاب عمل میں آگیا ہے تو ان کو بھی سخت ناگواری پیدا ہوئی لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہ اور تمام مقتدر صحابہ نے چونکہ حضرت عثمان غنی کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اس لئے آپ نے بھی بیعت کر لی۔

حضرت عثمان غنیؓ کی ابتدائی زندگی

حضرت عثمان غنی خاندان بنی اُمیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ خاندان بنی اُمیہ رسول اللہ صلعم کے خاندانِ "بنی قریش" ہی کی ایک شاخ ہے۔ خاندان بنی قریش میں ایک بزرگ عبدِ مناف تھے۔ ان ہی عبدِ مناف کے ایک بیٹے ہاشم کی اولاد میں تو رسول اللہ صلعم ہیں اور دوسرے بیٹے عبد الشمس کی اولاد میں حضرت عثمان غنی ہیں۔ یعنی حضرت عثمان اور رسول اللہ صلعم دونوں ہم عہد ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت عثمان غنی رسول اللہ صلعم کی پھوپی زاد بہن کے بھی بیٹے ہیں۔

حضرت عثمان غنی زمانۂ جوانی میں بے حد خوبصورت تھے۔ عبد اللہ حزم کا قول

ہے کہ میں نے حضرت عثمان سے زیادہ خوبصورت نہ کوئی مرد دیکھا ہے اور نہ کوئی عورت۔ آپ شکل و صورت میں رسول اللہ صلعم سے بہت مُشابہ تھے حضرت عثمان غنی رضؓ پانچویں مسلمان تھے۔ یعنی آپ سے پیشتر صرف چار آدمیوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی تحریک پر مسلمان ہوئے تھے۔

حضرت عثمان غنی رضؓ ذو ہجرتین تھے یعنی آپ نے دو ہجرتیں کی تھیں۔ پہلے آپ نے حبش کیلئے ہجرت فرمائی۔ اس کے بعد آپ ہجرت کر کے مدینہ گئے۔ رسول اللہ صلعم نے نبوت سے قبل اپنی صاحبزادی حضرت رُقیہ کی شادی حضرت عثمان غنی رضؓ سے کردی تھی۔ یہ عین جنگِ بدر کے روز ۲ھ میں انتقال فرما گئی تھیں۔ حضرت رُقیہ کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلعم نے اپنی دوسری صاحبزادی اُمِ کُلثوم کی شادی بھی حضرت عثمان رضؓ کے ساتھ کردی تھی۔ اسی لئے آپ ذوالنورین کہلائے۔ سوائے حضرت عثمان غنی رضؓ کے دُنیا میں کوئی ایسا خوش نصیب شخص نہیں ہوا جس کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے آئی ہوں۔

حضرت عثمان غنی رضؓ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ مالدار تھے۔ آپ راہِ خدا میں خرچ کرنے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ جنگِ تبوک کے واسطے آپ نے ساڑھے چھ سو اُونٹ اور پچاس گھوڑے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں پیش کئے تھے۔ ایک سال جب قحط پڑا تو آپ نے مدینہ کے محتاجوں میں بے اندازہ غلہ تقسیم کیا تھا۔ مسجدِ نبویؐ کے متصل ازواجِ مُطہرات کے مکانات کے لئے کچھ زمین آپ نے اپنے خرچ سے خریدی تھی۔ آپ کی اسی فیاضی اور دریا دلی کی بنا پر رسولِ مقبول صلعم نے آپ کو غنی کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ آپ تقریباً تمام لڑائیوں میں رسول اللہ صلعم کے دوش بدوش لڑے ہیں لیکن جنگِ بدر کے موقعہ پر چونکہ حضرت رقیہ سخت علیل تھیں اس لئے آپ اس جنگ میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ پھر بھی جنگِ بدر کے مالِ غنیمت میں سے آپ کو مساوی حصہ ملا تھا۔ اور رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا کہ "عثمان کو جنگِ بدر میں

شامل سمجھنا چاہیئے" چنانچہ اصحاب بدر میں آپ کا شمار کیا جاتا ہے۔ مناسک حج سب سے بہتر حضرت عثمانؓ جانتے تھے۔ آپ عبادت کے بے حد شائق تھے۔ رات رات بھر نماز پڑھتے رہتے تھے۔ روزے بہت رکھا کرتے تھے مسلمان ہونے کے بعد ہر روز ایک غلام خرید کر آزاد کیا کرتے تھے۔ آپ شروع ہی سے نہایت پاکباز تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی آپ نے کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا۔

حضرت عثمان غنی رضؓ اگرچہ نہایت نیک اور صداقت شعار تھے لیکن آپ میں دور اندیشی کا مادہ بہت کم تھا جس کی وجہ سے آپ کی حکومت میں بہت سے فتنے کھڑے ہوگئے جو آگے چل کر نہایت خطرناک ثابت ہوئے۔ آپ اپنے عزیزوں اور قرابت داروں کی ضرورت سے زیادہ پاسداری کرتے تھے جس کی وجہ سے حکومت کے کاموں میں بھی بہت سی خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں۔

مملکت اسلامیہ میں بغاوتیں

حضرت عمر فاروق رضؓ کے انتقال اور حضرت عثمان غنی رضؓ کے خلیفہ ہونے کے بعد مملکت اسلامیہ کے مختلف حصوں میں بدنظمی سی پھیل گئی۔ اور بعض ملکوں میں تو باقاعدہ بغاوتیں شروع ہوگئیں جس کی وجہ یہ بھی کہ مملکت اسلامیہ کے تمام فتنہ پرداز حضرت عمر رضؓ کے نام سے کانپتے تھے جب وہ رحلت فرما گئے تو شرارت پسند عناصر نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔

اس بدنظمی اور بغاوت کا دوسرا سبب یہ تھا کہ حضرت عثمان غنی نے مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد حضرت عمر رضؓ کے زمانہ کے ان تمام پرانے عمال کی تبدیلی شروع کر دی تھی جو اپنے علاقوں پر حاوی تھے۔ چنانچہ ان بااثر عمال کے تبدیل ہوتے ہی بغاوت پسند عناصر ابھرنے لگے۔ اس کے علاوہ حضرت عثمان رضؓ کے دور حکومت کی ایک بہت بڑی خرابی یہ بھی تھی کہ آپ نے بہت سے پرانے عمال کو ان کے عہدوں سے ہٹا کر یہ اہم عہدے اپنے ایسے قرابت داروں کو دیدئے تھے جو کسی طرح بھی ان عہدوں کے لئے موزوں نہ تھے۔

حضرت عثمان غنی رض کی ان بنیادی غلطیوں کی وجہ سے ممالک اسلامیہ میں اچھی خاصی بغاوت اور ابتری پھیل گئی گو یہ بغاوت آگے چل کر دب گئی تھی لیکن اس بغاوت کی وجہ سے ایک بڑا نقصان یہ پہنچا کہ اسلامی فتوحات کی رفتار بے حد دھیمی اور سست پڑ گئی۔

مصر اور ایران کے باغیوں کی سرکوبی

حضرت عمر فاروق کی رحلت کے بعد رومیوں کے حوصلے بے حد بڑھ گئے تھے اور وہ یہ سمجھنے لگے تھے کہ اب مسلمانوں سے انتقام لینے کا وقت آگیا ہے اس زمانہ میں ہرقل قیصر روم کے بعد اس کا بیٹا قسطنطین روم پر حکومت کر رہا تھا۔ اسے یقین کامل تھا کہ اب وہ آسانی کے ساتھ ملک مصر کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکال لیگا چنانچہ اس نے جہازوں کے ذریعہ قسطنطنیہ سے ایک بہت بڑی فوج اسکندریہ کے لیئے روانہ کر دی۔ جب یہ فوج اسکندریہ کے ساحل پر اتری تو مسلمانوں کے حلیف مقوقس سابق حاکم مصر اور اسلامی لشکر نے متحد ہو کر ایسی مضبوطی کے ساتھ رومی عیسائیوں کا مقابلہ کیا کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور رومیوں کو محسوس ہو گیا کہ عمرو بن عاص جیسے لائق گورنر کی موجودگی میں مصر کا مسلمانوں سے واپس لینا ناممکن ہے۔ لہٰذا وہ بے حد نقصانات اٹھا کر ۲۵ھ (۶۴۶ء) میں ناکام و نامراد قسطنطنیہ واپس چلے گئے۔

روم کی طرح ایران میں بھی آتش پرستوں کے حوصلے بڑھ گئے تھے چنانچہ ہمدان، رے اور چند دوسرے ایرانی علاقوں میں مسلمانوں کے خلاف ایرانیوں نے باقاعدہ بغاوتیں شروع کر دی تھیں۔ ان بغاوتوں کا حال سن کر حضرت عثمان غنی رض نے ابو موسیٰ اشعری اور چند دوسرے سرداروں کو ان باغیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا جنہوں نے بہت جلد ان بغاوتوں کو دبا دیا۔

حضرت عمر رض کے انتقال کے وقت مغیرہ بن شعبہ کوفہ کے گورنر تھے حضرت عثمان غنی رض جب مسند خلافت پر بیٹھے تو آپ نے سعد بن ابی وقاص کو جنہیں حضرت عمر رض نے معزول

کر دیا تھا دوبارہ کوفہ کا گورنر بنا دیا اور مغیرہ معزول کر دئیے گئے لیکن چند ہی ماہ کے بعد حضرت عثمانؓ نے سعد بن ابی وقاص اور ان کے ماتحت افسر عتبہ بن فرقد حاکم آذربائیجان کو بھی معزول کر دیا۔ اور سعد بن ابی وقاص کی بجائے ولید بن عقبہ کو جو حضرت عثمان غنیؓ کے رضاعی بھائی تھے۔ کوفہ اور آذربائیجان کا گورنر مقرر کر دیا۔ ان تبدیلیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۶ھ (۶۴۷ء) میں آذربائیجان میں سخت بغاوت پھیل گئی جسے ولید بن عقبہ نے بڑی مشکل سے دبایا۔ اس کے علاوہ ملک کے دوسرے حصوں میں بھی اندرونی بغاوتیں برابر کھڑی ہوتی رہتی تھیں جن کو دبانے کے لئے اسلامی لشکر پر غیر ضروری بار پڑ رہا تھا۔

اسکندریہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا

حضرت عمرو بن عاص نے بڑی جانفشانی کے ساتھ حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ حکومت میں مصر اور اسکندریہ کو فتح کیا تھا۔ آپ نے وہاں ایک ایسی مضبوط اسلامی حکومت قائم کر دی تھی جو رومیوں کے سخت سے سخت حملوں کا بڑی مستعدی کے ساتھ مقابلہ کر رہی تھی۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے انتقال کے بعد بھی ۲۵ھ میں جب رومیوں نے اسکندریہ پر ایک بہت بڑا حملہ کیا تھا تو اس حملہ میں رومیوں کو بری طرح شکست کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔

حضرت عمرو بن عاص کے ان شاندار کارناموں کے باوجود حضرت عثمان غنی ان سے مطمئن نہیں تھے چنانچہ انھوں نے پہلے تو اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد کو مصر کا گورنر اور افسر خزانہ مقرر کیا۔ اور عمرو بن عاص کا عہدہ گھٹا کر انھیں صرف سپہ سالارِ افواج رہنے دیا اور اس کے بعد ۲۷ھ میں حضرت عمرو بن عاص کو قطعاً معزول اور برطرف کر کے اپنے بھائی عبداللہ بن سعد کو مصر و اسکندریہ کا مختارِ مطلق بنا دیا۔

حضرت عمرو بن عاص کو مصر میں غیر معمولی ہردلعزیزی حاصل تھی۔ آپ مسلمانوں کے علاوہ عیسائیوں اور قبطیوں میں بھی بے حد مقبول تھے۔ چنانچہ آپ نے مصر کی حفاظت

کے لئے جو فوج بھرتی کی تھی اسمیں مسلمانوں کے علاوہ عیسائیوں اور قبطیوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد شامل تھی۔ مصری چونکہ آپ سے بے حد محبت کرتے تھے اس لئے جب آپ کو معزول کیا گیا تو مصر کے تمام باشندوں میں بلا امتیاز مذہب وملت حکومت اسلامیہ کے خلاف سخت نفرت پھیل گئی۔ اور اس نفرت کا نتیجہ یہ نکلا کہ سارے مصر میں نئے گورنر عبداللہ بن سعد کے خلاف عام بغاوت برپا ہو گئی۔ مصر کے مسلمان خصوصیت کے ساتھ عبداللہ بن سعد کے شدید مخالف تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عبداللہ بن سعد عہد نبوی میں مرتد ہو کر اسلام سے منحرف ہو گئے تھے اور مسلمان اب تک ان کو شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔

جدید قیصر روم قسطنطین نے جب دیکھا کہ عمرو بن عاص کو معزول کیا جا چکا ہے نیز مصر میں بُری طرح بغاوت پھیلی ہوئی ہے اور مصری عوام میں دربار خلافت کے خلاف بے چینی پیدا ہو چکی ہے تو اس نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سمندر کے راستہ ایک بہت بڑا لشکر روانہ کر دیا جس نے کہ اسکندریہ کے ساحل پر اترتے ہی ساتھ ہی مسلمانوں کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ اسلامی لشکر نے بڑی بے دلی کے ساتھ مدافعت کی۔ عیسائی رومیوں کے ساتھ مل گئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ سنہ ۲۶ھ (۶۴۷ء) میں رومی عیسائیوں کا بڑی آسانی کے ساتھ دوبارہ مصر پر قبضہ ہو گیا۔

مسلمانوں نے اسکندریہ واپس لے لیا

اسکندریہ پر قابض ہونے کے بعد جب قیصر روم کی فوجیں مصر کے دوسرے علاقوں کو مسلمانوں سے صاف کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھیں تو ان تمام واقعات کی اطلاع حضرت عثمان غنی رضؓ کو دی گئی۔ اب حضرت عثمان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انھوں نے دوبارہ عمرو بن عاص کو مصر کا گورنر مقرر کر کے اور ایک بڑا لشکر دیکر مصر کی جانب روانہ کر دیا۔

عمرو بن عاص ایک آزمودہ کار فوجی جرنیل ہونے کے علاوہ چونکہ مصر کے ہر طبقہ

میں بے حد ہر دلعزیز تھے اس لئے ان کو رومیوں سے اسکندریہ کے واپس لینے میں کوئی وقت اور پریشانی پیش نہیں آئی چنانچہ ان کی فوجیں جیسے ہی اسکندریہ کے قریب پہنچیں اور لوگوں کو معلوم ہوا کہ اسلامی فوجوں کے سالارِ لشکر عمرو بن عاص ہیں تو نہ صرف تمام اندرونی بغاوتیں خود بخود دب گئیں بلکہ مصر کا سابق حکمراں مقوقس قبطیوں کا ایک بہت بڑا لشکر لیکر عمرو بن عاص کے ساتھ اس معرکہ میں شامل ہو گیا۔ غرضکہ عمرو بن عاص نے مسلمانوں قبطیوں۔ اور عیسائیوں کو متحد کر کے قیصرِ روم کی فوج پر ایسا شدید حملہ کیا کہ اس حملہ میں ہزاروں رومی کام آگئے جو باقی رہ گئے تھے وہ اسکندریہ چھوڑ کر جہازوں کے ذریعہ فرار ہو گئے اور اس طرح پھر ایک بار ۲۵ھ (۶۴۶ء) میں مسلمانوں کا اسکندریہ پر قبضہ ہو گیا۔

اسکندریہ کی فتح کے بعد حضرت عمرو بن عاص نے ان تمام شرارتی عناصر کو کچل کر رکھ دیا جو کئی مرتبہ رومیوں کے ساتھ ملکر اسکندریہ میں فتنے برپا کر چکے تھے اس کے علاوہ آپ نے مصر کی حکومت کے مختلف شعبوں کو نئے سرے سے ترتیب دیکر حکومتِ مصر کو نہایت ہی مستحکم بنا دیا۔

حضرت عثمان غنی رضؓ نے جب دیکھا کہ مصر پر مسلمانوں کا پوری طرح قبضہ ہو چکا ہے۔ اور ہر طرح ملک میں امن و امان ہے تو آپ نے عمرو بن عاص کو پھر مصر کی گورنری سے معزول کر کے اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد کو دوبارہ مصر کا حاکم بنا دیا حضرت عثمان غنی کے اس غیر منصفانہ سلوک کو نہ صرف عمرو بن عاص نے بڑی طرح محسوس کیا بلکہ مقتدر مسلمانوں نے بھی ان کی اس روش کو سخت ناپسند کیا۔

مسلمانوں کا افریقہ پر حملہ

عبداللہ بن سعد حضرت عثمان غنی کی عنایت سے دوبارہ مصر کے گورنر تو بن گئے تھے لیکن ان کو اس بات کی بڑی ندامت تھی کہ وہ مصر کی بگڑی ہوئی حالت کو سنبھالنے کے معاملہ میں نہایت ہی نااہل ثابت ہوئے ہیں یہانتک کہ اسکندریہ ان کی نااہلیت کی بدولت

مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا تھا۔ وہ شرمندہ تھے کہ عمرو بن عاص کے طفیل میں جب اسکندریہ دوبارہ فتح ہوا تب کہیں ان کو اس ملک کی حکومت نصیب ہوئی۔ اس شرمندگی اور ملامت کو مٹانے کی غرض سے وہ اس بات کے بڑے خواہشمند تھے کہ وہ کوئی ایسا کارنامہ انجام دے سکیں جس کی وجہ سے ان کو بھی عمرو بن عاص جیسی شہرت حاصل ہو جائے۔ چنانچہ انھوں نے یہ طے کیا کہ افریقہ پر حملہ کرکے قسمت آزمائی کی جائے۔ اس غرض کے لئے انھوں نے حضرت عثمان غنی رضؓ سے افریقہ پر حملہ کی اجازت طلب کی تو انھیں فوراً اجازت مل گئی۔

آج کل افریقہ اس پورے براعظم کا نام ہے لیکن پرانے زمانہ میں افریقہ اس براعظم کے اس شمالی حصہ کو کہتے تھے جو طرابلس۔ الجیریا۔ ٹیونس اور مراکو کے علاقوں پر مشتمل تھا۔

عبد اللہ بن سعد سب سے پہلے افریقہ کے سرحدی علاقوں کی جانب متوجہ ہوئے۔ چنانچہ انھوں نے دس ہزار کے لشکر سے ۲۷ھ (۶۴۷ء) میں علاقہ برقہ کے رئیسوں پر حملہ کر دیا ان رئیسوں نے فوراً اطاعت قبول کر لی۔ عمرو بن عاص کے زمانہ میں بھی یہ مغلوب ہو چکے تھے اور برابر جزیہ ادا کرتے تھے لیکن بعد میں جب حکومت اسلامیہ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تو یہ موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے خود مختار بن گئے۔ اب ان پر دوبارہ حملہ کیا گیا تو انھوں نے پھر اطاعت قبول کرکے جزیہ دینا شروع کر دیا۔

حضرت عثمان غنی رضؓ نے یہ سمجھتے ہوئے کہ مصر میں اس وقت جو فوج موجود ہے وہ افریقہ جیسے وسیع ملک کی فتح کے لئے ناکافی ہے۔ ایک بہت بڑی فوج عبد اللہ بن سعد کی مدد کے لئے مدینہ سے روانہ کر دی۔ اس فوج میں امام حسن ؑ ابن علیؑ۔ امام حسین ؑ ابن علیؑ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ۔ اور حضرت عبد اللہ ابن جعفر طیارؓ جیسے مقتدر حضرات موجود تھے۔ ان کے علاوہ عمرو بن عاص سابق گورنر مصر کو بھی اس فوج کے ساتھ شامل کر دیا گیا تھا تاکہ عبد اللہ بن سعد کو ان کے سابقہ تجربات سے پوری مدد مل سکے۔

اس فوج کے پہنچنے کے بعد عبداللہ بن سعد نے طرابلس پر حملہ کر دیا۔ طرابلس اگرچہ نومسلم یوقنا کی کوششوں سے حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں پہلے ہی زیر ہو چکا تھا لیکن بعد میں وہ خود مختار بن گیا تھا۔ اب اسلامی لشکر نے جب دوبارہ طرابلس پر حملہ کیا تو وہاں کا حاکم مقابلہ کی تاب نہ لا سکا اور اس نے سنہ ۲۶ھ (۶۴۷ء) میں اطاعت قبول کر لی۔

طرابلس کی فتح کے بعد حضرت عمرو بن عاص اور دوسرے سردارانِ لشکر تو مدینہ واپس آ گئے مگر لشکرِ اسلامیہ افریقہ کے مزید علاقوں کی فتح کے لئے آگے روانہ ہو گیا۔

سخت مقابلہ کے بعد افریقہ کی فتح

افریقہ پر اس وقت عیسائی بادشاہ جرجیس کی حکومت تھی۔ یہ بادشاہ قیصرِ روم کا باجگذار تھا جب اسے معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر افریقہ کی فتح کے لئے آ رہا ہے تو وہ ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکرِ عظیم لیکر مسلمانوں کے مقابلہ پر آ گیا اور دونوں لشکروں میں گھمسان کی لڑائی چھڑ گئی لیکن لڑائی کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔

حضرت عثمان غنیؓ مدینہ میں بڑی بے چینی کے ساتھ افریقہ کی فتح کے منتظر تھے جب ان کو افریقہ سے کوئی خبر نہیں ملی تو انھوں نے حضرت زبیر بن العوام کی سرکردگی میں ایک تازہ دم فوج افریقہ کے لئے اور روانہ کر دی۔ حضرت زبیر نے افریقہ آکر دیکھا کہ اسلامی لشکر بڑی بے دلی سے لڑ رہا ہے۔ اور فوج کے سپہ سالار عبداللہ بن سعد لشکر سے غائب ہیں۔ آپنے اس کا سبب پوچھا تو انھیں بتایا گیا کہ شاہِ افریقہ نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ جو شخص عبداللہ بن سعد کا سر کاٹ کر لائیگا اُس سے بادشاہ کی لڑکی کی شادی کر دی جائیگی اور ایک لاکھ دینار بطورِ انعام دئے جائیں گے۔ اس اعلان کے بعد سے عبداللہ بن سعد نے میدانِ جنگ میں آنا بند کر دیا ہے اور وہ خیمہ میں چھپے ہوئے بیٹھے ہیں۔

حضرت زبیر بن العوام کو سعد کی اس کمزوری پر بے حد افسوس ہوا اور انھوں نے فوراً ہی اعلان کرا دیا کہ جو شخص شاہِ افریقہ کا سر کاٹ کر لائیگا اس کو مالِ غنیمت

میں سے ایک لاکھ دینار دیا جائیگا۔ پادشاہ کی لڑکی سے اُس کی شادی کردی جائیگی۔ اور اسے افریقہ کے ملک کا حاکم بنادیا جائیگا۔ اس اعلان نے شاہِ افریقہ کے لئے بڑی دشواری پیدا کردی۔ اب عبداللہ بن سعد بھی میدان میں آگئے۔ لڑائی کا زور بہت زیادہ بڑھ گیا لیکن لڑائی کا فیصلہ دونوں فریقوں میں سے کسی کے حق میں بھی نہ ہوسکا

حضرت زبیر نے جب دیکھا کہ افریقہ کی جنگ طوالت پکڑتی چلی جارہی ہے۔ تو آپنے یہ جنگی چال چلی کہ آدھی فوج کو تو اپنی کمان میں لیکر روک لیا۔ اور آدھی فوج عبداللہ بن سعد کی سرکردگی میں لڑنے کے لئے بھیجدی۔ یہ فوج تمام دن لڑتی رہی۔ جب دوپہر ہوگئی اور دونوں فریقوں کی فوجیں تھک کر اپنے اپنے خیموں میں واپس چلی گئیں تو حضرت زبیر اُس تازہ دم فوج کو لیکر جو انھوں نے روک لی تھی۔ افریقہ کی تھکی ہوئی فوج پر پل پڑے افریقی فوج جو تھکان سے پہلے ہی چُور تھی مسلمانوں کی تازہ دم فوج کے اچانک حملہ سے گھبراگئی۔ قصہ مختصر یہ کہ افریقی فوج میں ابتری پھیل گئی۔ افریقیوں کو شکست ہوگئی۔ مسلمانوں کے ہاتھوں سے بے شمار افریقی سپاہی مارے گئے۔ افریقہ کا بادشاہ جرجیس حضرت زبیر بن العوام کے ہاتھ سے قتل ہوا اور شاہِ افریقہ کی خوبصورت بیٹی جو باپ کے دوش بدوش لڑرہی تھی گرفتار ہوگئی۔ اور اس طرح حضرت زبیر کی اس جنگی چال کی بدولت ۲۶ھ (۶۴۶ء) میں افریقہ فتح ہوگیا۔

اس فتح کے بعد حسبِ اعلان جب شاہِ افریقہ کی خوبصورت لڑکی اور ایک لاکھ دینار حضرت زبیر بن العوام کی خدمت میں پیش کئے گئے تو آپنے ان کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ "میں نے جو کچھ کیا ہے وہ خدا اور رسول کے لئے کیا ہے۔ میں دنیا میں کوئی مُعاوضہ لینے کی بجائے یہ زیادہ بہتر سمجھتا ہوں کہ اس کا معاوضہ مجھے آخرت میں ملے"

اس معرکہ سے فراغت حاصل کرنیکے بعد اسلامی لشکر نے افریقہ کے بعض دوسرے علاقوں کو فتح کیا۔ حضرت زبیر جب افریقہ کی تسخیر کے بعد مدینہ واپس چلے گئے تو عبداللہ

بن سعد نے یہ سوچتے ہوئے کہ اسلامی فوج بہت کم رہ گئی ہے۔ دس لاکھ دینار سالانہ جزیہ پر افریقیوں سے ۲۷ھ (۶۴۷ء) میں صلح کر لی اور مصر واپس چلے گئے۔ یعنی اس قدر خونریزی اور جانفشانی کے باوجود بھی محض عبداللہ بن سعد کی فطری کمزوری کی بنا پر افریقہ پر مسلمانوں کا کامل تسلط نہ ہو سکا۔

عبداللہ بن سعد نے حضرت عثمان غنیؓ کے حکم سے علاقہ سوڈان پر بھی فوج کشی کی تھی لیکن اس فوج کشی کا اس سے زیادہ کوئی نتیجہ نہیں نکلا کہ مسلمانوں کے ہاتھ کچھ مالِ غنیمت اور غلام آ گئے۔

جزیرہ قبرص اور روڈس کی فتح

قیصر روم قسطنطین کو اگرچہ مسلمانوں سے مقابلہ میں پے درپے شکستیں ہو رہی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود اسے جب بھی موقعہ ملتا تھا وہ مسلمانوں کے خلاف یورش کر دیتا تھا چنانچہ ۲۸ھ میں اس نے ایک بحری فوج ساحل افریقہ پر اتار دی۔ اور افریقیوں سے اس خراج کا مطالبہ کیا جو رومی سلطنت افریقہ سے مسلمانوں کے حملہ سے قبل وصول کیا کرتی تھی۔ افریقیوں نے کہا کہ "جب مسلمانوں نے ہم پر حملہ کیا تو قیصر روم نے ہماری خبر نہیں لی۔ ایسی حالت میں وہ کسی خراج کا حقدار نہیں ہے"۔ افریقیوں کے اس صاف جواب کے بعد افریقی اور رومی فوجوں میں جنگ چھڑ گئی اور اس جنگ میں افریقیوں کو شکست ہو گئی یعنی مسلمانوں کے باجگذار ملک پر قیصر روم کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔

افریقہ میں فتح حاصل کرنے کے بعد رومی فوج اسکندریہ کی جانب بڑھی ادھر قیصر روم قسطنطین بھی چھ سو کشتیوں میں تازہ دم رومی فوج کو لیکر اسکندریہ آ پہنچا۔ اور اسلامی لشکر کے ساتھ اس کی جنگ چھڑ گئی لیکن جب رومیوں کو شکست ہو گئی تو قسطنطین کشتیوں کے ذریعہ اپنی فوج کو لیکر فرار ہو گیا اور جزیرہ قبرص میں جا اترا۔ قبرص رومی فوج کا بحری ہیڈ کوارٹر تھا۔ لیکن رومیوں کی بدقسمتی کہ ایک طرف تو مصر

کا اسلامی لشکر کشتیوں میں سوار ہو کر اس کا تعاقب کرتا ہوا قبرس جا اترا۔ اور دوسری جانب امیر معاویہ حاکم شام کا بھیجا ہوا بحری لشکر کشتیوں کے ذریعہ قبرس آن پہنچا اور شام و مصر کے اسلامی لشکروں کی قیصر روم کی بحری فوج کے ساتھ قبرس کے لئے خونریز جنگ چھڑ گئی۔

امیر معاویہ اس وقت پورے ملک شام کے گورنر تھے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ کی وفات کے وقت تو وہ صرف دمشق اور اردن کے حاکم تھے لیکن جب حضرت عثمان غنی رضؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے حاکم حمص اور حاکم فلسطین کے مرنے کے بعد یہ علاقے بھی امیر معاویہ کی حکومت میں شامل کر دئے اور اس طرح ۲۷ھ میں وہ پورے ملک شام کے گورنر ہو گئے۔ امیر معاویہ حضرت عمرؓ ہی کے عہد خلافت سے سمندری حملہ کے خواہشمند تھے لیکن ان کی یہ دیرینہ تمنا حضرت عثمان غنی رضؓ کے دور خلافت میں پوری ہوئی چنانچہ ۲۸ھ (۶۴۹ء) میں ان کا پہلا بحری لشکر جو کشتیوں کے ذریعہ شام سے قبرس پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا تھا وہی لشکر تھا جس کا ہم اس سے قبل ذکر کر چکے ہیں۔ شام کے اس بحری لشکر نے مصر کے بحری لشکر کے ساتھ مل کر جب جزیرہ قبرس پر حملہ کیا تو قیصر روم اس حملہ کی تاب نہ لا کر اور جان بچا کر قبرس سے قسطنطنیہ بھاگ گیا اور مسلمانوں نے جزیرہ قبرس پر قبضہ جما لیا یہ پہلی بحری فتح تھی جو مسلمانوں کو جزیرہ قبرس پر حاصل ہوئی۔

قبرس کی فتح کے بعد خود امیر معاویہ بھی اس جزیرہ میں آن پہنچے۔ ان کے آنے کے بعد دوسرا بحری حملہ جزیرہ روڈس پر کیا گیا۔ یہ جزیرہ قبرس کے مغرب میں تھا۔ روڈس والوں نے خوب جم کر اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا۔ لیکن کئی خونریز معرکوں کے بعد مسلمانوں نے جزیرہ روڈس بھی فتح کر لیا اور اس طرح ۲۸ھ (۶۴۹ء) میں اسلامی فوجیں ان دو اہم جزیروں پر قبضہ جمانے کے بعد قسطنطنیہ کے دروازہ پر جا پہنچیں۔ جزیرہ روڈس اور قبرس کی فتح کیونکہ مسلمانوں کی پہلی بحری فتح تھی اس لئے اس کی وجہ سے امیر معاویہ کی شہرت بہت زیادہ بڑھ گئی۔

ایران میں عہدوں کی تبدیلیوں سے بدنظمی

سلطنتِ ایران کا بیشتر حصہ اگرچہ عہدِ فاروقی ہی میں سلطنتِ اسلامیہ میں شامل ہو چکا تھا۔ اور جو تھوڑا بہت علاقہ فتح ہونے سے باقی رہ گیا تھا اسے بڑی آسانی سے تسخیر کیا جا سکتا تھا لیکن حضرت عمرِ فاروق کے انتقال کے بعد جب حضرت عثمان غنی رضؓ نے بلاضرورت ایران کے عمال میں نئے دن تبدیلیاں شروع کیں پرانے اور تجربہ کار عمال کی بجائے نئے نئے عمال مقرر کیے اور اپنے قرابت داروں کو بڑے بڑے عہدے سپرد کرنے شروع کیے تو ایران کا سارا انتظام حکومت درہم برہم ہو گیا اور نظامِ حکومت کے بگڑ جانے کی وجہ سے ایران میں جا بجا بغاوتیں اُٹھ کھڑی ہوئیں چنانچہ ان بغاوتوں کو دبانے کے لیے لشکرِ اسلام کو سخت دردِ سری کا سامنا کرنا پڑا یعنی بجائے اس کے کہ اسلامی فوجیں ایران کے باقی علاقوں کو فتح کرتیں۔ وہ مفتوحہ علاقہ کی دوبارہ تسخیر میں اُلجھ کر رہ گئیں۔

حضرت عثمان رضؓ کے مسندِ خلافت پر بیٹھتے کے ساتھ ہی ایران میں عہدوں کے رد و بدل کا لامتناہی سلسلہ کس طرح جاری ہو گیا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ کوفہ میں مغیرہ بن شعبہ کو گورنری سے ہٹا کر حضرت عثمان نے پہلے تو معزول شدہ گورنر سعد بن ابی وقاص کو وہاں کا عامل بنا دیا لیکن چند ہی ماہ کے بعد ان کو بھی ہٹا دیا گیا اور ان کی بجائے حضرت عثمان غنی رضؓ کے رضاعی بھائی ولید بن عقبہ نہ صرف کوفہ کے بلکہ اس کے ساتھ ہی آذربائجان کے بھی گورنر مقرر کر دیے گئے۔ ان علاقوں کے باشندوں نے اس تبدیلی کو بُری طرح محسوس کیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ آذربائجان میں بغاوت اُٹھ کھڑی ہوئی جسے بڑی مشکل سے دبایا گیا۔

ابو موسیٰ اشعری بڑی خوبی کے ساتھ بصرہ کی گورنری کے فرائض انجام دے رہے تھے کہ ان کے مخالفین نے دربارِ خلافت میں پہنچ کر ان کی شکایتیں کرنی شروع کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس لائق حاکم کو ۲۷ھ میں معزول کر دیا گیا۔ اور ان کی بجائے

حضرت عثمان غنی رضؓ نے اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر کو نہ صرف بصرہ کا گورنر مقرر کر دیا بلکہ اس کے ساتھ ہی عمان اور بحرین کے حاکم عثمان ابن العاصی کو معزول کر کے یہ علاقہ بھی عامر کے تصرف میں دے دیا۔

اسی طرح حضرت عثمان غنی رضؓ نے ۲۸ھ میں عبداللہ بن معمر کو خراسان کی گورنری سے ہٹا کر وہاں کی حکومت عمیر بن عثمان کے سپرد کر دی اور عبداللہ بن معمر کو فارس کے صوبہ کا گورنر بنا دیا۔ لیکن چند ماہ کے بعد عمیر بن عثمان بھی خراسان کی گورنری سے معزول کر دیئے گئے اور اب ان کی جگہ ابن احمر حاکم مقرر ہوئے۔ کرمان میں بھی یہی صورت اختیار کی گئی۔ پہلے تو عبدالرحمٰن بن عبس کو کرمان کا حاکم بنایا گیا لیکن چند ہی روز کے بعد ان کو ہٹا کر ان کی جگہ عاصم بن عمرو حاکم مقرر کر دیئے گئے۔

حضرت عثمان غنیؓ کی اس خویش نوازی اور آئے دن حکام کی معزولی اور تبدیلی کا یہ لازمی اثر تھا کہ لائق حضرات کی ایک بڑی تعداد ذمہ دارانہ عہدوں سے محروم ہو گئی تھی جو باقی رہ گئے تھے ان کو ہر وقت یہ اندیشہ رہتا تھا کہ نہ معلوم کب ان کو معزول کر دیا جائے لہٰذا لائق حکام میں بُری طرح بے دلی پھیل گئی تھی۔ لیکن اس بے دلی کے باوجود بھی ان حضرات کو جب بھی خدمتِ اسلام کا موقعہ ملتا تھا وہ اس سے گریز نہیں کرتے تھے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان میں کارکردگی اور جہاد کا وہ جوش باقی نہیں رہا تھا جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضؓ کے دورِ حکومت میں تھا۔

ایران میں جنگی سرگرمیاں

ایران میں ذمہ دار عہدوں کی جلد جلد تبدیلیوں کی وجہ سے جو انتظامی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں ایرانیوں نے ان سے فائدہ اُٹھا کر مسلمانوں کے خلاف نہایت وسیع پیمانہ پر جنگی تیاریاں شروع کر دی تھیں لیکن ان انتظامی خرابیوں کے باوجود بھی مسلمانوں کے حوصلے نہایت بلند تھے اور وہ ہر شورش اور فتنہ کو بڑی آسانی سے دبا دیتے تھے۔ چنانچہ اس سے قبل بتایا

جا چکا ہے کہ ہمدان اور رے کے علاقوں میں سخت بغاوت برپا ہوگئی تھی جسے ابو موسیٰ اشعری نے حضرت عثمان غنی رضؓ کے ابتدائی دورِ حکومت ہی میں دبا دیا تھا۔ اس کے بعد مسلمانوں کو اسیریہ اور نینوہ کی جانب توجہ کرنی پڑی کیونکہ شاہِ ایران یزدجرد نے یہاں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بہت بڑی فوج جمع کر دی تھی مسلمانوں نے پہلے اسیریہ فتح کیا۔ اس کے بعد شہر نینوہ پر قبضہ جمایا۔

سلطنتِ اسلامیہ کی داخلی کمزوریوں کی وجہ سے چونکہ ایرانیوں کو یہ توقع ہوگئی تھی کہ اب وہ مسلمانوں کو ایران سے نکال دیں گے اس لئے پے در پے شکستوں کے باوجود اصطخر اور جور میں ایرانیوں کا اسی ہزار کا لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے جمع ہوگیا عبداللہ بن معمر جب ان کے مقابلہ پر پہنچے تو انھیں شہید کر دیا گیا۔ ان کے شہید ہونے کے بعد عبداللہ بن عامر حاکم بصرہ ایک بڑا لشکر لیکر اصطخر کی جانب بڑھے اور انھوں نے بڑی خونریز جنگ کے بعد اصطخر کو ۲۷ھ میں زیر کر لیا۔ ۲۸ھ میں ہرم بن حیان کے ہاتھ پر جور کا علاقہ بھی فتح ہوگیا۔

مسلمانوں نے جس وقت اصطخر پر حملہ کیا ہے تو شاہِ ایران یزدجرد اصطخر میں موجود تھا جب اسے یقین ہوگیا کہ مسلمانوں سے اصطخر کا بچانا ناممکن ہے تو وہ اصطخر سے بھاگ کر کرمان اور وہاں سے خراسان ہوتا ہوا مرو چلا گیا۔ مسلمانوں نے ایک ایک کر کے کرمان، خراسان اور مرو کو بھی ۳۰ھ (۶۵۱ء) میں فتح کر لیا۔ اس کے بعد اصفہان میں ایرانی لشکر کا اسلامی فوج سے سخت مقابلہ ہوا۔ یہاں نہاوند کا تمام شکست یافتہ ایرانی لشکر جمع تھا۔ اس لشکر سے مسلمانوں کو بڑا ہی سخت مقابلہ کرنا پڑا۔ آخر اصفہان پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔

پورے ایران پر مسلمانوں کا قبضہ

ایرانیوں نے پھر ایک مرتبہ اپنے ملک کو واپس لینے کی ایک آخری کوشش کی۔ یزدجرد شاہِ ایران اور ایرانی مذہبی رہنماؤں نے آتش پرستوں سے اپیل کی کہ وہ متحد ہو کر

مادرِ وطن کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکالنے کے لئے فوراً میدان میں آجائیں۔ چنانچہ اس اپیل پر ایک بہت بڑا ایرانی لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے جمع ہوگیا اور اس نے اصطخر پر حملہ کر دیا لیکن اس لشکر میں چونکہ بیشتر تعداد غیر تربیت یافتہ رضاکاروں کی تھی اس لئے وہ پہلے ہی حملہ میں میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

یزدجرد کو جب اس حملہ میں بھی ناکامی ہوئی تو اس نے خراسان پہنچنے کے بعد ایرانی جھنڈے کے نیچے ایرانیوں کو جمع کرنا شروع کیا مسلمان بھی درمیانی شہر فتح کرتے ہوئے یزدجرد کے تعاقب میں بڑھتے چلے گئے۔ آخر بلخ میں مسلمانوں کا یزدجرد کے لشکر سے سخت مقابلہ ہوا اس مقابلہ میں بھی ایرانیوں کو بری طرح شکست اُٹھانی پڑی۔

سلاھ میں مسلمانوں نے سرخس۔ ہرات، اور ایران کے اُن تمام علاقوں کو فتح کرلیا جو باقی رہ گئے تھے اِدھر ایرانی لشکر میں ایسی بددلی پھیلی کہ ایرانیوں نے چاہا کہ وہ اپنے بادشاہ کو گرفتار کرکے مسلمانوں کے حوالے کردیں۔ شاہِ ایران کو لشکریوں کے ان ارادوں کا علم ہوا تو اس نے فوج سے بھاگ کر ایک پن چکی والے کے گھر میں پناہ لی۔ پن چکی والے نے بادشاہ کا قیمتی لباس اور جواہرات دیکھے تو اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ چنانچہ ان قیمتی جواہرات کے لالچ میں اس نے بادشاہ کو رات کے وقت سوتے میں قتل کردیا اور اس کی لاش کو ننگا کرکے دریا میں پھینک دیا۔

یزدجرد سوم ایران کا آخری آتش پرست بادشاہ تھا جو بیس برس نہایت پریشانی اور جلاوطنی کے عالم میں حکومت کرنے کے بعد ۴۴ سال کی عمر میں ۳۱ھ (۶۵۲ء) میں ایک دیہاتی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ یزدجرد کی موت کے بعد سارے ملکِ ایران پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔

ایران پر مسلمانوں نے سب سے پہلا حملہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے دورِ خلافت میں ۱۳ھ (۶۳۴ء) میں کیا تھا لیکن ایران کے خلاف صحیح معنوں میں جنگی مہم حضرت عمر فاروق رضؓ

کے دورِ خلافت میں شروع ہوئی تھی جو ۳۱ھ (۶۵۲ء) میں مسلمانوں کی کامل فتح کے بعد ختم ہوئی۔ یہ مہم اس سے بہت پہلے پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتی اگر حضرت عثمان غنی رضؓ کی حکومت میں مندرجۂ بالا بے عنوانیاں نہ پیدا ہوئی ہوتیں۔ ایران کی فتح کے بعد ایشیا کی سب سے بڑی سلطنت یعنی حکومتِ ایران پر مسلمانوں کا کامل تسلط ہو گیا۔

عبداللہ بن سبا یہودی کا فتنہ

عبداللہ بن سبا یہودی جو حضرت عثمان غنی رضؓ کے عہدِ حکومت میں بظاہر مسلمان بن گیا تھا اس کے فتنہ کو اسلامی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس نے خلافتِ اسلامیہ کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لیئے درپردہ ایک ایسی خوفناک تحریک جاری کی تھی جس نے خلافتِ اسلامیہ کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا عبداللہ بن سبا کا اٹھایا ہوا یہ فتنہ صرف حضرت عثمان غنی رضؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کے دورِ خلافت ہی پر ختم نہیں ہو گیا بلکہ اس کے بعد بھی یہ نئی نئی صورتوں میں برابر رونما ہوتا رہا ہے بلکہ موجودہ زمانہ میں بھی اس فتنہ کی جھلک اسلامی ملکوں میں کبھی کبھی دکھائی دے جاتی ہے۔ یہ فتنہ کس طرح شروع ہوا اور اس فتنہ کی وجہ سے خلافتِ اسلامیہ کو کیسی کیسی پریشانیاں اٹھانی پڑیں۔ اس کی تفصیل ہم مختصر الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

عبداللہ بن سبا شہرِ صنعا کا رہنے والا تھا۔ یہ ایک نہایت ہی چالاک اور عیار یہودی تھا جس کو حکومتِ اسلامیہ سے للّٰہی بیر تھا۔ اس نے مسلمانوں کو فریب دینے کی غرض سے بظاہر تو اسلام قبول کر لیا تھا لیکن وہ درپردہ بدستور مذہبِ یہود پر قائم تھا۔ اس کا منشا اور مقصد یہ تھا کہ وہ مسلمان بن کر مسلمانوں کے مختلف طبقوں کے اختلافات کو اچھی طرح ابھارے اور مسلمانوں کو آپس میں لڑوا کر اور ایک دوسرے کے ہاتھوں کٹوا کر ختم کر دے۔

عبداللہ بن سبا کو اپنی فتنہ پردازی کے لئے اس لئے اور بھی موقعہ مل گیا کیونکہ حضرت عثمان غنی رضؓ کے عدمِ تدبر اور خویش نوازی کی وجہ سے مسلمانوں کے مختلف طبقوں

میں زبردست اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ عبد اللہ بن سبا نے ان اختلافات کو بڑھا کر اور مسلمانوں کو مشتعل کر کے نہایت عیاری کے ساتھ مسلمانوں کو مسلمانوں کے مقابلہ پر صف آرا کر دیا اور یہی ابن سبا کا منشا بھی تھا۔

عبد اللہ ابن سبا جس کی ابتدائی زندگی پردہ گمنامی میں ہے لیکن اُس زمانہ میں مدینہ آکر آباد ہو گیا تھا جس زمانہ میں کہ حضرت عثمان غنی رضؓ کے خلاف مسلمانوں میں عام بیزاری پھیلی ہوئی تھی۔ یہ مدینہ آنے کے بعد حضرت علی ؑ اور اہلِ بیت کا عاشق زار بن گیا تھا اور اس نے حضرت علی ؑ کے نام کا سہارا لیکر حضرت عثمان غنی رضؓ کے خلاف مسلم عوام کو بُری طرح بھڑکانا شروع کر دیا تھا تاکہ وہ مسلمانوں میں عثمانی اور علوی دو گروہ پیدا کرنے کے بعد ان کو آپس میں ٹکرا دے۔

مدینہ میں اپنی فتنہ پردازی کے لئے زمین تیار کرنے کے بعد یہ عیار بصرہ پہنچا اور لوگوں کو حضرت عثمان غنی رضؓ کی حکومت کے خلاف خوب بھڑکایا جب اسے بصرہ سے نکالدیا گیا تو وہ کوفہ پہنچ گیا۔ یہاں بھی وہ مسلمانوں میں افتراق کی آگ بھڑکاتا رہا جب یہاں سے بھی نکالا گیا تو دمشق جا پہنچا اور دمشق سے نکالے جانے کے بعد مصر چلا گیا۔ مصری باشندوں کو اس نے ایسا بھڑکایا کہ وہ حضرت عثمان غنی رضؓ کو قتل کرنے تک کے لئے آمادہ ہو گئے۔

عبد اللہ بن سبا کی یہ سرگرمیاں صرف وقتی طور پر مسلم عوام کو بھڑکانے تک ہی محدود نہیں تھیں بلکہ وہ جس جگہ بھی جاتا تھا وہاں اپنے ہمنوا اور مددگار مسلمانوں کی ایک جماعت بنا کر چھوڑ آتا تھا۔ یہ جماعتیں اس کے چلے جانے کے بعد بھی نادانستہ طریقہ پر برابر مفسدانہ اور منافقانہ سرگرمیوں میں حصہ لیتی رہتی تھیں۔ اس کے علاوہ ان جماعتوں کی جانب سے مملکتِ اسلامیہ کے معززین کو حضرت عثمان غنی رضؓ اور ان کے مقرر کردہ عمال کے خلاف ہزاروں کی تعداد میں خطوط بھیجے جاتے تھے تاکہ دُنیائے اسلام کے تمام معززین اور صاحب اثر حضرات عثمان غنی رضؓ کی مخالفت کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ اس قسم کے خطوط

سب سے زیادہ مدینہ منورہ کے معززین کو روانہ کیے گئے تھے۔ ان خطوط کی وجہ سے معززین مدینہ کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ عثمان غنی رضؓ کے مقرر کردہ حکام مسلم رعایا پر بے حد ظلم و ستم کر رہے ہیں۔ غرضکہ عبداللہ بن سبا نے ساری مملکت اسلامیہ میں حضرت عثمان غنی رضؓ کے خلاف ایک آگ سی لگا دی تھی۔

حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف ہیجان

حضرت عثمان غنی رضؓ کے خلاف مملکتِ اسلامیہ میں جب ناگواری کے آثار زیادہ بڑھے۔ تو حضرت عثمان غنی رضؓ پریشان رہنے لگے۔ سنہ ۳۴ھ میں جب آپ حج کو جانے لگے تو آپ نے تمام بڑے بڑے صوبوں کے عاملوں کو حکم دیا کہ "حج کے موقعہ پر سب مکہ معظمہ میں جمع ہو جائیں تاکہ سلطنت کے کاموں میں مشورہ کیا جا سکے"۔ چنانچہ عبداللہ بن سعد والیٔ مصر۔ معاویہ بن ابی سفیان والیٔ شام۔ عبداللہ بن عامر والیٔ بصرہ اور تمام دوسرے صوبوں کے گورنر حج کے موقعہ پر مکہ معظمہ میں جمع ہو گئے۔

حضرت عثمان غنی رضؓ کی حکومت کے خلاف مملکتِ اسلامیہ میں جو ہیجان و اضطراب پھیلا ہوا تھا۔ اسے رفع کرنے کے بارے میں پہلے تو مکہ میں مشورے ہوتے رہے۔ اس کے بعد تمام صوبوں کے والی حضرت عثمان غنی رضؓ کے ہمراہ مدینہ آ گئے۔ بعض صوبوں کے والیوں نے حضرت عثمان غنی رضؓ کو مشورہ دیا کہ وہ شرارت پسندوں کے خلاف سختی سے پیش آئیں۔ بعض کی رائے تھی کہ اس فتنہ کو تدبر اور ہوشمندی کے ساتھ دبایا جائے۔ امیرِ معاویہ حاکم شام کا یہ مشورہ تھا کہ حضرت عثمان غنی رضؓ کچھ دن کے لئے اُن کے ساتھ شام چلے جائیں۔ غرضکہ کئی ہفتہ کی مسلسل گفتگو کے بعد بھی حضرت عثمان غنی رضؓ اور تمام عمالِ حکومت حضرت عثمان غنی رضؓ کی موجودہ پریشانی کا کوئی حل نہ نکال سکے یہاں تک کہ سب اپنے اپنے صوبوں کو واپس چلے گئے۔

حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف بغاوت

اس دوران میں ابن سبا یہودی

بھی غافل نہیں رہا۔ وہ مصر میں بیٹھا بیٹھا خفیہ طور پر مختلف ممالک میں اپنے ایجنٹوں کو ہدایتیں بھیجتا رہا کہ اب وقت آگیا ہے کہ عثمان غنی رضؓ کے خلاف کھلم کھلا کارروائی شروع کر دی جائے چنانچہ سلطنتِ اسلامیہ کے ہر حصہ میں حضرت عثمان غنی رضؓ پر سخت نکتہ چینی شروع ہو گئی۔ ان پر اعتراضات کئے جانے لگے کہ انھوں نے اپنے قرابت داروں کو نااہل ہونے کے باوجود مصر۔ کوفہ۔ بصرہ اور تمام صوبوں میں بڑے بڑے عہدے دے رکھے ہیں اور مروان ابن الحکم جسے رسول اللہ صلعم نے مدینہ سے نکال دیا تھا۔ اور سابقہ دونوں خلفاء نے بھی ان باپ بیٹوں کو مدینہ میں نہیں گھسنے دیا تھا اس کو حضرت عثمان غنی رضؓ نے اپنا میر منشی بنا رکھا ہے نیز عوام کو آپ سے یہ بھی شکایت تھی کہ آپ نے اپنے رشتہ داروں کو بیت المال سے بے اندازہ دولت دیدی ہے۔ ایک اعتراض آپ پر یہ بھی تھا کہ آپ ممبر کی اسی اوپر کی سیڑھی پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے ہیں جس پر کہ رسول اللہ صلعم خطبہ پڑھا کرتے تھے حالانکہ دونوں سابقہ خلفاء نے ازراہ ادب اس سیڑھی پر کبھی قدم نہیں رکھا بلکہ ہمیشہ نیچے اتر کر خطبہ پڑھا۔ عوام کا خیال تھا کہ اس طرح حضرت عثمان رضؓ نے رسول اکرم کی توہین کی ہے۔ غرضیکہ ہر طرف حضرت عثمان غنی رضؓ کی مخالفت کا ایک ایسا طوفان کھڑا ہو گیا جو روز بروز بڑھتا ہی چلا گیا اور جس نے آگے چلکر مسلح بغاوت کی صورت اختیار کر لی۔

حضرت عثمان غنی رضؓ کے خلاف یوں تو باغیوں کے گروہ مملکتِ اسلامیہ کے تقریباً ہر صوبہ میں موجود تھے لیکن مصر۔ بصرہ اور کوفہ کے گروہ سب سے زیادہ پیش پیش تھے۔ چنانچہ ان تینوں صوبوں سے ایک ایک ہزار کے قافلے تھوڑے تھوڑے ہو کر اس خیال سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ یہ سب مدینہ پہنچکر اور اپنی اجتماعی طاقت سے کام لیکر حضرت عثمان غنی کو معزول کر دیں اور اس کے بعد حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت طلحہ میں سے کسی ایک کو ان کی جگہ خلیفہ بنا دیں۔ یہ تینوں قافلے جب مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو انھوں نے مدینہ سے باہر ہی قیام کیا تاکہ پہلے اپنے کچھ منتخب آدمیوں کو مدینہ بھیج کر مدینہ کی حالت معلوم کر لیں۔ اگر مدینہ میں فوج وغیرہ موجود ہے تو پُرامن طریقہ پر اپنا مطالبہ منوانے کی کوشش کی جائے۔ اور اگر

فوج نہیں ہے تو پھر طاقت سے کام لیا جائے۔ غرضکہ مدینہ میں ان تینوں گروہوں کے سردار داخل ہوگئے اور تینوں گروہوں کے نمائندوں اور سرداروں نے علٰحدہ علٰحدہ حضرت علی ع۔ حضرت زبیر اور حضرت طلحہ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ ہم حضرت عثمان غنی رض کی خلافت کو کسی طرح بھی گوارہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ آپ ہم سے بیعت خلافت لیلیں" لیکن جب ان تینوں بزرگوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو ان گروہوں کے سرداروں کو بڑی مایوسی ہوئی اور انھوں نے غصہ اور ناگواری کا اظہار شروع کر دیا۔

حضرت علی ع نے جب محسوس کیا کہ معاملہ بگڑ رہا ہے تو انھوں نے نہایت نرمی سے سمجھا کر سب کو ہموار کر لیا۔ مگر ہموار ہو جانے کے باوجود مصری گروہ کے نمائندے اور سردار اس بات پر اڑ گئے کہ ہم اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک کہ مصر کے ظالم اور جابر گورنر عبداللہ بن سعد کو معزول نہیں کیا جائیگا۔ حضرت علی ع اور دیگر صحابہ کرام نے مصلحت وقت دیکھ کر حضرت عثمان غنی رض کو جاکر سمجھایا کہ مناسب یہی ہے کہ ان کا یہ مطالبہ مان لیا جائے ورنہ بلوائی اگر مدینہ میں داخل ہوگئے تو نہ جانے کیا طوفان برپا کرینگے۔ چنانچہ حضرت علی ع اور دیگر صحابہ کرام کی کوششوں سے مصریوں کا یہ مطالبہ مان لیا گیا۔ اور حضرت عثمان غنی رض نے اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد کو مصر کی گورنری سے معزول کرکے محمد بن ابی بکر کو جو مصری بلوائیوں کے رہنما تھے مصر کی امارت کا فرمان لکھ کر دیدیا بلوائی ٹھنڈے پڑ گئے اور حضرت علی ع۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے کہنے پر مدینہ سے چلے گئے۔

حضرت عثمان غنی رض کا قتل

بلوائی سرداروں کے مدینہ سے چلے جانے کے بعد سب کو اطمینان ہوگیا کہ یہ مصیبت ٹل گئی لیکن اچانک تین چار روز کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ بلوائیوں کی پوری جمعیت اللہ اکبر کے نعرے لگاتی ہوئی مدینہ میں داخل ہوگئی اور اس نے حضرت عثمان غنی رض کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے باغیوں سے پوچھا کہ تم لوگ تو یہاں سے چلے گئے تھے اب کس لئے واپس آئے ہو

انھوں نے کہا کہ "خلیفہ نے معاملہ کو ٹالنے کی غرض سے ہم کو تو مصر کی حکومت کی سند لکھ کر دیدی تھی لیکن بالا ہی بالا انھوں نے اپنے ایک غلام کے ہاتھ عبد اللہ بن سعد حاکم مصر کو یہ ہدایت بھیج دی تھی کہ ہم جب مصر پہنچیں تو ہمیں قتل کر دیا جائے۔ ہم نے یہ خط راستہ میں پکڑ لیا ہے اور یہ طے کیا ہے کہ ہم خلیفہ کو قتل کئے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔

حضرت علیؓ اور دیگر صحابۂ کرام نے مجمع کو ٹھنڈا کرنے کی ہر چند کوشش کی لیکن معاملہ اس حد تک بگڑ چکا تھا کہ بلوائیوں پر قابو حاصل کرنا نا ممکن ہو گیا۔ صحابۂ کرام پریشان تھے کہ کیا کریں کیونکہ جس خط پر یہ سارا ہنگامہ برپا تھا وہ واقعی بلوائیوں کے قبضہ میں تھا اور اس پر حضرت عثمان غنیؓ کی مُہر موجود تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ سے جب اس خط کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے اس خط سے قطعی طور پر لاعلمی کا اظہار کیا۔ عام طور پر خیال ہے کہ یہ خط حضرت عثمان غنیؓ کے میر منشی مروان بن الحکم نے حضرت عثمان غنیؓ کے علم میں لائے بغیر ان کی طرف سے لکھ دیا تھا۔ یہ میر منشی بہت بڑا فتنہ پرداز تھا۔ رسول مقبول صلعم حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جب تک حیات رہے۔ مروان اور اس کے باپ الحکم کو مدینہ میں گھسنے کی اجازت تک نہ تھی لیکن حضرت عثمان غنیؓ نے اس ابن الوقت کو محض قرابت دار ہونے کی بناء پر اپنا میر منشی بنا لیا تھا۔ یہ جو چاہتا تھا کرتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ حضرت عثمان سے جو غلطیاں منسوب کی جاتی ہیں ان کا اصلی محرک یہی فتنہ پرداز میر منشی تھا۔ چنانچہ اس میر منشی نے بالا ہی بالا حضرت عثمان غنیؓ کی طرف سے یہ خط لکھ کر ان کو بڑی دشواری میں مبتلا کر دیا تھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت عثمان غنیؓ سے گفتگو کے بعد بلوائیوں کے پاس آئے اور حضرت عثمان کی تمام گفتگو ان کے سامنے دہراتے ہوئے کہا کہ "حضرت عثمان جھوٹے آدمی نہیں ہیں وہ جو کچھ کہتے ہیں سچ کہتے ہیں۔ ایسی حالت میں تمہارا ان سے انتقام لینا کسی طرح بھی درست نہیں"۔ بلوائیوں نے جواب دیا کہ "اگر یہ فعل حضرت عثمان کا نہیں ہے تو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مروان کی اس میں ضرور شرارت ہے بھلا جب خلیفہ کی حالت یہ ہو کہ

اُس کے نام سے رسول اللہ کی بے گناہ اُمت کے قتل کے فرمان جاری کر دیئے جائیں اور اُسے خبر تک نہ ہو۔کیا وہ اس قابل ہے کہ اُسے مسندِ خلافت پر برقرار رکھا جائے اسے ضرور معزول کر دینا چاہیئے۔ لہٰذا ہمارا مطالبہ ہے کہ حضرت عثمان کو فوراً معزول کیا جائے اور مروان کو ہمارے حوالے کیا جائے تاکہ ہم اس کو پوری پوری سزا دے سکیں "۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ اور صحابۂ کرام پریشان پھر رہے تھے کہ اس مصیبت کو کس طرح ٹالیں لیکن وہ کر بھی کیا سکتے تھے کیونکہ حضرت عثمان غنیؓ نہ تو خلافت چھوڑنے کے لئے تیار تھے اور نہ مروان کو بلوائیوں کے حوالے کرنے پر آمادہ تھے چنانچہ بلوائیوں کا جوشِ مخالفت برابر بڑھتا چلا گیا اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ بلوائیوں نے حضرت عثمان پر دانہ پانی بند کر دیا اور حضرت عثمان اپنے ہی گھر میں قید ہو گئے اگر وہ مرادہ میں بھی آتے تھے تو ان پر بلوائیوں کی جانب سے سنگ باری شروع ہو جاتی تھی۔

بلوائیوں کی خوش قسمتی سے اس وقت مدینہ فوج سے بالکل خالی تھا اور جو فوجیں باہر سے طلب کی گئی تھیں اُن کے جلد پہنچنے کی کوئی اُمید نہیں تھی۔ بلوائی چاہتے تھے کہ وہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جلد سے جلد حضرت عثمان کا خاتمہ کر دیں لیکن اُن کے لئے سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ حضرت علیؓ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر قدم قدم پر ان کے ناپاک ارادوں کے راستہ میں حائل ہو رہے تھے چنانچہ ان تینوں مقتدر حضرات نے اپنے اپنے بیٹوں کو حضرت عثمان غنیؓ کی حفاظت کے لئے متعین کر دیا تھا۔

حضرت امام حسنؓ حضرت امام حسینؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے صاحبزادے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر برابر بلوائیوں کو روکتے رہے۔ انھوں نے کچھ لوگوں کو حضرت عثمان غنی کے مکان کی چھت پر بھی حفاظت کی غرض سے متعین کر دیا تھا لیکن بلوائی بڑی چالاکی کے ساتھ حضرت عثمان کے برابر والے مکان میں داخل ہو گئے۔ اور وہاں سے دیوار کود کر حضرت عثمان کے مکان میں جا پہنچے ان میں محمد بن ابی بکر بھی تھے۔ محمد بن ابی بکر حضرت عثمان کے ساتھ

نہایت سختی اور گستاخی سے پیش آئے لیکن حضرت عثمان نے جب یہ کہا کہ تمہارے باپ ہوتے تو میری قدر کرتے۔ تو محمد بن ابی بکر شرما کر پیچھے ہٹ گئے لیکن دوسرے بلوائی حضرت عثمان پر پل پڑے۔ اور تلوار سے حملہ کر دیا۔ فوراً آپ کی بیوی نائلہ شوہر کو بچانے کے لیے درمیان میں حائل ہو گئیں اور تلوار کا وار اپنے ہاتھ پر لے لیا جس سے کہ ان کی انگلیاں کٹ کر الگ جا پڑیں۔ بلوائیوں نے انھیں دھکا دیکر ہٹا دیا اور دوسرا وار براہ راست حضرت عثمان پر کیا جس سے کہ آپ شہید ہو گئے۔ شہادت کے وقت آپ قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف تھے چنانچہ قرآن مجید بھی خون سے تر ہو گیا۔ بلوائیوں کا غصہ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ شہادت کے بعد بھی انھوں نے آپ کے جسم مبارک پر نیزے مارے۔ اور اسے بری طرح ٹھکرایا جس سے کہ آپ کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ یہ سب کچھ آن کی آن میں ہو گیا جب لوگ باہر سے اور چھت پر سے آپ کی مدد کے لئے آئے تو آپ کا کام تمام ہو چکا تھا اور بلوائی اسی راستے سے جدھر سے کہ آئے تھے واپس جا چکے تھے۔ یہ دردناک واقعہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ (۶۵۶ء) کو پیش آیا تھا۔

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد بلوائیوں کے حوصلے بے حد بڑھ گئے تھے۔ انھوں نے حضرت عثمان غنی کے سارے مکان کو لوٹ لیا۔ یہاں تک کہ جسم کے کپڑے تک باقی نہیں چھوڑے۔ اس واقعہ کے بعد سارے مدینہ میں لاقانونی کی سی حالت پیدا ہو گئی تھی بلوائی مدینہ میں جہاں چاہتے تھے ہنگامہ برپا کر دیتے تھے۔ اس ہلچل کی وجہ سے تین دن تک حضرت عثمان غنیؓ کی لاش بے گور و کفن پڑی رہی۔ تین دن کے بعد رات کے وقت جب اُن کا جنازہ لیکر چلے تو بلوائیوں نے جنازہ کی نماز اور دفن میں بھی مزاحمت کرنی چاہی مگر حضرت علیؓ جب ان کے ساتھ سختی سے پیش آئے تو انھوں نے مزاحمت ترک کر دی۔ آخر جنازہ کی نماز کے بعد بغیر غسل و کفن کے اُن ہی کپڑوں میں جو حضرت عثمان غنیؓ شہادت کے وقت پہنے ہوئے تھے آپ کو دفن کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے زمانۂ حیات میں گیارہ نکاح کئے تھے جن میں سے آپ کی دو بیویاں حضرت رقیہ و اُمِ کلثوم رسول اللہ صلعم کی صاحبزادیاں تھیں لیکن ان سے آپنے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ باقی بیویوں سے آپکے جو اولادیں ہوئی تھیں۔ ان میں سے مرتے وقت آپنے گیارہ بیٹے اور چار بیٹیاں چھوڑیں۔

حضرت عثمانؓ کے دورِ حکومت پر ایک نظر

حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ حکومت پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں اور اُس کا سابق خلفا کے عہدِ حکومت سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہمیں بڑی مایوسی ہوتی ہے۔ کیونکہ نہ تو اُن کے دورِ حکومت میں سابق خلفا کی سی شاندار فتوحات دکھائی دیتی ہیں اور نہ وہ سادگی اور بے لوثی نظر آتی ہے۔ جو اس سے قبل مسلمان دیکھ چکے تھے۔

حضرت عثمان غنی چونکہ خود امیر کبیر تھے اس لئے اُن کے اندر اپنے پیشرو خلفا کی طرح سادگی نہ تھی۔ آپکے زمانہ میں اسلامی گورنروں اور حکام میں بھی سادگی باقی نہیں رہی بلکہ ان میں ظاہری شان و شوکت اور روپیہ سے رغبت کے عیوب پیدا ہوگئے تھے اور مسلمان عیش پرستی کی جانب بھی رجوع ہونے لگے تھے اور عیش پرستی کی بنا پر ان کی سپاہیانہ اسپرٹ بڑی حد تک گھٹ گئی تھی معمولی اور چھوٹے چھوٹے حکام کا تو ذکر ہی کیا ہے صُوبوں کے گورنر بھی بُری طرح عیش پرستی کا شکار ہو گئے تھے۔ چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ کے رضاعی بھائی ولید بن عقبہ حاکم کوفہ کو کثرت شراب نوشی کے جرم میں نہ صرف عہدہ سے معزول کرنا پڑا تھا بلکہ مجمعِ عام میں ان کے چالیس کوڑے بھی لگائے گئے تھے۔ یہی حالت اکثر و بیشتر صوبوں کے عمال کی تھی ان سب باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ صوبوں کی حکومتیں کمزور ہوگئیں جن کی وجہ سے بڑے بڑے فتنے کھڑے ہو گئے۔

حضرت عثمان غنی کی نیکی اور پاکبازی مسلمہ ہے۔ بلاشُبہ آپ ایک نہایت ہی سیدھے اور سچے مسلمان تھے۔ لیکن حکمرانی کے لئے جو خوبیاں کسی شخص میں ہونی چاہئیں وہ آپ

میں موجود نہیں تھیں۔ آپ میں ایک بڑی خامی یہ تھی کہ آپ ضرورت سے زیادہ نرم مزاج تھے۔ جس کی وجہ سے مروان بن الحکم جیسے عیار اور مکار آپ پر قطعی حاوی ہو گئے تھے۔ اور ذاتی اغراض کے لئے جو چاہتے تھے کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایسے ہی لوگوں کی خود غرضیوں اور ابن الوقتیوں کی بدولت ساری مملکتِ اسلامیہ میں حضرت عثمان غنی کے خلاف بُری طرح ناگواری پھیل گئی تھی اور یہی ناگواری آخر میں آپ کی شہادت کا سبب بنی۔

اسلام نے دنیا میں آکر قبیلوں اور خاندانوں کے امتیاز کو مٹا دیا تھا۔ نہ کوئی چھوٹا رہا تھا اور نہ بڑا۔ اس نے جملہ قبائل کو ایک صف میں لا کر کھڑا کر دیا تھا۔ اور قبیلوں کی صدیوں کی پرانی دشمنی کو دوستی میں بدل دیا تھا لیکن یہ خصوصیت صرف حضرت عمر فاروق رضؓ کے عہدِ حکومت تک قائم رہی حضرت عمر فاروقؓ کی وفات کے بعد جب حضرت عثمان غنی رضؓ مسندِ خلافت پر بیٹھے تو عرب کے مختلف قبائل کی پرانی رقابتیں اور مخالفتیں پھر اُبھرنے لگیں۔

زمانۂ جاہلیت میں بنو ہاشم یعنی رسول اللہ صلعم کے خاندان میں اور بنی اُمیہ میں شدید رقابت تھی جسے اسلامی اخوت کے رشتہ نے بالکل ختم کر دیا تھا لیکن عثمان غنی کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد زمانۂ جاہلیت کی رقابتوں کے یہ نقوش پھر اُبھر آئے اور پھر اپنے خاندان والوں کو اسی طرح نوازا جانے لگا جس طرح کہ ایامِ جاہلیت میں نوازا جاتا تھا چنانچہ خاندانِ بنی اُمیہ کے افراد کو مملکتِ اسلامیہ کے تمام بڑے بڑے صوبوں پر مسلط کر دیا گیا ہم کو اس چیز کا اقرار ہے کہ خود حضرت عثمان غنی رضؓ کے دل میں خاندانِ بنو ہاشم کی طرف سے کسی قسم کا بغض اور عناد نہیں تھا بلکہ اُن کے دل میں اس خاندان کا بے حد احترام تھا لیکن اس کے ساتھ ہی اس چیز سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ خاندانِ بنی اُمیہ کے افراد پر بے حد مہربان تھے جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ خاندانِ بنی اُمیہ حکومت کے تمام اہم عہدوں پر چھاتا چلا گیا اور بنو اُمیہ کے علاوہ تمام دوسرے خاندانوں کی حق تلفی ہوتی رہی جسے نہ صرف خاندانِ بنو ہاشم میں بلکہ عرب کے دوسرے قبائل میں بھی بُری طرح محسوس کیا گیا۔

حضرت عمر فاروق رضؓ اور حضرت عثمان غنی رضؓ کے عہدِ حکومت کا جب ہم مقابلہ

ہیں تو ہم کو بیّن فرق دکھائی دیتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رض نے رسول اللہ صلعم اور حضرت ابو بکر صدیق کی سنّت پر عمل کرتے ہوئے کسی خاص خاندان اور قبیلہ کو نہیں نوازا بلکہ سب ہی کو بڑھنے کا یکساں موقعہ دیا۔ جس سے کہ عرب کے جملہ قبائل حکومت اسلامیہ کو اپنی حکومت سمجھنے لگے۔ اور سرحدوں کو بے اندازہ فتوحات حاصل ہوئیں اس کے برخلاف حضرت عثمان غنی کے عہدِ حکومت میں عرب کے جملہ قبائل اور خاندانوں کو نظر انداز کر کے صرف خاندان بنی اُمیّہ کو نوازا گیا جس کا لازمی اثر یہ تھا کہ تمام دوسرے قبیلوں اور خاندانوں میں بددلی پیدا ہو گئی اور سلطنتِ اسلامیہ خاندان بنو اُمیّہ کی میراث بن کر رہ گئی۔ اور اس جانبداری اور فرقہ پرستی کی بنا پر فتوحات کی رفتار بھی بے حد گھٹ گئی۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی کے زمانہ میں جو سب سے بڑی فتح حاصل کی گئی وہ افریقہ کی فتح تھی لیکن یہ ملک بھی فتح ہوتے کے ساتھ ہی مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔

مملکتِ اسلامیہ میں صرف ایک ہی خاندان کے برسرِ اقتدار آنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابن سبا جیسے یہودیوں کو مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کا موقعہ ہاتھ آ گیا۔ اور یہ فتنہ صرف حضرت عثمان غنی کی شہادت پر ہی ختم نہیں ہو گیا بلکہ آگے چل کر حضرت علی کرم اللہ وجہ کے دورِ حکومت میں بھی اس فتنہ کی وجہ سے بڑا افتراق پیدا ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی حکومت کی ناکامی کی وجہ ہی یہ ہے کہ مملکتِ اسلامیہ کے تمام صوبوں میں ایک ہی خاندان یعنی خاندان بنی اُمیّہ کے عمّال موجود تھے جن میں سے بعض کھلم کھلا حضرت علی ع کی بغاوت پر آمادہ ہو گئے اور بعض در پردہ حضرت علی ع کی حکومت کی بنیادوں کو کھوکھلا کرتے رہے اور حضرت علی ع کی حکومت صرف دار الخلافہ کی چہار دیواری تک محدود ہو کر رہ گئی۔ یعنی حضرت عثمان غنی رض کی دانستہ یا نادانستہ طریقہ پر خویش نوازی کے نقصانات صرف ان ہی کی عہدِ حکومت تک محدود نہیں رہے بلکہ ان کا خمیازہ ان کے جانشینوں اور اُمّتِ رسول اللہ کو بھی بھگتنا پڑا۔

ہماری ایمانداری کے ساتھ رائے ہے کہ اگر حضرت عمر فاروق کے بعد حضرت علی ع

کرم اللہ وجہ کا انتخاب عمل میں آجاتا۔ تو شاید اسلام ایک بہت بڑے فتنے اور خانہ جنگی سے بچ جاتا۔ کیونکہ اُن کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ کسی خاص خاندان یا قبیلہ کا حکومتِ اسلامیہ میں وہ شخصی اقتدار قائم ہو جاتا جس سے کہ بعد کو بڑے بڑے ہنگامے برپا ہوئے بلکہ اسلامی فتوحات اور ترقیوں کا سلسلہ شائد اسی طرح جاری رہتا جس طرح کہ حضرت عمر فاروق کے عہدِ حکومت تک جاری تھا لیکن کچھ حالات و واقعات ایسے رُونما ہوئے کہ حضرت عثمان غنی کا انتخاب عمل میں آ گیا محض اس لئے کہ ان کی نیکی اور بزرگی سے لوگ بہت زیادہ متاثر تھے۔ کسی کو اس بات کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ حضرت عثمان غنی کی فطری کمزوری اور خویش پروری کی بدولت ایسے غیر ذمہ دار حضرات برسرِ اقتدار آ جائیں گے جن کی وجہ سے ایام جاہلیت کی پُرانی رقابتیں پھر زندہ ہو جائیں گی۔ اور ان رقابتوں کے دُور رس نتائج یہاں تک مُرتب ہوں گے کہ جب حضرت عثمان غنی کے بعد حضرت علی ع خلیفہ ہوں گے تو ان کے لئے نہ صرف حکومت کا چلانا ناممکن ہو جائیگا بلکہ حالات یہاں تک بگڑ جائیں گے کہ مسلمانوں کی وہ تلواریں جو کفار اور مشرکوں کی گردنیں کاٹا کرتی تھیں آپس ہی میں ایک دوسرے کے خون سے آلودہ نظر آئیں گی۔

حضرت عثمان غنیؓ اور اشاعتِ قرآن

حضرت عثمان غنی کے دورِ خلافت کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں پہلی مرتبہ اشاعتِ قرآن کے لئے تدابیر اختیار کی گئیں۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے دور میں تو یہ ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ قرآنِ مجید کے اصل نسخہ کی نقلیں کرا کے ان کی اشاعت کی جائے۔ لیکن حضرت عثمان غنی کے دورِ خلافت میں جب یہ شکایتیں آنی شروع ہوئیں کہ رُوم، ایران اور بعض دوسرے ممالک میں لوگ قرآنِ مجید کے پڑھنے میں غلطیاں کرتے ہیں تو حضرت عثمانؓ نے حضرت زید بن ثابت کے ساتھ مزید تین کاتبوں کو شامل کر کے اور حضرت حفصہ سے قرآنِ مجید کا اصل نسخہ منگا کر اس کی متعدد

نقلیں کرائیں اور مختلف ممالک میں بھجوادیں۔ اور اصل قرآنِ مجید کی ان صحیح نقلوں کے علاوہ جتنے بھی نوشتے جہاں کہیں موجود تھے ان سب کو اکٹھا کر کے آپنے جلا دیا۔ تاکہ غلط نسخے آگے چل کر کسی فتنہ کا باعث نہ بن جائیں۔ قرآنِ پاک کی اسی خدمت کی بناء پر آپ کو جامع قرآن کہا جاتا ہے حالانکہ حقیقت میں جامع قرآن حضرت ابوبکر صدیق تھے جن کی نگرانی میں سب سے پہلے قرآنِ مجید کو کتابی صورت میں لایا گیا۔

حضرت عثمان غنی نے تو فقط اتنا کیا تھا کہ انھوں نے حضرت حفصہ کی تحویل سے قرآنِ مجید کے اصل نسخہ کے ذریعہ اس مقدس کتاب کی متعدد نقلیں کرادی تھیں۔ اور انھیں مختلف ممالک میں بھجوا دیا تھا۔

حضرت عثمان غنی رض کے خصائل اور متفرق واقعات

ذیل میں ہم حضرت عثمان غنی کے خصائل اور آپ کی خلافت سے متعلق متفرق واقعات درج کرتے ہیں:۔

فاقہ کشوں کے لئے ایک ہزار غلہ کے اونٹ:۔ حضرت عثمان غنی بڑے ہی فیاض طبع تھے چنانچہ آپ کی فیاضی اور دریادلی کی بناء پر ہی رسولِ مقبول صلعم نے آپ کو غنی کا خطاب عنایت کیا تھا۔ خلافت صدیقی میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا۔ ہزاروں آدمی غلہ نہ ملنے کی وجہ سے فاقہ کشی پر مجبور ہوگئے۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں حضرت عثمان غنی کے ایک ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے آگئے۔ مدینہ میں جو غلہ کے تاجر تھے انھوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے حضرت عثمان غنی سے کہا کہ "یہ سارا غلہ ہم کو ڈیوڑھی قیمت میں دیدیجئے" لیکن آپ نے یہ غلہ فروخت نہیں کیا بلکہ مخلوق خدا میں مفت تقسیم کردیا۔

ایک غلام نے عثمان غنی سے بدلہ لے لیا:۔ حضرت عثمان غنی نے ایک مرتبہ بلاوجہ اپنے کسی غلام کے کان بری طرح کھینچے تھے۔ غلام پر اس زیادتی کے بعد آپ کو خیال آیا کہ "ایک مجبور پر اس قسم کا ظلم کرنا بہت بری بات ہے۔" آپنے فوراً غلام کو بلا کر کہا کہ

"میں نے کان کھینچ کر تجھ پر زیادتی کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو مجھ سے اس کا بدلہ لیلے تاکہ آخرت میں مجھ کو جواب دہ نہ ہونا پڑے" غلام پہلے تو اس کے لئے تیار نہ ہوا لیکن جب آپ نے اسے ایسا کرنے کا حکم دیا تو اسے مجبوراً آقا کے کان کھینچنے پڑے لیکن اس نے پھر بھی نرمی اختیار کی تو آپ نے اُس سے کہا کہ "بھائی خوب زور سے اسی طرح کان پکڑو جس طرح کہ میں نے تمہارے کان پکڑے تھے کیونکہ دُنیا کا قصاص آخرت کے بدلہ سے ہر حالت میں ارزاں ہے"

حضرت عثمان غنی کی انکساری: - حضرت عثمان غنی اگرچہ ایک دولتمند گھرانے کے فرد تھے اور خود بھی بہت دولتمند تھے لیکن اس کے باوجود آپ کی انکساری کا یہ عالم تھا کہ آپ مسجد نبوی میں صرف ایک چادر سر کے نیچے رکھ کر سو جاتے تھے۔ سو کر جب اُٹھتے تھے تو بدن پر کنکریوں کے نشانات ہوتے تھے۔ آپکے مزاج میں انتہا درجہ کی انکساری تھی عہد خلافت میں کبھی آپ نے دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو برتر نہیں سمجھا سب کے ساتھ بیٹھتے تھے اور سب کی عزت کرتے تھے۔

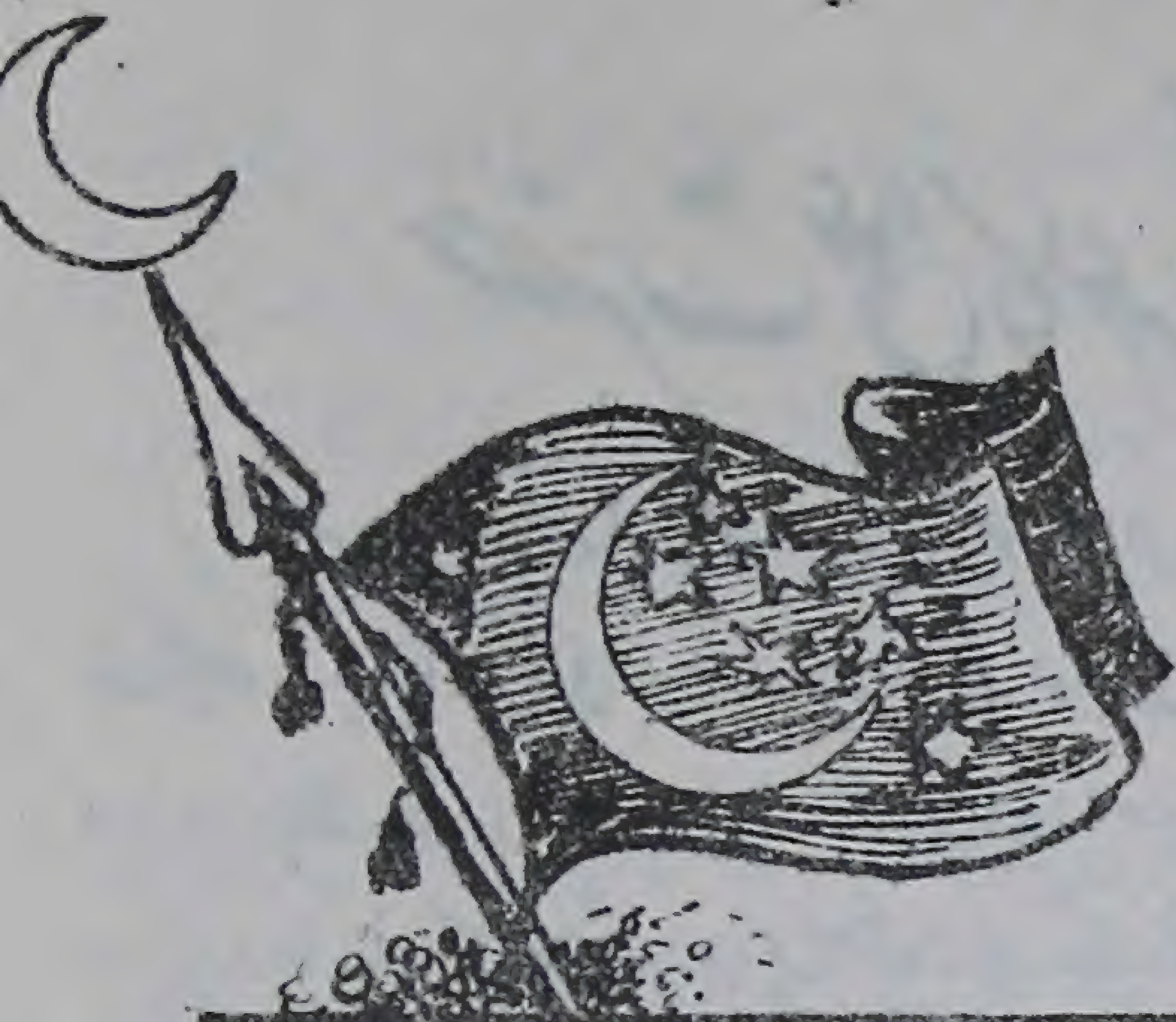
روزانہ ایک غلام آزاد کرتے تھے: - حضرت عثمان غنی جب سے مسلمان ہوئے تھے آپ کا معمول یہ تھا کہ آپ ہر جمعہ کو ایک غلام ضرور آزاد کرتے تھے۔ اگر کسی جمعہ کو ایسا نہیں ہوتا تھا تو آپ اگلے جمعہ کو ایک کی بجائے دو غلام آزاد فرمادیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جس زمانہ میں آپ کو بلوائیوں نے گھیر رکھا تھا اور دانہ پانی تک بند کر رکھا تھا۔ آپ اس زمانہ میں بھی بدستور غلام آزاد کرتے رہے۔

رسول اللہ صلعم کی انگوٹھی گُم ہوگئی: - رسول اللہ صلعم کی ایک انگوٹھی تھی جو "خاتم نبوی" کے نام سے مشہور ہے۔ آنحضرت صلعم اس انگوٹھی سے خطوط اور فرامین پر مُہر فرمایا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد یہ انگوٹھی حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس رہی۔ جب حضرت ابوبکر رضہ خلیفہ منتخب ہوئے تو یہ انگوٹھی آپنے ان کے سپرد کر دی۔ حضرت ابوبکر رضہ کی وفات

کے بعد یہ انگوٹھی حضرت عمر فاروقؓ کے پاس رہی حضرت عمر فاروقؓ کی حالت جب نازک ہوگئی تو آپ نے یہ انگوٹھی حضرت حفصہ کو دیدی اور ہدایت کردی کہ جو بھی نیا خلیفہ منتخب ہو اسے یہ انگوٹھی دیدی جائے۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی کے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد یہ انگوٹھی انھیں مل گئی۔ سنہ ۳۰ھ میں یہ انگوٹھی حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر ایک کنویں میں گر گئی۔ اس کنویں کا تمام پانی نکلوایا گیا۔ اور انگوٹھی کی تلاش میں کوئی کوشش نہیں اٹھا رکھی گئی لیکن یہ انگوٹھی نہ ملی۔ اس انگوٹھی کے گم ہونے کا حضرت عثمان کو بے حد صدمہ ہوا چنانچہ اسی انگوٹھی کے گم ہونے کے بعد سے حضرت عثمانؓ پر پے در پے آفتوں کا نزول شروع ہوا یہاں تک کہ آپ شہید کر دیئے گئے۔

جمعہ کی نماز کے لیے ایک کی بجائے دو اذانیں۔ جمعہ کی نماز میں ایک کی بجائے دو اذانیں ہوتی ہیں۔ ان دو اذانوں کی ابتدا حضرت عثمان غنی ہی کے وقت سے ہوئی حضرت عثمان غنی کے عہد خلافت سے قبل جمعہ کی نماز کے لیے اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام ممبر پر خطبہ پڑھنے کے لیے جاتا تھا لیکن جب حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں نمازیوں کی کثرت ہوئی تو آپ نے حکم دیا کہ خطبہ کی اذان سے پہلے بھی ایک اذان ہوا کرے تاکہ نمازی صحیح وقت پر نماز کے لیے پہنچ سکیں۔

مختلف ممالک کے لیے تبلیغی وفود۔ حضرت عثمان غنی نے اپنے عہد حکومت میں تبلیغ اور اشاعت اسلام کے لیے مختلف ممالک میں تبلیغی وفود بھی روانہ کیے تھے۔ جن میں سے ایک وفد مغیرہ بن شعبہ سابق گورنر کوفہ کی سرکردگی میں بذریعہ جہاز ہندوستان بھی آیا تھا۔ اور مالابار میں اس نے اشاعت اسلام کے لیے بڑا کام کیا تھا چنانچہ کالیکٹ کے شہر میں جب یہ تبلیغی وفد پہنچا تو وہاں کے راجہ زمورن نے اس وفد کو شاہی مہمان بنایا۔ اور امیر وفد کی زبانی رسول اللہ صلعم کے حالات سننے کے بعد اس راجہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔



چھٹا باب

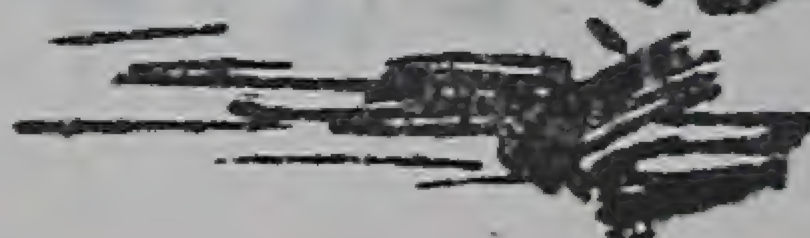
حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کا عہدِ حکومت

۳۵ھ تا ۴۰ھ

۶۵۶ء ۶۶۱ء



کتبہ حسن علی



حضرت علیؓ کا عہدِ حکومت

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد بلوائی اس بُری طرح مدینہ پر چھا گئے تھے کہ یہ معلوم ہوتا تھا جیسے مدینہ پر اُن ہی کی حکومت ہے۔ چنانچہ بلوائیوں کا لیڈر غافقی بن حرب ہی کے احکامات مدینہ میں چلتے تھے۔ اور وہی امامت بھی کرتا تھا۔ معززین شہر کی حالت یہ تھی کہ وہ اپنی جان اور آبرو بچانے کے لئے گھروں میں معتکف ہو گئے تھے۔

عبداللہ بن سبا یہودی جس کا اس فتنہ میں بہت بڑا ہاتھ تھا۔ وہ مصر میں بیٹھا ہوا اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ مصر کے علاوہ کوفے اور بصرے کے بلوائیوں کو بھی اُبھار رہا تھا۔ اُسے جب پتہ چلا کہ بلوائیوں نے حضرت عثمان غنیؓ کو قتل کر دیا ہے اور مدینہ میں بُری طرح ہنگامہ برپا ہے۔ تو بجلی کی سُرعت کے ساتھ وہ مصر سے مدینہ جا پہنچا اور اس نے مزید ہنگامہ برپا کرانے کے لئے بلوائیوں کو جوش دلانا شروع کر دیا۔

مدینہ والے بلوائیوں کی شورش پسندی سے تنگ آچکے تھے۔ آخر معززین مدینہ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے پاس الگ الگ حاضر ہوئے اور ان بزرگوں سے درخواست کی کہ آپ خلافت قبول کر کے اس مقدس شہر کو بلوائیوں کی مصیبت سے نجات دلائیں لیکن ان سبھی نے خلافت کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی دوران میں عبداللہ بن سبا یہودی کے اُکسانے پر بلوائیوں نے ڈھنڈورا پٹوا کر یہ خطرناک اعلان کر دیا۔

"ہم باشندگانِ مدینہ کو متنبہ کرتے ہیں کہ اگر انھوں نے دو دن کے اندر نیا خلیفہ منتخب نہ کر لیا تو ہم دو دن کے بعد علی، طلحہ اور زبیر۔ تینوں کو قتل کر دیں گے اور جس کو چاہیں گے خلیفہ بنالیں گے"۔

عبداللہ بن سبا نے اس قسم کا اعلان یہ سوچ کر کرایا تھا کہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کی وجہ سے دو دن کے اندر خلیفہ کا منتخب ہونا تو ناممکن ہے جب دو دن کی مدت گذر جائیگی تو بلوائیوں کو اُبھار کر پہلے تو ان تینوں مقتدر حضرات کا خاتمہ کرا دیا جائے گا۔ اس کے بعد اپنے مطلب اور ڈھب کا خلیفہ چن لیا جائے گا۔ جسے کٹ پتلی بنا کر جس طرح چاہیں گے نچائیں گے۔

اس خطرناک اعلان کے بعد مسلمانوں کے ہوش اُڑ گئے وہ گھروں سے نکل کر دوڑتے ہوئے حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے پاس دوبارہ پہنچے اور خلافت قبول کرنے پر بیحد زور دیا۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نے یہ سوچتے ہوئے کہ کہیں بلوائیوں کے ہاتھوں ان کا بھی وہی انجام نہ ہو جو حضرت عثمان کا ہوا ہے۔ خلافت کے کانٹوں بھرے تاج کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ حضرت علی بھی شروع میں تو انکار کرتے رہے لیکن جب صحابہ کرام اور اہلِ مدینہ نے انھیں مجبور ہی کر دیا تو وہ خلافت کی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ جب مسلمانوں سے بیعت لینے کی غرض سے ۵ اذی الحجہ ۳۵ھ (۶۵۶ء) کو مسجد نبوی میں تشریف لائے تو مسجد مسلمانوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی مگر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر مسجد میں موجود نہیں تھے۔ انھیں فوراً بلوایا گیا۔ اور حضرت علیؓ نے ان دونوں حضرات سے فرمایا کہ" آپ میں سے جو بھی خلافت کا خواہشمند ہو میں اُس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں" ان دونوں نے جب حسب سابق خلافت قبول کرنے سے انکار کر دیا تو لوگوں نے ان سے مطالبہ کیا کہ" اگر آپ خلافت نہیں قبول کرتے تو حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کیجئے" انھوں نے کہا کہ" ہم بیعت کے لئے تیار ہیں لیکن علیؓ یہ وعدہ کریں کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول پر چلیں گے اور قاتلانِ عثمان سے انتقام لیں گے۔ حضرت علیؓ نے ان باتوں کا اقرار کر لیا۔ اب ان کیلئے کوئی راہ فرار نہ تھی لہذا پہلے حضرت طلحہ نے اور اس کے

بعد حضرت زبیر نے با دلِ ناخواستہ حضرت علی ؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ پھر کیا تھا۔ ہزاروں مسلمان بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے، جن میں بلوائی بھی شامل تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص سے جا کر جب بیعت کے لیے کہا گیا تو انھوں نے اپنا دروازہ بند کر لیا۔ عبداللہ بن عمر نے بھی بیعت کرنے میں تامل کیا اور امیرِ معاویہ کے حامی بیعت سے بچنے کے لیے شام اور مکہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ کیونکہ ان کی خواہش یہ تھی کہ حضرت عثمان غنی کے بعد امیرِ معاویہ کو خلیفہ بنایا جائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ابتدائی زندگی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ صلعم کے چچا زاد بھائی بھی ہیں اور داماد بھی۔ رسولِ مقبول صلعم کی پیاری صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا سے حضرت علی ؓ کی شادی ہوئی تھی۔ آپ کی کنیت ابوالحسن تھی۔ لیکن رسول اللہ صلعم آپ کو ابوتراب کہہ کر پکارا کرتے تھے اور آپ اس نام سے بے حد خوش ہوتے تھے۔

رسولِ مقبول صلعم نے پانچ سال کی عمر میں حضرت علی ؓ کو پرورش کے لیے اپنے چچا ابوطالب سے لے لیا تھا۔ رسولِ اکرم اولاد کی طرح حضرت علی ؓ کے ساتھ محبت کرتے تھے اور یہی حالت حضرت علی ؓ کی بھی تھی۔ آپ کو بھی رسول اللہ صلعم کے ساتھ عشق تھا۔ بعثت نبوی کے وقت اگرچہ حضرت علی ؓ کی عمر مشکل سے دس سال تھی لیکن آپ ہی سب سے پہلے رسول اللہ صلعم پر ایمان لائے تھے۔ رسول اللہ صلعم نے جب مکہ سے مدینہ ہجرت کی تو حضرت علی ؓ کو مکہ میں چھوڑ گئے تھے تاکہ آپ تمام امانتیں ان کے مالکوں کے سپرد کر دیں۔ امانتیں سپرد کرنے کے بعد آپ بھی ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے تھے۔ حضرت علی ؓ کے پہنچنے تک رسول اللہ صلعم مدینہ کے باہر بڑی بے چینی کے ساتھ آپ کا انتظار کرتے رہے۔ جب حضرت علی ؓ آ گئے تو حضورِ اکرم حضرت علی ؓ کو ساتھ لیکر شہرِ مدینہ میں داخل ہوئے۔ جنگِ تبوک کے علاوہ حضرت علی ؓ تمام لڑائیوں میں رسول اللہ صلعم کے شریک رہے ہیں۔ جنگِ تبوک کے موقعہ پر جب رسول اللہ صلعم نے

آپ کو مدینہ کا عامل یعنی اپنا قائم مقام بنایا۔ اور جنگ کے لئے جانے لگے تو حضرت علیؓ نے کہا کہ "آپ مجھ کو عورتوں اور بچوں پر خلیفہ بنا کر جا رہے ہیں"۔ اس پر رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ "تم کو اس بات پر خوش ہونا چاہیئے کہ میں تم کو اسی طرح چھوڑ رہا ہوں جس طرح کہ حضرت موسیٰ نے اپنے پیچھے حضرت ہارون کو چھوڑا تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا"۔

شجاعت اور دلیری میں سارے ملک عرب میں حضرت علیؓ کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ آپ کی غیر معمولی جرأت ہی کی بنا پر رسول اللہ صلعم نے آپ کو "اسد اللہ" یعنی شیرِ خدا کا خطاب دیا تھا۔ جنگِ اُحد میں آپ کے سولہ زخم آئے تھے۔ جنگِ خیبر میں رسول اللہ صلعم نے آپ کو جھنڈا عطا کرتے ہوئے پیشین گوئی کی تھی کہ "خیبر علی ہی کے ہاتھ پر فتح ہوگا"۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم کی پیشین گوئی درست ثابت ہوئی۔ حضرت علیؑ کی بہادری کے کارناموں سے تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ جنگِ خیبر میں آپ نے اپنی پیٹھ پر خیبر کا دروازہ اُٹھا لیا تھا اور مسلمان اس پر چڑھ کر قلعہ کے اندر داخل ہو گئے اور خیبر کو فتح کر لیا۔ جب آپ نے اس دروازہ کو پھینک دیا تو چالیس آدمی اسے گھسیٹ کر دوسری جگہ ڈال سکے۔ ابن عساکر راوی ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے جنگِ خیبر میں قلعہ خیبر کا دروازہ اُٹھا کر بہت دیر تک ہاتھ میں رکھا اور اُس سے ڈھال کا کام لیا اور جس وقت قلعہ فتح ہو گیا تو اُسے پھینک دیا۔

حضرت علیؑ کا درجہ علم و فضل میں بھی بے حد بلند ہے خود رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے کہ "میں علم کا شہر ہوں اور علی اُس کا دروازہ ہیں"۔ آپ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے سحر بیان مقرر اور بے نظیر خطیب ہوئے ہیں۔ شرعی مسائل کے حل میں آپ اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جب پیچیدہ شرعی معاملات آجاتے تھے اور حضرت علیؑ اتفاق سے اُس وقت تشریف فرما نہیں ہوتے تھے تو حضرت عمرِ فاروقؓ خدا سے پناہ مانگا کرتے تھے کہ کہیں مسئلہ غلط نہ طے ہو جائے۔ سعید بن مسیب کا بیان

ہے کہ "مدینہ میں سوائے حضرت علیؓ کے کوئی ایسا نہ تھا جو یہ کہہ سکے کہ جس مسئلہ کے بارے میں پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لو"۔

ترمذی نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ "جب رسول اللہ صلعم نے صحابیوں میں مواخات یعنی بھائی چارہ کرایا تو حضرت علی کرم اللہ وجہ رسول اللہ صلعم کے پاس روتے ہوئے آئے اور کہا یا رسول اللہ آپ نے تمام صحابیوں میں تو بھائی چارہ کرا دیا اور میں یوں ہی رہ گیا اس پر رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ "تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو"۔ رسول اللہ صلعم کو حضرت علیؓ سے بے حد محبت تھی چنانچہ رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے "جس کا میں دوست ہوں اس کے علی بھی دوست ہیں"۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ "الٰہی جو شخص علی سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو علی سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ"۔

حضرت علیؓ نہایت ہی سادگی پسند تھے آپ خلیفہ ہونے کے بعد بھی غریبانہ زندگی گذارنے میں ایک روحانی لذت محسوس فرماتے تھے۔ آپ انتہا درجہ کے صداقت شعار تھے سیاسی جوڑ توڑ سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ چنانچہ سیاسی جوڑ توڑ سے گریز کرنے کی وجہ سے آپ کو اپنے دورِ خلافت میں بڑی بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔

حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کی ناگواری

حضرت علی کرم اللہ وجہ کو خلافت قبول کئے ابھی دوسرا ہی دن تھا۔ اور مدینہ پر بدستور بلوائیوں کا غلبہ تھا کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "ہم نے آپ سے اس شرط پر بیعت کی ہے کہ آپ قاتلانِ عثمان سے قصاص لیں۔ اگر آپ نے قصاص لینے میں تامل فرمایا تو ہماری بیعت فسخ ہو جائیگی"۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ "میں قاتلانِ عثمان سے ضرور قصاص لوں گا لیکن ایسی حالت میں جبکہ بلوائی ابھی تک مدینہ پر مسلط ہیں اور میری خلافت بالکل غیر مستحکم ہے۔ دشمنانِ عثمان پر ہاتھ ڈالنا باشندگانِ مدینہ کے لئے خطرہ سے خالی نہیں ہے اطمینان

رکھیے ہیں موقعہ ملتے ہی سب سے پہلے اسی کام کو انجام دوں گا۔" لیکن ان دونوں حضرات کی خواہش یہ تھی کہ حضرت علیؑ نتائج کی پرواہ کیے بغیر فوراً قاتلانِ عثمان پر ہاتھ ڈالدیں جب حضرت علیؑ نے ایسا کرنا مصلحت کے خلاف سمجھا تو حضرت طلحہ اور حضرت زبیر خفا ہو کر اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

خلافت کے تیسرے روز حضرت علیؑ بلوائیوں کی جانب متوجہ ہوئے اور آپ نے حکم دیا کہ "مصر، کوفہ، بصرہ اور دوسرے صوبوں سے آئے ہوئے اعراب فوراً مدینہ سے واپس چلے جائیں" لیکن عبداللہ بن سبا کے شہ دینے پر تمام بلوائیوں نے حضرت علیؑ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور وہی بلوائی جو اس سے قبل حضرت عثمانؓ کے دشمن اور حضرت علیؑ کے عاشق بنے ہوئے تھے حضرت علیؑ کو کھلم کھلا بُرا بھلا کہنے لگے یعنی انھوں نے مدینہ میں ایک نئے فتنہ کی داغ بیل ڈالنی شروع کر دی۔ مدینہ میں چونکہ ابھی تک باہر سے فوج نہیں آئی تھی اس لیے مجبوراً حضرت علیؑ کو خاموش ہو جانا پڑا۔

حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو جب پتہ چلا کہ بصرہ، کوفہ اور مصر کے بلوائیوں نے حضرت علیؑ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا ہے تو یہ دونوں حضرات حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "ہم دونوں کو بصرہ اور کوفہ کا عامل بنا دیجیے وہاں کے لوگوں کو ہم سے عقیدت ہے۔ ہم ان صوبوں کی حکومت سنبھالنے کے بعد ان کو سیدھا کرلیں گے"۔ حضرت علیؑ کی خلافت کے سلسلہ میں چونکہ ان دونوں حضرات کا رویّہ شروع ہی سے مخلصانہ نہ تھا اس لیے حضرت علیؑ نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "بصرہ اور کوفہ میں رہنے کی بجائے آپ لوگوں کا میرے پاس رہنا زیادہ ضروری ہے"۔ حضرت علیؑ کے اس انکار کے بعد حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے دلوں میں حضرت علیؑ کی جانب سے رنجش اور بھی بڑھ گئی اور یہ دونوں کبیدہ خاطر ہو کر واپس چلے گئے۔

عمال کی تبدیلی میں حضرت علیؑ کی عجلت

حضرت علیؓ مدینہ میں خلیفہ

ضرور منتخب ہو گئے تھے لیکن ابھی تک صوبوں کے گورنروں نے آپ کی اطاعت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس وجہ سے حضرت علیؑ کی خلافت ابھی تک نامکمل تھی۔ صوبوں کے حاکموں میں سے زیادہ تر حاکم یا تو خاندانِ بنی اُمیہ سے تعلق رکھتے تھے یا اسی خاندان کے حامی تھے۔ اس لئے اس بات کا قوی اندیشہ تھا کہ کہیں یہ حکام کوئی نیا فتنہ نہ برپا کر دیں۔ اس نازک صورتِ حال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حضرت علیؑ کو چاہئے تھا کہ وہ تحمل سے کام لیتے اور اُس وقت تک صوبوں کے عمال میں تبدیلی ہرگز نہ کرتے جب تک کہ سلطنتِ اسلامیہ کے تمام صوبے حضرت علیؑ کی اطاعت کا اظہار نہ کر دیتے لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہ نے ان سب باتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے خلیفہ منتخب ہونے کے فوراً ہی بعد حضرت عثمان غنی کے زمانہ کے تمام عاملوں اور والیوں کی معزولی کے احکامات جاری کر دئے۔

مغیرہ بن شعبہ اور حضرت علیؑ کے دوسرے ہمدردوں کو جب معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ نے عجلت سے کام لیتے ہوئے پرانے عمال کی معزولی کے احکامات جاری کر دئے ہیں اور ان کی جگہ نئے عمال بھی مقرر فرما دئے ہیں تو انھوں نے حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "آپ عمال کی تبدیلی کے معاملہ میں جلدی نہ کریں۔ کیونکہ ابھی آپ کی خلافت مستحکم نہیں ہوئی ہے۔ آپ کے ایسا کرنے سے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں وہ لوگ بھی آپ سے منحرف نہ ہو جائیں جو اطاعت کے لئے آمادہ ہیں"۔ حضرت ابنِ عباس نے بھی عمال حکومت کی تبدیلی پر اعتراض کرتے ہوئے حضرت علیؑ کو سمجھایا کہ "آپ امیر معاویہ کو ہرگز نہ چھیڑیں۔ اُنھیں بدستور اُس وقت تک شام کی حکومت پر رہنے دیں جب تک کہ وہ آپ کی اطاعت قبول نہ کر لیں۔ ان کا شام میں بے حد اثر و رسوخ ہے۔ ان کے پاس بے اندازہ دولت اور فوج ہے۔ اگر اِس وقت آپ نے اُنھیں چھیڑا تو اس بات کا پورا اندیشہ ہے کہ وہ نہ صرف ملکِ شام میں آپ کے خلاف بغاوت برپا کرا دیں گے بلکہ دوسرے صوبوں کے اموی عمال کو بھی شہ دیکر آپ کے مقابلہ میں صف آرا کر دیں گے مصلحت کا

تقاضہ یہ ہے کہ آپ ان کو اس وقت معزول کریں جب وہ آپ کی خلافت کو تسلیم کرلیں تاکہ اس کے بعد ان کو آپ کے خلاف فتنہ اُٹھانے کا کوئی موقعہ ہی نہ مل سکے۔"

حضرت علی ؑ چونکہ پرانے عمال کی تبدیلی کا فیصلہ کرچکے تھے۔ اس لئے انھوں نے اس مفید مشورہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جواب دیا کہ "ہم امیر معاویہ کو تلوار سے سیدھا کرلینگے۔" آپ کے ہمدرد یہ جواب سُن کر خاموش ہوگئے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی ؑ نے پرانے عمال کی تبدیلی میں بڑی جلد بازی سے کام لیا جس کی وجہ سے آگے چل کر نہایت ہی خطرناک نتائج برآمد ہوئے۔

حضرت ابنِ عباس چونکہ عمال کی اس تبدیلی کے شدید مخالف تھے اس لئے حضرت علی ؑ نے جب ان کو امیرِ معاویہ کی جگہ شام کا گورنر بنانا چاہا تو انھوں نے صاف انکار کردیا ان کے انکار پر حضرت علی ؑ نے سہیل بن حنیف کو شام کا حاکم بناکر شام کی طرف روانہ کردیا۔ مصر کی حکومت محمد بن حذیفہ کی بجائے قیس بن سعد کو عطا ہوئی۔ بصرہ کے حاکم عبد اللہ بن عامر کی بجائے عثمان بن حنیف مقرر ہوئے۔ کوفہ کی حکومت ابو موسیٰ اشعری کی بجائے عمارہ بن شہاب کو عطا کردی گئی اور حجاز و یمن میں یعلی بن منیہ کی بجائے عبد اللہ بن عباس کا تقرر ہوگیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اس طرح تقریباً تمام صوبوں میں جدید عمال کا تقرر تو کردیا لیکن ان تقرریوں کا حشر کیا ہوا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب حضرت علی ؑ نے سہیل بن حنیف کو شام کا گورنر بناکر بھیجا تو امیرِ معاویہ نے انھیں شام میں گھسنے بھی نہ دیا اور وہ شام کی سرحد تبوک ہی سے واپس چلے آئے۔ اسی طرح جب عمارہ بن شہاب کوفہ کی گورنری کا چارج ابو موسیٰ اشعری سے لینے کے لئے روانہ ہوئے تو ان کو بھی ناکام و نامراد راستہ سے واپس آنا پڑا۔ عثمان بن حنیف جب بصرہ پہنچے تو بعض لوگوں نے ان کو اپنا حاکم تسلیم کرلیا اور بعض مخالفت پر آمادہ ہوگئے۔ یمن کا سابق عامل یعلی بن منیہ پہلے ہی خزانہ اور روپیہ لیکر مکہ فرار ہوگیا تھا اس لئے عبد اللہ بن عباس نے وہاں پہنچکر آسانی

کے ساتھ حکومت سنبھالی لی۔ قیس بن سعد جب مصر پہنچے تو بعض نے ان کی اطاعت قبول کرلی اور بعض نے سکوت اختیار کرلیا۔ غرضکہ حضرت علیؑ کو جدید عمال کے تقرر میں نہ صرف ناکامی ہوئی بلکہ اس قبل از وقت تبدیلی سے اچھا خاصہ ایک نیا ہنگامہ کھڑا ہوگیا۔

کوفہ اور شام سے چونکہ حضرت علیؑ کے مقرر کردہ عمال بُری طرح ناکام واپس آگئے تھے اس لئے حضرت علیؑ نے وہاں کے سابق عاملوں کو خطوط بھیج کر اس حکم عدولی کا جواب طلب کیا اور انھیں بیعت کے لئے لکھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ان خطوط کے جواب میں کوفہ کے پُرانے عامل ابوموسیٰ اشعری نے معذرت چاہی۔ اطاعت کا اقرار کیا اور لکھا کہ سوائے چند لوگوں کے باقی سب نے میرے ہاتھ پر آپ کے لئے بیعت کرلی ہے۔ اُمید ہے کہ جو باقی رہ گئے ہیں وہ بھی جلد بیعت کرلیں گے۔" ابوموسیٰ اشعری کے اس جواب سے حضرت علیؑ کسی نہ کسی حد تک کوفہ کی جانب سے مطمئن ہوگئے۔

اب شام کی سنیئے۔ شام میں امیرِ معاویہ نے حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کو حضرت علیؑ کے خلاف پروپگنڈے کا اچھا خاصہ ذریعہ بنا لیا تھا۔ انھوں نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ کسی نہ کسی طرح حضرت عثمان شہید کا خون آلود پیراہن اور آپ کی اہلیہ کی کٹی ہوئی اُنگلیاں مدینہ سے حاصل کرلی تھیں اور ان کو دمشق کی جامع مسجد میں ممبر کے اُوپر آویزاں کردیا تھا۔ لوگ جُوق در جُوق آتے تھے اور ان چیزوں کو دیکھ کر زار و قطار روتے تھے حضرت علیؑ کا قاصد جب امیرِ معاویہ کے نام خط لیکر پہنچا تو انھوں نے تین مہینے تک اس قاصد کو دمشق میں محض اس لئے رُوکے رکھا تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے عوام کے اُس جوش و خروش کو دیکھ لے جو امیرِ معاویہ نے حضرت علیؑ کے خلاف پیدا کردیا تھا۔

حضرت علیؑ نے اپنے خط کے ذریعہ ایک طرف تو امیرِ معاویہ سے حکم عدولی کا جواب طلب کیا تھا اور دوسری جانب ان سے بیعت کا مطالبہ کیا تھا۔ امیرِ معاویہ نے حضرت علیؑ کے اس خط کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کی۔ انھوں نے تین مہینے کے بعد حضرت علیؑ کے قاصد کے

ہمراہ اپنے قاصد کو حضرت علی ؑ کے خط کا جواب دیکر روانہ کر دیا۔ اس قاصد نے حضرت علیؑ کو امیر معاویہ کا سربند لفافہ پہنچا دیا۔ حضرت علیؑ نے جب اس لفافے کو کھولا تو اس میں کچھ نہ تھا یعنی لفافہ بالکل خالی تھا بس یہی امیر معاویہ کا جواب تھا حضرت علیؑ سب کچھ سمجھ گئے۔ اور ان کو یقین ہو گیا کہ اب شام کا علاقہ جنگ کے بغیر زیر نہیں ہو سکتا۔ لہذا حضرت علیؑ نے امیر معاویہ کے مقابلہ کیلئے جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔

طلوعِ اسلام کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کی تلواریں اپنے ہی بھائیوں کے خلاف بے نیام ہونے کے لیے مضطرب تھیں صحابہ اور مقتدر حضرات عجب کشمکش میں تھے کہ وہ کیا کریں اگر وہ اس جنگ میں شامل ہوتے تھے تو ان کو اپنے ہی بھائیوں کا خون بہانا پڑتا تھا۔ اور اگر انکار کرتے تھے تو خلیفۂ اسلام سے منحرف ہوئے جاتے تھے چنانچہ اکثر مقتدر حضرات نے تو اس جنگ میں شامل ہونے سے انکار کر دیا اور بعض حضرات جن میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی شامل تھے طرح دیگر اور حضرت علیؑ سے اجازت لیکر مدینہ سے مکہ چلے گئے۔ اور بعض نے اس جنگ میں شرکت کے لئے اپنی خدمات پیش کر دیں۔

حضرت عائشہ کے گرد باغیوں کا ہجوم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی امیر معاویہ کے خلاف جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہی تھے کہ حضرت عائشہ صدیقہ کی بر ہمی کا ایک ایسا نازک معاملہ پیش آ گیا جو امیر معاویہ کے معاملہ سے بھی کہیں زیادہ نازک تھا۔ اور جس کی وجہ سے خود رسول اللہ صلعم کے کنبہ ہی میں خانہ جنگی کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔

اس افسوسناک واقعہ کی تفصیل یہ ہے:۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہ ہر سال حج کے لئے تشریف لے جایا کرتی تھیں۔ چنانچہ اس سال بھی حسبِ معمول حضرت عائشہ صدیقہ حج کر کے جب مکہ سے مدینہ واپس تشریف لا رہی تھیں تو آپ کو راستہ ہی میں حضرت عثمان غنی کی شہادت اور حضرت علیؑ کے خلیفہ ہونے کی خبر ملی اور یہ معلوم ہوا کہ مدینہ پر ابھی

تک بلوائیوں کا قبضہ ہے۔ آپ اس رنجیدہ خبر کو سننے کے بعد مکہ لوٹ گئیں۔

حضرت عائشہؓ کے مکہ واپس آتے کے ساتھ ہی لوگوں نے آپ کو گھیر لیا۔ ان میں کثرت سے وہ لوگ شامل تھے جو مسلمانوں میں خانہ جنگی برپا کرانے پر تلے ہوئے تھے۔ انھوں نے حضرت عائشہؓ کو بتایا کہ حضرت علیؑ قاتلانِ عثمانؓ سے انتقام لینے میں تساہل سے کام لے رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ان لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے گذارش کی کہ آپ ان مسلمانوں کی رہنمائی کریں جو بغیر کسی توقف کے قاتلانِ عثمانؓ سے انتقام لینا چاہتے ہیں۔ حضرت عائشہ آمادہ ہوگئیں اور آپ نے فرمایا کہ،

"افسوس کہ چند معمولی باتوں پر شخص مظلوم (حضرت عثمان) کو شہید کر دیا گیا۔ حالانکہ ان کے پاس اس فعل کے لئے کوئی جواز نہ تھا۔ ان کو بے گناہ مارا گیا ہے۔ میں خونِ عثمان کا قصاص لیکر اسلام کو سربلند کر دوں گی"

آپکے اس ارشاد کے بعد مکہ کے مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت حضرت عثمان غنیؓ کا قصاص لینے کے لئے سرفروشی کے لئے آمادہ ہوگئی حضرت عثمان غنیؓ کا میر منشی مروان بن الحکم جس کی وجہ سے یہ سارا فتنہ اُٹھا تھا۔ اور امیر معاویہ کے وہ حامی جو حضرت علیؑ کی خلافت کے وقت مدینہ سے مکہ چلے آئے تھے۔ انھوں نے محض حضرت علیؑ سے ذاتی عناد کی بنا پر حضرت عائشہؓ کو اچھی طرح سے بھڑکایا اور یہ سب اُنکے ساتھ شامل ہو گئے۔ ان کے علاوہ بصرہ اور یمن کے معزول شدہ عمال عبداللہ بن عامر اور یعلی بن منیہ جو بصرہ اور یمن سے کافی دولت اور سامان لیکر مکہ آگئے تھے۔ وہ بھی حضرت عائشہؓ کے مددگار بن گئے۔ اس لئے نہیں کہ ان کو حضرت عائشہؓ سے عقیدت یا حضرت عثمانؓ سے محبت تھی بلکہ اس لئے کہ ان کو حضرت علیؑ سے اپنی معزولی کا انتقام لینا تھا چنانچہ یعلی بن منیہ نے چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم پیش کئے۔ عبداللہ بن عامر نے اعلان کر دیا کہ جو شخص اس "نیک کام" میں شریک ہوگا اس کو سواری اور زادِ راہ میں دوں گا۔ غرضکہ ان دونوں معزول شدہ

عمال نے مل کر حضرت عائشہ رضہ کے لئے ایک پورے لشکر کا سامان مہیا کر دیا۔

حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی جو مدینہ سے مکہ پہنچ گئے تھے حضرت عائشہ رضہ کے حامیوں میں شامل ہو گئے۔ ان تمام تیاریوں کے بعد حضرت عائشہ رضہ کی رائے ہوئی کہ سیدھا مدینہ چلا جائے۔ تاکہ وہاں کے حالات کی اصلاح کی جائے۔ اور قاتلانِ عثمان کے گروہ کو جو وہیں موجود ہے گھیر کر سزا دی جائے لیکن بعد میں یہ رائے بدل گئی اور قرار پایا کہ موجودہ لشکر چونکہ مدینہ پر حملہ کے لئے ناکافی ہے اس لئے سب سے پہلے بصرہ چلا جائے جہاں حضرت طلحہ کے حامیوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے وہاں سے مزید لشکر فراہم کرنے کے بعد مدینہ جا کر قاتلانِ عثمان رضہ کی سرکوبی کی جائے۔

حضرت عائشہ رضہ کے لشکر کا بصرہ پر قبضہ

حضرت عائشہ رضہ کا لشکر مع حضرت طلحہ اور زبیر کے

۳۵ھ (۶۵۶ء) میں مدینہ سے بصرہ کے لئے روانہ ہو گیا یعنی مسلمانوں میں خانہ جنگی کی ابتدا ہو گئی۔ یا تو وہ وقت تھا کہ مسلمانوں کی تلواریں کفار اور مشرکین کے لئے نیام سے باہر نکلا کرتی تھیں۔ یا یہ وقت آگیا کہ ایک طرف رسول اللہ صلعم کی حرمِ محترم تھیں اور دوسری طرف رسول اللہ صلعم کے بھائی تھے۔ مکہ کے صاحب ہوش مسلمانوں نے یہ کیفیت دیکھی تو وہ رو دئے طبری کے نزدیک اس دن مسلمان اتنا روئے جتنا کہ کبھی نہیں روئے تھے۔ اور رونا ہی چاہیئے تھا۔ یہ رونے ہی کا موقعہ تھا۔

جس وقت حضرت عائشہ کا لشکر مدینہ سے چلا تھا اس کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے بھی کم تھی لیکن جوں جوں لشکر آگے بڑھتا گیا لوگ اس میں آ آ کر شامل ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ اس لشکر کی تعداد چار پانچ ہزار تک پہنچ گئی۔ یہ لشکر آگے بڑھتا ہوا جب حواب کے چشمہ پر پہنچا تو کتوں نے بھونکنا شروع کیا۔ حضرت عائشہ نے پوچھا یہ کونسا مقام ہے "جب آپ کو بتایا گیا کہ یہ حواب ہے" تو آپ بہت گھبرائیں اور آپ نے فرمایا کہ "مجھے یہیں سے واپس کر دو۔ رسول اللہ صلعم نے پیشین گوئی کی تھی کہ میری ایک بیوی

جب ناحق پر ہو گی تو اس پر حواب کے کتے بھونکیں گے تم ان میں سے نہ ہونا۔ میں آگے نہیں جاؤں گی۔" حضرت عائشہ کے اس ارشاد پر فتنہ پرداز گھبرا گئے کیونکہ ان کا تو سارا بنا بنایا کھیل بگڑا جا رہا تھا۔ انھوں نے قسمیں کھا کھا کر حضرت عائشہ صدیقہ کو یقین دلانا شروع کیا کہ "یہ حواب نہیں ہے بلکہ دوسرا مقام ہے۔" پھر شرارت پسندوں نے یکایک شور مچا دیا کہ حضرت علیؓ کی فوج آن پہنچی ہے جلدی کرو۔ اور یہ کہہ کر لشکر کو دوڑانا شروع کیا۔ غرضکہ انتہائی چالاکی کے ساتھ یہ لوگ حضرت عائشہ کو بصرہ تک لے ہی گئے۔

بصرہ کے گورنر عثمان بن حنیف کو جب حضرت عائشہ اور آپ کے لشکر کے آنے کا علم ہوا تو انھوں نے اس کی بے حد کوشش کی کہ حضرت عائشہ مع اپنے لشکر کے واپس تشریف لے جائیں تاکہ ان کا یہ اقدام مسلمانوں میں خانہ جنگی کا باعث نہ بن سکے۔ صلح پسند حضرات نے بیچ میں پڑ کر معاملہ کو سلجھانے کی ہر امکانی کوشش کی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا اور معاملہ یہاں تک بڑھ گیا کہ بصرہ کے لشکر میں اور حضرت عائشہ کے لشکر میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ بصرہ کا لشکر پہلے روز تو بے دلی سے لڑتا رہا لیکن اسے یہ گوارہ نہیں ہوا کہ وہ رسول اللہ صلعم کی حرم محترم کے مقابلہ میں تلوار اٹھائے لہٰذا دوسرے دن جب جنگ چھڑی تو بصرہ کی فوج ٹوٹ کر حضرت عائشہ کے لشکر سے مل گئی۔ عثمان بن حنیف کو شکست ہو گئی۔ اسے گرفتار کر لیا گیا۔ اور بصرہ پر حضرت عائشہ۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کا قبضہ ہو گیا۔ حضرت عائشہ نے اس فتح کے بعد گورنر عثمان بن حنیف کو رہا کر دیا۔ اور بہت سے ایسے آدمیوں کو جن پر کہ قاتلانِ عثمان کی جماعت کے ممبر ہونے کا شبہ تھا پکڑ کر قتل کر دیا۔ ان لوگوں کو چونکہ بغیر کسی ثبوت کے محض شبہ میں قتل کیا گیا تھا۔ اس لئے بصرہ کی ایک جماعت حضرت عائشہ کے خلاف ہو گئی۔

حضرت علیؓ کی جنگی تیاریاں

مکہ اور بصرہ میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا لیکن حضرت علیؓ ان حالات و واقعات سے بالکل بے خبر امیر معاویہ کے خلاف جنگی تیاریوں میں ہمہ تن مصروف تھے۔ وہ امیر معاویہ کو سرکشی اور حکم عدولی

گی سزا دینا چاہتے تھے۔ اسی دوران میں جب ان کو اطلاع ملی کہ مکہ والے بھی ان کے خلاف ہو گئے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ حضرت عثمان کے قصاص کے لئے لشکر لیکر بصرہ روانہ ہو گئی ہیں اور ان کے ساتھ طلحہ اور زبیر بھی ہیں تو آپ حیران و ششدر رہ گئے وہ اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ کبھی ایسا بھی ہوگا کہ رسول اللہ صلعم کی حرم محترم جو ان کو اپنی ماں سے بھی زیادہ عزیز تھیں ان کے مقابلہ پر آجائیں گی۔

حضرت علی ؑ کے لئے یہ سانحہ امیر معاویہ کی بغاوت سے بھی کہیں زیادہ سنگین تھا۔ وہ شش و پنج میں پڑ گئے کہ اگر ام المومنین کے مقابلہ کے لئے جاتے ہیں تو دنیا کیا کہیگی اور اگر خاموش رہتے ہیں تو نظام خلافت درہم برہم ہوا جاتا ہے لیکن آپ کو جب معلوم ہوا کہ مفسدین کی یہ ساری شرارت ہے تو آپ کو بادلِ ناخواستہ اس شر کو دبانے کے لئے مقابلہ کا عزم کرنا پڑا۔ مگر پھر بھی آپ حضرت عائشہ سے مقابلہ نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ اُن شرارت پسندوں کی تادیب مقصود تھی جنہوں نے کہ رسول اللہ صلعم کے گھر والوں کو آپس میں لڑا دیا تھا چنانچہ آئندہ کے واقعات سے یہ چیز واضح ہو جائیگی کہ آپ آخر وقت تک حضرت عائشہ کے ساتھ جنگ کرنے سے گریز کرتے رہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مدینہ سے روانہ ہونے سے قبل معززینِ مدینہ کو جمع کیا۔ اور ان کو تمام حالات و واقعات سے مطلع کرنے کے بعد جب ان لوگوں کو اپنے ساتھ چلنے کے لئے دعوت دی تو یہ سب بھی فکر میں پڑ گئے۔ کیونکہ نہ یہ حضرت علی ؑ کو چھوڑ سکتے تھے اور نہ حضرت عائشہ حضرت زبیر اور حضرت طلحہ سے لڑنے کے لئے تیار تھے۔ واقعی بڑا نازک وقت تھا حضرت علی ؑ نے بھی ان پر زور نہیں دیا بس جو دفع شر کے لئے خوشی سے تیار ہو گئے صرف انکو ساتھ لیلیا اور ایک قلیل جمعیت کو ساتھ لیکر آپ ۳۶ھ میں بصرہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ اس موقعہ پر یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ عبداللہ بن سبا اور اس کے بہت سے ساتھی اسی موقعہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے حضرت علی ؑ کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے جنہوں نے کہ آگے

چل کو بہت بڑا فتنہ برپا کر دیا تھا۔

حضرت علیؑ راستہ ہی میں تھے کہ خبر ملی کہ گورنر بصرہ عثمان بن حنیف کو شکست ہو گئی ہے اور بصرہ پر حضرت عائشہ۔ طلحہ اور حضرت زبیر کا قبضہ ہو چکا ہے۔ آپ کے ساتھ جو جمعیت تھی وہ ہزار ڈیڑھ ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ کیونکہ آپ کسی بڑی جنگ کے لئے روانہ نہیں ہوئے تھے بلکہ آپ کا منشا کچھ اور ہی تھا لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ معاملہ نے نازک صورت اختیار کر لی ہے اور بصرہ ہاتھ سے نکل چکا ہے تو آپ نے راستہ ہی سے حضرت امام حسنؑ اور فوجی سرداروں کو کوفہ روانہ کیا تاکہ وہ وہاں سے ایک بڑے لشکر کا انتظام کریں۔ حضرت امام حسنؑ اور فوجی سردار کوفہ پہنچے تو دیکھا کہ عاملِ کوفہ ابوموسیٰ اشعری لوگوں کو جنگ میں شرکت سے روک رہے ہیں اور غیر جانبدار رہنے کی ہدایت کر رہے ہیں لیکن حضرت امام حسنؑ کی آمد اور ان کی ولولہ انگیز تقریروں نے کوفہ کے باشندوں کو حضرت علیؑ کی امداد کے لئے آمادہ کر دیا۔ غرضکہ کوفہ سے دس ہزار کا لشکر فراہم ہو گیا۔ کچھ سپاہی دوسرے علاقوں سے بھی آ گئے۔ اور اس طرح پندرہ ہزار کی جمعیت فراہم ہو گئی۔ حضرت علیؑ اس جمعیت کو لیکر بصرہ کے قریب جا پہنچے اور خیمہ زن ہو گئے۔

حضرت علیؑ کی مصالحت کے لئے کوشش

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بنظرِ احتیاط اگرچہ ایک بڑا لشکر فراہم کر لیا تھا لیکن پھر بھی وہ حضرت عائشہ۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے ساتھ جنگ کے لئے بالکل تیار نہیں تھے چنانچہ انھوں نے بصرہ پہنچتے ہی کوفہ کے ایک بزرگ اور نیک دل صحابی حضرت قعقاعؓ بن عمر کو حضرت عائشہ۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے پاس صلح صفائی کی گفتگو کے لئے روانہ کر دیا۔ انھوں نے ان تینوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ "آپ کو اس کام پر کس چیز نے آمادہ کیا ہے۔ اور آپ

کی کیا خواہش ہے"۔ انھوں نے جواب دیا کہ "ہم قرآنِ کریم کے حکم کے مطابق مظلوم عثمان کے خون کا قصاص لینا چاہتے ہیں"۔ حضرت قعقاع بن عمر نے کہا کہ "آپ لوگ قاتلانِ عثمان کے شبہ میں بصرہ کے لوگوں کی ایک جماعت کو قتل کر چکے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں بصری آپ کے مخالف ہو گئے ہیں۔ اور اگر اسی طرح شبہ میں ہر صوبہ کے لوگوں کو قتل کیا جاتا رہا تو ایک روز تمام صوبے بغاوت کے لئے آمادہ ہو جائیں گے جس کے بعد نہ معلوم حضرت عثمان رضی جیسے کتنے خلیفہ قتل کر دیئے جائیں۔ یاد رکھیئے کہ اس طرح آپ قصاص تو لے نہیں سکیں گے البتہ خلافتِ اسلامیہ ضرور کمزور ہو جائیگی۔ اگر حضرت علی مصلحتاً فتنہ کو دبانے اور طاقت حاصل کرنے کے انتظار میں فوراً قصاص نہ لے سکے تو آپ کو انتظار کرنا چاہیئے تھا۔ آپنے میدان میں آکر تو اس آگ کو اور بھی بھڑکا دیا اور قتل و خون کا ایک نیا دروازہ کھول دیا۔ خدا کے لئے ہم کو اور اپنے آپ کو اس سخت آزمائش میں مبتلا نہ کیجیے۔ یہ آزمائش دونوں کو برباد کر دے گی۔ یہ ایک آدمی یا چند آدمیوں کے قتل کا معاملہ نہیں ہے بلکہ ساری اُمت کا سوال ہے"

حضرت قعقاع کی اس مخلصانہ گفتگو کا حضرت عائشہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے دلوں پر بے حد اثر ہوا۔ انھوں نے کہا کہ "اگر حضرت علی ع کے بھی یہی خیالات ہیں جو آپنے بیان کیئے ہیں اور وہ قاتلانِ عثمان سے قصاص لینے کا واقعی ارادہ رکھتے ہیں تو پھر لڑائی اور مخالفت کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ ہم کو تو اب تک یہی بتایا گیا ہے کہ حضرت علی ع کو قاتلانِ عثمان سے ہمدردی ہے۔ اسی لئے وہ انھیں سزا دینے میں سستی سے کام لے رہے ہیں۔ اب ان کے نیک ارادے معلوم ہونے کے بعد ہم کو ان سے جو مخالفت تھی وہ ختم ہو گئی۔ آپ حضرت علی ع کے پاس جایئے اور ان کو ہمارے خیالات سے مطلع کر دیجئے۔"

حضرت قعقاع صلح صفائی کی اس گفتگو کے بعد جب حضرت علی ع کے پاس

واپس آئے اور انھیں صلح کی خوشخبری سُنائی تو آپ بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد قعقاع بن عمر نے ایک ایسی مجلسِ مشاورت کا انتظام کیا جس میں دونوں گروہوں کے فریق شامل ہوں چنانچہ حضرت علیؑ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اس مجلس میں شامل ہوئے اور آپس میں دُو بدو گفتگو ہونے کے بعد سارے معاملات صاف ہوگئے اور یہ طے پاگیا کہ کل صبح صلح کی شرائط تحریر میں لانے کے بعد باقاعدہ صلح کا اعلان کر دیا جائے۔

سبائیوں اور فتنہ پردازوں کو صلح سے پریشانی

حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؑ

دونوں کے لشکروں میں فتنہ پردازوں اور سبائیوں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی جو ذاتی اغراض کے لیے یہی چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلعم کے کنبہ والوں میں جنگ چھڑ جائے۔ ان میں سے حضرت عائشہ کے لشکر میں سب سے بڑا فتنہ پرداز امیر معاویہ کے حامیوں کا گروہ تھا جس کا منشا یہ تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو حضرت عائشہ اور حضرت علیؑ کو آپس میں لڑا کر حضرت علیؑ کی طاقت کو ضعف پہنچا دیا جائے تاکہ اس کے بعد امیر معاویہ آسانی سے اپنا مقصد حاصل کر سکیں۔ دوسرا گروہ سبائیوں اور قاتلانِ عثمان کا تھا جو حضرت علیؑ کے لشکر میں گھس گیا تھا۔ اس گروہ کا فائدہ اسی میں تھا کہ مسلمان آپس میں لڑتے رہیں تاکہ اس خانہ جنگی کی وجہ سے حضرت علیؑ کو حضرت عثمان کے قصاص کے لینے کا موقعہ ہی نہ مل سکے۔ ان دونوں فتنہ پرداز گروہوں نے جب دیکھا کہ صلح ہو رہی ہے تو یہ بہت گھبرائے اور انھوں نے صلح کے امکانات کو ختم کرنے کے لئے دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ چنانچہ جس صبح کو صلح کی شرائط لکھی جانے والی تھیں اُس رات حضرت علیؑ کے لشکر کا عبداللہ سبائی گروہ رات بھر مشورے اور سازشیں کرتا رہا۔ آخر اول رات دونوں فوجوں کے شرارت پسند عناصر نے یہ طے کر لیا کہ صبح ہونے سے پہلے ہی

رات کی تاریکی میں دونوں فوجوں پر حملہ کر کے جنگ کی آگ کو بھڑکا دیا جائے۔

حضرت عائشہ اور حضرت علیؓ کے لشکر میں جنگ

پروگرام کے مطابق رات کے اندھیرے میں پُراسرار طریقہ پر دونوں فوجوں پر حملہ ہو گیا اور صبح ہوتے ہوتے دونوں لشکروں میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ لڑائی کا شور سُن کر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اپنے خیموں سے نکلے اور لڑائی کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ کی فوج نے اچانک حملہ کر دیا ہے۔ حضرت طلحہ اور زبیر کو یہ سُن کر بے حد رنج ہوا اور انھوں نے کہا کہ "افسوس حضرت علیؑ بغیر کُشت و خون کرائے باز نہیں آئینگے"۔ اسی طرح جب حضرت علیؑ شور و غل سُن کر خیمہ سے باہر آئے اور آپ نے لڑائی کی وجہ معلوم کی تو شرارت پسندوں نے آپ کو بتایا کہ طلحہ اور زبیر نے رات کی تاریکی میں اچانک ہمارے لشکر پر حملہ کر دیا ہے جس کے جواب میں ہم کو بھی مجبوراً مدافعت کرنی پڑی۔ حضرت علیؑ کو یہ سُن کر بے حد ملال ہوا اور آپ نے فرمایا کہ "طلحہ اور زبیر نے مسلمانوں میں خونریزی کرا کے بہت بُرا کام کیا ہے"۔ غرضکہ فتنہ پردازوں نے دونوں لشکروں میں جنگ کی آگ بھڑکا دی۔ فریقین کے سردار ایک دوسرے کو الزام دے رہے تھے لیکن اصل حقیقت کا شرارت پسندوں اور فتنہ پردازوں کے علاوہ کسی کو علم نہ تھا

حضرت زبیر اور حضرت طلحہ کی شہادت

ہنگامہ کارزار بڑے زور شور کے ساتھ گرم تھا۔ دونوں طرف کے جانباز اپنی جانبازی کے جوہر دکھا رہے تھے کہ اسی ہنگامہ کے دوران میں جب حضرت علیؑ اور حضرت زبیر کا آمنا سامنا ہوا تو حضرت علیؑ نے حضرت زبیر سے کہا کہ "اے ابو عبداللہ کیا تم کو یاد ہے کہ ایک روز جب میں اور تم دونوں رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر تھے تو رسول اللہ صلعم نے پیشین گوئی کی تھی کہ تم علیؑ سے

ناحق لڑو گے"۔ حضرت زبیر نے نگاہیں نیچی کر کے فرمایا" مجھے یاد آگیا"۔ اس کے بعد حضرت زبیر فوراً جنگ سے کنارہ کش ہو گئے اور واپس روانہ ہو گئے۔

حضرت زبیر جب واپس جا رہے تھے تو ایک شخص عمرو بن الجرموز جو غالباً سبائی تھا حضرت زبیر کے پیچھے ہو لیا اور قریب پہنچ کر اُن کے ساتھ ساتھ چلنے لگا اور شرعی مسائل اُن سے پوچھنے لگا تاکہ حضرت زبیر کو اُس کی نسبت کوئی شبہ نہ ہونے پائے۔ حضرت زبیر چلتے چلتے جب وادی السباع میں پہنچے تو نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ آپ نماز پڑھنے لگے۔ نماز کے دوران میں جب آپ سجدے میں گئے تو اس ملعون نے حضرت زبیر پر حملہ کر کے انھیں شہید کر دیا۔ آپ کو شہید کرنے کے بعد آپ کے سر، زرہ اور تلوار کو لیکر حضرت علی ع کے پاس یہ خوش خوش پہنچا تو حضرت علی ع حضرت زبیر کا سر اور تلوار دیکھ کر رو دئیے اور آپ نے فرمایا کہ "یہ وہ تلوار ہے جس نے زمانہ دراز تک رسول اللہ صلعم کی حفاظت کی ہے۔ اے قاتل تجھے دوزخ کی بشارت ہو"۔ یہ سن کر ابن جرموز بولا "کیا میری جاں نثاری کا یہی صلہ ہے کہ آپ مجھے دوزخ کی بشارت دے رہے ہیں"۔ اس کے بعد اس نے تلوار اپنے پیٹ میں بھونک لی اور واصل جہنم ہو گیا۔

حضرت زبیر کو حضرت علی ع نے رسول اللہ صلعم کی جو پیشین گوئی یاد دلائی تھی حضرت طلحہ کو بھی اس کا علم ہو گیا تھا۔ اور وہ بھی جنگ سے علحدگی اختیار کر کے لشکر سے الگ ہو کر ایک طرف کھڑے ہو گئے تھے۔ مروان بن الحکم نے جب دیکھا کہ حضرت زبیر کے بعد حضرت طلحہ بھی جنگ سے علحدگی اختیار کر رہے ہیں تو اسے آپ پر بے حد غصہ آیا۔ اور اس نے تاک کر آپکے ایسا تیر مارا کہ آپ کا کام تمام ہو گیا۔ قصہ مختصر یہ کہ فتنہ پردازوں نے حضرت عثمان کے بعد جو تین متقدر حضرات باقی رہ گئے تھے ان میں سے دو کو یعنی حضرت زبیر اور حضرت طلحہ کو بھی ختم کر دیا۔ اب صرف حضرت علی ع باقی رہ گئے تھے۔

جنگ جمل کا خاتمہ حضرت زبیر اور حضرت طلحہ کے شہید ہو جانے کے بعد حضرت

عائشہ کے لشکریوں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ان کی فوج کے پاؤں نہ اکھڑ جائیں اس لئے وہ حضرت عائشہ کے پاس پہنچے جو ایک علٰحدہ خیمہ میں تشریف فرما تھیں۔ اور اُن سے میدان جنگ میں چلنے کی خواہش کی۔ تاکہ ان کے میدانِ جنگ میں پہنچنے کے بعد لشکر کا حوصلہ بڑھ جائے لیکن حضرت عائشہ جو اس جنگ سے دلی برداشتہ ہو چکی تھیں۔ انھوں نے میدان جنگ میں جانے سے صاف انکار کر دیا حضرت عائشہ کے انکار پر ان فتنہ پردازوں نے انھیں فریب دیا کہ ہم تو اس لئے آپ کو لینے آئے ہیں کیونکہ آپ کے پہنچنے ہی جنگ رُک جائیگی اور مسلمانوں کی یہ خانہ جنگی ختم ہو جائیگی۔ غرضکہ یہ ابن الوقت حضرت عائشہ کو فریب دیکر انھیں میدانِ جنگ میں لے ہی آئے۔

حضرت عائشہ کا محمل جوں ہی میدانِ جنگ میں دکھائی دیا لڑائی کی آگ اور بھی بھڑک اٹھی۔ اور یہی شرارت پسندوں کا مقصد بھی تھا۔ حضرت عائشہ کی فوج نے رسول اللہ صلعم کی حرم محترم کے میدان جنگ میں آنے کے بعد اپنی ساری بہادری ختم کر دی۔ ادھر حضرت علیؓ کو بھی مجبوراً سخت مقابلہ کرنا پڑا جس میں دونوں طرف کے ہزاروں مسلمان کام آ گئے۔

حضرت علیؓ نے سوچا کہ جب تک حضرت عائشہ کا اونٹ اپنی جگہ پر قائم رہیگا یہ خونریزی بند نہیں ہو سکتی۔ اس لئے آپ نے حکم دیا کہ اونٹ کے پاؤں زخمی کر کے اسے گرا دیا جائے۔ چنانچہ جیسے ہی اونٹ کے پاؤں زخمی ہوئے اونٹ بلبلا کر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا حضرت عائشہ کی فوج کی ہمت ٹوٹ گئی حضرت علیؓ اور اُن کے لشکر نے آگے بڑھ کر حضرت عائشہ کے محمل کو حلقہ میں لے لیا اور اس طرح ۳۶ھ (۶۵۷ء) میں آپس کی خونریزی کے بعد یہ افسوسناک لڑائی ختم ہو گئی۔ جنگ کے خاتمہ پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اعلان کر دیا کہ نہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے۔ نہ کسی زخمی کو پامال کیا جائے نہ کسی کا مال لوٹا جائے۔ جو شخص ہتھیار ڈال دے یا گھر کا دروازہ بند کر لے وہ مامون ہے

اس جنگ میں چونکہ حضرت عائشہ کے جمل کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ اس لئے تاریخ میں یہ لڑائی جنگِ جمل کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں

جنگ کے خاتمہ کے بعد حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر جو حضرت علیؓ کے لشکر میں تھے حضرت علیؓ کے حکم سے کجاوہ کی رسیاں کاٹ کر اور کجاوہ اٹھوا کر عبداللہ بن خزاعی کے محل میں لے گئے۔ حضرت عائشہؓ اس محل میں اتر گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت علیؓ بھی حاضر ہو گئے۔ اور پردہ کے پاس آ کر پوچھا۔ اماں جان مزاج کیسا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ اچھی ہوں۔ حضرت علیؓ نے اس تکلیف دہ واقعہ پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہماری ہر غلطی کو معاف کرے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ بیشک اللہ ہم سب کی غلطیوں کو معاف کرے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ سے معذرت خواہ ہوئے اور حضرت عائشہؓ نے بھی حضرت علیؓ سے معذرت کا اظہار فرمایا۔

حضرت عائشہ صدیقہ کے چند روز آرام کرنے کے بعد حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ وہ عزت و احترام کے ساتھ آپ کو مکہ پہنچا دیں۔ جب حضرت عائشہؓ جانے لگیں تو حضرت علیؓ نے بصرہ کی چالیس عورتوں کو آپ کے ہمرکاب کیا اور خود کئی میل تک سواری کے ہمرکاب رہے۔ حضرت عائشہؓ مکہ ہوتی ہوئی مدینہ تشریف لے گئیں۔ اس جنگ میں اگرچہ دونوں ہی فریق بے گناہ تھے۔ جو کچھ بھی ہوا وہ فتنہ پردازوں کی غلط فہمی پیدا کر دینے کی وجہ سے ہوا لیکن حضرت عائشہؓ کو ساری زندگی اس واقعہ کا افسوس رہا۔ جب بھی اس واقعہ کا تذکرہ آتا تھا تو آپ زار و قطار رونے لگتی تھیں۔

حضرت علیؓ کے خلاف امیر معاویہ کا پروپیگنڈا

جنگِ جمل یعنی حضرت عائشہؓ کی جنگ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؓ کے لئے سب سے بڑا کام ملکِ شام کو قابو میں لانا تھا۔

چونکہ سوائے شام کے تقریباً تمام دوسرے ممالک حضرت علیؑ کے دائرہ حکومت میں شامل ہو چکے تھے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان ممالک میں بھی فتنہ پردازوں اور عبداللہ بن سبائیوں کی وجہ سے حضرت علیؑ کو وہ اقتدار حاصل نہیں ہو سکا تھا جو حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ تک خلیفۂ اسلام کو حاصل تھا۔ چنانچہ حالت یہ تھی کہ حجاز۔ یمن۔ عراق۔ مصر اور ایران وغیرہ میں جہاں ایک طرف حضرت علیؑ کے حامی موجود تھے۔ وہاں حضرت علیؑ کے مخالفین بھی بکثرت پائے جاتے تھے اور اس کا باعث حاکم شام امیر معاویہ کا وہ پروپگنڈا تھا جو حضرت عثمان غنی کے قتل کے بعد سے برابر حضرت علیؑ کے خلاف جاری تھا۔

شام کے لوگوں کو ایک طرف تو حضرت عثمان غنی کا خون آلود پیراہن اور اُن کی اہلیہ کی کٹی ہوئی اُنگلیاں دکھا دکھا کر حضرت علیؑ کے خلاف مشتعل کیا جا رہا تھا اور دوسری جانب شام کے سب سے بڑے مذہبی رہنما شرجیل بن سمط امیر معاویہ کے اشارہ پر شام کے ایک ایک شہر اور قصبہ کا دورہ کر رہے تھے۔ اور لوگوں سے وعظ و پند کے پردہ میں یہ کہتے تھے کہ علی نے عثمان کو قتل کر کے پورے ملک پر قبضہ جما لیا ہے۔ صرف تمہارا ملک باقی رہ گیا ہے۔ جسے وہ بزور شمشیر اس لئے فتح کرنا چاہتے ہیں کہ اس ملک میں مظلوم عثمان کے حامیوں کی بہت بڑی تعداد ہے۔ معاویہ کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی ایسا نہیں ہے جو مظلوم عثمان کے خون کا قصاص لے سکے۔ اس لئے تم کو چاہئے کہ معاویہ کا ساتھ دو۔ شرجیل کے اس پروپگنڈے کا نتیجہ یہ نکلا کہ پورا ملکِ شام حضرت علیؑ کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا۔

حضرت علیؑ کے خلاف اس پروپگنڈے میں تیز جنگی تیاریوں میں امیر معاویہ کے مشیر خاص عمرو بن عاص سابق گورنر مصر کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ عمرو بن عاص بے نظیر سپہ سالار ہونے کے علاوہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے مدبر اور سیاست داں بھی تھے۔ امیر معاویہ کیونکہ ان کی عقل اور سوجھ بوجھ سے فائدہ اُٹھانا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے عمرو بن عاص کو یہ تحریر لکھ کر دے دی تھی کہ اگر میں خلیفہ ہو گیا تو مصر کی حکومت تمہیں دوں گا۔

حقیقت یہ ہے کہ امیرِ معاویہ کی کامیابیوں میں سب سے بڑا ہاتھ عمرو بن عاص ہی کا تھا وہی معاویہ کے مشیرِ خاص تھے اور وہی سب کچھ تھے۔

مدینہ کی بجائے کوفہ دارالخلافہ

حضرت علیؓ بھی ان تمام حالات سے بے خبر نہیں تھے۔ اور وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ جب تک امیرِ معاویہ شام میں موجود ہیں۔ نہ وہ خلافت کا کاروبار اطمینان کے ساتھ چلا سکتے ہیں اور نہ ان کی مخالفت میں جو پروپیگنڈا جاری ہے وہ بند ہو سکتا ہے چنانچہ امیرِ معاویہ کے خلاف جنگ کرنے کیلئے آپ نے یہ ضروری سمجھا کہ مدینہ کی بجائے کوفہ کو دارالخلافہ بنا لیا جائے۔ کوفہ ایک تو مدینہ کے مقابلہ میں دمشق سے قریب تھا۔ دوسرے حضرت علیؓ کے لشکر میں سب سے بڑی تعداد کوفیوں ہی کی تھی۔ لہٰذا ۳۶ھ میں مدینہ کی بجائے "کوفہ" خلافتِ اسلامیہ کا دارالخلافہ قرار پا گیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کوفہ کے دارالخلافہ بنانے کے بعد حضرت علیؓ کے لئے چند سیاسی اور فوجی سہولتیں ضرور پیدا ہو گئی تھیں لیکن اس کے ساتھ ہی حضرت علیؓ کا مدینہ جیسے مذہبی مرکز سے ہٹ جانا آگے چل کر ان کے لئے بے حد مضر ثابت ہوا۔

کوفہ چونکہ دمشق کے قریب تھا اس لئے اس کے دارالخلافہ بننے کے بعد امیرِ معاویہ کو فکر ہوئی کہ عنقریب شام پر حملہ ہونے والا ہے۔ ان کو اس بات کا بڑا اندیشہ تھا کہ اگر حضرت علیؓ کے دستِ راست قیس بن سعد نے مصر کی جانب سے شام پر حملہ کر دیا تو پھر شام کا کیا حشر ہو گا۔ قیس بن سعد لائق سپہ سالار ہونے کے علاوہ حضرت علیؓ کے بے حد ہمدرد بھی تھے۔ امیرِ معاویہ نے عمرو بن عاص کی طرح ان کو بھی توڑنے کی کئی مرتبہ کوشش کی مگر وہ کسی طرح بھی ان کے قابو میں نہ آسکے۔

امیرِ معاویہ کی یہ انتہائی کوشش تھی کہ جس طرح بھی ہو قیس بن سعد کو مصر سے ہٹا دیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے یہ چال چلی کہ اپنے دربار میں قیس بن

سعد کی تعریفیں بیان کرنی شروع کر دیں اور یہ شہرت دیدی کہ قیس امیر معاویہ کے بہت بڑے طرفدار ہیں حضرت علیؑ کے جو آدمی شام میں گئے ہوئے تھے انھوں نے فوراً حضرت علیؑ کو قیس کے معاملہ سے مطلع کر دیا حضرت علیؑ کو تو یقین نہیں آیا۔ لیکن محمد بن ابی بکر اور دوسرے نوجوان امیر معاویہ کے اس پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے اور انھوں نے حضرت علیؑ پر زور ڈالنا شروع کیا کہ قیس جیسے مشتبہ حال کو فوراً مصر کی حکومت سے برطرف کر دیا جائے۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ قیس کو واپس بلا لیا گیا۔ اور مصر کی حکومت محمد بن ابی بکر کے حوالے کر دی گئی۔ محمد بن ابی بکر نہ تو قیس کی طرح لائق تھے۔ اور نہ امیر معاویہ کو ان سے کسی قسم کا اندیشہ تھا۔ غرضکہ امیر معاویہ نے انتہائی عیاری سے کام لیکر اور قیس بن سعد کو معزول کرا کے مصر کی جانب سے جو خطرہ تھا اسے دور کر دیا۔

حضرت علی کی شام پر لشکر کشی

حضرت علیؑ جنگ کے لئے بالکل تیار تھے لیکن آپ نے محض حجت تمام کرنے کے لئے ایک مرتبہ پھر اپنے قاصد کو امیر معاویہ کے پاس بھیجکر ان کو اطاعت اور بیعت کی دعوت دی۔ اس دعوت کے جواب میں امیر معاویہ اور حضرت علیؑ میں خط و کتابت کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا چنانچہ حضرت علیؑ نے امیر معاویہ کو بار بار اپنے خطوط میں اطاعت کی ترغیب دیتے ہوئے لکھا کہ "مسلمانوں میں آپس میں خونریزی نہ کراؤ" اور امیر معاویہ اپنے ہر خط میں حضرت علیؑ پر حضرت عثمان کے قاتل ہونے کا الزام لگاتے رہے اور معاملات کو برابر بگاڑتے ہی چلے گئے۔ اس طویل خط و کتابت کے سلسلہ میں حضرت علیؑ نے امیر معاویہ کو جو آخری خط لکھا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"خدا گواہ ہے کہ عثمان کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں اور نہ میں نے ان کے خلاف کسی کو بھڑکایا۔ مجھ کو خوب معلوم ہے کہ قاتلان عثمان کے حوالے کرنے کے مطالبہ کو تم حصول مقصد کا ذریعہ بنانا چاہتے ہو۔ یاد رکھو

اگر تم اس فتنہ انگیزی اور بے راہ روی سے باز نہ آؤ گے تو جو سلوک باغیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ وہی تمہارے ساتھ ہوگا۔"

اس بے نتیجہ خط و کتابت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہ کو مجبوراً امیر معاویہ کے خلاف لشکر کشی کرنی پڑی حضرت علیؓ ابو مسعود انصاری کو کوفہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرما کر نوے ہزار فوج کے ساتھ شام کی جانب ۳۶ھ (۶۵۷ء) میں روانہ ہو گئے۔ امیر معاویہؓ پہلے ہی سے جنگ کے لئے نکل چکے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر صفین کے میدان میں دریائے فرات کے کنارے اپنی فوجیں جن کی مجموعی تعداد اسی ہزار تھی اُتار دی تھیں اور تمام اہم مقامات پر قبضہ جمانے کے بعد مورچہ قائم کر لیا تھا اور دریائے فرات پر خاص طور پر فوج متعین کر دی تھی تاکہ حضرت علیؓ کے لشکر کو پانی نہ مل سکے۔

حضرت علیؓ بھی صفین کے میدان میں پہنچنے کے بعد خیمہ زن ہو گئے لیکن شامیوں نے چونکہ دریائے فرات پر پہرہ لگا رکھا تھا اس لئے حضرت علیؓ کے لشکر کو پانی حاصل کرنے میں بڑی دشواری پیش آنے لگی حضرت علیؓ نے پیغام بھیجا کہ پانی بند کرنا خلافِ انسانیت ہے فرات پر سے فوجیں ہٹالی جائیں۔ مگر شامیوں نے جب اس پیغام کی کوئی پرواہ نہ کی تو حضرت علیؓ نے اپنے لشکر کے ایک دستے کو حکم دیا کہ وہ بزور شمشیر دریائے فرات پر قبضہ جمالے۔ چنانچہ پہلے ہی حملہ میں حضرت علیؓ کے لشکر کا دریائے فرات پر قبضہ ہو گیا لیکن اس قبضہ کے باوجود حضرت علیؓ نے فریق مخالف کے لئے پانی کی بندش نہیں کی بلکہ پانی لینے کی سب کے لئے عام اجازت تھی۔

شامی اور عراقی لشکر گو ایک دوسرے کے سامنے صف آرا تھے لیکن یہ دونوں چونکہ مسلمان تھے اس لئے ان میں لڑائی کا وہ جوش نہیں تھا۔ جو کفار کے مقابلہ میں پایا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مہینہ تک بہت ہی معمولی نوعیت کی جھڑپیں ہوتی رہیں اس دوران میں امن پسند حضرات صلح کے لئے اِدھر سے اُدھر دوڑتے رہے۔

یہاں تک کہ ماہِ محرم آگیا اور اس مہینے میں جنگ بالکل موقوف ہوگئی۔ اب صلح پسند حضرات کو اچھا موقع مل گیا۔ انھوں نے مصالحت کے معاملہ میں کوئی کمی نہیں اُٹھا رکھی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکل سکا۔

محرم کا مہینہ ختم ہونے کے بعد صفر ۳۷ھ میں فریقین پوری طاقت کے ساتھ ایک دوسرے کے مقابلہ پر صف آرا ہو گئے۔ اب جنگ کے معاملہ میں پہلی سی سُست رفتاری باقی نہیں رہی تھی بلکہ جانبین میں ایک دوسرے کے مقابلہ پوری طرح جوش تھا۔ غرض بڑی ہی خونریز جنگ چھڑ گئی۔ ایسی خونریز جنگ کہ دو تین دن کے اندر اندر پورا میدانِ کارزار لاشوں سے پٹ جاتا تھا جن کو دفن کرنے کے لئے دونوں لشکروں کو عارضی طور پر جنگ بند کر دینی پڑتی تھی۔ مقتولین کے کفن دفن سے فارغ ہوتے ہی پھر خونریزی شروع ہو جاتی تھی۔ مختصر سی مدت میں تو سب سے زیادہ خونریز معرکے ہوئے جن میں ۴۵ ہزار آدمی امیر معاویہ کے اور ۲۵ ہزار سپاہی حضرت علیؓ کے کام آئے۔ یعنی ستر ہزار مسلمان اس خانہ جنگی میں تہ تیغ کر دئیے گئے۔ ان کے تہ تیغ ہونے کے بعد ان کی عورتیں اور بچے بے یار و مددگار ہو گئے۔ غور کیجیے کہ اسلام کے لیے یہ کیسا نازک وقت تھا۔

فیصلہ کُن جنگ اور امیر معاویہ کی پریشانی

گذشتہ کئی ماہ کی جنگ میں گو امیر معاویہ کا نقصان حضرت علیؓ کے نقصان کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہو چکا تھا لیکن اس کے باوجود امیر معاویہ کے لشکر میں کوئی کمزوری نہیں پیدا ہوئی۔ دونوں طرف سے پوری پامردی کے ساتھ مقابلہ جاری تھا اور جنگ کا پلہ اس طرح برابر تھا کہ یہ کہا ہی نہیں جا سکتا تھا کہ آخری فیصلہ کس فریق کے حق میں ہوگا لیکن لیلۃ الہریر کا آخری معرکہ جو دُنیا کی جنگی تاریخ کا اہم ترین واقعہ ہے۔ اس نے جنگ کا رُخ

بدل دیا۔ مورخین عرب جو اس جنگ میں شامل تھے ان کا کہنا ہے کہ ایسی خونناک جنگ دُنیا نے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ہر طرف انسانی لاشوں کے علاوہ کچھ نہیں دکھائی دیتا تھا۔

دونوں طرف کے جانباز اس طرح لڑ رہے تھے گویا ان کی زندگی کا واحد مقصد موت ہے۔ ۳۵-۳۶ گھنٹہ تک مسلسل تلوار چلتی رہی۔ اور خون کی ندیاں بہتی رہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ لیلۃ الحریر کے معرکہ میں شامیوں نے بھی بڑی بہادری کا ثبوت دیا۔ لیکن حضرت علیؑ کے لشکر کے جانبازوں کا پلہ بھاری تھا۔ مالک بن اشتر۔ اور دوسرے سپہ سالار اپنے لشکر کو ساتھ لے کر اس بُری طرح سے شامی لشکر پر حملے کر رہے تھے کہ شامی لشکر کے قدم ڈگمگانے لگے۔

اسی دوران میں جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ بارہ ہزار منتخب سواروں کو لیکر امیر معاویہ کے قلب لشکر میں جا گھسے تو امیر معاویہ کے لشکر کی صفیں کائی کی طرح پھٹتی چلی گئیں حضرت علیؑ جوش شجاعت میں بڑھتے بڑھتے امیر معاویہ کے خیمہ کے پاس جا پہنچے اور آپنے امیر معاویہ کو للکار کر کہا۔ "مسلمانوں کو کیوں قتل کراتے ہو بہتر یہ ہے کہ ہم دونوں آپس میں لڑ کر لڑائی کا فیصلہ کرلیں ہم میں جو کامیاب ہو وہی خلیفہ بن جائے"۔ امیر معاویہ میں بھلا کہاں ہمت تھی کہ حضرت علیؑ کے مقابلہ پر آتے۔ عمرو بن عاص نے جب امیر معاویہ سے کہا کہ "حضرت علیؑ کے اس معقول مطالبہ سے سرگردانی بڑی بزدلی ہے"۔ تو امیر معاویہ نے جواب دیا کہ "علی کے مقابلہ پر جانا موت کو دعوت دینا ہے"۔ غرضیکہ جنگ اب اس مرحلہ پر پہنچ چکی تھی کہ حضرت علیؑ کی فتح کے آثار بالکل نمایاں تھے اور امیر معاویہ بہت پریشان تھے۔

امیر معاویہ کی جنگی چال

دوسرے دن صبح کو حضرت علیؑ نے اپنے تمام لشکر کو جمع کر کے ایک پُرجوش تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

سنو گو اب جنگ آخری مرحلہ پر پہنچ چکی ہے۔ تمہارا حریف آخری سانس لے رہا ہے فیصلہ کن جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

اُدھر امیر معاویہ کی حالت یہ تھی کہ وہ حیران و پریشان تھے کیونکہ ان کو اپنی تباہی اور موت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اس حیرانی اور پریشانی کے عالم میں ان کے مشیرِ خاص عمرو بن عاص کی ایک عیارانہ تدبیر ان کے لئے امید کی کرن ثابت ہوئی۔ عمرو بن عاص کی عیارانہ تدبیر یہ تھی کہ حضرت علیؑ کے حامیوں کو فریب دینے کیلئے قرآنِ مجید کو حکم بنانے کی دعوت دی جائے تاکہ اس کے قبول اور انکار دونوں صورتوں میں حضرت علیؑ کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے۔

اس عیارانہ تدبیر کے مطابق شامی لشکر جب میدان میں آیا تو شامی فوج کے نیزوں پر ہزاروں قرآنِ مجید بلند تھے۔ ہزاروں قرآنوں کو نیزوں پر لٹکتا ہوا دیکھ کر حضرت علیؑ کے لشکر والے حیران رہ گئے کہ آخر یہ کیا معاملہ ہے لیکن چند ہی منٹ کے بعد جب امیرِ معاویہ کے سردارِ لشکر نے حضرت علیؑ کے لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے ذیل کی تقریر کی تو یہ واضح ہو گیا کہ قرآنِ مجید کے نیزوں پر بلند کرنے کا کیا مقصد ہے۔

عرب بھائیو! خدا کے لئے اپنی عورتوں اور بچوں کو فارس اور روم کے دشمنوں سے بچاؤ۔ ذرا سوچو اگر شامی ختم ہو گئے تو رومیوں سے شام کی حفاظت کون کریگا۔ اور اگر عراقی فنا ہو گئے تو فارس والوں سے عراق کو کون بچا سکیگا۔ آؤ ہم تم قرآن کو حکم مان لیں اور اس کے ناطق فیصلہ کو تسلیم کر کے خانہ جنگی ختم کر دیں۔"

قرآنِ پاک کو جب درمیان میں لایا جائے تو کون منحرف ہو سکتا ہے۔ شامیوں کا فریب چل گیا حضرت علیؑ کی فوج جب قرآن کو درمیان میں دیکھ کر جنگ سے دست کش ہونے لگی تو حضرت علیؑ نے فوجیوں کو سمجھایا کہ "یہ محض فریب ہے"۔ عبداللہ ابنِ عباس نے کہا کہ "مردانہ وار جنگ کی

بجائے اب دھوکہ شروع ہو گیا ہے" مگر شامیوں کا یہ جادو ٹونے کی طرح اپنا کام کر چکا تھا حضرت علی ؓ کے لشکریوں نے کہنا شروع کر دیا کہ اسی قرآن کا پابند بنانے کے لئے تو ہم شامیوں سے لڑ رہے تھے اور اب جبکہ وہ خود ہم کو اس کی دعوت دے رہے ہیں تو ہم اس سے کیونکر انکار کر سکتے ہیں" حضرت علی ؓ نے لوگوں کو ہر چند سمجھایا کہ تم اس فریب میں نہ آؤ۔ محض جنگی چال ہے۔ مگر کسی نے حضرت علی ؓ کی بات نہ مانی اور تلواریں نیام میں کر لیں۔ اس جیتی ہوئی جنگ کو بند کرانے میں سب سے زیادہ ہاتھ ان ابن سبائیوں کا تھا جو حضرت علی ؓ کے لشکر میں موجود تھے۔ یہ سب سے بڑھ کر عاشق قرآن بن گئے تھے حضرت علی ؓ نے جب دیکھا کہ فوج بگڑتی جا رہی ہے اور کسی طرح بھی جنگ کے لئے تیار نہیں ہوتی تو ان کو بھی جنگ بند کر دینی پڑی۔ عین اس وقت جبکہ فتح اور کامیابی بالکل یقینی تھی۔

حضرت علی کا معاملہ ثالثوں کے سپرد

امیر معاویہ کی اس پُر فریب چال کی وجہ سے لڑائی بند ہو گئی۔ لڑائی بند ہونے کے بعد یہ قرار پایا کہ ایک ثالث تو حضرت علی ؓ کی جانب سے عراق والے مقرر کر دیں اور دوسرا ثالث امیر معاویہ کی جانب سے شامی مقرر کر دیں اور ان دونوں کو فیصلہ کا اختیار دے دیا جائے۔ کتاب اللہ کی رو سے یہ دونوں کے معاملہ میں جو بھی فیصلہ دیں وہ دونوں کے لئے واجب التسلیم ہو اور اگر کوئی فریق اس فیصلہ کو نہ مانے تو اس کی مدد نہ کی جائے۔

اس قرارداد کے مطابق شامیوں نے تو عمرو بن العاص کو اپنا ثالث تجویز کر لیا اور حضرت علی ؓ کی جانب سے اس شرارت پسند جماعت نے جس نے کہ جنگ بند کرنے کے لئے حضرت علی ؓ کو مجبور کیا تھا۔ ابو موسیٰ اشعری کا نام پیش کر دیا مگر حضرت علی ؓ نے اس انتخاب کو ناپسند کرتے ہوئے فرمایا۔ "مجھ کو ان پر اعتماد نہیں ہے وہ ہماری مخالفت کر چکے ہیں ان کی فہم و تدبر پر بھی مجھے کچھ اعتماد نہیں ہے۔ اس لئے انکی بجائے ابن عباس کو ثالث بنایا جائے"۔

لیکن جن لوگوں نے ابوموسیٰ اشعری کا نام پیش کیا تھا۔ انھوں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ "وہ خاص آپکے عزیز ہیں ثالث غیر متعلق شخص کو ہونا چاہیئے" حضرت علی ؑ نے فرمایا "پھر مالک اشتر کو ثالث بنا دیا جائے"۔ ان کے نام پر بھی اعتراضات شروع ہو گئے۔ غرضکہ حضرت علی ؑ نے چاروناچار ابوموسیٰ اشعری ہی کی ثالثی کو منظور کر لیا۔ اس کے بعد فریقین کی جانب سے ایک اقرارنامہ لکھا گیا جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"علی اور ان کی جماعت نے ابوموسیٰ اشعری کو اور معاویہ اور ان کی جماعت نے عمرو بن عاص کو ثالث مقرر کیا ہے یہ دونوں کسی فریق کی رُو رعایت کے بغیر اُمت کی خیرخواہی کا لحاظ رکھتے ہوئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق جو فیصلہ دیں گے وہ فریقین کے لئے واجب التسلیم ہوگا اور جو فریق اس کے ماننے سے انکار کریگا ثالث اور عام مسلمان اس کے خلاف دوسرے فریق کو مدد دیں گے لیکن اگر یہ فیصلہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے خلاف ہوگا یا اس میں کسی فریق کی جانب داری پائی جائیگی تو اُس کی پابندی ضروری نہیں ہوگی۔ اُس وقت ہر فریق خود اپنا فیصلہ کرنے کے لئے آزاد ہوگا۔ فیصلہ کے اعلان تک جنگ ملتوی رہیگی اور کامل امن وامان قائم رکھا جائیگا۔ رمضان تک فیصلہ کا اعلان ہو جانا چاہیئے۔ اگر مقررہ مدت میں فیصلہ نہ سُنایا گیا تو فریقین کو از سرِ نو جنگ شروع کرنے کا اختیار ہوگا"

ربیع الاول ۳۷ھ میں اس عہدنامہ پر فریقین کے نیز تمام ممتاز لوگوں کے دستخط ہو گئے اور فیصلہ کے اعلان کے لئے دومۃ الجندل کا مقام تجویز کیا گیا جو شام اور عراق کی سرحد پر واقع تھا۔

حضرت علیؑ کے خلاف خارجیوں کا فتنہ

مندرجہ بالا عہدنامہ کی تکمیل کے بعد جب حضرت

علی کرم اللہ وجہ نے میدانِ صفین سے کوفہ کی طرف واپسی کا قصد کیا تو کچھ لوگ آپکے پاس آئے
اور کہا کہ "آپ واپسی کا ارادہ ترک کر کے شامیوں پر فوراً حملہ کر دیں" حضرت علی ؑ نے فرمایا کہ
"میں عہد نامہ پر دستخط کرنے کے بعد کیسے بدعہدی کر سکتا ہوں"۔ یہ سُن کر وہ لوگ اُس وقت
تو آپ کے پاس سے چلے گئے لیکن حضرت علی ؑ جب لشکر لیکر کوفہ کے لئے روانہ ہوئے تو
یہ فتنہ پرداز ازراہِ شرارت راستہ بھر ہنگامے برپا کرتے رہے اور حضرت علی ؑ کو جنگ بند
کرنے پر بُرا بھلا کہتے رہے۔ یہ یاد رہے کہ یہ سب کے سب وہی لوگ تھے جنہوں نے حضرت
علی ؑ کو جنگ کے بند کرنے پر مجبور کیا تھا۔ حالانکہ حضرت علی ؑ جنگ بند کرنے کے سخت مخالف
تھے لیکن اب جبکہ ان شرارت پسندوں کے زور دینے پر جنگ بند کر دی گئی تھی تو یہ دوبارہ
جنگ شروع کرنے پر مصر تھے۔

ان لوگوں کی فتنہ پردازی اسی طرح تمام راستے جاری رہی۔ آخر جب لشکر کوفہ
کے قریب پہنچا۔ تو بارہ ہزار آدمیوں کا گروہ حضرت علی ؑ کے لشکر سے جُدا ہو کر حرورا کی
طرف چل دیا۔ یہ خارجیوں کا وہی گروہ تھا جو راستے بھر ہنگامے برپا کرتا آیا تھا اور خواہ
مخواہ حضرت علی ؑ کا مخالف بن گیا تھا۔ چنانچہ خارجیوں کے اس گروہ نے حرورا میں جا کر قیام
کیا اور اپنی ایک نئی جماعت بنالی۔ اور حضرت علی ؑ کی کھلم کھلا مخالفت شروع کر دی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ کو جب خارجیوں کی ان ناشائستہ حرکتوں کا علم ہوا تو آپ نے
پہلے تو ان کی اصلاح کے لئے عبداللہ بن عباس کو بھیجا اس کے بعد خود تشریف لے گئے۔ اور
اُن سے پوچھا کہ "تم لوگوں نے تو میری بیعت کر لی تھی بیعت کے بعد اس سے خارج ہونے
کا کیا سبب ہے۔" انھوں نے کہا کہ "اس لئے کہ آپ نے بے جا طور پر لڑائی بند کر دی۔"
حضرت علی کرم اللہ وجہ نے فرمایا "میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری رائے لڑائی روکنے
اور بند کرنے کی نہیں تھی مگر تم نے مجھ کو لڑائی بند کرنے پر مجبور کر دیا۔ اور مجھ کو بادلِ ناخواستہ
تمہارا فیصلہ ماننا پڑا۔ اور اب تعجب ہے کہ تم ہی لوگ جنگ بند کرنے کی بنا پر مخالفت پر

آمادہ ہو۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا، خدا پر بھروسہ رکھو۔ اس کے بعد ازراہِ شفقت فرمایا کہ یہاں کہاں پڑے ہو شہر بصرہ میں چل کر قیام کرو۔ حضرت علیؑ کے اس نرم رویہ سے خارجی بے حد متاثر ہوئے اور حضرت علیؑ کے ساتھ بصرہ چلے گئے۔

ثالثوں کے فیصلہ کا اعلان

ثالثی فیصلہ کے لئے چھ مہینہ کی مدت مقرر ہوئی تھی اس چھ مہینے کے اندر حضرت علیؑ اور امیر معاویہ کے معاملہ پر غور کرنے کے لئے ثالثوں کی کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ ان ملاقاتوں کے دوران میں عمرو بن عاص نے جو نہایت ہی چالاک آدمی تھے ابو موسیٰ اشعری پر بے حد زور دیا کہ وہ کسی طرح امیر معاویہ کو خلیفہ بنانے کے لئے راضی ہو جائیں لیکن ابو موسیٰ اشعری جو ہر بات میں حضرت علیؑ کو امیر معاویہ سے افضل سمجھتے تھے۔ اپنی اس رائے پر آخر تک قائم رہے کہ حضرت علیؑ ہی خلافت کے مستحق ہیں۔

عمرو بن عاص نے جب دیکھا کہ ابو موسیٰ اشعری کسی طرح قابو ہی میں نہیں آتے تو انہوں نے نیزوں پر قرآن بلند کرنے کی چال کی طرح یہاں بھی ایک عیارانہ چال چلی اور یہ تجویز پیش کی کہ اس جھگڑے کا سب سے بہتر حل یہ ہے کہ فی الحال دونوں کو اپنے عہدوں سے معزول کر دیا جائے اور مسلمانوں کو اختیار دے دیا جائے کہ وہ کثرتِ رائے سے جس کو چاہیں اپنا خلیفہ منتخب کر لیں۔

ابو موسیٰ اشعری جو ایک نیک اور سیدھے آدمی تھے۔ یہ سمجھ ہی نہ سکے کہ اس تجویز میں بھی کوئی چال پوشیدہ ہو سکتی ہے۔ وہ اس تجویز سے اس لئے اور بھی متفق ہو گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ رائے عامہ حضرت علیؑ کے حق میں ہے اور حضرت علیؑ کے مقابلہ میں معاویہ کے انتخاب کا کوئی امکان نہیں ہے چنانچہ یہ طے پا گیا کہ مجمع عام میں دونوں کی معزولی اور نئے سرے خلیفہ کے انتخاب کا اعلان کر دیا جائے۔ اور اس مقصد کے لئے تاریخ بھی مقرر کر دی گئی۔ اور اس تاریخ کے بارے میں باضابطہ طور پر جانبین کو مطلع کر دیا گیا۔

تاریخ مقررہ پر دونوں ثالث مع اپنے چار چار سو ساتھیوں کے دومۃ الجندل پہنچ

گئے۔ اس معاملہ سے کیونکہ اُمت کی قسمت کے فیصلہ کا بہت بڑا تعلق تھا اس لئے ہزاروں مسلمان مقتدر حضرات اور صحابۂ کرام اس فیصلہ کو سننے کے لئے دومۃ الجندل کی جامع مسجد میں جہاں یہ فیصلہ سنایا جانا تھا جمع ہو گئے۔ فیصلہ سنانے کا جب وقت آیا تو حضرت ابو موسیٰ اشعری نے عمرو بن عاص سے کہا کہ پہلے آپ اپنا فیصلہ سنا دیجیے۔ عمرو بن عاص نے نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا کہ آپ بزرگ ہیں مجھ سے افضل ہیں میں آپ سے پہلے زبان کھولنے کی کیسے جرأت کر سکتا ہوں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری سیدھے آدمی تھے فریب میں آ گئے۔ اور انھوں نے ممبر پر کھڑے ہو کر اپنے فیصلہ کا اعلان کر دیا۔

لوگو۔ ہم نے اس مسئلہ پر غور کیا۔ ہمارے نزدیک اُمت کے اتفاق و اتحاد اور اصلاح کی اس کے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی کہ علیؓ اور معاویہ دونوں کو معزول کر کے خلافت کو شوریٰ پر چھوڑ دیا جائے۔ عام مسلمان جسے اہل سمجھیں منتخب کر لیں۔ ہم اتفاقِ رائے سے علیؓ اور معاویہ دونوں کو معزول کرتے ہیں اور تم کو اختیار دیتے ہیں کہ آئندہ تم کثرت رائے سے جسے پسند کرو اپنا خلیفہ منتخب کر لو۔"

اس عجیب و غریب اور خلافِ توقع اعلان سے مجمع پر سکتہ طاری ہو گیا۔ ابو موسیٰ کے بعد عمرو بن عاص ممبر پر آئے اور انھوں نے ذیل کے الفاظ میں اپنے عیارانہ فیصلہ کا اعلان کیا۔

حضرات آپ نے ابو موسیٰ کا فیصلہ سن لیا انھوں نے اپنے فریق یعنی علیؓ کو معزول کر دیا۔ میں بھی ان کو معزول کرتا ہوں لیکن میں اپنے فریق یعنی معاویہ کو برقرار رکھتا ہوں۔ وہ امیر المومنین عثمان کے ولی اور اُن کے قصاص کے طالب ہیں۔ اس لئے وہی ان کی جانشینی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔"

ابو موسیٰ عمرو بن عاص کی اس معاہدہ شکنی اور دروغ بیانی پر مشتعل ہو گئے اور انھوں نے مجمع کو بتایا کہ عمرو بن عاص نے کس طرح غداری کی ہے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ عمرو بن عاص

ایسی چال چل گئے تھے جس کی کوئی تلافی ناممکن تھی۔ شریح بن ہانی عمرو بن عاص کی بے ایمانی پر آپے سے باہر ہو گئے۔ اور ہاتھوں سے عمرو بن عاص پر کوڑے برسانے شروع کر دیئے لیکن لوگوں نے درمیان میں پڑ کر چھڑا لیا۔ شامی ابو موسیٰ سے اس کا انتقام لینا چاہتے تھے مگر وہ بچ کر نکل گئے اور مکہ کو روانہ ہو گئے۔

عمرو بن عاص کی اس غداری اور بے ایمانی سے حضرت علیؓ کے حامیوں میں سخت اشتعال پیدا ہو گیا تھا۔ اگر عبد اللہ بن عباس اس نازک موقعہ پر مجمع کو قابو میں نہ رکھتے تو شاید اسی جگہ جنگ چھڑ جاتی۔ غرضکہ عمرو بن عاص کی اس ابن الوقتی سے مسلمانوں میں خانہ جنگی اور بھی بڑھ گئی لیکن امیر معاویہ کو اس سے بہت فائدہ پہنچا سب سے بڑا فائدہ تو یہ تھا کہ وہ شکست کی ذلت سے بچ گئے۔ دوسرے ان کو جنگی تیاریوں کے لئے چھ مہینے کی مدت مل گئی۔ تیسرے ان کو یہ کہنے کا موقعہ ہاتھ آگیا کہ ثالثوں نے علیؓ کو معزول کر کے مجھے باقاعدہ خلیفہ منتخب کر لیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے لوگوں سے بیعت لینی شروع کر دی اور سارے ملک شام نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ادھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ نقصان پہنچا کہ ان کے لشکر میں بری طرح بددلی پھیل گئی۔ اور اس بددلی کی وجہ سے نہ صرف شام ہمیشہ کے لئے ان کے قبضہ سے نکل گیا بلکہ مملکت اسلامیہ کے دوسرے صوبوں پر بھی امیر معاویہ نے رفتہ رفتہ قبضہ جما لیا۔

خارجیوں سے حضرت علیؓ کی جنگ

مندرجہ بالا ثالثانہ اور عیارانہ فیصلہ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا کہ وہ شام پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ امیر معاویہ کے خلاف اپنی جنگی تیاریوں ہی میں مصروف تھے کہ اچانک آپ کو اطلاع ملی کہ خارجیوں نے عراق میں بری طرح شورش برپا کر دی ہے۔ اس اطلاع کے ملنے کے بعد آپ امیر معاویہ پر حملہ کا ارادہ ترک کر کے خارجیوں کی جانب متوجہ ہو گئے۔

خارجیوں کے بارے میں اس سے پہلے بتایا جاچکا ہے کہ خارجی ابن سبائیوں اور فتنہ پردازوں کا ایک ملا جلا گروہ تھا جو صفین کی جنگ میں حضرت علیؑ کے لشکر میں موجود تھا اس گروہ کی حالت یہ تھی کہ یہ بظاہر تو عاشق علیؑ بنا ہوا تھا لیکن درحقیقت یہ حضرت علیؑ اور خلافت اسلامیہ کا سب سے بڑا دشمن تھا چنانچہ امیر معاویہ نے جب شکست سے بچنے کے لئے نیزوں پر قرآن مجید بلند کرایا۔ تو اسی گروہ نے حضرت علیؑ کو صلح کے لئے مجبور کر کے جیتی ہوئی جنگ کو شکست میں تبدیل کرا دیا لیکن جب حضرت علیؑ نے عارضی صلح کر لی تو پھر اسی گروہ نے معاہدہ کو توڑ کر امیر معاویہ سے جنگ کرنے پر زور دیا۔ حضرت علیؑ جب اس معاہدہ شکنی پر تیار نہ ہوئے تو یہ کھلم کھلا حضرت علیؑ کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا۔ اور اسلامی لشکر سے جدا ہو کر حروراء کے مقام پر اس گروہ نے قیام کر لیا۔ لیکن حضرت علیؑ پھر بھی ان کی تمام گذشتہ کوتاہیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے خود جا کر انھیں اپنے ساتھ بصرہ لے آئے تھے۔

بصرہ آنے کے بعد ثالثوں کے اعلان تک تو یہ بظاہر خاموش بیٹھے رہے لیکن اس زمانے میں بھی در پردہ سازشیں کرتے رہے مگر ثالثی فیصلے کے اعلان کے ہوتے کے ساتھ ہی ان فتنہ پردازوں نے عبداللہ بن وہب کے ہاتھ پر بیعت کر کے حضرت علیؑ کی کھلم کھلا مخالفت شروع کر دی۔ انھوں نے فوراً ہی اپنی علٰحدہ جماعت بنالی جس کا عقیدہ یہ تھا کہ:۔

"معاملات دین میں کسی انسان کو حکم بنانا کفر ہے۔ حکم اور اس کا فیصلہ ماننے والے سب کافر ہیں اور ان کافروں کے خلاف جہاد فرض ہے"

گویا انھوں نے حضرت علیؑ اور ان کے تمام ساتھیوں کو کافر قرار دیدیا تھا (نعوذ باللہ) چنانچہ خارجی گروہ نے کوفہ۔ بصرہ۔ مدائن اور دوسرے علاقوں میں اپنے ان عقائد کی خوب اشاعت کی۔ پھر اس کے بعد خارجیوں کی ایک بہت بڑی جماعت تمام دوسرے علاقوں سے سمٹ کر نہروان میں جمع ہو گئی۔ خارجیوں کی حالت یہ تھی کہ نہروان جاتے ہوئے جو بھی مسلمان ملتا تھا بیدریغ قتل کر دیتے تھے غرضکہ رفتہ رفتہ ان کی فتنہ انگیزی اتنی بڑھی کہ کسی مسلمان کی جان ان

کے ہاتھ سے محفوظ نہیں رہی، مسلمان بے دریغ ان کے ہاتھ سے قتل ہونے لگے یہاں تک کہ انھوں نے مشہور صحابی عبداللہ بن خباب کو شہید کر ڈالا۔ ان کی حاملہ بیوی کا پیٹ چاک کر کے بڑی بے دردی سے قتل کیا۔ قبیلہ طے کی متعدد عورتوں کو انھوں نے تہہ تیغ کر دیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ شروع میں تو درگذر سے کام لیتے رہے لیکن جب خارجیوں کی فتنہ پردازیاں درندگی کی حد تک پہنچ گئیں تو آپ ان کے خلاف ۳۸ھ میں جنگ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ خارجی بھی ایک بہت بڑا لشکر لیکر حضرت علیؑ کے مقابلہ پر آ گئے اور انھوں نے اللہ اکبر کے نعرہ کے بجائے لاحکم الا للہ کے نعرے لگا کر پوری طاقت کے ساتھ حضرت علیؑ کے لشکر پر پے در پے حملے شروع کر دئیے۔ بڑی خوفناک جنگ ہوئی خارجی بڑی پامردی کے ساتھ لڑے لیکن انھیں شکست ہو گئی۔ اس جنگ میں خارجیوں کی بہت بڑی تعداد ماری گئی جو باقی رہ گئے تھے وہ یا تو بھاگ گئے یا اوپری دل سے حضرت علیؑ کے حامی بن گئے۔

خارجیوں کی جنگ سے فارغ ہونے کے بعد جب حضرت علیؑ نے اپنی فوج کو امیر معاویہ کے مقابلہ کے لئے آمادہ کرنا چاہا تو فوج اس کے لئے تیار نہ ہوئی اور آپ کے لشکر کے آدمی یہ کہہ کر اپنے گھروں کے لئے روانہ ہو گئے کہ ہم پوری تیاری کے بعد امیر معاویہ کا مقابلہ کریں گے۔ حضرت علیؑ کے ساتھ کل ایک ہزار آدمی رہ گئے۔ آپ ان کو ساتھ لیکر کوفہ واپس آ گئے۔ اس کے بعد فوج کی کم ہمتی کی بنا پر حضرت علیؓ کو کبھی بھی شام پر حملہ کا موقعہ نہ مل سکا۔

مصر بھی حضرت علیؑ کے ہاتھ سے نکل گیا

امیر معاویہ زمانۂ دراز سے مصر کی تاک میں تھے چنانچہ انھوں نے صفین کی جنگ سے قبل ہی مصر پر قبضہ جمانے کے لئے مختلف چالیں چلنی شروع کر دی تھیں۔ عمرو بن عاص جو امیر معاویہ کے یار وفادار بنے ہوئے تھے۔ ان

کی دلداری اسی لئے کی جارہی تھی کیونکہ ایک روز اُن کے ذریعہ مصر فتح کرنا تھا۔ قیس بن سعد جیسے لائق مُدبّر کے خلاف چال چلکر اسی لئے مصر کی گورنری سے اُنھیں معزول کرایا گیا تھا تاکہ موقع ملتے ہی آسانی کے ساتھ مصر پر قبضہ جمایا جاسکے۔

قیس بن سعد کے معزول کئے جانے کے بعد محمد بن ابی بکر مصر کے گورنر بنے تو ان کی نوعمری اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے مصر میں نئے نئے ہنگامے برپا ہونے لگے۔ قیس نے اپنے زمانہ میں بڑی ہوشیاری کے ساتھ تمام مصر والوں سے حضرت علیؓ کی بیعت حاصل کرلی تھی۔ صرف خرتبہ کے باشندوں نے بیعت نہیں کی تھی لیکن اطاعت انھوں نے بھی قبول کرلی تھی چونکہ یہ خراج برابر ادا کررہے تھے اس لئے قیس بن سعد نے ان کو چھیڑنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی لیکن محمد بن ابی بکر نے مصر پہنچنے کے ساتھ ہی بے ضرورت ان پر فوج کشی کردی۔ یہ لوگ بڑے بہادر اور جنگجو تھے۔ محمد بن ابی بکر کو شکست ہوگئی۔ اس شکست کی وجہ سے سب سے بڑا نقصان یہ پہنچا کہ پہلے تو صرف خرتبہ کے لوگ حضرت علیؓ کے مخالف تھے اب ہر طرف سے حضرت علیؓ کی مخالفت میں آوازیں بلند ہونے لگیں اور جابجا بغاوتیں شروع ہوگئیں۔ حضرت علیؓ نے یہ حالت دیکھی تو پے در پے محمد بن ابی بکر کی امداد کے لئے کئی افسر اور لشکر بھیجے مگر محمد بن ابی بکر کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے معاملہ بگڑتا ہی چلا گیا۔ یہاں تک کہ سارے مصر نے حضرت عثمان غنی کے قصاص کا مطالبہ شروع کردیا۔ گویا مصر کی دوسرا شام بن گیا۔

امیر معاویہ اور عمرو بن عاص نے یہ رنگ دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور انھوں نے در پردہ مصر کے مقتدر حضرات سے خط و کتابت شروع کردی۔ چنانچہ مصر کے باثر حضرات کی دعوت پر عمرو بن عاص چھ ہزار کا لشکر لیکر شام سے مصر کے لئے روانہ ہوگئے عمرو بن عاص کا پہلے ہی مصر میں کافی اثر تھا۔ مصر کی سرحد پر پہنچتے ہی انھوں نے مصریوں کی ایک بہت بڑی جماعت کو اپنے ساتھ ملالیا۔ اور مصر کے حاکم محمد بن ابی بکر کے خلاف

یہ پروپگنڈا شروع کردیا کہ یہی حضرت عثمان غنی کے اصل قاتل ہیں۔ اس پروپگنڈے سے محمد بن ابی بکر کے لئے سخت دشواریاں پیدا ہوگئیں لیکن پھر بھی انھوں نے عمرو بن عاص کے لشکر کا سختی سے مقابلہ کیا۔ اس مقابلہ میں محمد بن ابی بکر کو شکست ہوگئی۔ ان کو زندہ گرفتار کرکے جلا دیا گیا۔ اور ۳۸ھ (۶۵۸ء) میں شام کی طرح مصر پر بھی امیر معاویہ کا قبضہ ہوگیا۔ عمرو بن عاص مصر کے گورنر بنا دئے گئے۔ اور انھوں نے مصریوں سے بھی امیر معاویہ کے حق میں بیعت لیلی۔ اب شام کی طرح مصر میں بھی امیر معاویہ کی خلافت تسلیم کی جانے لگی۔

امیر معاویہ کی دوسرے صوبوں پر یورش

مصر کی فتح سے امیر معاویہ کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے۔ مصر کی فتح کے بعد انھوں نے مختلف ذرائع سے اُن تمام ممالک کو زیر کرنے کی کوششیں شروع کردیں جو حضرت علی ع کے زیر حکومت تھے۔ تاکہ ایک ایک کرکے ان ممالک پر بھی ان کا قبضہ ہو جائے لیکن امیر معاویہ کو اپنے اس مقصد میں کامیابی نہ ہوسکی۔

امیر معاویہ نے ۳۹ھ میں سفیان بن عوف کو چھ ہزار فوج دیکر انبار و مدائن روانہ کیا۔ تاکہ ان علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد پورے ایران کی تسخیر کی کوشش کی جائے۔ امیر معاویہ ایران کو اس لئے فتح کرنا چاہتے تھے تاکہ اس ملک کی فتح کے بعد حضرت علی کی مرکزی حکومت کو جو عراق میں تھی چاروں طرف سے گھیر کر ختم کردیا جائے لیکن امیر معاویہ کو انبار و مدائن میں بُری طرح ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا۔ ان کا لشکر معمولی سی لوٹ مار کے بعد فرار ہوگیا۔

اسی زمانہ میں امیر معاویہ نے حضرت عثمان غنی کے خون کے نام پر بصرہ میں بھی حضرت علی ع کے خلاف شورش برپا کرادی تھی اور اس بات کی کوشش کی تھی کہ بصرہ پر اپنی حکومت قائم کرلیں لیکن بصرہ میں چونکہ حضرت علی ع کے حامیوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ اسلئے یہاں بھی انھیں سخت ناکامی ہوئی۔

مندرجۂ بالا علاقوں میں فوج کشی اور بغاوتیں برپا کرانے کے علاوہ امیر معاویہ نے حضرت علیؑ کی سلطنت کے تقریباً تمام صوبوں میں اچھا خاصہ شورش کا طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ شورش پسندوں میں کروڑوں روپیہ تقسیم کیا گیا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۴۰ھ (۶۶۰ء) میں یمن اور حجاز میں بھی بڑی طرح اضطراب اور بے چینی پھیل گئی تھی اور حضرت علیؑ کی حکومت میں صرف ایران اور عراق دو ملک رہ گئے تھے اور ان دو ملکوں میں بھی امیر معاویہ کی پیدا کردہ اندرونی شورشوں کا سلسلہ برابر جاری تھا۔

مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ کی حالت یہ تھی کہ یہ دونوں شہر آزاد اور غیر جانبدار تھے۔ وہاں نہ حضرت علیؑ کی حکومت تھی اور نہ امیرِ معاویہ کی۔ ان شہروں کا انتظام مقامی سرداروں کے ہاتھ میں تھا۔

امیرِ معاویہ نے گذشتہ چند سال کے اندر جو غیر معمولی طاقت حاصل کر لی تھی۔ اس کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے امیر معاویہ کے لئے حضرت علیؑ کے زیرِ حکومت علاقوں کی فتح کچھ دشوار نہیں تھی۔ لیکن حضرت علیؑ کا دبدبہ اس بلا کا تھا کہ امیرِ معاویہ اپنے لا تنا ہی وسائل کے باوجود مصر کی فتح کے بعد کوئی قابلِ ذکر فتح حاصل نہ کر سکے۔

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہ کے لئے سب سے بڑی دشواری یہ پیدا ہو گئی تھی کہ ان کے ساتھیوں کی جانب سے عموماً پست ہمتی اور نافرمانی کا اظہار ہو رہا تھا جس کی وجہ سے وہ مجبور ہو کر رہ گئے تھے۔ اگر یہ مجبوری نہ ہوتی تو ان کی شجاعت اور بلند ہمتی کے مقابلہ میں امیرِ معاویہ تو کیا کوئی بھی نہیں ٹھہر سکتا تھا۔

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہ کی شہادت

نہروان کی لڑائی کے بعد بظاہر تو خارجیوں کا فتنہ ختم ہو گیا تھا لیکن حقیقت میں یہ اندر ہی اندر پھیل رہا تھا۔ نہروان کے معرکہ میں چونکہ خارجیوں کو سخت نقصان پہنچا تھا اس لئے اس معرکہ کے بعد ہی سے یہ حضرت علیؓ سے انتقام

لینے کے درپے تھے۔ چنانچہ ۴۰ھ میں کچھ خارجی مکہ معظمہ میں جمع ہوئے اور انھوں نے یہ طے کیا کہ چونکہ حضرت علیؓ، امیر معاویہ اور عمرو بن عاص کی وجہ سے مملکتِ اسلامیہ میں بڑی طرح خونریزی پھیلی ہوئی ہے۔ اس لئے ان تینوں کو ختم کر دیا جائے۔ اور ان تینوں کے قتل کے لئے تین آدمی نامزد کر دئے گئے۔ ابنِ ملجم کو حضرت علیؓ کے قتل کے لئے متعین کیا گیا۔ برکت بن عبداللہ نے امیر معاویہ کے قتل کا بیڑا اُٹھایا اور عمرو بن بکر نے عمرو بن عاص کے قتل کی ذمہ داری لی۔ ان تینوں کو کوفہ۔ شام اور مصر کے لئے روانہ کر دیا گیا اور ان کو ہدایت کر دی گئی کہ وہ ۱۸ رمضان کو عین صبح کی نماز کے وقت ان تینوں مقتدر حضرات کو قتل کر دیں۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق ۱۸ رمضان ۴۰ھ کو ایک ساتھ ان تینوں حضرات پر حملہ کر دیا گیا۔ امیر معاویہ پر نمازِ فجر کی امامت کرتے ہوئے قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ وار اُوچھا پڑا تھا اس لئے امیر معاویہ زخمی تو ہو گئے مگر بچ گئے۔ حملہ آور کو گرفتار کر کے فوراً قتل کر دیا گیا۔ عمرو بن عاص اس لئے صاف بچ گئے کیونکہ وہ تاریخ مقررہ پر بیمار ہونے کی وجہ سے مسجد میں نہیں آئے تھے۔ ایک دوسرا شخص ان کی بجائے نماز پڑھا رہا تھا۔ وہ دھوکہ میں مارا گیا۔ ابنِ ملجم اور اس کے ایک ساتھی شبیب نے حضرت علیؓ پر عین اُس وقت تلوار سے وار کیا جبکہ آپ صبح کی نماز کے لئے مسجد میں تشریف لا رہے تھے۔ حضرت علیؓ بُری طرح زخمی ہوئے تھے۔ آپ کے آواز دینے پر لوگ دوڑ پڑے اور ابنِ ملجم کو گرفتار کر لیا مگر اس کا ساتھی شبیب فرار ہو گیا۔

ابنِ ملجم کو گرفتار کر کے جب حضرت علیؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اس سے چند سوالات کرنے کے بعد حکم دیا کہ "اسے آرام سے رکھا جائے۔ اگر میں مر جاؤں تو اسے قتل کر دینا اور اگر میں اچھا ہو گیا تو اس کے معاملہ پر خود غور کروں گا۔" اسکے بعد آپ نے اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ "میرے قتل کے معاملہ کو مسلمانوں میں خونریزی

کا ذریعہ نہ بنانا۔ صرف اسی ایک شخص کو جو میرا قاتل ہے قصاص میں قتل کر دینا۔" پھر اپنے بڑے صاحبزادے حضرت امام حسنؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "اگر اس زخم کے صدمہ سے میں مر جاؤں تو تم بھی تلوار کے ایک وار سے اس کا کام تمام کر دینا۔ مثلہ ہرگز نہ کرنا۔ کیونکہ آنحضرت صلعم نے مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔"

زخم چونکہ بہت کاری لگا تھا اس لئے آپ کو بے حد تکلیف تھی۔ تلوار کا زخم کنپٹی پر آیا تھا اور تلوار کی دھار دماغ میں اُتر گئی تھی۔ وفات سے قبل جندب بن عبداللہ نے پوچھا کہ "آپ کے بعد ہم امام حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں"؟ آپ نے فرمایا "میں تم کو نہ اس کا حکم دیتا ہوں۔ اور نہ روکتا ہوں۔ تم جو مناسب سمجھا کرنا۔" اس کے بعد حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو وصیتیں فرمائیں۔ اور زخمی ہونے کے تیسرے دن بتاریخ ۲۱ رمضان سنہ ۴۰ھ (سنہ ۶۶۱ء) اتوار کی رات کو پانچ برس کی خلافت کے بعد آپ رحلت فرما گئے۔ رحلت کے وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔

وفات کے بعد آپ کو کہاں دفن کیا گیا اس کے بارے میں مورخوں میں شدید اختلاف ہے بعض کے نزدیک آپ کوفہ کی مسجد میں دفن ہوئے بعض کہتے ہیں کہ "آپ کو آپ کے ہی مکان میں دفن کیا گیا۔" بعض کا کہنا ہے کہ "آپ عزی نامی قبرستان میں دفن کئے گئے"۔ لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ کے مدفن کو پوشیدہ رکھا گیا تھا۔ کیونکہ اندیشہ تھا کہ خارجی آپ کے مزار مبارک کی توہین نہ کریں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی شہادت کے بعد جب ابن ملجم ملعون کو حضرت امام حسنؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ تو آپ نے وصیت کے مطابق ایک ہی وار میں اسے قتل کر دیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ نے مختلف اوقات میں نو نکاح کئے تھے۔ آپ کا پہلا نکاح حضرت فاطمۃ الزہراؓ بنت رسول اللہ صلعم سے ہوا تھا۔ جن کے بطن سے تین لڑکے حسنؓ حسینؓ اور محسنؓ اور دو لڑکیاں زینبؓ اور ام کلثومؓ پیدا ہوئی تھیں۔ جناب محسنؓ کا

انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا حضرت اُم کلثوم کا نکاح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تھا دیگر ازواج سے بھی آپ کی متعدد اولادیں تھیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہدِ حکومت پر ایک نظر

حضرت علی کرم اللہ وجہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے شجاع۔ بہت بڑے عالم اور نہایت ہی بلند پایہ بزرگ تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو کامیاب بنانے میں آپ کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ آپ حضرت عثمان غنی کے بھی سب سے بڑے مشیر تھے چنانچہ آپ ان کو ہمیشہ صحیح مشورے دیتے رہتے تھے۔ اور ان کی کوتاہیوں پر برابر ٹوکتے رہتے تھے۔ مورخوں کی رائے ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کو خلیفہ منتخب کر لیا جاتا تو حکومتِ اسلامیہ کو شائد ان دشواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑتا جو امیر معاویہ کی شطرنجی چالوں کی وجہ سے بعد میں پیش آئیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ کے دورِ حکومت پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو آپ کا پورا کا پورا دورِ حکومت خانہ جنگیوں اور اندرونی جھگڑوں سے لبریز دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ آپ جس وقت مسندِ خلافت پر بیٹھے ہیں اُس وقت بھی مدینہ میں خانہ جنگی برپا تھی اور آپ کی جس وقت آنکھ بند ہوئی ہے اُس وقت بھی مملکتِ اسلامیہ خانہ جنگی میں مبتلا تھی۔

حضرت علی ع کے دورِ خلافت کو ناکام بنانے کے لئے جیسی جیسی عیارانہ چالیں چلی گئی ہیں ان پر ہم بڑی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈال چکے ہیں حقیقت یہ ہے کہ کسی غیر نے نہیں بلکہ اپنوں نے جیسے جیسے بے پناہ حملے حضرت علی ع پر کئے ہیں اگر حضرت علی ع جیسے پختہ کار انسان کی بجائے کوئی دوسرا ہوتا تو خلافتِ اسلامیہ کبھی کی پاش پاش ہو چکی ہوتی۔ یہ حضرت علی ع ہی کی ہمت اور غیر معمولی جرأت تھی کہ ایک طرف تو آپ کی

تلوار اندرونی دشمنوں کا مقابلہ کرتی رہی اور دوسری جانب آپ کی غیر معمولی دھاگ کی بنا پر آپکے دور میں کسی بیرونی دشمن کو اندرونی جھگڑوں کے باوجود آنکھ ملانے کا حوصلہ نہ ہو سکا۔ ہمارے نزدیک حضرت علی ؑ کے دورِ حکومت کا یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے جسے کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت علی ؑ کی شمشیر خارا شگاف کے لیے سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ اسے مجبورًا ان لوگوں کے خلاف میان سے باہر آنا پڑا جن سے لڑنے کیلئے حضرت علی ؑ آخر وقت تک آمادہ نہ تھے۔ لیکن جب یہ میان سے نکل آئی تو کس کی طاقت تھی جو اس کے مقابلہ پر ٹھہر سکتا چنانچہ جنگِ صفین میں جو کچھ ہوا وہ بالکل عیاں ہے حضرت علی ؑ کی شمشیر خارا شگاف سے پناہ مانگنے کے لئے نیزوں پر قرآن بلند کئے گئے اور قدم قدم پر عیارانہ چالیں چلی گئیں۔

حضرت علی ؑ چونکہ ایک سچے ایماندار اور نیک بزرگ تھے اس لئے یقینی طور پر ان کے لئے عامیانہ مکاریوں کا مقابلہ کرنا ناممکن تھا۔ چنانچہ حضرت علی ؑ پر حضرت علی ؑ کے دشمنوں کو جتنی بھی کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں۔ ان میں بہادری اور شجاعت کی بجائے عیاری اور مکاری کا اول سے لیکر آخر تک ہاتھ ہے حضرت علی ؑ کے ساتھ صرف ان کے دشمنوں ہی نے دھوکہ نہیں کیا بلکہ ان کے ساتھی کوفیوں نے بھی قدم قدم پر انہیں فریب دیا ہے لیکن ان سب باتوں کے باوجود حضرت علی ؑ نے جس ہمت، جرأت اور دلیری کے ساتھ اپنے دشمنوں اور دوستوں کا مقابلہ کیا ہے اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں ناپید ہے۔

حضرت علی ؑ کی ہمت، جرأت اور استقلال کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اگرچہ آپ کو اندرونی خلفشار کی وجہ سے ایک دن بھی چین نصیب نہیں ہوا لیکن پھر بھی آپ نے نظامِ حکومت میں بعض ایسی اصلاحات کی ہیں جو ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ آپ نے اسلامی فوج کے لئے جابجا قلعے تعمیر کرائے صیغہ مال میں اصلاحات کر کے خلافت

اسلامیہ کی آمدنی کو بہت زیادہ بڑھا دیا۔ محکمہ قضا کی اصلاح کے بعد عوام کے لئے انصاف حاصل کرنے میں سہولتیں پیدا کیں۔ گراں فروشی سے لوگوں کو بچانے کے لئے نئے نئے قوانین نافذ کئے۔ اسی طرح دوسری بے شمار اصلاحات کیں۔

حضرت علیؓ کے فضائل اور متفرق واقعات

ذیل میں ہم حضرت علی کرم اللہ وجہ کی زندگی سے متعلق چند واقعات درج کرتے ہیں جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کا کردار کس قدر بلند تھا۔ اور آپ کا عہدِ حکومت کس طرح عوام کے لئے ایک نعمت تھا۔

سادگی اور غریبی سے محبت: حضرت علی کرم اللہ وجہ کو غریبی سے بے حد محبت تھی۔ آپ کی زندگی نہایت سادہ اور غریبوں جیسی تھی معمولی سے گھر کے علاوہ ساری عمر کوئی عمارت نہیں بنوائی۔ حضرت فاطمۃ الزہرا اپنے ساتھ جو مختصر سا جہیز لائی تھیں۔ اس میں ساری عمر کوئی اضافہ نہ ہو سکا۔ آپکے اسباب میں ایک مینڈھے کی کھال تھی جو بستر کا کام دیتی تھی۔ اوڑھنے کے لئے ایک مختصر سی چادر تھی جو اتنی چھوٹی تھی کہ اگر سر چھپاتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں چھپاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ کوئی ملازم نہ تھا۔ گھر کا سارا کام کاج حضرت فاطمہؓ خود اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں گڑھے پڑ گئے تھے۔ کئی کئی دن تک گھر میں چولھا نہ جلتا تھا۔ اور فاقوں پر فاقے ہوا کرتے تھے

سردی میں ایک چادر پر گذارہ: حضرت علیؓ سخت سے سخت تکلیفیں اٹھاتے تھے مگر بیت المال پر اپنا بار ہرگز نہیں ڈالتے تھے۔ ایک مرتبہ بہت سخت سردی پڑ رہی تھی۔ اور آپ ایک معمولی سی پرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ بدن کانپ رہا تھا۔ ایک شخص نے عرض کیا "امیر المومنین بیت المال پر آپ کا اور آپکے اہل و عیال کا بھی حق ہے پھر آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں"۔ فرمایا "میں عام مسلمانوں کے حقوق کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

بیت المال کے مالک صرف مسلمان ہیں:۔ ایک مرتبہ عمرو بن سلمہ اصفہان کا خراج لائے اس میں شہد اور چربی بھی تھی۔ حضرت علیؑ کی صاحبزادی اُمّ کلثوم نے یہ چیزیں مانگ بھیجیں۔ عمرو بن سلمہ نے ایک پیپا شہد اور ایک پیپا چربی بھجوا دی۔ دوسرے دن حضرت علیؑ نے شمار کیا تو دو پیپے کم تھے۔ عمرو بن سلمہ سے سختی کے ساتھ جواب طلب کیا گیا۔ تو انھوں نے بتا دیا۔ آپ نے اسی وقت دونوں پیپے اُٹھوا کر منگوا لئے اور ان میں سے جو کچھ خرچ ہو چکا تھا اس کا اندازہ لگا کر اس کی قیمت ادا کر دی اور فرمایا کہ بیت المال پر صرف عام مسلمانوں کا حق ہے۔ خلیفہ اور خلیفہ کی اولاد کا کوئی حق نہیں ہے۔

حضرت علیؑ کے خلاف قاضی کا فیصلہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دورِ حکومت میں عدل و انصاف کا یہ عالم تھا کہ عدالتیں بادشاہ اور فقیر میں کوئی امتیاز نہیں کرتی تھیں۔ ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؑ کی زرہ گم ہو گئی۔ کچھ مدت کے بعد آپ نے اس زرہ کو ایک نصرانی کے پاس دیکھا تو پہچان لیا۔ خلیفۂ وقت ہونے کے باوجود آپ کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ آپ نصرانی سے براہِ راست اپنی چیز طلب کر سکتے اور یہ پوچھ سکتے کہ یہ تیرے پاس کہاں سے آئی۔ چنانچہ زرہ حاصل کرنے کے لئے آپ کو قاضی کی عدالت میں باقاعدہ دعویٰ دائر کرنا پڑا۔ جب معاملہ عدالت میں گیا تو حضرت علیؑ کو بھی عام اہلِ معاملہ کی طرح عدالت میں جانا پڑا۔ نصرانی نے عدالت میں بیان دیا کہ یہ زرہ میری ہے۔ قاضی نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ "آپ کہتے ہیں کہ یہ زرہ آپ کی ہے۔ کیا آپ کے پاس اس کا کوئی ثبوت ہے" آپ نے فرمایا "نہیں"۔ قاضی نے حضرت علیؑ کا دعویٰ خارج کر کے نصرانی کے حق میں فیصلہ دیدیا۔ اس فیصلہ کا نصرانی پر اتنا اچھا اثر پڑا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ "یہ تو نبیوں جیسا انصاف ہے کہ امیر المومنین کے خلاف ان ہی کی حکومت کا قاضی فیصلہ دیدیتا ہے"۔

للّٰہیت کی بے نظیر مثال:۔ رسولِ مقبول صلعم کے زمانۂ حیات میں حضرت علیؑ

کسی جنگ میں شامل تھے۔ ایک کافر آپ کے مقابلہ پر آیا۔ آپ اسے گرا کر سینہ پر چڑھ بیٹھے لیکن جب اُس کے قتل کا ارادہ کیا تو کافر نے آپ کے منہ پر تھوک دیا۔ اُس کے تھوکتے ہی آپ اُس کے سینہ پر سے ہٹ گئے اور اسے چھوڑ دیا۔ کافر نے کہا کہ "اے علی میرے تھوکنے سے تو تم کو اور زیادہ غصہ آنا چاہیے تھا مگر تم نے تو اس ناشائستہ حرکت کے بعد مجھے بالکل چھوڑ دیا یہ کیا بات ہے۔" آپ نے فرمایا "جب تک تُو نے تھوکا نہیں تھا۔ اُس وقت تک تیرے ساتھ میری دشمنی صرف خدا کے لئے تھی لیکن تیرے تھوکنے کے بعد میرے نفس کو جوش اور غصہ آ گیا۔ اور یہ معاملہ خدا کا نہیں رہا بلکہ میرا ذاتی بن گیا۔ اگر میں ایسی حالت میں تجھے قتل کر دیتا تو یہ میرا ذاتی انتقام بن جاتا اور للہیت سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوتا اس لیے میں نے تجھے چھوڑ دیا۔" کافر پر اس بات کا ایسا اثر ہوا کہ وہ فوراً مسلمان ہو گیا۔

فنِ نحو کے مُوجد اور بے نظیر ادیب:- اگرچہ اُس زمانہ میں پڑھنے لکھنے کا زیادہ رواج نہیں تھا لیکن حضرت علیؓ کا شمار اچھے شاعروں اور ادیبوں میں ہوتا ہے آپ رسول اللہ صلعم کے فرامین لکھا کرتے تھے۔ حدیبیہ کا مشہور صلح نامہ آپ ہی نے لکھا تھا آپ کے خطوط اور تحریریں عربی ادب و انشا کا نہایت ہی دلکش نمونہ ہیں۔ آپ شاعری کا نہایت ستھرا اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے۔ فنِ نحو کی بنیاد آپ ہی نے رکھی تھی۔ سب سے اوّل صحابیوں میں سے آپ نے ابوالاسود دوئلی کو چند اصول تلقین فرمائے تھے پھر انھوں نے حضرت علیؓ کے بتائے ہوئے اصول کی روشنی میں نحو کے چند ضروری قواعد مرتب کئے آپ کو مذہبی علوم اور اُس عہد کے تمام مروجہ فنون میں بھی کمال حاصل تھا۔

حضرت امام حسنؑ کا عہد حکومت

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے آخری وقت میں جب دریافت کیا گیا کہ "کیا آپکے بعد ہم امام حسنؑ کے ہاتھ پر بیعت کریں"۔ تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ "میں تم کو نہ اس سے روکتا ہوں اور نہ حکم دیتا ہوں تم جو مناسب سمجھنا کرنا"۔ لوگوں نے اس کو حضرت امام حسنؑ کی خلافت کے بارے میں اجازت سمجھ کر اُن کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حضرت علیؓ کے بعد مملکتِ اسلامیہ میں آپ سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا۔ آپ میں جملہ اوصاف و کمالات موجود تھے آپ خلفائے راشدین میں آخری خلیفہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔

حضرت امام حسنؑ کی ابتدائی زندگی

حضرت امام حسنؑ ابن علیؑ رسولِ مقبول صلعم کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے بطن سے رمضان ۳ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ نام کسی کا نہ تھا۔ خود رسول اللہ صلعم نے یہ نام تجویز فرمایا تھا۔ حضرت فاطمہؓ کے علاوہ کیونکہ رسولِ مقبول صلعم کی تمام اولادیں آپ کی زندگی ہی میں فوت ہوگئی تھیں۔ اس لئے آپ حضرت فاطمہؓ سے بیحد محبت کرتے تھے اور انکی اولاد اپنی ہی اولاد سمجھتے تھے چنانچہ رسولِ اکرم صلعم کو حضرت امام حسن علیہ السلام سے بے اندازہ محبت تھی۔ حضرت امام حسنؑ شکل و صورت میں رسولِ مقبول صلعم سے بہت مشابہ تھے۔ آپ نے بچپن میں رسولِ مقبول صلعم کی زیر نگرانی پرورش پائی تھی۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "ایک روز رسول اللہ صلعم ممبر پر رونق افروز تھے اور آپ کے پہلو میں حضرت حسنؑ بیٹھے ہوئے تھے۔ کبھی آپ لوگوں کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی حضرت حسنؑ کی طرف اور فرماتے جاتے تھے کہ یہ

"یہ میرا بیٹا سردار ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مسلمانوں کے دو گروہوں میں اس کے ذریعہ سے صلح کرائیگا"

ترمذی نے اسامہ بن زید سے روایت کی ہے کہ میں نے دیکھا کہ نبی صلعم حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو گود میں لئے ہوئے فرما رہے تھے کہ "الٰہی یہ دونوں میرے بیٹے اور نواسے ہیں۔ میں انھیں محبوب رکھتا ہوں تو بھی انھیں محبوب رکھیو۔ اور نیز ان سے جو محبت رکھے اس سے تو بھی محبت رکھیو"۔

حضرت امام حسنؓ نہایت حلیم صاحب وقار صاحب حشمت اور نہایت سخی تھے۔ خونریزی سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ آپنے پا پیادہ پچیس حج کئے ہیں حالانکہ سواری کے بہترین اونٹ آپ کے ساتھ ہوتے تھے۔ عمیر بن اسحاق کہتے ہیں کہ صرف حضرت حسنؓ ہی ایک ایسے جادو بیان شخص تھے کہ جب بات کرتے تھے تو یہ جی چاہتا تھا کہ آپ باتیں کئے جائیں آپ کی زبان سے میں نے کبھی کوئی فحش کلمہ نہیں سُنا"

فن سپہ گری میں بھی آپ کا درجہ نہایت بلند تھا حضرت عثمان غنی کی مدافعت میں آپنے بڑی پامردی کا ثبوت دیا تھا یہاں تک کہ آپ زخمی ہو گئے تھے۔ جنگ جمل اور جنگ صفین میں آپ حضرت علی ؑ کے ساتھ تھے اور باپ کے دوش بدوش بڑی بہادری سے لڑے تھے۔

حضرت علی ؑ کی شہادت کے بعد جب مسلمانوں نے آپ کو مسند خلافت پر بٹھایا تو حضرت امام حسنؓ بیعت کے وقت بیعت کرنے والوں سے یہ عہد لیتے جاتے تھے۔

"میرے کہنے پر عمل کرنا جس سے میں جنگ کروں تم بھی جنگ کرنا اور جس سے میں صلح کر دوں تم بھی اس سے صلح کر لینا"

حضرت امام حسنؓ کے اس عہد لینے پر آپ کے خلاف کوفیوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں اور یہ کہا جانے لگا کہ امام حسنؓ کا ارادہ جنگ کا نہیں ہے بلکہ وہ امیر معاویہ سے صلح کرنے کے خواہشمند ہیں۔

امیر معاویہ کی فوج کشی

حضرت علی کرم اللہ وجہ کی شہادت کے بعد امیر معاویہ کے لئے میدان صاف ہو گیا تھا انھوں نے خلفائے اسلام کی طرح امیر المومنین کا خطاب اختیار کر لیا تھا اور لوگوں سے اپنی خلافت کے لئے دوبارہ بیعت حاصل کر لی تھی۔ اس کے علاوہ امیر معاویہ نے یہ سمجھتے ہوئے کہ حضرت علیؑ کے جانشین کو زیر کرنے کا یہی بہترین موقعہ ہے۔ تجدید خلافت کے فوراً ہی بعد ساٹھ ہزار کا لشکر لیکر کوفہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ اور حضرت امام حسنؑ کے پاس یہ پیغام بھیجا۔

"صلح ہر حال میں جنگ سے بہتر ہے۔ مناسب یہی ہے کہ آپ مجھے خلیفۂ وقت تسلیم کر کے میرے ہاتھ پر بیعت کر لیں"

حضرت امام حسنؑ اگرچہ شروع ہی سے جنگ کے حق میں نہیں تھے۔ اور جنگ کے مقابلہ میں صلح کو ہر حال میں بہتر خیال کرتے تھے لیکن آپ کو جب یہ معلوم ہوا کہ امیر معاویہ نے ناجائز دباؤ ڈالنے کے لئے فوج کشی شروع کر دی ہے تو آپ کو سخت ناگواری پیدا ہوئی۔ چنانچہ آپ چالیس ہزار کا لشکر لیکر فوراً کوفہ سے امیر معاویہ کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ حضرت امام حسنؑ منزلیں طے کرتے ہوئے جب مدائن کے قریب ساباط کے مقام پر پہنچے تو آپ نے قیس بن سعد کو بارہ ہزار کی فوج کے ساتھ بطور مقدمۃ الجیش آگے روانہ کر دیا اور ایک دن کے لئے خود وہیں قیام فرمایا تاکہ لشکر کو آرام مل جائے اور لشکر تازہ دم ہو کر آگے بڑھے۔ اس مختصر سے قیام کے دوران میں آپ کے آدمیوں کی جانب سے کچھ ایسی حرکتیں سرزد ہوئیں جن سے کہ یہ پتہ چلتا تھا کہ آپ کے ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد جنگ سے پہلو تہی کر رہی ہے۔ آپ اپنے ساتھیوں کی اس کمزوری سے بے حد آزردہ خاطر ہوئے اور آپ نے ان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

"لوگو میں کسی مسلمان کی جانب سے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا اور تم سب

کو اسی نظر سے دیکھتا ہوں جس نظر سے کہ میں اپنی ذات کو دیکھتا ہوں۔
میں تمہارے اندر اتحاد اور یکجہتی کی کمی محسوس کر رہا ہوں جس اتحاد اور
یکجہتی کو تم ناپسند کرتے ہو یقین جانو وہ اس تفرقہ سے ہزار درجہ افضل
و بہتر ہے جو تمہیں پسند ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر لوگ جنگ
سے پہلو تہی کر رہے ہیں اور کمزوری دکھلا رہے ہیں۔ اس لئے میں تم لوگوں
کو تمہاری مرضی کے خلاف مجبور نہیں کرنا چاہتا"

آپ کی یہ تقریر اُن خارجیوں اور منافقین کی دُکھتی ہوئی رگ کے لئے ایک نشتر تھی جنہوں نے
کہ یہ طے کر رکھا تھا کہ عین جنگ کے وقت غداری کا ثبوت دیں گے۔ یہ کچھ نہیں کہا جا سکتا
کہ یہ سب کچھ امیر معاویہ کے اشارہ پر ہو رہا تھا یا خارجی اور منافق اپنی فطری خباثت کی
بنا پر ایسا کر رہے تھے لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ ایک بڑے فتنہ کے لئے بالکل آمادہ اور تیار
تھے جس سے کہ قبل از وقت حضرت امام حسنؑ آگاہ ہو گئے تھے۔ اور اسی لئے انھوں نے
اس تقریر کے ذریعہ فتنہ پردازوں کو کھلی آزادی دیدی تھی کہ اگر وہ اس جنگ میں شامل
نہیں ہونا چاہتے تو خوشی سے واپس چلے جائیں کیونکہ حضرت امام حسنؑ کسی کو انکی مرضی کے
خلاف جنگ کے لئے ہرگز مجبور نہیں کرنا چاہتے تھے۔

خارجیوں اور منافقوں کی فتنہ پردازی

خارجیوں اور منافقوں کی سازشوں کا بھانڈا پھوٹ چکا تھا۔ یہ سچی بات ان فتنہ پردازوں کے لئے زہر سے بھی زیادہ کڑوی ثابت ہوئی یہ مشتعل
ہو کر آپے سے باہر ہو گئے۔ اور انھوں نے بالکل اسی طرح حضرت امام حسنؑ پر بھی کفر کا فتویٰ
لگا دیا جس طرح کہ اس سے قبل یہ مردود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کافر قرار دے چکے تھے (نعوذ باللہ) چنانچہ
کفر کے اس فتوے نے سارے لشکر میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ کفر بازوں اور حضرت
امام حسنؑ کے حامیوں میں مار دھاڑ شروع ہو گئی۔ صرف یہی نہیں ہوا بلکہ کفر باز خارجی

حضرت امام حسنؑ کے خیمہ میں گھس آئے اور از راہ گستاخی انھوں نے ہر طرف سے آپ کا لباس پکڑ پکڑ کر کھینچنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آپ کا سارا لباس پارہ پارہ ہوگیا۔ آپ کے کاندھے پر سے چادر تک کھینچ لی اور خیمہ کی ہر چیز لوٹ لی۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت امام حسنؑ اپنے گھوڑے پر سوار ہوگئے۔ حضرت امام حسنؑ کے حامیوں نے دوڑ کر فوراً انھیں اپنے نرغے میں لے لیا۔ اور گھر باز خارجیوں کو مار مار کر ہٹا دیا۔ آپ نوشا ساباط سے مدائن کے لئے روانہ ہوگئے۔

حضرت امام حسنؑ جب ساباط سے مدائن جا رہے تھے تو ایک خارجی نے جو راستہ میں چھپا بیٹھا تھا لیک کر آپ پر قاتلانہ حملہ کر دیا جس سے کہ آپ کی ایک ران زخمی ہوگئی۔ خارجی کو فوراً قتل کر دیا گیا اور حضرت امام حسنؑ کو اٹھا کر مدائن کے قصر ابیض میں لے آئے۔ زخم کے بھرنے تک آپ وہیں رہے۔

ساباط میں لشکر کی ہنگامہ آرائی سے اگرچہ امام حسنؑ دل برداشتہ ہوگئے تھے لیکن آپنے پھر بھی امیر معاویہ سے مقابلہ کے لئے نئے سرے سے جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ چنانچہ امیر معاویہ کے لشکر سے آپ کے لشکر کی کئی جھڑپیں بھی ہوئیں لیکن ان جھڑپوں کے دوران میں آپ کو یہ اندازہ ہوگیا کہ آپ کی فوجوں میں امیر معاویہ کا مخفی اثر برابر کام کر رہا ہے۔ کیونکہ جب بھی امیر معاویہ کی فوج سے مقابلہ کا موقعہ آیا تو حضرت امام حسنؑ کی فوج نے ہمیشہ ہی غداری کا ثبوت دیا۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت امام حسنؑ جنگ کا خیال ترک کرکے اور میدان جنگ سے ہٹ کر مدائن واپس آگئے۔

مصالحت اور خلافت سے دستبرداری

حضرت امام حسنؑ ابھی اپنے لشکر کے مدائن ہی میں تھے کہ آپ کو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عامر کی سرکردگی میں امیر معاویہ کی ایک فوج مدائن کے قریب پہنچ چکی ہے۔ یہ اطلاع پاتے ہی حضرت امام حسنؑ بھی اپنے تمام لشکر کو لیکر مدائن

سے باہر مقابلہ کے لئے آ گئے۔ عبداللہ بن عامر نے حضرت امام حسنؓ کے لشکر کو جب اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا تو وہ اپنے لشکر سے علحدہ ہو کر دوڑتے ہوئے حضرت امام حسنؑ کے لشکر کے قریب آئے اور انھوں نے حضرت امام حسنؓ کے لشکریوں سے کہا کہ "میں لڑنے کے لئے نہیں آیا ہوں بلکہ میرا قصد صلح کرانا ہے حضرت امام حسنؑ کی خدمت میں میرا سلام پہنچاؤ اور عرض کرو کہ عبداللہ آپ کو خدا کا واسطہ دیکر کہتا ہے کہ لڑائی سے ہاتھ روکو تاکہ مسلمان ہلاکت سے بچ جائیں"۔

حضرت امام حسنؑ جو اپنے ساتھیوں کی غداری سے پہلے ہی دل برداشتہ ہو چکے تھے جب انھوں نے یہ بات سنی تو وہ صلح کے ارادہ سے مدائن واپس چلے آئے اور عبداللہ بن عامر کے پاس پیغام بھیجا کہ "میں مسلمانوں کو خانہ جنگی سے بچانے کے لئے امیرِ معاویہ کے ساتھ صلح کرنے اور خلافت سے دستبردار ہونے کے لئے آمادہ ہوں۔ بشرطیکہ امیرِ معاویہ میری چند شرطیں منظور کرلیں۔ ان شرطوں میں سے سب سے مقدم شرط یہ ہے کہ امیرِ معاویہ کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ پر عامل رہنے کا وعدہ کریں۔ پرانی مخالفتوں کو فراموش کر کے کسی کی جان و مال سے تعرض نہ کریں۔ اور ہمارے تمام طرفداروں کو جان کی امان دینے کا وعدہ کریں"۔

عبداللہ بن عامر حضرت امام حسنؓ کا یہ پیغام لیکر فوراً امیرِ معاویہ کے پاس دوڑے ہوئے گئے۔ امیرِ معاویہ ان دنوں اپنے لشکر کے ہمراہ انبار میں خیمہ زن تھے عبداللہ بن عامر نے انبار پہنچ کر امیرِ معاویہ کو جب صلح کی خوشخبری سنائی تو وہ بے حد خوش ہوئے صلح کی شرائط سننے کے بعد امیرِ معاویہ نے کہا کہ "مجھ کو یہ تمام شرطیں منظور ہیں اور ان کے علاوہ بھی جو شرائط حضرت امام حسنؑ پیش کریں میں انھیں بھی منظور کرنے کے لئے تیار ہوں کیونکہ ان کی نیت نیک معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ دل سے مسلمانوں میں صلح اور آشتی کے خواہاں نظر آتے ہیں"۔ یہ کہہ کر امیرِ معاویہ نے ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر لگا کر اور دستخط کر کے عبداللہ

بن عامر کو دیدیا اور کہا کہ یہ کاغذ حضرت امام حسنؓ کے پاس لیجاؤ اور اُن سے کہو کہ جو جو شرطیں آپ چاہیں اس کاغذ پر تحریر فرمادیں ہم سب کو پورا کرنے کے لئے آمادہ اور تیار ہوں۔

حضرت امام حسینؓ اور عبداللہ بن جعفر اس صلح کے شدید مخالف تھے۔ ان کو جب معلوم ہوا کہ امام حسنؓ اور امیر معاویہ میں صلح ہو رہی ہے تو یہ حضرات حضرت امام حسنؓ کے پاس آئے اور اس بات پر انتہائی زور دیا کہ حضرت امام حسنؓ صلح نہ کریں۔ لیکن حضرت امام حسنؓ جو اپنے ساتھی کوفیوں کی کمزوریوں اور غداریوں سے بخوبی واقف ہو چکے تھے۔ انھوں نے یہی مناسب سمجھا کہ امیر معاویہ سے صلح کر کے مسلمانوں کی خانہ جنگی کو فوراً ختم کر دیں تاکہ خارجیوں اور سبائیوں کی شرارتوں کی بدولت مسلمانوں کا مزید خون نہ بہنے پائے۔ غرضکہ صلحنامہ مرتب ہو گیا جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

امیر معاویہ کو خلافت سپرد کی جاتی ہے۔ معاویہ کے بعد مسلمان جسے چاہیں گے خلیفہ بنائیں گے۔ معاویہ کے ہاتھ اور زبان سے سب اہلِ اسلام محفوظ و مامون رہیں گے اور معاویہ سب کے ساتھ نیک سلوک کریں گے حضرت علیؓ کے متعلقین اور طرفداروں سے امیر معاویہ کوئی تعرض نہیں کریں گے۔ صوبہ اہواز کا خراج حسنؓ بن علیؓ کو امیر معاویہ برابر پہنچاتے رہیں گے۔ کوفہ کے خزانہ میں اس وقت جتنا روپیہ ہے وہ سب امام حسنؓ بن علیؓ کی ملکیت سمجھا جائیگا

اس عہد نامہ پر حضرت امام حسنؓ کے دستخطوں کے علاوہ اور بھی بہت سے مقتدر حضرات کے دستخط بطور گواہ اور ضامن کے ہوئے۔ جب یہ صلحنامہ مرتب ہو کر امیر معاویہ کے پاس پہنچا تو وہ بے حد محظوظ ہوئے۔ اور فوراً کوفہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ یہاں آ کر انھوں نے حضرت امام حسنؓ اور کوفہ کے باشندوں سے بیعت لی لیکن حضرت امام حسینؓ نے بیعت سے انکار کر دیا امیر معاویہ نے بھی اصرار نہیں کیا لیکن بعد میں انھوں نے بھی بیعت کر لی تھی جب کوفے والے امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تو حضرت امام حسنؓ نے عمرو بن عاص کے کہنے پر

مجمعِ عام میں جو تقریر فرمائی تھی اُس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"میں مسلمانوں میں فتنہ کو بہت بُرا سمجھتا ہوں محض اس لئے کہ میرے جدِّ امجد کی اُمت سے فتنہ اور فساد دُور ہو جائے اور مسلمانوں کی جان و مال محفوظ رہے۔ میں نے امیر معاویہ کے ساتھ صلح کر لی ہے۔ اگر امارت و خلافت اُن کا حق تھا تو اُن کو پہنچ گیا۔ اور اگر یہ میرا حق تھا تو میں نے انھیں بخش دیا۔"

حضرت امام حسن ؑ تقریر کے بعد جب منبر سے اُترے تو امیر معاویہ نے ان سے کہا کہ ابو محمد آپ نے آج اس قسم کی جواں مردی اور بہادری دکھائی ہے کہ ایسی جواں مردی اور بہادری آج تک کوئی بھی نہیں دکھا سکا تھا" یہ صلح ۴۱ھ (۶۶۱ء) میں حضرت علی ؑ کی شہادت کے چھ ماہ بعد عمل میں آئی تھی اور اس صلح کے ہونے پر رسول اللہ صلعم کی یہ پیشین گوئی پوری ہو گئی کہ "میرا بیٹا سردار ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا" اس صلح کے بعد امیر معاویہ جُوں ہی کوفہ سے نکلے تو خارجیوں نے حسبِ عادت پھر حضرت امام حسن ؑ کے خلاف فتنہ برپا کرنا چاہا۔ لیکن آپ نے کچھ تو تدبّر سے کام لیکر اور کچھ ڈرا دھمکا کر اس فتنہ کو فوراً ہی دبا دیا۔

حضرت امام حسن ؑ کی اس مصالحت سے نتائجِ ملک و ملّت کے لئے نہایت ہی مفید ثابت ہوئے۔ دس سال سے مسلمانوں میں جو خانہ جنگی برپا تھی وہ ختم ہو گئی۔ تمام مملکتِ اسلامیہ میں امن و امان قائم ہو گیا۔ اور امن و امان کے زمانہ کی خوشحالی دکھائی دینے لگی۔ مسلمانوں کی وہ طاقت جو خانہ جنگی میں برباد ہو رہی تھی۔ مخالفین کے مقابلہ پر صرف ہونے لگی۔ اندرونی اصلاحات اور ترقیوں کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس صلح کے بعد حضرت امام حسن ؑ کو بڑی بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ اس صلح کے بعد جو لوگ ان کے دوست بنے ہوئے تھے وہ بھی دشمن ہو گئے۔ آپ کو مذل المؤمنین یعنی مسلمانوں کو رسوا کرنے والے کا خطاب دیا گیا (نعوذ باللہ منہا)

آوازے کسے گئے لیکن آپ انتہائی صبر و ضبط کے ساتھ ان تمام گستاخیوں کو برداشت کرتے تھے۔

حضرت امام حسنؑ کی شہادت

خلافت سے دستبردار ہونے کے بعد صرف چند روز حضرت امام حسنؓ کوفہ میں رہے خارجیوں اور کوفیوں کی فتنہ پردازیوں اور گستاخیوں نے آپ کو کوفہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا چنانچہ آپ کوفہ سے ترک وطن کر کے معہ متعلقین مدینہ چلے گئے۔ اور اپنی باقی تمام زندگی نانا کے قدموں میں رہ کر گذار دی۔ آپ جب تک زندہ رہے امیر معاویہ برابر خزانۂ شاہی سے آپ کو معقول وظیفہ دیتے رہے اور آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔

آپ کی وفات کے بارے میں عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو آپ کی بیوی جعدہ بنت الاشعث نے یزید ابن معاویہ کی سازش سے زہر دیدیا تھا۔ زہر نہایت ہی خطرناک تھا۔ اس لئے زہر کھاتے کے ساتھ ہی آپ کی حالت بگڑنے لگی حضرت امام حسینؑ نے جب آپ سے زہر دینے والے کا نام پوچھا تو فرمایا کہ "نام پوچھ کر کیا کرو گے۔ اگر میرا گمان صحیح ہے تو خدا بہتر بدلہ لینے والا ہے۔ اور اگر غلط ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی بے گناہ مارا جائے۔"

وفات سے قبل آپ نے حضرت امام حسینؑ کو نصیحت کی کہ "محمد رسول اللہ صلعم کے بعد جب خلافت حضرت علیؓ تک پہنچی تو تلواریں میان سے نکل آئیں اور یہ معاملہ طے نہ ہو سکا یہاں تک کہ مجھے خلافت سے دستبردار ہونا پڑا۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ خلافت اور نبوت دونوں چیزیں ہمارے خاندان میں جمع نہیں رہ سکتیں۔ مجھ کو اندیشہ ہے کہ کوفہ کے فریبی کار تم کو خلافت کے لئے اُبھاریں گے اور فریب دیں گے ان سے ہوشیار رہنا۔" اس کے بعد حضرت امام حسنؓ کی حالت بگڑتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ آپ زہر کے اثر سے ۵۰ھ (۶۷۰ء) میں شہید ہو گئے۔ آپ کی وفات پر ساری مملکت اسلامیہ میں صف ماتم بچھ گئی۔ مدینہ کے بازار بند ہو گئے اور شہر میں سناٹا چھا گیا۔ جنازہ کے ساتھ اس قدر ہجوم تھا کہ اس سے قبل مدینہ میں کبھی نہیں

دیکھا گیا۔ آپ کی تمنا یہ بھی کہ آپ کو اپنے نانا کے قدموں میں دفن کیا جائے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے اس کی بخوشی اجازت دیدی تھی لیکن مروان بن الحکم حاکم مدینہ نے آپ کو وہاں دفن نہیں ہونے دیا۔ آخر آپ اپنی والدۂ محترمہ حضرت فاطمۃ الزہرا کے پہلو میں دفن ہوئے۔

آپ نے بکثرت شادیاں کی تھیں۔ عام روایتوں کے مطابق تو آپ کی شادیوں کی تعداد مُبالغہ آمیز حد تک پہنچ گئی ہے یعنی یہ کہا جاتا ہے کہ آپ نے نوّے نکاح کئے تھے۔ مگر تاریخی کتب کے مُطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سراسر مبالغہ ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ آپ نے بہت سی عورتوں سے شادیاں کی تھیں جن سے آپ کے آٹھ لڑکے تھے۔

حضرت امام حسنؑ کا مسلمانوں پر احسان عظیم

حضرت امام حسن ع کی خلافت کی مدت اگرچہ صرف چھ ماہ ہے لیکن ان چند مہینوں میں آپ نے انتہائی ایثار اور قربانی سے کام لیکر اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے جس کے لئے مسلمان تا قیامت حضرت امام حسن ع کے شکر گذار رہیں گے۔ حضرت امام حسن ع نے مملکت اسلامیہ کے اُس قصر کو جو مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کی وجہ سے متزلزل ہو چکا تھا اور منہدم ہونے کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اپنی خلافت کی قربانی دیکر نئے سرے سے مستحکم کر دیا۔

حضرت امام حسن ع بہادر تھے۔ لائق سپہ سالار تھے۔ خزانہ میں روپیہ تھا۔ کوفی فوج اگر غدار تھی تو جو ہوا کرے۔ رسول اللہ کی اولاد ہونے کی وجہ سے لاکھوں عرب آپ کے اشارہ پر جانیں قربان کرنے کے لئے آمادہ تھے یہاں تک کہ شامی بھی آپ کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ایسی حالت میں آپ جو چاہتے کر سکتے تھے لیکن اس استطاعت اور طاقت کے باوجود آپ نے محض اس لئے تاج و تخت کو ٹھکرا دیا تاکہ اُن کے نانا کی اُمت میں افتشار نہ پیدا ہونے پائے اور اخوت اسلام اور حرمت اسلام کی خاطر ان تمام خاندانی مخالفتوں کو بُھلا دیا جو صدیوں سے بنی ہاشم اور بنی اُمیّہ میں چلی آرہی تھیں۔ کیا دُنیا اس سے بڑھ کر

ایثار اور قربانی کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے۔

یہ حقیقت ہے اور اس حقیقت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر حضرت امام حسنؑ نے بھی اُسی طرح خانہ جنگی کو جاری رکھا ہوتا جس طرح کہ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے واقعہ کے بعد سے جاری تھی تو دُنیا میں اُس مملکتِ اسلامیہ کا نشان تک نہ ملتا جس کی بُنیاد رسول اللہ صلعم نے خود اپنے دستِ مُبارک سے رکھی تھی۔ یہ حضرت امام حسنؑ ہی کی ذات تھی کہ انھوں نے اپنا جائز حق اور اپنی حکومت کی قربانی دیکر عرب اور عجم کے مسلمانوں کی ان تلواروں کو پھر میان میں ڈال دیا جو سالہا سال سے مسلمانوں کے خون سے رنگین ہو رہی تھیں۔ اگر حضرت امام حسنؑ نے یہ ایثار نہ کیا ہوتا تو وہ وقت قریب آگیا تھا جبکہ عرب اور عجم کے مسلمان آپس میں لڑکر اس طرح فنا ہو جاتے کہ آج دُنیا میں شائد ایک بھی اسلام کا نام لیوا نہ دکھائی دیتا۔

مسلمانانِ عالم آپ کے اس احسان کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے کہ آپ نے خود تو تاج شاہی کو ٹھوکر مار کر فقیری لی لیکن مسلمانانِ عالم کے سروں پر بادشاہی کا تاج رکھ دیا۔ اور مسلمان رفتہ رفتہ ساری دُنیا کے بادشاہ بن گئے۔ یہ آپ ہی کے ایثار کا نتیجہ تھا کہ قسطنطنیہ پر اسلام کا جھنڈا لہرایا۔ اسپین اور پرتگال میں اللہ اکبر کی صدائیں گونجیں۔ چین میں نعرۂ حق بلند ہوا۔ ہندوستان میں اسلام پھولا پھلا۔ ترکستان میں توحید کے نغمے گونجنے لگے۔ یہاں تک کہ دُنیا کا کوئی حصّہ ایسا باقی نہ رہا جہاں مسلمان فاتح کی حیثیت سے نہ پہنچ گئے ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت دُنیا میں جتنی بھی اسلامی حکومتیں دکھائی دے رہی ہیں وہ سب کی سب حضرت امام حسنؑ کے ایثار اور قربانی کی یاد کو تازہ کر رہی ہیں۔



ساتواں باب

شاہانِ بنی امیہ

کا دورِ حکومت

۴۱ھ تا ۱۳۲ھ
۶۶۱ء تا ۷۵۰ء



بنی اُمیّہ کی حکومت کے بانی امیرِ معاویہ

امیرِ معاویہ بن سفیان شاہانِ بنی اُمیّہ کی حکومت کے بانی اور اس خاندان کے پہلے حکمران تھے۔ حضرت امام حسن صاحب سنہ ۴۱ھ (۶۶۱ء) میں مسندِ خلافت سے دستبردار ہوئے تو امیرِ معاویہ پوری مملکتِ اسلامیہ کے خلیفہ بن گئے۔ امیر معاویہ کے پردادا اُمیّہ بن شمس رسول اللہ صلعم کے دادا عبد المطلب کے چچازاد بھائی تھے ان ہی اُمیّہ بن شمس کے نام سے خاندانِ بنی اُمیّہ مشہور ہوا امیرِ معاویہ بن سفیان کا شجرۂ نسب پانچویں پشت پر جاکر رسول اللہ صلعم کے شجرۂ نسب سے مِل جاتا ہے۔

بنی ہاشم یعنی رسول اللہ صلعم کا خاندان اور بنی اُمیّہ یعنی امیر معاویہ کا خاندان دونوں ہی قبیلۂ قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ ان خاندانوں کو زمانۂ دراز سے ملکِ عرب میں بہت بڑی عظمت اور بزرگی حاصل تھی۔ بنی ہاشم کو تو اس لئے معزز اور محترم خیال کیا جاتا تھا کیونکہ یہ خاندان خانۂ کعبہ کا متولی تھا اور اسے تمام ملکِ عرب میں دینی رہنما تسلیم کیا جاتا تھا۔ اور بنی اُمیّہ کو دولتمندی اور سپہ گری کی بنا پر عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہ کے دادا حرب بن اُمیّہ اپنے زمانہ کے مشہور سپہ سالار ہوئے ہیں۔ اسی طرح امیرِ معاویہ کے باپ ابوسفیان بھی بہت بڑے سپہ سالار تھے ظہورِ اسلام کے بعد کفارِ مکہ کی رسول اللہ صلعم سے جتنی بھی لڑائیاں ہوئی ہیں تقریباً ان تمام لڑائیوں میں کفارِ مکہ کی فوجوں کے سپہ سالار امیرِ معاویہ کے باپ ابوسفیان ہی تھے۔ ابوسفیان اسلام قبول کرنے سے قبل مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن تھے۔

فتح مکہ کے موقعہ پر جبکہ رسول اللہ صلعم کا لشکر مکہ کے مضافات میں خیمہ زن تھا تو ابوسفیان جو لشکرِ اسلام کے راز معلوم کرنے کے لئے جاسوسی کے فرائض انجام دے رہے تھے ان کو گرفتار کرلیا گیا تھا۔ گرفتاری کے بعد جب ان کو رسول اللہ صلعم کی خدمت میں

پیش کیا گیا تو شخص یہ چاہتا تھا کہ انھیں قتل کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضؓ نے تو ان کی گردن اڑانے کے لئے میان سے تلوار بھی نکال لی تھی لیکن رسول اللہ صلعم کے چچا حضرت عباسؓ کی سفارش پر ان کی جان بخشی ہو گئی اور رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ "میں ان سے کوئی انتقام نہیں لینا چاہتا انھیں چھوڑ دو"۔ رسول اللہ صلعم کے اس فیاضانہ سلوک سے متاثر ہو کر ابوسفیان نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا تھا جب مکہ فتح ہو گیا تو اس کے بعد بنی امیہ کا پورا کا پورا خاندان مسلمان ہو گیا۔ فتح مکہ کے وقت رسول اللہ صلعم نے ابوسفیان کی عزت بڑھانے کے لئے اُن کے گھر کو بیت الامن قرار دیدیا تھا یعنی ان کے گھر میں جس نے بھی پناہ لیلی اُسے امان دیدی گئی۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلعم نے امیر معاویہ بن سفیان کو کاتب وحی ہونے کی بھی عزت بخشی تھی۔ نیز اس خاندان کے ایک فرد عتاب بن اسید کو حضورؐ نے مکہ کا عامل بھی مقرر کر دیا تھا۔ غرضکہ یہ پورا کا پورا خاندان اگرچہ فتح مکہ سے قبل رسول اللہ صلعم کے خاندان اور مسلمانوں کا جانی دشمن تھا لیکن جب اس خاندان نے اسلام قبول کر لیا تو رسول اللہ صلعم نے تمام پرانی مخالفتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس خاندان کو خوب نوازا۔

امیر معاویہ کے عروج کی ابتدا

رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے بھی اس خاندان کی عزت افزائی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی چنانچہ شام پر فوج کشی کے موقعہ پر امیر معاویہ کے بڑے بھائی یزید بن سفیان کو حضرت ابوبکر رضؓ نے اسلامی لشکر کے ایک حصہ کا سردار بنا دیا تھا حضرت عمر فاروق رضؓ کے عہد حکومت میں جب دمشق فتح ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے امیر معاویہ کے بڑے بھائی یزید بن سفیان کو دمشق کے عامل کا عہدہ عطا کر دیا تھا۔ اور جب یزید طاعون میں فوت ہو گئے۔ تو ان کی جگہ امیر معاویہ دمشق کے عامل مقرر ہوئے۔ اسی زمانہ سے امیر معاویہ کے عروج کی ابتدا ہوئی۔ حضرت عثمان غنی رضؓ جو خاندان بنی امیہ سے تعلق رکھتے تھے جب خلیفہ ہوئے تو

انھوں نے امیرِ معاویہ کو پورے ملکِ شام کا گورنر بنا دیا۔ امیرِ معاویہ نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر دولت اور بے شمار فوج جمع کر لی۔ اپنی طاقت کو خوب بڑھایا۔ سمندری بیڑا سب سے پہلے امیرِ معاویہ ہی نے تیار کیا تھا۔ چنانچہ اسی سمندری بیڑے کے ذریعہ انھوں نے حضرت عثمان غنی رض کے عہدِ حکومت میں جزیرہ قبرص اور جزیرہ روڈس فتح کیا تھا۔

حضرت عثمان غنی رض کی شہادت کے بعد چونکہ امیرِ معاویہ خود خلیفہ بننے کے خواہشمند تھے۔ اس لئے انھوں نے خونِ عثمان کے قصاص کے نام پر حضرت علی ع کے خلاف بہت بڑا طوفان برپا کر دیا یہاں تک کہ صفین کی تاریخی جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں شکست سے بچنے کے لئے امیرِ معاویہ نے پہلے تو نیزوں پر قرآنِ مجید بلند کر کے صلح کر لی اس کے بعد ثالثی کا ڈھونگ رچا کر عمرو بن عاص کے ذریعہ اپنی خلافت کا اعلان کرا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شامیوں نے امیرِ معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور مصر کی فتح کے بعد امیرِ معاویہ مصر میں بھی خلیفہ تسلیم کئے جانے لگے۔ پھر جب حضرت علی ع شہید کر دیئے گئے اور حضرت امام حسن ع خلیفہ ہوئے تو وہ مسلمانوں کو خانہ جنگیوں سے بچانے کے لئے حقِ خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ اور امیرِ معاویہ کو انھوں نے خلافت منتقل کر دی جس کے بعد امیرِ معاویہ پوری مملکتِ اسلامیہ کے واحد حکمراں بن گئے۔

امیرِ معاویہ اور ان کے جانشین اگرچہ خلیفہ کہلائے لیکن جہاں تک کہ خلافت کا تعلق ہے وہ خلفائے راشدین یعنی حضرت ابو بکر رض حضرت عمر رض حضرت عثمان رض حضرت علی ع اور حضرت امام حسن ع پر ختم ہو گئی۔ اور خلافت کی جگہ شخصی حکومت نے لے لی۔ امیرِ معاویہ مسلمانوں میں پہلے حکمراں ہیں جنھوں نے خلافت اور جمہوریت کی بجائے شہنشاہیت کا سلسلہ جاری کیا اور اُس جمہوری نظامِ حکومت کو بدل کر رکھ دیا جو رسول اللہ صلعم اور خلفائے راشدین کے عہدِ حکومت میں قائم تھا۔ امیرِ معاویہ کی جاری کردہ شہنشاہیت کی بدعت بعد میں اسلامی حکومتوں میں عام ہو گئی۔

رسول اللہ صلعم کے دورِ حکومت سے لیکر حضرت علی ع کے ابتدائی دورِ حکومت تک

مدینہ مملکتِ اسلامیہ کا دار السلطنت تھا۔ اس کے بعد حضرت علی ؑ نے فوجی اور سیاسی مصلحتوں کے پیشِ نظر کوفہ کو دار السلطنت قرار دیا۔ لیکن جب امیر معاویہ پوری مملکتِ اسلامیہ کے حکمراں بن گئے تو دمشق مملکتِ اسلامیہ کا دار السلطنت بن گیا۔

امیر معاویہ کو عراق اور ایران کی فکر

ساری مملکتِ اسلامیہ اگرچہ امیر معاویہ کے زیرِ نگیں آ چکی تھی۔ لیکن پھر بھی امیر معاویہ عراق اور ایران کی جانب سے مطمئن نہیں تھے۔ کیونکہ یہاں حضرت علی ؑ کے ماننے والوں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ امیر معاویہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ گو انھوں نے طاقت کے بل پر ان علاقوں پر قبضہ جما لیا ہے لیکن وہ یہاں کے باشندوں کے دلوں کو کسی طرح بھی تسخیر نہیں کر سکتے۔

محبانِ علی ؑ کے علاوہ ان علاقوں میں خارجیوں اور موقعہ پسندوں کا بھی بہت زور تھا۔ یہ حضرت علی ؑ اور امیر معاویہ دونوں ہی کے مخالف تھے۔ انھوں نے نہ تو حضرت علی ؑ کو چین سے بیٹھنے دیا اور نہ یہ امیر معاویہ کی حکومت ہی کو پسند کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے حضرت امام حسن ؑ کے خلافت سے دستبردار ہوتے ہی بعض علاقوں میں شورشیں برپا کرنی شروع کر دی تھیں۔ امیر معاویہ نے ان علاقوں پر پوری طرح تسلط قائم کرنے کے لئے ایران اور عراق کے تمام پرانے عمال کو بدل ڈالا۔ اور ایسے عمال کو مقرر کیا جو ایک طرف محبانِ علی ؑ کو زیر کر سکیں اور دوسری جانب خارجیوں کے فتنہ کو حسن و خوبی کے ساتھ دبا سکیں۔

امیر معاویہ نے ایران اور عراق میں اپنے حق میں پروپگنڈا کرنے کے لئے بھی ایک باقاعدہ مہم جاری کر دی تھی۔ چنانچہ امیر معاویہ کے مقرر کردہ عمال برسرِ منبر امیر معاویہ کے تو اوصاف بیان کرتے تھے اور حضرت علی ؑ کی مذمت کیا کرتے تھے جس سے کہ ان علاقوں میں نئے نئے فتنے کھڑے ہو گئے تھے۔

امیر معاویہ کا ناجائز بھائی زیاد

خلافت علیؓ اور خارجیوں کے زور کو توڑنے کے لیے امیر معاویہ نے سب سے پہلے مغیرہ بن شعبہ سے کام لیا۔ یہ اپنے زمانہ کے ایک لائق مدبر اور سپہ سالار تھے۔ امیر معاویہ نے انھیں کوفہ کا گورنر بنا دیا تھا۔ مغیرہ ابن شعبہ اور ان کے ماتحت افسروں نے اکثر شورشوں کو دبا دیا لیکن مغیرہ چونکہ نرمی پسند تھے اس لئے یہ شورشیں دبنے کے بعد بار بار پھر اُٹھ کھڑی ہوتی تھیں۔ امیر معاویہ نے یہ رنگ دیکھا تو مغیرہ بن شعبہ کے ساتھ زیاد بن ابیہ کو بھی ان شورشوں کے دبانے کے لئے شامل کر دیا جو بعد کو کوفہ اور بصرہ کا گورنر بن گیا۔

زیاد بن ابیہ کی شخصیت اسلامی تاریخ میں نہایت ہی دلچسپ ہے۔ اسے امیر معاویہ کے باپ ابوسفیان کی ناجائز اولاد کہا جاتا ہے۔ مورخوں کا بیان ہے کہ جب رسولِ مقبول صلعم نے مکہ سے ہجرت کی تو ابوسفیان آنحضرت کے تعاقب میں روانہ ہوئے لیکن حضور کی تلاش و جستجو میں ناکام ہونے کے بعد واپس ہوتے ہوئے طائف میں ٹھہر گئے۔ یہاں انھوں نے شراب پیکر سمیہ نامی ایک یونانی لونڈی سے مباشرت کی جس سے کہ وہ حاملہ ہو گئی۔ جب اس لونڈی کے بطن سے زیاد پیدا ہوا تو ابوسفیان نے اسے بیٹا تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا اس لئے اس کا نام زیاد بن ابیہ یعنی زیاد اپنے باپ کا بیٹا پڑ گیا۔

زیاد جوان ہونے کے بعد بڑا مدبر اور ہوشمند ثابت ہوا۔ لیکن اسے ابوسفیان اور اُن کے سارے خاندان سے قدرتی طور پر دلی نفرت تھی۔ کیونکہ ابوسفیان نے زیاد کی ولدیت سے انکار کر کے اسے ساری دُنیا کی نظروں میں ذلیل و خوار کر دیا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہ سے محض بغض رکھنے کی بنا پر زیاد حضرت علیؓ کے ہوا خواہوں میں شامل ہو گیا تھا۔ حضرت علی نے اسے فارس کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔ حضرت امام حسنؓ کے قطع خلافت کے بعد بھی یہ بدستور اس عہدہ پر قائم رہا مگر اس نے امیر معاویہ کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکانی شروع کر دی۔ امیر معاویہ کو چونکہ زیاد بن ابیہ کی طرف سے بے حد اندیشہ تھا اس لئے انھوں نے

یہ طے کیا کہ جس طرح بھی ہو اپنے اس ناجائز بھائی کو ہموار کر لیا جائے۔ چنانچہ مغیرہ بن شعبہ اس مقصد کے لئے روانہ کئے گئے۔ مغیرہ بن شعبہ کے چونکہ زیاد پر بہت سے احسانات تھے اس لئے مغیرہ کے زور دینے پر زیاد نے امیرِ معاویہ کی اطاعت قبول کر لی۔ جب مغیرہ اسے اپنے ساتھ لیکر دمشق آئے تو امیرِ معاویہ نے اس کے ساتھ بھائیوں جیسا برتاؤ کیا اور سیاسی اغراض کے پیشِ نظر زیاد کو اپنے باپ کا جائز بیٹا اور اپنا سوتیلا بھائی تسلیم کر لیا۔ حالانکہ زیاد کی اصلیت وہی تھی جو اس سے قبل بیان کی گئی ہے۔

زیاد بصرہ اور کوفہ کا گورنر

زیاد کے لئے یہ بہت بڑی بات تھی کہ امیرِ معاویہ نے اسے اپنا جائز بھائی تسلیم کر کے اُس کی گذشتہ رُوسیاہی کو دھو دیا تھا۔ اس احسان کے بدلہ میں زیاد امیرِ معاویہ کا سچا جاں نثار بن گیا۔ اور اس نے اور اس کی اولاد نے امیرِ معاویہ کی جاں نثاری میں محبانِ علیؑ اور اہلبیتؑ پر ایسے ایسے مظالم کئے ہیں جن کو پڑھ کلیجہ کانپ جاتا ہے۔

امیرِ معاویہ نے زیاد کو اپنا جائز بھائی تسلیم کرنے کے فوراً ہی بعد اسے بصرہ کا گورنر بنا دیا تھا۔ بصرہ میں قدم رکھتے کے ساتھ ہی زیاد نے اُن تمام بغاوتوں اور شورشوں کو دبا دیا جو اس علاقہ میں امیرِ معاویہ کے خلاف بڑی تیزی سے بڑھ رہی تھیں۔ زیاد مملکتِ اسلامیہ کا پہلا شخص ہے جس نے کہ شہری آبادی پر مارشل لا جاری کیا۔ چنانچہ اس نے بصرہ میں مارشل لا جاری کر کے فوج کو حکم دیدیا تھا کہ سورج چھپنے کے بعد جو آدمی بھی بصرہ کے کوچہ و بازار میں دکھائی دے اسے تہہ تیغ کر دیا جائے۔ اس حکم کے بعد ایک ایک دن میں سیکڑوں بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔

کوفہ کے گورنر مغیرہ ابن شعبہ جب ۵۰ھ میں رحلت کر گئے تو امیرِ معاویہ نے بصرہ کے علاوہ کوفہ کی گورنری بھی زیاد ہی کے سپرد کر دی تھی۔ اس نے کوفہ میں بھی اسی طرح ظلم و ستم کیا۔ کوفہ کے مشہور صحابی حجر بن عدی اور اُن کے تمام ساتھی جو عاشقانِ علیؑ میں سے تھے۔

اسی زیاد کے اشارہ پر قتل کیے گئے تھے مختصر یہ ہے کہ زیاد نے اپنے ظلم وستم اور جبر سے عراق و ایران کی تمام شورشوں کو دبا دیا۔

باغی علاقوں کو دوبارہ زیر کر لیا

گزشتہ چند سال سے مسلمانوں میں جو خانہ جنگی برپا تھی اس کی بنا پر خلافت اسلامیہ کی گرفت کیونکہ اپنے مفتوحہ ممالک میں کمزور پڑ گئی تھی اس لیے جا بجا بغاوتیں کھڑی ہو گئی تھیں امیر معاویہ نے برسر اقتدار آنے کے بعد لشکر کشی کر کے تقریباً تمام باغی علاقوں کو زیر کر لیا۔

بلخ۔ ہرات اور بوشنج کے باشندوں نے ۴۱ھ میں بغاوت برپا کر دی تھی۔ فوراً ان کے مقابلہ کے لیے لشکر روانہ کیا گیا جس نے کہ بلخ کے آتشکدہ کو مسمار کر کے باغیوں کو قابو میں کر لیا۔

کابل جو مملکتِ اسلامیہ میں شامل ہو چکا تھا وہاں بھی ۴۳ھ میں سخت بغاوت برپا ہو گئی چونکہ اس علاقہ کے باشندے بے حد سرکش تھے اس لیے ایک بہت بڑا لشکر ان کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا گیا جس نے کہ کابل فتح کر لیا۔ بست پر قبضہ جما لیا۔ اور طخارستان کو فتح کرتا ہوا یہ لشکر غزنیں جا پہنچا۔ سخت مقابلہ کے بعد غزنیں بھی فتح ہو گیا۔ اس کے بعد ۴۷ھ میں جب علاقہ غور میں بغاوت برپا ہوئی تو وہاں بھی فوج کشی کر کے امن و امان قائم کر دیا گیا۔

یزید کی سرکردگی میں قسطنطنیہ پر ناکام حملہ

ملک کی اندرونی شورشوں اور بغاوتوں سے امیر معاویہ کو جب ذرا اطمینان ہوا تو وہ بیرونی فتوحات کی جانب متوجہ ہوئے چنانچہ انھوں نے ۴۲ھ (۶۶۲ء) میں ملک روم کے دار السلطنت قسطنطنیہ پر ایک بہت بڑے سمندری لشکر کے ذریعہ حملہ کر دیا۔ امیر معاویہ نے یہ لشکر اپنے بیٹے یزید کی سرکردگی میں اس لیے روانہ کیا تھا تاکہ اس سمندری مہم میں اگر یزید کو کامیابی حاصل ہو جائے تو مملکتِ اسلامیہ

میں یزید کو بھی ایک لائق سپہ سالار سمجھا جانے لگے۔

یزید ایک عیش پسند اور نالائق نوجوان تھا۔ اُسے فن سپہ گری سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ اس مہم میں نہ تو وہ خود کوئی کارنامہ انجام دے سکا اور نہ اس نے دوسرے لائق سپہ سالاروں ہی کو کچھ کرنے دیا۔ چنانچہ اُس کی نا اہلیت کی بنا پر اُن تمام اسلامی سپہ سالاروں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جو اس سے قبل بڑے بڑے جنگی کارنامے انجام دے چکے تھے۔

اس معرکہ میں اسلامی لشکر کو جو بڑی سے بڑی کامیابی حاصل ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ اسلامی لشکر نے دردانیال میں داخل ہو کر قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا تھا مگر رومی عیسائیوں نے پھر بھی مسلمانوں کو قسطنطنیہ کے قریب تک نہ پھٹکنے دیا اس جنگ میں رومیوں نے پہلی مرتبہ آگ لگانے والے تیل کا استعمال کیا تھا۔ جو بارود کی طرح آگ پکڑ جاتا تھا۔ اس آتش گیر تیل سے ہزاروں مسلمان جل کر ہلاک ہو گئے۔ مشہور صحابی حضرت ابو ایوب انصاری اسی جنگ میں شہید ہو کر قسطنطنیہ کے زیر دیوار دفن ہوئے۔ یہ وہی ابو ایوب انصاری تھے جن کے مکان میں رسول اللہ صلعم ہجرت کے بعد مدینہ میں اُترے تھے اور مہمان رہے تھے۔ ان کا مزار اب بھی قسطنطنیہ میں موجود ہے۔ اس حملہ کے آٹھ سو برس بعد ترکان عثمانی نے انکی قبر پر شاندار مقبرہ اور اس سے متصل ایک نہایت ہی خوشنما مسجد تعمیر کرا دی تھی۔ ترک بادشاہوں کی رسم تاج پوشی اسی تاریخی مسجد میں ادا کی جاتی تھی۔

قسطنطنیہ کی یہ جنگ مسلسل چھ سال تک جاری رہی۔ اس چھ سال میں بے اندازہ روپیہ برباد ہوا اور ہزاروں مسلمانوں کی جانیں ضائع ہوئیں لیکن اس کے باوجود شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس معرکہ میں شکست کھانے کے بعد جب یزید اور اس کا لشکر ۴۸ ہجری (۶۶۸ء) میں کشتیوں کے ذریعہ فرار ہوا تو رومی عیسائیوں نے ان کا تعاقب کیا۔ اس تعاقب میں رہی سہی اسلامی فوج بھی برباد ہو گئی۔ رومیوں کے حوصلے چونکہ بے حد بڑھے ہوئے تھے

اس لئے انھوں نے شام کی جانب بھی پیش قدمی شروع کر دی۔ امیر معاویہ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ ان کی طاقت گھٹ چکی ہے اور رومیوں سے مقابلہ دشوار ہے۔ قیصرِ روم قسطنطین سے تیس برس کے لئے اس شرط پر صلح کر لی تھی کہ وہ ہر سال قیصرِ روم کو تین ہزار اشرفیاں پچاس غلام اور پچاس گھوڑے دیا کریں گے۔ خلافتِ اسلامیہ کے قائم ہونے سے لیکر اس وقت تک یہ پہلی فتح تھی جو رومی عیسائی یزید کی نالائقی کی بنا پر مسلمانوں پر حاصل کر سکے تھے۔ اور مسلمانوں کو خراج کی ادائیگی کی ذلت اٹھانی پڑی تھی۔

شمالی افریقہ پر دوبارہ حملہ

شمالی افریقہ پر مسلمانوں نے سب سے پہلا حملہ سنہ ۲۶ھ (۶۴۷ء) میں حضرت عثمان غنی رضؓ کے دورِ حکومت میں کیا تھا۔ اس حملہ میں مصر کے گورنر عبداللہ بن سعد نے شمالی افریقہ کو فتح کر لیا تھا لیکن فوج کی کمی کی وجہ سے جب انھوں نے دیکھا کہ اس ملک پر مستقل قبضہ دشوار ہے تو محض جزیہ کی شرط پر افریقہ کے بڑے بڑے قبائل سے صلح کر لی تھی۔ اس کے بعد خلافتِ اسلامیہ میں کچھ ایسی خانہ جنگی برپا ہوئی کہ مسلمان افریقہ کی جانب توجہ ہی نہ کر سکے اور اس بے توجہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ شمالی افریقہ کے تمام علاقے ایک ایک کر کے خودمختار ہو گئے۔

امیر معاویہ جب برسرِ اقتدار آئے تو انھوں نے سنہ ۴۱ھ میں عقبہ بن نافع کو دس ہزار کا لشکر دیکر افریقہ کی دوبارہ تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ عقبہ بن نافع کے علاوہ چند دوسرے فوجی افسر بھی تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد افریقہ کے لئے روانہ ہوتے رہے۔

عقبہ بن نافع جب مصر ہوتے ہوئے افریقہ کی فتح کے لئے روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ مصر کی فوج بھی شامل ہو گئی۔ عقبہ اور دوسرے اسلامی سپہ سالاروں نے افریقہ میں داخل ہونے کے بعد نہ صرف پرانے مفتوحہ علاقوں کو واپس لے لیا بلکہ انھوں نے نئے نئے علاقے بھی فتح کرنے شروع کر دئے۔ چنانچہ عقبہ نے طرابلس کے کنارے کنارے بڑھ کر شہر سارین فتح کر لیا اور بالائی سوڈان کا بھی ایک بڑا حصہ زیر کر لیا۔ اس کے بعد اسلامی فوجیں

ٹیونس کی جانب بڑھیں اور اہم فتوحات حاصل کرنے کے بعد شہر قیروان کی بنیاد رکھی۔ پھر رفتہ رفتہ الجزیا اور مراکش کے پورے علاقے پر قبضہ جمالیا۔

عقبہ چاہتے تھے کہ شمالی افریقہ کے باقی حصے بھی فتح کرلیں کہ اچانک رومی عیسائیوں اور بربریوں نے ان کو چاروں طرف سے گھیرلیا۔ عقبہ نے ہر چند کوشش کی کہ اس محاصرہ سے نکل جائیں مگر وہ مارے گئے۔

اُن کے مارے جانے کے بعد ایک تازہ دم لشکر افریقہ پہنچ گیا جس میں عبداللہ ابن عمر، ابن زیاد اور عبدالملک بن مروان جیسے مقتدر حضرات شامل تھے۔ معاویہ بن خدیج پہلے ہی سے موجود تھے۔ اس تازہ دم لشکر نے جیلولا فتح کرلیا اور باغیوں کی اچھی طرح سے سرکوبی کی۔ مختصر یہ کہ اس جنگ میں ۵۰ھ تک افریقہ کا بیشتر علاقہ مملکت اسلامیہ کا جزو بن گیا۔ افریقہ کی یہ جنگ عین اسی زمانہ میں لڑی گئی تھی جس زمانہ کے مسلمان یزید کی سرکردگی میں قسطنطنیہ میں برسرِپیکار تھے۔

سندھ، ترکستان اور روڈس کی فتوحات

سندھ کا ہندو راجہ چونکہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ایرانیوں کی پشت پناہی کرتا رہا تھا اس لئے خلافت راشدہ ہی کے زمانہ میں مسلمانوں کو ایران کے ساتھ ہی سندھ پر بھی یورش کرنی پڑی تھی۔ اور سندھ کے بعض علاقوں کو مسلمانوں نے فتح بھی کرلیا تھا۔ امیرِ معاویہ کے عہدِ حکومت میں مسلمان دوبارہ ۴۴ھ میں سندھ کی جانب متوجہ ہوئے چنانچہ مسلمانوں نے کابل اور درّہ خیبر سے گذر کر سندھ کے علاقہ پر حملہ کردیا۔ اور قلات کے علاقہ تک بڑھتے چلے گئے۔ اسی معرکہ کے دوران میں مسلمانوں نے مکران پر بھی یورش کی تھی۔ مکران کا علاقہ خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں زیر ہو چکا تھا۔ لیکن اب یہ باغی ہو گیا تھا اس لئے مسلمانوں کو امیرِ معاویہ کے دَورِ حکومت میں دوبارہ اسے فتح کرنا پڑا۔

ترکستان کے زیریں علاقہ کے بعض شہروں پر مسلمان خلافتِ راشدہ ہی کے

زمانہ میں قبضہ کر چکے تھے لیکن امیرِ معاویہ کے عہدِ حکومت میں ۵۵ھ میں ترکستان میں جدید فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ چنانچہ مسلمانوں نے پہلے بخارا فتح کیا۔ اس کے بعد سمرقند کی جانب بڑھے یہاں کے باشندوں نے سخت جنگ کے بعد خراج کے وعدہ پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔

امیرِ معاویہ حضرت عثمان غنی رض کے عہدِ خلافت ہی میں جزیرہ قبرص فتح کر چکے تھے اپنے دَورِ حکومت میں وہ دوسرے جزیروں کی جانب متوجہ ہوئے اور انھوں نے جزیرہ روڈس کو جو اناطولیہ کے جنوب میں تھا فتح کرلیا۔ یہ جزیرہ میووں کی پیداوار کے لئے مشہور تھا۔ امیرِ معاویہ کے دَورِ حکومت میں جزیرہ کریٹ پر بھی حملہ ہوا تھا مگر وہ فتح نہیں ہو سکا تھا۔

یزید کی ولیعہدی کا اعلان

حضرت امام حسن ؑ نے امیرِ معاویہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوتے وقت جو صلح نامہ مُرتب کیا تھا اس صلح نامہ کی ایک اہم ترین شرط یہ تھی کہ امیرِ معاویہ کسی کو جانشین نامزد نہیں کریں گے بلکہ معاویہ کے بعد مسلمان جسے چاہیں گے خلیفہ منتخب کرلیں گے لیکن اب جبکہ امیرِ معاویہ مملکتِ اسلامیہ کے مختارِ مطلق بنے ہوئے تھے ان کو اس صلح نامہ کی شرائط کی کیا پرواہ تھی چنانچہ انھوں نے اپنے بیٹے یزید کی ولیعہدی کی بیعت کے لئے کوششیں شروع کر دیں۔

یزید چونکہ عیاش۔ شرابی۔ زانی اور ناکارہ نوجوان تھا اس لئے اس کی ولیعہدی کی مخالفت دوستوں اور دشمنوں سب ہی نے کی لیکن امیرِ معاویہ چونکہ اس کی ولیعہدی کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اس لئے انھوں نے ڈرا دھمکا کر اور دے دلا کر مصر شام و عراق کے باشندوں سے تو کسی نہ کسی طرح یزید کی ولیعہدی کی بیعت حاصل کر ہی لی۔ لیکن حجاز جسے سب سے بڑی مذہبی حیثیت حاصل تھی۔ وہاں کے لوگ کسی طرح بھی یزید کی بیعت کے

لئے آمادہ نہ ہوئے۔

آخر اہلِ حجاز کو ہموار کرنے کے لئے امیرِ معاویہ کو خود مکہ اور مدینہ کا سفر کرنا پڑا۔ یہاں پانچ ایسے متقدر حضرات تھے جن کا سارے حجاز پر اثر تھا۔ یہ پانچ بزرگ یہ تھے حضرت امام حسین ؑ۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔ حضرت عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن زبیر۔ امیرِ معاویہ نے لالچ کے ذریعہ ڈرا دھمکا کر غرضکہ ہر طرح اس بات کی انتہائی کوشش کی کہ یہ پانچوں حضرات راضی ہو جائیں۔ لیکن سب ہی نے یزید کی ولیعہدی کی بیعت سے انکار کر دیا۔ آخر امیرِ معاویہ کو حسبِ عادت کوئی چال چلنی پڑی۔ چنانچہ انھوں نے ان حضرات سے ملاقات کے بعد باہر نکلتے ہی یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ ان پانچوں حضرات نے یزید کی ولیعہدی پر بیعت کر لی ہے اس کے بعد باشندگانِ مدینہ سے کہا کہ "آپ بھی بیعت کر لیجئے"۔ باشندگانِ مدینہ امیرِ معاویہ کے فریب میں آگئے اور انھوں نے بیعت کر لی۔ امیرِ معاویہ کے جانے کے بعد جب لوگوں کو اصل واقعہ کا علم ہوا تو وہ بے حد برہم ہوئے لیکن رفتہ رفتہ یہ معاملہ دب گیا اور یزید کی ولیعہدی کا باقاعدہ اعلان ہو گیا۔

امیرِ معاویہ کی وفات

امیرِ معاویہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ کثرت کار نے ان کی صحت کو بالکل ناکارہ کر دیا تھا۔ آخر ۶۰ھ ہجری (۶۸۰ء) میں وہ ایسے بیمار ہوئے کہ ان کے جانبر ہونے کی کوئی اُمید باقی نہیں رہی۔

امیرِ معاویہ نہایت ہی ہوشمند حکمران تھے۔ انھوں نے مرنے سے قبل ہی یزید کی ولیعہدی کی بیعت لے کر اُس کے لئے راستہ صاف کر دیا تھا۔ مرنے سے قبل انھوں نے یزید کو جو وصیت کی تھی وہ اگر اس پر عمل کرتا تو شائد یزید اپنے زمانہ کا بہترین حکمراں ثابت ہوتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یزید ایک سرے ہی سے حکمرانی کے قابل نہ تھا اور اس کا انتخاب ہی غلط تھا۔ امیرِ معاویہ نے جو طول طویل وصیت کی تھی اس کا آخری حصہ یہ ہے:-

میں چار دشمنوں سے ہوشیار رہنا۔ اول حسینؓ جو راستباز اور حق شناس ہیں۔ کوئی تعجب نہیں کہ اہلِ عراق ان کو تمہارے مقابلہ میں لاکر کھڑا کر دیں۔ دوسرے عبداللہ بن عمر جو عابد و عالم ہیں۔ ان سے کوئی خطر نہیں۔ تیسرے عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔ یہ دماغی اعتبار سے کمزور ہیں دوسروں کی تقلید کریں گے۔ چوتھے عبداللہ بن زبیر جو لومڑی کی طرح چالاک اور شیر کی طرح بہادر ہیں۔ ان سے ہمیشہ چوکنے رہنا۔ یہ لوگ جب تمہارے قابو میں آجائیں تو ان کے ساتھ اچھا سلوک کر کے دوست بنا لینا۔"

اس کے بعد آپ نے اپنی تجہیز و تکفین کے سلسلہ میں وصیت کی کہ "رسول اللہ صلعم نے مجھ کو ایک کرتہ مرحمت فرمایا تھا۔ اس کرتے میں مجھے کفنانا۔ آپ کے موئے مبارک اور ناخن میرے پاس محفوظ ہیں۔ ان کو آنکھ اور منھ میں رکھ دینا۔ شائد ان کے طفیل میں مجھ گنہگار کی مغفرت ہو جائے"۔ اس وصیت کے بعد امیرِ معاویہ کی حالت بگڑتی چلی گئی اور وہ سنہ ۶۰ھ (سنہ ۶۷۹ء) میں فوت ہو گئے۔ اور دمشق میں مدفون ہوئے۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۷۷ سال تھی۔

امیرِ معاویہ بیس برس دمشق کے حاکم اور شام کے گورنر رہے اور انیس برس انھوں نے خود مختار حکمراں کی حیثیت سے حکومت کی۔ وہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے مدبر تھے۔ ان میں وہ ساری خوبیاں موجود تھیں جو ایک حکمراں میں ہونی چاہئیں۔ مذہب کے نام پر عوام کے جذبات کو بھڑکانے میں ان کو کمال حاصل تھا۔ وہ حکومت کی خاطر ہر عیاری اور مکاری کو اختیار کر لینا کوئی گناہ نہیں سمجھتے تھے۔ وہ بڑے سیر چشم اور فیاض انسان تھے۔ انھوں نے حضرت علیؓ کے حامیوں کے دبانے میں تلوار سے کہیں زیادہ سیم و زر سے کام لیا ہے۔ تحمل اور برداشت کا مادہ بھی ان میں بہت زیادہ تھا۔

امیرِ معاویہ کی حکومت پر ایک نظر

امیرِ معاویہ کی حکومت اگرچہ خلفائے راشدین کی حکومتوں کی طرح جمہوری نہیں تھی بلکہ شخصی تھی لیکن پھر بھی اس حکومت میں ملکی ترقی اور عوام کی بہبودی کے لئے نہایت ہی قابلِ قدر کام انجام دیئے گئے۔

میدانی فوج گو حضرت عمر رضؓ اور ان کے جانشینوں کے زمانہ ہی میں خلافتِ اسلامیہ میں نہایت باقاعدہ تھی لیکن امیرِ معاویہ نے اسے اور زیادہ باقاعدہ بنادیا تھا۔ امیرِ معاویہ بحری بیڑے کے بہت شائق تھے انھوں نے حضرت عثمان غنی رضؓ ہی کے زمانہ میں مملکتِ اسلامیہ کے لئے ایک ایسا بحری بیڑہ تیار کر دیا تھا۔ جس میں پانچ سو سے زیادہ جہاز تھے لیکن اپنے دورِ حکومت میں انھوں نے بحری بیڑے کو بہت زیادہ ترقی دیدی تھی۔ آپ نے جہاز سازی کے متعدد کارخانے قائم کئے تھے جہاز سازی کا سب سے پہلا کارخانہ تو حضرت عثمان غنی رضؓ کے عہدِ حکومت ہی میں مصر میں قائم ہو چکا تھا۔ بعد کو امیرِ معاویہ نے مختلف ساحلی مقامات پر نئے نئے جہاز سازی کے کارخانے قائم کر کے اس صنعت کو یہاں تک ترقی دیدی تھی کہ اکثر یوروپین ممالک بھی مسلمانوں ہی سے جنگی جہاز خریدتے تھے۔

امیرِ معاویہ کے عہدِ حکومت میں بے شمار نئے نئے قلعے تعمیر کئے گئے۔ اور اُن تمام پُرانے قلعوں کو دُرست کیا گیا۔ جو زمانہ دراز سے ویران پڑے ہوئے تھے۔ منجنیق یعنی پتھر برسانے والی مشین کا استعمال اسلامی فوج میں سب سے پہلے امیرِ معاویہ ہی کے دور میں شروع ہوا۔ چنانچہ امیرِ معاویہ کے دورِ حکومت میں کابل کی فتح کے وقت بے شمار منجنیقوں سے پتھر برسائے گئے تھے۔

امیرِ معاویہ نے اپنے دورِ حکومت میں پولیس کا انتظام ایسا چُست کر دیا تھا کہ جرائم کا تقریبًا خاتمہ ہو گیا تھا۔ اور لوگ بے فکری کے ساتھ دروازے کھول کر

سو جاتے تھے۔ پولیس کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ صرف ایک شہر کوفہ میں چالیس ہزار پولیس تھی۔ زیاد والئی بصرہ کا دعویٰ تھا کہ اگر کوفہ سے لیکر خراسان تک رسی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا راستہ میں گر پڑا تا تھا تو پولیس کو اس کی اطلاع ہو جاتی تھی۔ سرِ راہ گری پڑی چیزیں کوئی نہیں اُٹھاتا تھا۔ مشتبہ لوگوں اور بدمعاشوں کی نگرانی کے لئے باقاعدہ سی آئی ڈی کا محکمہ موجود تھا۔

اسلامی حکومت میں ڈاک کا معقول انتظام سب سے پہلے امیرِ معاویہ ہی نے کیا۔ ان کے زمانہ میں تیز رفتار گھوڑوں کے ذریعہ ملک کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ میں ڈاک روانہ کی جاتی تھی۔ سرکاری ہرکارے ہر منزل پر گھوڑوں کو تبدیل کر لیتے تھے۔ ایسا اچھا انتظام تھا کہ سلطنت کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک دو ڈھائی دن میں ڈاک پہنچ جاتی تھی۔

رفاہِ عام کے کاموں میں بھی امیرِ معاویہ کی حکومت نے نمایاں حصہ لیا ہے۔ زراعت کو ترقی دینے کے لئے بے شمار نہریں کھدوائی گئیں۔ پرانی نہروں کو درست کرایا گیا۔ نئی سڑکیں بنوائی گئیں۔ سڑکوں پر مسافروں کے لئے سراؤں اور کنوؤں کا انتظام کیا گیا۔ نئے نئے شہر آباد ہوئے جن میں افریقہ کا شہر قیروان خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ مملکتِ اسلامیہ میں جابجا اسلامی نوآبادیاں قائم کی گئیں۔

حضرت عمر رضؓ ہی کے زمانہ سے یہ قاعدہ چلا آرہا تھا کہ تمام فوجیوں کے بچوں کی پرورش کی حکومت ذمہ دار ہوتی تھی اور ان کو حکومت کی طرف سے بڑی پابندی کے ساتھ وظیفے دئے جاتے تھے۔ امیرِ معاویہ نے بھی اس سلسلہ کو جاری رکھا لیکن اتنا فرق کر دیا کہ پہلے تو بچوں کو پیدائش کے فوراً بعد سے وظیفہ دیا جاتا تھا لیکن امیر معاویہ کے دور میں دودھ چھٹنے کے بعد وظیفہ جاری ہوتا تھا۔

غیر مسلموں کے ساتھ ہمدردانہ اور محبت کے سلوک کا جو طریقہ خلفائے راشدین

کے دورِ حکومت سے چلا آرہا تھا۔ اُسے امیرِ معاویہ نے بدستور قائم اور برقرار رکھا۔ چنانچہ کسی کی مجال نہیں تھی کہ ذمّیوں کے مال و جائداد کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔ یا ان کی عورتوں کی آبرو پر ہاتھ ڈال سکے۔ اس کے علاوہ امیرِ معاویہ کے دور میں غیر مسلموں کو بڑے بڑے عہدے بھی دیئے جانے لگے۔ چنانچہ حمص کا حاکم ابن آثال نامی ایک نصرانی تھا۔ خود امیرِ معاویہ کا پرائیویٹ سکریٹری ایک رومی عیسائی تھا جس کا نام سرجان بن منصور تھا۔

امیرِ معاویہ کے دورِ حکومت پر نظر ڈالنے کے بعد جب ہم ان کی ذات پر غور کرتے ہیں تو ان کی شخصیت بڑی عجیب و غریب دکھائی دیتی ہے۔ ایک طرف تو ان کی حالت یہ تھی کہ وہ حکومت کے معاملہ میں عیاری اور مکاری سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ دوسری طرف ان کے کردار میں بہت سی ایسی خوبیاں دکھائی دیتی ہیں جو بادشاہوں میں بہت کم نظر آتی ہیں۔

حکومت اور تاج و تخت کے حصول کے لیے انھوں نے جو عیارانہ چالیں چلی تھیں۔ ان پر وہ مرتے دم تک متاسف رہے اور کہا کرتے تھے کہ "کاش میں ایک بڑا حکمراں ہونے کی بجائے ایک معمولی انسان ہوتا" تحمل ان کے اندر بلا کا تھا۔ بادشاہ ہونے کے باوجود چھوٹے سے چھوٹے آدمی کی سخت بات گوارہ کر لیتے تھے۔ فیاضی اور دریا دلی کے معاملہ میں بھی وہ بڑے حوصلہ مند تھے۔ دوستوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ دشمنوں کے ساتھ بھی سلوک کرتے ہوئے نہیں تھکتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ کے بھائی عقیل بن ابی طالب کو چالیس ہزار کی ضرورت تھی۔ انھوں نے بھرے مجمع میں امیرِ معاویہ سے اس رقم کا مطالبہ کیا اور اسکے ساتھ ہی ان کو اور انکے باپ ابوسفیان کو جی بھر کر بُرا بھلا کہا۔ امیرِ معاویہ نے اسکے جواب میں انتہائی تحمل کا ثبوت دیتے ہوئے فوراً چالیس ہزار کی رقم انکی خدمت میں پیش کر دی حقیقت یہ ہے کہ امیرِ معاویہ بڑی خوبیوں کے آدمی تھے اگر انھوں نے حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ نہ کی ہوتی اور یزید جیسے نااہل کو اپنا جانشین نامزد نہ کیا ہوتا تو دُنیائے اسلام میں ان کا درجہ کسی طرح بھی خلفائے راشدین سے کم نہ ہوتا۔

یزید بن معاویہ

امیر معاویہ کی وفات کے بعد رجب ۶۰ھ (۶۸۰ء) میں یزید بن معاویہ جب دمشق کے تخت پر بیٹھا تو اُس کی عمر ۳۴ سال تھی۔ امیر معاویہ یزید کی خلافت کیلئے چونکہ اپنی زندگی ہی میں بیعت لے چکے تھے اس لئے اسے باپ کے بعد تخت نشین ہونے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

یزید کتوں، بندروں اور عورتوں کا شائق

یزید ایک چیچک رُو اور نہایت ہی بدشکل نوجوان تھا جس کو حکومت کے کاموں کی بجائے۔ کتوں۔ بندروں۔ عورتوں۔ شراب اور گانے سے بے حد دلچسپی تھی۔ یزید نے چونکہ امیر معاویہ کے دورِ امارت میں آنکھ کھولی تھی۔ اور ناز و نعم کے آغوش میں پرورش پائی تھی۔ اس لئے عام شہزادوں کی طرح وہ جوان ہوتے ہی عشرت پسندی کا شکار ہو گیا۔ وہ ہر وقت شراب کے نشہ میں بدمست رہتا تھا۔ شراب نوشی کی کثرت نے اسے پست حوصلہ اور بدمزاج بنا دیا تھا۔ وہ بیوقوف اور احمق نہیں تھا لیکن شراب کی زیادتی نے اُس کی عقل کو ناکارہ کر دیا تھا۔ ریشمیں کپڑوں کا اسے بے حد شوق تھا۔ شعر و شاعری سے بھی اسے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ اس کا زیادہ وقت سیر و شکار اور ناچ رنگ کی محفلوں میں بسر ہوتا تھا۔

یزید کے پست کردار سے چونکہ مملکتِ اسلامیہ کا بچہ بچہ بخوبی واقف تھا اس لئے اُس کے خلیفہ بنائے جانے پر ملک کے کونے کونے میں چہ میگوئیاں تو ضرور شروع ہو گئیں لیکن کسی صوبہ یا جماعت کو اُس کے خلاف بغاوت برپا کرنے کی ہمت اس لئے نہیں ہوئی۔ کیونکہ امیر معاویہ اپنے پیچھے جو حکومت چھوڑ گئے تھے وہ ہر قسم کی بغاوت کو کچلنے کے لئے نہایت مضبوط

تھی چنانچہ مکہ اور مدینہ کے علاوہ ساری مملکتِ اسلامیہ نے محض تلوار کے خوف سے یزید جیسے ناکارہ حکمراں کے سامنے گردن جھکا دی۔

حضرت امام حسینؓ کے لئے اطاعت کا حکم

اس سے قبل بتایا جا چکا ہے کہ امیر معاویہ کی انتہائی کوشش کے باوجود مکہ اور مدینہ کے مقتدر حضرات یعنی حضرت امام حسینؓ۔ عبداللہ بن زبیر۔ عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن عباس اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی یزید کو سب سے پہلے ان ہی حضرات کی فکر ہوئی۔ اس نے مدینہ کے حاکم ولید بن عقبہ کو لکھا کہ "اس سے پہلے کہ مدینہ میں معاویہ کی موت اور میری تخت نشینی کا کسی کو علم ہو تم حسینؓ اور عبداللہ بن زبیر سے جس طرح بھی ممکن ہو فوراً میری بیعت حاصل کر لو۔"

اس حکم کے ملتے ہی حاکم مدینہ ولید بن عقبہ نے حضرت امام حسینؓ اور عبداللہ بن زبیر کو بلا بھیجا۔ اگرچہ ابھی تک مدینہ والے امیر معاویہ کی موت سے بے خبر تھے مگر یہ دونوں حضرات سب کچھ سمجھ گئے۔ اور اپنے چند ساتھیوں کو ہمراہ لیکر ولید کے پاس جا پہنچے۔ ولید کے پاس اس وقت حضرت عثمان غنی رضؓ کا وہی میر منشی مروان بن الحکم بھی موجود تھا جس کے سازشی خط کی بنا پر حضرت عثمان رضؓ شہید ہوئے تھے حضرت امام حسینؓ کے پہنچنے پر ولید نے ان کو امیر معاویہ کی وفات سے مطلع کرنے کے بعد یزید کے حق میں بیعت کے لئے خواہش ظاہر کی تو آپ نے فرمایا کہ "مجھ جیسے لوگ چھپ کر بیعت نہیں کیا کرتے سب کو جمع کر لو اور مجمع عام میں بیعت لیلو"۔ ولید نیک فطرت اور امن پسند حاکم تھا۔ یہ معقول جواب سننے کے بعد وہ تو خاموش ہو گیا مگر جب حضرت امام حسینؓ تشریف لے جانے لگے تو مروان نے ولید سے کہا کہ "اگر اس وقت تم نے انھیں چھوڑ دیا تو پھر کبھی موقعہ ہاتھ نہیں آئیگا یا تو زبردستی ان سے بیعت لیلو یا ان کا کام تمام کر دو"۔ مروان کی یہ بات سن کر حضرت امام حسینؓ فوراً

پلٹے اور مروان سے کہا کہ "دوسروں کو بزدلانہ مشورے کیوں دیتے ہو اگر ہمت ہے تو خود ہی مقابلہ پر آجاؤ"۔ مروان گھبرا گیا اور حضرت امام حسینؑ کی خوشامدیں کرنے لگا۔ آپ واپس تشریف لے گئے اور حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے گھر آتے ہی آپ نے مع متعلقین کے مکہ جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

عبد اللہ بن زبیر بھی معاملہ کو ٹالنے کے بعد ولید سے ملاقات کر کے گھر واپس آگئے اور راتوں رات ہی مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہو گئے مگر حضرت امام حسینؑ ایک دو روز کے بعد روانہ ہوئے روانگی سے قبل نانا کا یہ پیارا نواسہ نانا کے مزارِ مبارک پر حاضر ہو کر آنسو بہاتا رہا غرضکہ آپ نے مع اہل و عیال کے ہمیشہ کے لئے مدینہ کو خیر باد کہہ دیا۔ اور اہلِ بیت کا یہ چھوٹا سا مقدس قافلہ مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہو گیا۔

کوفیوں کے پیغامات اور خطوط

عراقیوں کی حالت بڑی عجیب تھی یہ ایک طرف تو امیرِ معاویہ کے بہت بڑے مخالف اور حضرت علیؑ کے سچے عاشق بنتے تھے لیکن دوسری طرف جب امیرِ معاویہ سے مقابلہ کا وقت آتا تھا تو یہ میدان سے راہ فرار اختیار کر لیتے تھے۔ یہی انھوں نے حضرت علیؑ کے ساتھ کیا تھا۔ اور یہی صورت حضرت امام حسنؑ کے معاملہ میں پیش آئی تھی۔ لیکن اپنی اس بزدلانہ فطرت کے باوجود جب بھی ان کو موقعہ ملتا تھا یہ "عاشق اہلبیت" بن کر میدان میں ضرور آجاتے تھے خواہ ان کو راہ فرار ہی کیوں نہ اختیار کرنی پڑے۔

چنانچہ امیرِ معاویہ کی موت اور یزید کی تخت نشینی کے بعد حسبِ معمول یہ "عاشقانِ علیؑ" پھر میدان میں آگئے اور انھوں نے حضرت امام حسینؑ کے مکہ پہنچنے کے بعد سیکڑوں خطوط بھیج کر ان سے درخواست کرنی شروع کر دی کہ "سارا عراق آپکے ساتھ ہے کوفہ آکر ہم کو اور سب مسلمانوں کو یزید کی ناپاک حکومت سے نجات دلایئے"۔

کوفیوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ عمائدینِ کوفہ کا ایک وفد بھی حضرت

امام حسینؑ کی خدمت میں مکہ جا پہنچا جس نے حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر گزارش کی کہ "اہلِ کوفہ اور سارا عراق آپکے ساتھ ہے۔ آپ ہمارے ہمراہ چل کر حکومت سنبھال لیجئے" حضرت امام حسینؑ نے کوفیوں کی جانب سے جب یہ جوش خروش دیکھا تو آپنے خود جانے کی بجائے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کردیا تاکہ وہ بچشم خود حالات کا معائنہ کرکے انھیں صحیح واقعات سے مطلع کردیں۔

اٹھارہ ہزار کوفیوں کی بیعت

مسلم بن عقیل نے کوفہ پہنچنے کے بعد جب مختار بن عبید ثقفی کے گھر میں قیام کیا تو کوفی جُوق درجُوق مسلم بن عقیل کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ اور ان کو یقین دلانا شروع کیا کہ وہ حضرت امام حسینؑ پر اپنا جان و مال قربان کرنے کی قسمیں کھا چکے ہیں۔ اس زمانے میں کوفہ کا حاکم نعمان بن بشیر تھا۔ اُس کو جب پتہ چلا کہ مختار بن عبید کے گھر پر مسلم بن عقیل ٹھہرے ہوئے ہیں اور وہاں یزید کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کی سازشیں ہورہی ہیں تو نعمان نے مختار اور دوسرے لوگوں کو متنبہ کردیا کہ وہ فتنہ پردازی سے باز آجائیں لیکن یہ حاکم چونکہ نرم مزاج تھا اس لیئے اس نے کوئی سخت قدم نہیں اُٹھایا۔

نعمان کی اس تنبیہہ کے بعد مسلم بن عقیل مختار بن عبید کے ہاں سے منتقل ہو کر ہانی بن عروہ کے مکان پر آگئے۔ ہانی بن عروہ بہت بڑے محبِ اہلِ بیت تھے۔ ان کے مکان پر آنے کے بعد اٹھارہ ہزار کوفیوں نے حضرت امام حسینؑ کی خلافت کے لیئے مسلم کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ مسلم بن عقیل کوفیوں کے اس جوشِ عقیدت سے بے حد متاثر ہوئے اور انھوں نے حضرت امام حسینؑ کو لکھ دیا کہ "یہاں حالات ہر طرح سازگار ہیں۔ اٹھارہ ہزار کوفیوں نے آپ کے حق میں میرے ہاتھ پر بیعت کرلی ہے۔ آپ فوراً تشریف لے آیئے"۔

مسلم بن عقیل اور حاکمِ کوفہ کا مقابلہ

اٹھارہ ہزار کوفیوں کی حضرت امام حسینؑ کے حق میں بیعت کرنے

ایسا معاملہ نہ تھا جو پوشیدہ رہ سکتا۔ چنانچہ کوفہ کے جاسوسوں نے فوراً اس واقعہ سے یزید کو مطلع کر دیا۔ یزید بے حد گھبرایا اور اس نے بصرہ کے حاکم عبید اللہ بن زیاد کو حکم بھیجا کہ فوراً کوفہ پہنچ کر اس فتنہ کو دباؤ۔ مسلم بن عقیل کو یا تو کوفہ سے نکال دو یا قتل کر دو۔

عبید اللہ بن زیاد بڑا ہی ظالم اور جابر حاکم تھا۔ یہ اسی زیاد کا بیٹا تھا جو یزید کے دادا ابوسفیان کے نطفہ سے ایک لونڈی کے بطن سے ناجائز طور پر پیدا ہوا تھا۔ اس نے کوفہ آنے کے بعد کوفہ والوں کو بُری طرح ڈرانا دھمکانا شروع کیا اور اعلان کر دیا کہ جو شخص بھی مشتبہ لوگوں کی امداد کریگا یا ان کو پناہ دیگا اس کو سولی پر لٹکا دیا جائیگا۔

عبید اللہ بن زیاد نے چونکہ کوفہ میں آتے کے ساتھ ہی مسلم بن عقیل کی تلاش شروع کردی تھی۔ اس لئے ہانی بن عروہ نے انھیں اپنے مکان سے کسی دوسری نامعلوم جگہ منتقل کر دیا تھا۔ زیاد کو جب پتہ چلا کہ مسلم کی رُوپوشی میں ہانی کا ہاتھ ہے تو اُس نے ہانی کو گرفتار کرکے زور دیا کہ وہ مسلم کو اس کے حوالہ کر دیں مگر ہانی نے صاف الفاظ میں انکار کر دیا کہ وہ کسی طرح بھی اپنے پناہ گزیں مہمان کو اس کے حوالے نہیں کر سکتے۔ اس پر ابنِ زیاد سخت برافروختہ ہوکر ہانی کو بُری طرح زدوکوب کیا اور ان کو قید کر دیا۔

ہانی بن عروہ کو چونکہ بہت بُری طرح زدوکوب کیا گیا تھا اس لئے کوفہ میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ ابنِ زیاد نے مار مار کر ہانی کو ہلاک کر دیا ہے۔ مسلم بن عقیل کو جب یہ خبر ملی کہ ان کے میزبان اور محسن کو محض اس لئے ابنِ زیاد نے قتل کر دیا ہے کیونکہ انھوں نے اہلِ بیت کے خاندان کے ایک فرد کو پناہ دی تھی تو ان کی غیرت جوش میں آگئی۔ اور وہ اپنے ساتھ اٹھارہ ہزار کوفیوں کو لیکر میدان میں آگئے۔ انھوں نے آگے بڑھ کر عبید اللہ بن زیاد کو قصر امارت میں گھیر لیا۔

کوفیوں کی غداری اور مسلم کی شہادت

ابنِ زیاد کے لئے یہ بڑا ہی نازک وقت تھا کیونکہ

اُس کے پاس اس وقت حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ صرف پچاس آدمی اُس کے پاس موجود تھے جن میں سے کچھ تو پولیس کے آدمی تھے اور کچھ کوفہ کے سربرآوردہ حضرات تھے۔ ابنِ زیاد نے کوفہ کے سربرآوردہ حضرات پر زور دیا کہ وہ اپنے اثرورسوخ سے کام لیکر اپنے اپنے قبیلہ کے آدمیوں کو واپس کر دیں۔ اس کے علاوہ ابنِ زیاد نے فوراً اعلان کرا دیا کہ جو شخص امیر کی اطاعت کرے گا اسے انعام و اکرام سے نوازا جائیگا اور جو مخالفت کریگا اسے سخت سزا دی جائے گی۔

اس اعلان کا ہونا تھا کہ اُن تمام "عاشقانِ اہلِ بیت" کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا جو اس سے قبل حضرت امام حسینؓ کے حق میں مسلم ابن عقیلؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے چنانچہ مسلمؓ کے ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد تو ابنِ زیاد کی دھمکی سے خوفزدہ ہو کر الگ ہوگئی جو باقی رہ گئے تھے وہ کوفہ کے سربرآوردہ حضرات کے کہنے پر یا انعام کے لالچ میں مسلم بن عقیلؓ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ اٹھارہ ہزار کے مجمع میں سے صرف تیس آدمی اُن کے ساتھ رہ گئے۔ اور اس طرح کوفہ کے ابن الوقتوں نے پھر ایک مرتبہ غداری کر کے اپنی قدیم روایات کو زندہ کر دیا۔

مسلم بن عقیلؓ نے جب کوفیوں کی یہ غداری دیکھی تو وہ پہلے تو ایک مکان میں رُوپوش ہو گئے لیکن جب غداروں نے جاسوسی کر کے اس مکان کا بھی پتہ بتا دیا اور فوج نے مکان کا محاصرہ کر لیا تو آپ جان پر کھیل کر نکل آئے اور تن تنہا پوری فوج کا مقابلہ شروع کر دیا۔ تیس آدمی جو آپ کے ساتھ باقی رہ گئے تھے اس موقعہ پر وہ بھی فرار ہو گئے جب آپ تن تنہا لڑتے لڑتے زخموں سے چُور ہو کر گر پڑے اور گرفتار کر کے ابنِ زیاد کے سامنے لائے گئے تو ابنِ زیاد نے آپ کو قتل کرا دیا۔ آپ نے شہادت سے قبل عمرو بن سعد کو جو اُن کا قریبی عزیز اور اموی حکام میں سے تھا یہ وصیت کی تھی کہ "حسینؓ کو تمام واقعات سے مطلع کر کے راستے ہی سے واپس کر دینا"

حضرت امام حسینؓ کی کوفہ کو روانگی

کوفہ میں تو یہ قیامت برپا تھی اور مکہ میں حضرت امام حسینؓ حالات سے بے خبر کوفہ کے سفر کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ مسلم بن عقیلؓ کے اُس خط نے جس میں کہ اٹھارہ ہزار کوفیوں کے بیعت کی اطلاع تھی۔ حضرت امام حسینؓ کو بڑی طرح مغالطہ میں مبتلا کر دیا تھا حضرت امام حسینؓ کے اعزا اور آپ سے محبت کرنے والے سب ہی اگرچہ آپ کے اس عزم کے شدید مخالف تھے لیکن آپ بدستور اپنے ارادہ پر قائم تھے۔

آپکے اعزا نے کوفیوں کی گزشتہ غداریاں یاد دلاتے ہوئے آپ سے کہا کہ "ایسی حالت میں جبکہ کوفیوں پر دشمنوں کی حکومت ہے۔ کوفیوں سے یہ کیونکر توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ آپکے مقابلہ پر اُن سے لڑیں گے ہم کو اندیشہ ہے کہ کہیں وہ اُلٹے آپ کے خلاف صف آرا نہ ہو جائیں۔ اگر عراقی وفا شعار ہوتے تو آپ کو اُس وقت بلاتے جب وہ عراقی حکام کو قتل کر دینے کے بعد وہاں کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیتے۔" عمرو بن عبد الرحمن۔ عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ ابن زبیر سب ہی آپ کے اس ارادہ کے شدید مخالف تھے۔

عبداللہ ابن عباس نے جب دیکھا کہ یہ کسی طرح مانتے ہی نہیں اور کوفہ جانے پر تُلے ہوئے ہیں تو انھوں نے یہ آخری گذارش کی کہ "کم از کم اہل و عیال ہی کو ساتھ نہ لیجاؤ" لیکن مشیتِ ایزدی یہی تھی۔ ساری کوششیں ناکام ثابت ہوئیں اور حضرت امام حسینؑ کے ارادہ میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہ ہو سکی بعض مورخوں کا یہ بھی بیان ہے کہ جب اعزا نے آپ کو روکنے کے لئے زیادہ زور دیا تو آپ نے فرمایا کہ "رسول اللہ صلعم نے بذریعہ خواب مجھ کو جو حکم دیا ہے میں اُس کی تعمیل ضرور کروں گا۔ خواہ میرا سر جائے یا رہے" غرضکہ آپ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو روتا ہوا چھوڑ کر اہلِ بیت کے مختصر سے قافلہ کے ہمراہ ذی الحجہ ۶۰ھ میں کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

حضرت امام حسینؑ یزیدی فوج کے نرغہ میں

حضرت امام حسینؑ

ابھی راستہ ہی میں تھے کہ ان کو کوفہ سے آنے والے مسافروں کے ذریعہ جب مسلم بن عقیلؓ کی شہادت کی اطلاع ملی تو آپ کو بے حد رنج ہوا۔ کوفیوں کی بدعہدی اور اس رنجیدہ اطلاع کے ملنے کے بعد آپکے اکثر ساتھیوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ فی الحال کوفہ جانے کا ارادہ ملتوی کر دیں۔ لیکن مسلم بن عقیلؓ کے بھائیوں نے کہا کہ "ہم کسی طرح بھی واپس جانے کے لئے تیار نہیں ہیں یا تو اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لیں گے یا لڑتے ہوئے اپنی جانیں قربان کرینگے"۔ چنانچہ یہ سفر بدستور جاری رہا۔

اس قافلہ کو آگے چل کر عمرو بن سعد کا بھیجا ہوا قاصد ملا جو مسلم بن عقیلؓ کی وصیت کے مطابق حضرت امام حسینؑ کو کوفہ جانے سے روکنے کے لئے آیا تھا۔ آپنے اس سے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے بعد اپنے ساتھیوں سے کہا کہ "مسلم بن عقیل۔ ہانی بن عروہ اور ہمارے دوسرے ہمدردوں کو شہید کیا جا چکا ہے۔ کوفی اپنے وعدوں سے پھر چکے ہیں اور حالات نہایت نازک ہیں تم میں سے جو بھی واپس جانا چاہے وہ چلا جائے"۔ آپکے اس ارشاد کے بعد بہت سے ایسے آدمی جو راستہ سے اس قافلہ میں شامل ہو گئے تھے واپس چلے گئے۔

ابنِ زیاد حاکمِ کوفہ کو حضرت امام حسینؑ کی مکہ سے روانگی کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس نے فوراً حُر بن تمیمی کو ایک ہزار کا لشکر دیکر حضرت امام حسینؑ کے مقابلہ کے لئے روانہ کر دیا تھا۔ اور حکم دیدیا تھا "حضرت امام حسینؑ اور ان کے تمام ساتھیوں کو گھیر کر میرے پاس لے آؤ"۔ حُر کے دل میں حضرت امام حسینؑ کی بڑی عظمت تھی۔ اُس نے حضرت امام حسینؑ کے قافلہ کو گھیر تو لیا لیکن رات کے وقت ان کو موقع دیدیا کہ وہ کسی دوسری طرف نکل جائیں لیکن آپنے کسی دوسری طرف جانا گوارہ نہ کیا اور یہ قافلہ برابر کوفہ کی جانب بڑھتا رہا۔ آخر ۲ محرم ۶۱ھ کو مقدس قافلہ کربلا کے میدان میں خیمہ زن ہو گیا۔

۳ محرم ۶۱ھ کو عمرو بن سعد بھی چار ہزار کا لشکر لیکر حضرت امام حسینؑ کے مقابلہ

کے لئے کربلا کے میدان میں پہنچ گیا۔ یہ اگرچہ حضرت امام حسینؓ کا عزیز تھا لیکن اسے رَے کی حکومت کا لالچ دیکر حضرت امام حسینؓ کے مقابلہ کے لئے بھیجا گیا تھا۔ عمرو بن سعد کے لئے یہ بڑا نازک وقت تھا وہ سوچنے لگا کہ اگر حضرت امام حسینؓ اور ان کا مختصر سا قافلہ اُس کے ہاتھ سے مارا جاتا ہے تو وہ قیامت تک کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا اور اگر وہ اُن سے جنگ کرنے سے گریز کرتا ہے تو رَے کی حکومت ہاتھ سے جاتی ہے۔ آخر اس نے یہ سوچا کہ آپس میں کسی طرح مصالحت کرانے کے بعد یہ قصہ ختم کرا دیا جائے۔ لیکن اس کی مصالحت کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں اور ۷ محرم کو اسے حکم ملا کہ دریا پہ پہرا لگا دو تاکہ فریق ثانی کو پانی نہ مل سکے یعنی ظالم ابن زیاد نے اہلِ بیت پر پانی بھی بند کر دیا۔ لیکن پانی پر پہرہ لگنے کے باوجود حضرت امام حسینؓ کے سوتیلے بھائی عباسؓ ابن علیؓ لڑتے بھڑتے جاکر پانی لے ہی آئے۔

شمر مردود بھی مقابلہ پر آگیا

عمرو بن سعد کی مصالحانہ کوششوں کی وجہ سے چونکہ ابنِ زیاد کو عمرو بن سعد کی جانب سے شبہ ہو گیا تھا اس لئے زیاد نے شمر ذی الجوشن کو حضرت امام حسینؓ کے مقابلہ کے لئے بھیجا اور عمرو بن سعد کو لکھا کہ "تم نے حسینؓ کی خیر خواہی میں کئی دن برباد کر دیئے ہیں۔ میرے اس حکم کے ملتے ہی یا تو ان سے بیعت لیکر انھیں میرے پاس بھیجدو۔ یا جنگ شروع کر دو اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو فوج کی کمان شمر کے حوالے کر دو۔" عمرو بن سعد کو ۹ محرم کو جب یہ حکم ملا تو اس کی روش بھی بالکل بدل گئی۔ دُنیا دین پر غالب آگئی اور رَے کی حکومت کے لالچ میں عمرو بن سعد نے حضرت امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ انتہائی سختی کا برتاؤ شروع کر دیا۔

حضرت امام حسینؓ پر انتہائی زور دیا گیا کہ وہ یزید کی اطاعت قبول کرلیں۔ آپ کے گھر والوں کو اس ناپاک مقصد کے لئے طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں۔ معصوم بچوں کو پانی کے لئے تڑپا تڑپا کر مارا گیا۔ یہاں تک کہ عورتوں کے خیمہ تک کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی مگر حضرت امام حسینؓ کے پائے استقلال کو ذرہ برابر بھی جنبش نہ ہوئی۔ یہ جاننے کے

باوجود کہ موت اور تباہی سامنے کھڑی ہے۔ آپ اسلام اور آزادیٔ وطن کی خاطر اپنے اصول پر پتھر کی چٹان کی طرح قائم رہے۔ نہ سختیاں آپکے قدمِ مبارک میں لغزش پیدا کر سکیں، اور نہ دنیاوی آرام اور عیش کا لالچ آپکے قدم کو ڈگمگا سکا۔ آپ برابر یزید کی اطاعت سے انکار کرتے رہے۔

حق و باطل کی جنگ اور امام حسینؑ کی شہادت

آخر ۱۰ محرم ۶۱ھ کو حق و باطل کی وہ جنگ چھڑ گئی جس پر انسانیت قیامت تک آنسو بہاتی رہیگی۔ جنگ چھڑنے سے قبل حضرت امام حسینؓ نے اپنے بھائیوں۔ بیٹوں۔ بھتیجوں۔ اور ساتھیوں سے کہا کہ میرے واسطے جان نہ گنواؤ۔ لیکن مردوں کا تو ذکر ہی کیا ہے عورتوں اور بچوں نے بھی ساتھ چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ آپ کی بہن حضرت زینبؓ نے جب بھائی کو اور سارے خاندان کو موت کے منہ میں جاتے ہوئے دیکھا تو رونے لگیں۔ آپنے انھیں تسلی دی اور صبر کی تلقین فرمائی۔

جنگ شروع ہو گئی ایک طرف حضرت امام حسینؑ کے قافلہ کے ۷۲ چھوٹے بڑے سرفروش تھے جو تین روز سے بھوکے پیاسے تھے اور دوسری جانب چار ہزار افراد پر مشتمل پورا یزیدی لشکر تھا جب یزیدی لشکر ان معصوموں کی جانب بڑھنے لگا تو یزیدی فوج کے ایک نیک دل سردار حُر نے اُسے روکنا چاہا لیکن جب وہ نہ رکا تو حُر اور اُس کے چند ساتھی اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے حضرت امام حسینؓ کے مختصر سے قافلے آن ملے اور حُر نے اہلِ بیت کے لئے لڑ کر اپنی جان دیدی۔

حضرت امام حسینؓ کے قافلہ میں اگرچہ گنے چنے آدمی تھے اور وہ بھی تین دن کے بھوکے پیاسے لیکن اُن میں سے ہر ایک نے جراءت اور بہادری کا وہ نظارہ پیش کیا جو دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ ان میں سے ایک ایک اور دو دو مجاہدین آگے بڑھتے تھے اور یزیدی لشکر کو چیرتے چلے جاتے تھے۔

حق و باطل کی اس جنگ میں اس طرح دادِ شجاعت دیتے ہوئے جب حضرت امام حسینؑ کے مختصر سے قافلہ کے بیشتر مجاہدین کام آگئے تو حضرت امام حسینؑ کے صاحبزادے حضرت علی اکبر۔ عبداللہ بن مسلم۔ جعفر طیار کے پوتے [illegible] کارزار میں آئے اور اپنے جوہر دکھا کر شہید ہو گئے۔ ان کے بعد عبدالرحمٰن بن عقیل۔ حضرت امام حسنؓ کے صاحبزادے قاسم اور ابوبکر نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ پھر حضرت امام حسینؑ خود میدان میں آئے تو یزیدیوں نے ہر طرف سے یورش کر دی۔ تیروں کا مینہ ہر چہار جانب سے برسنے لگا جب یہ حالت دیکھی تو آپ کے بھائی عباسؓ۔ عبداللہ۔ جعفر اور عثمان آپکے گرد سپر بن کر کھڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ یہ چاروں بھی شہید ہو گئے۔

حضرت امام حسینؑ زخموں کی کثرت سے نڈھال ہو چکے تھے۔ پیاس کا غلبہ جب زیادہ ہوا تو آپ اسی حالت میں فرات کی طرف بڑھے۔ آپ چلو میں پانی لیکر پینا ہی چاہتے تھے کہ ایک شقی نے ایسا تیر مارا کہ آپ کا چہرہ لہولہان ہو گیا۔ آپ فرات سے پیاسے ہی لوٹ آئے اب آپ میں کوئی سکت باقی نہ تھی۔

یزیدیوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے گردنِ مبارک پر تلوار کے کئی وار کرکے بُری طرح زخمی کر دیا اور آپ زخموں سے چُور ہو کر گر پڑے۔ آپ کے گرنے کے بعد خولی نے سرِ اقدس تنِ مبارک سے جُدا کر دیا اور اس طرح حق و باطل کی یہ جنگ اس دردناک حادثہ پر ختم ہو گئی۔

شہادت کے دوسرے دن شہدا کی لاشیں دفن کی گئیں۔ حضرت امام حسینؑ کا سرِ مبارک کیونکہ ابنِ زیاد کے پاس کوفہ روانہ کر دیا گیا تھا اس لیے آپ کا جسدِ اطہر بغیر سر ہی کے دفن کیا گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اہلِ بیت کا لُٹا ہوا قافلہ یزید کے دربار میں

یزید۔ ابنِ زیاد۔ شمر اور ان کے ستم پیشہ

ساتھیوں کا ظلم وستم صرف اسی پر ختم نہیں ہوگیا بلکہ اس قتلِ عام کے بعد اہلِ بیت کے خیموں کو لوٹ لیا گیا۔ خاندانِ رسولؐ کی صاحبزادیوں کا تمام زیور جبراً اتار لیا گیا۔ یہاں تک کہ مقدس بیبیوں کے سروں پر سے دوپٹے تک کھینچ لئے گئے۔ اس تباہی اور بربادی کے بعد شمر اس لٹے ہوئے قافلہ کو ساتھ لیکر چلے تو ابنِ زیاد کے پاس کوفہ پہنچا اس کے بعد یہ قافلہ مع حضرت امام حسینؓ کے سرِ مبارک کے دمشق لیجایا گیا اور یزید کے سامنے پیش کیا گیا۔

کربلا کے میدان میں جو کچھ بھی ہوا تھا گو یزید کے اشارہ سے ہوا تھا اور اس تمام ظلم وستم کا سب سے بڑا محرک خود یزید تھا جس نے کہ اپنی حکومت کو قائم اور برقرار رکھنے کے لئے آلِ رسول کو تہہ تیغ کرا دیا تھا لیکن جب یہ مظلوم قافلہ یزید کے سامنے پیش کیا گیا تو ان کی خستہ حالی کو دیکھ کر یہ ظالم وجابر بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا خود اس کا ضمیر اس پر ملامت کر رہا تھا اور اس کے چہرہ سے یہ ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کسی سخت تشویش اور قلبی بے چینی میں مبتلا ہو۔ غالباً اس حادثہ کے نتائج مابعد سے وہ گھبرا رہا تھا۔ چنانچہ فاطمہ بنتِ علی کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ یزید کے سامنے پیش کئے گئے تو وہ ہمارے ساتھ بڑی نرمی کے ساتھ پیش آیا۔"

یہ سب کچھ تھا لیکن اس کی گستاخانہ روش اب بھی قائم تھی۔ چنانچہ یہ بار بار شہیدِ مظلوم کے سرِ مبارک کو بید سے چھوتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ "اگر تم میرے ہاتھ پڑ جاتے تو تمہارا یہ حال نہ ہوتا۔" پھر اس نے سرِ مبارک کی طرف اشارہ کر کے اپنے درباریوں سے کہا کہ "ان کا یہ انجام اس لئے ہوا کیونکہ یہ کہتے تھے کہ ان کے باپ علیؑ میرے باپ سے اور اُن کی ماں میری ماں سے بہتر تھیں اور وہ خود اپنے آپ کو مجھ سے زیادہ خلافت کا مستحق خیال کرتے تھے"۔ اسی دوران میں جب یزید نے حضرت علیؑ اور امام حسینؑ کا نام بے قدری سے لیا تو حضرت زینبؑ نے اسے سختی کے ساتھ جھڑک دیا جس کے بعد وہ

خاموش ہو گیا۔

مدینہ کے لئے مظلوم قافلہ کی روانگی

مؤرخوں کا بیان ہے کہ "یزیدی لشکر کے اس ظالمانہ فعل پر عام مسلمانوں کا تو ذکر ہی کیا ہے خود یزید کے گھر والوں نے سخت مذمت کی چنانچہ خاندانِ رسولؐ کی عصمت مآب اور مظلوم خواتین جب یزید کی حرم سرا میں داخل ہوئیں اور ٹھہرائی گئیں تو خود یزید کے محل میں کہرام مچ گیا اور تین دن تک برابر ماتم بپا رہا۔

دمشق میں مختصر سے قیام کے بعد یزید نے امامِ مظلوم کے خاندان کو بڑی حفاظت اور اہتمام کے ساتھ اُن کی خواہش پر مدینہ روانہ کر دیا تھا چنانچہ جب یہ قافلہ مدینہ آیا تو سارے مدینہ میں کہرام مچ گیا۔

اس معرکہ میں حضرت امام حسینؓ کے صاحبزادے حضرت زین العابدینؑ کے علاوہ تمام مرد کام آ گئے تھے۔ آپ بھی اس لئے بچ گئے تھے کیونکہ بیمار تھے۔ حضرت زین العابدینؑ کی عمر کربلا کے حادثہ کے وقت چودہ سال تھی۔

یزید کے خلاف سارے عرب میں بغاوت

حضرت امام حسینؓ کی شہادت اور آپ کے خاندان کی بربادی کوئی ایسا واقعہ نہ تھا جسے مسلمان آسانی سے برداشت کر لیتے چنانچہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا یہ نتیجہ ہوا کہ سارے ملکِ عرب میں بغاوت پھیل گئی اور مسلمانانِ عرب نے یزید کی بجائے مکہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ اور ہزاروں مسلمان یزید سے انتقام لینے کے لئے حضرت عبداللہ بن زبیر کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔

مدینہ میں یزید کے خلاف عوام کے جوش کا یہ عالم تھا کہ ان پر قابو پانا ناممکن ہو گیا تھا جابجا ہنگامے شروع ہو گئے تھے۔ لوگوں نے یزید کے خاندان یعنی بنی اُمیّہ کے گھروں پر یورش

شروع کردی تھی۔ اس یورش میں خاندانِ بنی اُمیہ کے کچھ لوگ تو مارے گئے اور کچھ نے بڑی مشکل سے مدینہ کے حاکم مروان ابن الحکم کی دارالامارت میں جاکر پناہ لی۔

یزید کو جب مدینہ کے اس ہنگامہ کی اطلاع ملی تو اس نے فوراً مدینہ والوں کو کچلنے کے لیئے فوج بھیجدی۔ فوج نے بڑی مشکل سے بنی اُمیہ کے ان لوگوں کو نکال کر شام روانہ کیا۔ جن کو عوام نے گھیر رکھا تھا اور اس کے بعد یزید کا لشکر ۶۳ھ میں تین دن تک مدینہ کو لوٹتا رہا۔

یزیدی فوج جب مدینہ کو لوٹ چکی تو مکّہ کی جانب بڑھی تاکہ نئے خلیفۂ اسلام حضرت عبداللہ بن زبیر کو گرفتار کرے اور مکّہ والوں کو بغاوت کی سزا دے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے جب سُنا کہ یزید کا لشکر مکّہ کی جانب آرہا ہے تو آپ بھی فوج لیکر مقابلہ پر آگئے۔ دونوں فوجوں میں سخت مقابلہ ہوا مکّہ کے باشندوں نے چونکہ خانۂ کعبہ میں پناہ لیلی تھی اس لیئے یزید کے لشکر نے خانۂ کعبہ پر حملہ کرکے ایک دیوار کو گرا دیا مگر حضرت عبداللہ بن زبیر نے ایک سخت حملہ کے بعد یزید کے لشکر کو پیچھے ہٹا دیا۔ مسلسل چالیس روز تک یہ جنگ جاری رہی۔ لیکن یزید کے لشکر کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔

یزید بن معاویہ کی زہر سے موت

یزید نے حضرت امام حسینؑ کو اس لیئے شہید کرایا تھا تاکہ وہ اُن کے بعد آرام اور اطمینان کے ساتھ حکومت کا لطف حاصل کر سکے لیکن حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد اُسے ایک دن بھی چین میسّر نہ آسکا۔ عرب میں بڑی طرح بغاوت پھیل چکی تھی۔ مصر۔ ایران اور عراق میں اگرچہ کوئی منظم بغاوت کھڑی نہیں ہوئی تھی لیکن وہاں بھی یزید کے خلاف بڑی طرح نفرت پھیلی ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے ہر وقت بغاوت کا اندیشہ رہتا تھا۔

شام کی کیفیت یہ تھی کہ وہاں بھی یزید کو حقارت کی نظر سے دیکھا جانے لگا

تھا۔ خوددار السلطنت دمشق میں اُس کے ہزاروں دشمن پیدا ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ اُس کے محل میں بھی اُس کے خلاف سازشیں شروع ہو گئی تھیں چنانچہ ان سازشوں ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ یزید کو شراب میں ملاکر زہر دیدیا گیا اور وہ اس زہر کے اثر سے ۶۴ھ (۶۸۳ء) میں ۳۸ سال کی عمر میں حوران میں ہلاک ہو گیا۔ اس نے کُل تین سال اور نو مہینے حکومت کی لیکن وہ حکومت کا کوئی لطف نہ اُٹھا سکا۔ بلکہ حکومت ہی اس کے لئے موت کا سبب بن گئی۔

یزید کی موت کے بعد یزید کی فوج نے مکہ سے محاصرہ اُٹھالیا اور اس محاصرہ کے اُٹھنے کے بعد مکہ۔ مدینہ اور عرب کے اکثر علاقوں میں حضرت عبد اللہ بن زبیر کی حکومت قائم ہو گئی۔ اور لوگ جُوق در جُوق حضرت عبد اللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔

بنی اُمیہ یعنی یزید کے خاندان والے بھی چونکہ یزید سے خوش نہیں تھے اس لئے انھوں نے یزید کی موت پر اطمینان اور سکون کا اظہار کیا۔ ان کے نزدیک یزید کی موت خاندانِ بنی اُمیہ کے لئے ہر حال میں بہتر تھی چنانچہ یزید کی موت کے بعد عرب کے علاوہ اُن تمام دوسرے علاقوں میں سکون پیدا ہو گیا تھا جو یزید کے خلاف بغاوت کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ مورخوں کی رائے ہے کہ اگر یزید اتنی جلدی نہ مر جاتا تو یزید کے خلاف اُٹھی ہوئی بغاوت اس قدر قوی تھی کہ وہ خاندانِ بنی اُمیہ کی حکومت کو شائد یزید کی زندگی ہی میں بیخ و بن سے اُکھاڑ کر پھینک دیتی۔

معاویہ ثانی بن یزید کی تخت نشینی

یزید کی موت کے بعد جب خاندانِ بنی اُمیہ کے مقتدر حضرات نے یزید کے بیٹے معاویہ ثانی کو تخت پر بٹھانا چاہا تو اُس نے بادشاہی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اس نے صاف الفاظ میں کہدیا کہ میں بادشاہی کے ناقابل ہوں لیکن اُمرائے سلطنت نے اسے زبردستی ۶۴ھ (۶۸۳ء) میں بادشاہ بنا ہی دیا۔ تخت نشینی کے وقت معاویہ

کی عمر ۲۱ سال تھی یہ بڑا دیندار اور صالح نوجوان تھا۔ اپنے باپ کے دورِ حکومت کے ظالمانہ واقعات کی وجہ سے اسے حکومت سے نفرت ہوگئی تھی۔

معاویہ یزید کی جانشینی کو اپنے لئے ایک لعنت اور مصیبت سمجھتا تھا۔ اس کو یقین تھا کہ مسلمان اُس یزید کی اولاد کی بادشاہی کبھی گوارہ نہیں کرسکتے جس نے کہ آلِ رسولؐ کے خون میں اپنے ہاتھ رنگے ہیں چنانچہ معاویہ بن یزید چھ مہینے تک تو بادلِ ناخواستہ بادشاہی کرتا رہا لیکن چھ مہینے کے بعد اس نے تخت سے دستبردار ہونے کا پکا ارادہ کرلیا۔

دست برداری سے قبل جب اُس سے جانشین نامزد کرنے کے لئے کہا گیا تو اس نے جواب دیا کہ "میرے دادا معاویہ نے ایسے شخص سے حکومت چھینی جو ہر لحاظ سے اُن سے بہتر تھے۔ ان کے بعد میرا باپ یزید تخت نشین ہوا جو اس حکومت کے لائق نہ تھا۔ اور خود میں بھی حکومت کے معاملہ میں قطعی نا اہل ہوں۔ ایسی حالت میں کس طرح میں جانشین نامزد کرسکتا ہوں؟" مختصر یہ ہے کہ معاویہ بن یزید صرف چھ ماہ حکومت کرنے کے بعد تخت سے دستبردار ہوگیا اور دستبرداری کے چند ماہ بعد ہی اس کا انتقال ہوگیا۔

یزید کے گھرانے سے حکومت کا خاتمہ

معاویہ بن یزید کے تخت سے دستبردار ہونے کے بعد حکومت اگرچہ خاندانِ بنی اُمیّہ میں ضرور باقی رہی لیکن یزید کے گھرانے سے ہمیشہ کے لئے نکل گئی۔ معاویہ بن یزید امیرِ معاویہ کی اولاد میں آخری بادشاہ ہوا ہے۔

مہاج (✱) ع ہ

عبداللہ بن زبیر اور مروان بن الحکم

معاویہ بن یزید کے زمانہ ہی سے مملکتِ اسلامیہ میں دو عملی شروع ہو گئی تھی یعنی ایک کی بجائے دو خلیفہ بن گئے تھے۔ اِس سے قبل بتایا جا چکا ہے کہ یزید کی حکومت کے آخری دنوں میں عبداللہ بن زبیر کو مکہ میں خلیفہ تسلیم کر لیا گیا تھا اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی تھی چنانچہ وہ یزید کے مرنے کے بعد معاویہ بن یزید کے دورِ حکومت میں بھی بدستور خلیفہ تسلیم کئے جاتے رہے۔ یزید بن معاویہ کے دورِ حکومت میں چونکہ عبداللہ بن زبیر کے اثرات مکہ کے علاوہ پورے حجاز میں اور دیگر ممالک میں بھی پھیل چکے تھے اس لئے معاویہ بن یزید کی دست برداری کے بعد خاندانِ بنی اُمیہ کے لوگوں کو بڑی فکر ہوئی کہ کہیں پوری مملکتِ اسلامیہ عبداللہ بن زبیر کی خلافت کو تسلیم نہ کر لے اور خاندانِ بنی اُمیہ کی حکومت ختم نہ ہو جائے لہٰذا انھوں نے یزید بن معاویہ کی دست برداری کے بعد فوراً ہی مروان بن الحکم کو دمشق کے تخت پر بٹھا دیا۔ قبل اس کے کہ ہم مروان بن الحکم کی تخت نشینی کے واقعات پر تبصرہ کریں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے عبداللہ بن زبیر کے حالات پر ہلکی سی روشنی ڈال دیں۔

عبداللہ بن زبیر سے عوام کی عقیدت

عبداللہ بن زبیر سے نہ صرف عرب کے باشندوں کو غیر معمولی عقیدت تھی بلکہ ساری مملکتِ اسلامیہ میں آپ کو بڑی عزت اور احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

آپ رسول مقبول صلعم کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر بن العوام کے صاحبزادے تھے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رض کے نواسے تھے۔ آپ صدیق اکبر کی بڑی صاحبزادی اور حضرت عائشہ رض کی حقیقی بہن حضرت اسماء کے بطن سے سنہ ۲ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے تھے۔

یہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے بہادر اور جری شمار کئے جاتے تھے۔ چنانچہ اکثر لڑائیوں

میں انھوں نے بڑے بڑے کارنامے انجام دئے ہیں۔ شمالی افریقہ کی فتوحات میں ان کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ جنگِ جمل میں یہ اپنی خالہ حضرت عائشہ رض کی حمایت میں پیش پیش تھے چنانچہ ان کی حفاظت میں ان کے جسم پر چالیس زخم آئے تھے۔

امیر معاویہ ان کو نہایت ہی خطرناک انسان سمجھتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ "زبیر میں شیر کی جرأت اور لومڑی کی سی عیاری موجود ہے" چنانچہ امیر معاویہ نے مرتے وقت یزید کو نصیحت کی تھی کہ "ابن زبیر سے ہمیشہ ہوشیار رہنا"

معاویہ بن یزید کے تخت سے دستبردار ہونے کے بعد چونکہ ساری مملکتِ اسلامیہ میں کوئی دوسرا شخص عبداللہ بن زبیر کا ہم پلہ نہیں تھا اس لئے مملکتِ اسلامیہ کے بیشتر ممالک آپ کی خلافت کے حق میں تھے۔ حجاز، عراق، مصر اور شام تقریباً تمام ممالک ان کے ساتھ تھے یہاں تک کہ خود بنی اُمیہ کے پایۂ تخت دمشق میں اُن کے حامیوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔

البتہ بصرہ میں خلافت کا ایک نیا دعویدار پیدا ہو گیا تھا یعنی رسوائے زمانہ ابن زیاد نے انتہائی عیاری اور مکاری سے کام لیکر بصرہ پر قبضہ جمالیا تھا اور بصرہ والوں نے ابنِ زیاد سے ڈر کر اُس کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی تھی لیکن جب اس نے کوفہ کو بھی اپنی حکومت میں شامل کرنا چاہا تو وہاں ابنِ زیاد کے خلاف سخت شورش برپا ہو گئی اور اس شورش نے رفتہ رفتہ بصرہ والوں کو بھی متاثر کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصرہ کی حکومت بھی اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ اور اسے زنانہ لباس پہن کر بصرہ سے فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اہلِ کوفہ اور بصرہ والوں نے بھی عبداللہ بن زبیر کی خلافت کو تسلیم کر لیا۔

مروان بن الحکم کی تخت نشینی

ایسی حالت میں جبکہ مملکتِ اسلامیہ کے تقریباً تمام صوبے عبداللہ بن زبیر کی حمایت کا اعلان کر چکے تھے تو اس کا امکان ہی باقی نہیں رہا تھا کہ خاندانِ بنی اُمیہ کی حکومت قائم رہ سکیگی چنانچہ حالت یہ تھی کہ مروان بن الحکم جو بعد میں دمشق میں تخت نشین ہوا وہ خود اس بات کے لئے

آمادہ اور تیار تھا کہ عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کر لے لیکن اس کا کیا علاج کہ قدرت کو یہی منظور تھا کہ مروان بن الحکم دمشق کے تخت پر بیٹھے اور اس کی اولاد زمانہ دراز تک مملکتِ اسلامیہ پر حکمرانی کرتی رہے۔

مروان حضرت عثمان غنی رض کے حقیقی چچا الحکم کا بیٹا تھا یعنی حضرت عثمان غنی کا چچا زاد بھائی تھا۔ الحکم نے فتح مکہ کے بعد اُوپری دل سے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور وہ مخالفینِ اسلام کی جانب سے مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کے فرائض انجام دیا کرتا تھا۔ اس کی ان غداریوں اور بے ایمانیوں کی بنا پر رسول اللہ صلعم نے اسے جلاوطن کر کے طائف بھیج دیا تھا۔ رسولِ مقبول صلعم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض نے بھی الحکم اور اس کے بیٹے مروان کو کبھی مدینہ میں نہیں گھسنے دیا۔ لیکن حضرت عثمان غنی جب خلیفہ ہوئے تو انھوں نے اس کو اپنا میر منشی بنا لیا تھا۔

حضرت عثمان غنی رض کا میر منشی بننے کے بعد اس نے بنی اُمیہ کے لوگوں کو جا اور بے جا حکومت میں ٹھونس کر مملکتِ اسلامیہ کو سخت نقصان پہنچایا۔ اسی مروان کے ایک جعلی خط کی بنا پر حضرت عثمان غنی رض کے خلاف طوفان اُٹھا اور وہ بے گناہ مارے گئے۔ اور اسی نے حضرت عائشہ صدیقہ رض کو حضرت علی ؑ کے خلاف اُبھار کر جنگِ جمل کی آگ بھڑکائی۔ صفین کے معرکہ میں بھی مروان امیر معاویہ کے ساتھ تھا۔ مدینہ کے حاکم ولید کے زور دینے پر جب امام حسین ؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تھا تو اسی مروان نے حاکم مدینہ کو مشورہ دیا تھا کہ وہ حضرت امام حسین ؑ کو قتل کر دے۔ اس کے علاوہ یزید کے عہدِ حکومت میں جب یہ مدینہ کا حاکم تھا تو اس نے مسلمانوں پر بڑی زیادتیاں کی تھیں۔ یہ ہے مروان بن الحکم کی تاریک زندگی کا ہلکا سا خاکہ۔

یزید کی موت کے وقت بھی مروان بن الحکم مدینہ کا حاکم تھا۔ یزید کے مرنے کے بعد جب اُس نے دیکھا کہ بنی اُمیہ کے قصرِ امارت کی بنیادیں ہل چکی ہیں تو یہ عبداللہ بن زبیر

کے ہاتھ پر بیعت کے لئے تیار ہو گیا تھا لیکن عبداللہ بن زبیر کو بنی اُمیہ سے کچھ ایسی نفرت تھی کہ انھوں نے یہ گوارہ ہی نہیں کیا کہ مروان مدینہ میں رہے۔ چنانچہ انھوں نے اسے مدینہ سے نکلوا دیا۔ عبداللہ بن زبیر نے اگر اس وقت سیاست سے کام لیتے ہوئے مروان کو مدینہ ہی میں روک لیا ہوتا اور اس کی بیعت قبول کر لی ہوتی تو مروان کو اتنا موقعہ ہی نہ ملتا کہ وہ دمشق جا سکتا اور معاویہ بن یزید کے بعد حکومت اس کے قبضہ میں آتی۔ بلکہ شائد بنی اُمیہ کی حکومت معاویہ بن یزید کے بعد ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتی لیکن قدرت کو تو کچھ اور ہی منظور تھا۔ لہٰذا مروان مدینہ سے نکالے جانے کے بعد مجبوراً دمشق چلا گیا۔

دمشق پہنچنے کے بعد بھی مروان کو یہ وہم و گمان تک نہ تھا کہ وہ کبھی مملکتِ اسلامیہ کا فرمانروا بھی بن سکتا ہے کیونکہ اوّل تو امیرِ معاویہ کی کثیر اولاد موجود تھی دوسرے شام میں بھی عبداللہ بن زبیر کے اثرات کافی پھیل چکے تھے۔ چنانچہ وہ دمشق آنے کے بعد بھی عبداللہ بن زبیر کے حق میں بیعت کرنے کے لئے آمادہ تھا۔ لیکن معاویہ بن یزید کی تخت سے دستبرداری کے فوراً ہی بعد قاتلِ حسینؑ عبداللہ بن زیاد دمشق پہنچ گیا اور اس نے دمشق کے اُمرا کو عبداللہ بن زبیر کے خلاف اُبھارتے ہوئے سمجھایا کہ اگر اس وقت بنی اُمیہ میں سے کسی نہ کسی کو دمشق کے تخت پر فوراً نہ بٹھایا گیا تو ابن زبیر کے ہاتھوں خاندانِ بنی اُمیہ کا بُری طرح قتلِ عام ہو گا۔

مروان چونکہ بنی اُمیہ میں سب سے زیادہ سن رسیدہ اور ہوشیار تھا اس لئے اُمرائے بنی اُمیہ کے ایک طبقہ کی رائے ہوئی کہ اسے دمشق کے تخت پر بٹھا دیا جائے لیکن اُمرائے بنی اُمیہ کا دوسرا طبقہ یزید کے بیٹے خالد کے حق میں تھا۔ اب ان دونوں طبقوں میں اچھی خاصی رسہ کشی شروع ہو گئی۔ آخر اُمرائے بنی اُمیہ نے یہ طے کیا کہ مروان کو تو خلیفہ بنا دیا جائے اور یزید کے بیٹے خالد کو اُس کا ولیعہد نامزد کر دیا جائے۔ اور مروان یزید کی بیوہ یعنی خالد کی ماں سے نکاح کر لے۔ چنانچہ اس قرارداد کے مطابق یزید کی بیوہ کا مروان سے

نکاح ہوگیا۔ اور ۶۴ھ (۶۸۳ء) میں مروان دمشق میں تخت نشین ہوگیا۔ اور اس نے یزید کے بیٹے خالد کو اپنا جانشین نامزد کر دیا۔

مروان کا شام اور مصر پر قبضہ

مروان بن الحکم دمشق کے تخت پر بیٹھ تو گیا تھا لیکن شام میں بھی چونکہ عبد اللہ بن زبیر کے حامیوں میں سے بہت سے با اثر حضرات موجود تھے اس لئے اسے اپنی حکومت متزلزل دکھائی دے رہی تھی لہذا اس نے تخت نشین ہوتے کے ساتھ ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ شام کو عبد اللہ بن زبیر کے حامیوں سے صاف کرنا شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اُمیہ اور عبد اللہ بن زبیر کے حامیوں میں باقاعدہ شام میں جنگ چھڑ گئی مگر اس جنگ میں عبد اللہ بن زبیر کے حامیوں کو شکست ہوگئی۔ اور شام پر مروان کا پوری طرح قبضہ ہوگیا۔

شام کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد مروان نے مصر پر حملہ کر دیا۔ اس معرکہ میں مروان اور اس کا بھتیجہ عمرو بن سعید دونوں شامل تھے۔ مصری اس حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ اور اس طرح بغیر کشت و خون کے مصر پر بھی مروان کا قبضہ ہوگیا۔ مصریوں نے مروان کے حق میں بیعت کر لی۔ اور اس طرح مصر میں دوبارہ بنی اُمیہ کی حکومت قائم ہوگئی۔

مصر پر قبضہ جمانے کے بعد مروان نے اپنے دو بیٹوں یعنی عبد الملک بن مروان اور زبیر بن مروان کو دمشق سے ایک بڑی فوج لیکر افریقہ کے لئے روانہ کیا تاکہ وہ افریقہ کے ان علاقوں کو باغیوں کے قبضہ سے نکالیں جو اس سے قبل خلافت اسلامیہ کے زیرِ حکومت تھے مگر اب خود مختار ہو گئے ہیں چنانچہ انھوں نے بہت سے علاقوں کو فتح کر لیا۔ اور ان پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہوگیا لیکن پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی شمالی افریقہ کی فتح نامکمل رہ گئی کیونکہ بربری قبائل اور رومی عیسائیوں کا افریقہ میں کافی زور تھا۔

مروان کی زہر سے موت

مروان نہایت چالاک آدمی تھا۔ جیسا وقت دیکھتا تھا ویسا کام کرتا تھا۔ چنانچہ تخت نشینی

کے وقت تو اس نے یزید کے حامیوں کو یزید کی بیوہ سے نکاح کر کے اور یزید کے بیٹے خالد کی ولیعہدی کا اعلان کر کے خوش کر دیا تھا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ اب اُس کی طاقت بڑھ چکی ہے تو اس نے خالد کو ولیعہدی سے برطرف کر کے اپنے بیٹے عبدالملک کی ولیعہدی کا اعلان کر دیا۔ اور سب دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

یزید کی بیوہ جو مروان کے نکاح میں تھی جب اس نے دیکھا کہ اس عیار نے اس کے بیٹے خالد بن یزید کو تو حکومت سے محروم کر دیا ہے۔ اور اپنے بیٹے عبدالملک کو جانشین بنا دیا ہے تو وہ مروان کی جانی دشمن ہو گئی۔ چنانچہ اس نے موقعہ پا کر مروان کو زہر دیدیا جس کے اثر سے وہ ہلاک ہو گیا۔ بعض مورخوں کا کہنا ہے کہ مروان زہر سے ہلاک نہیں ہوا تھا بلکہ یزید کی بیوہ سوتے میں اس کی گردن پر تکیہ رکھ کر بیٹھ گئی تھی اور اُس وقت تک بیٹھی رہی جبتک کہ گلا گھٹنے کے بعد مروان کا کام تمام نہیں ہو گیا۔

وفات کے وقت مروان کی عمر ۶۳ سال تھی۔۔ نو دس مہینے حکومت کرنے کے بعد وہ ۶۵ھ (۶۸۴ء) میں ہلاک کر دیا گیا۔ اس کی حکومت کی مدت اتنی مختصر تھی کہ وہ اس مختصر سے زمانہ میں کوئی اہم کام انجام نہیں دے سکا لیکن پھر بھی اس کا یہ کارنامہ کیا کم ہے کہ اس نے دوبارہ بنی اُمیّہ کی حکومت قائم کر دی۔

عبدالملک بن مروان و عبداللہ بن زبیر

مروان بن الحکم کے مرنے کے بعد ۶۵ھ (۶۸۴ء) میں جب اس کا بیٹا عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوا تو حسبِ سابق مملکتِ اسلامیہ میں دوعملی جاری تھی یعنی نصف حکومت تو عبدالملک کے قبضہ میں تھی اور نصف حکومت پر عبداللہ بن زبیر فرمانروائی کر رہے تھے۔

عبدالملک جس وقت تخت نشین ہوا اس کی عمر ۳۹ سال تھی۔ اس کا شمار اپنے زمانہ کے اکابر علماء میں کیا جاتا ہے۔ وہ اتنا بڑا عالم تھا کہ بڑے بڑے آئمہ اس کے تبحر علمی کے معترف تھے۔ وہ صفِ اوّل کا عالم و فاضل ہونے کے علاوہ بہت بڑا مدبر اور ایک نہایت ہی حوصلہ مند سپاہی بھی تھا چنانچہ افریقہ کی فتوحات میں وہ اپنی بے نظیر جنگی قابلیت کا ثبوت اپنے باپ کے عہدِ حکومت میں دے چکا تھا۔

عبدالملک کو باپ سے ورثہ میں جو حکومت ملی تھی۔ وہ ایک ایسی کمزور حکومت تھی جسے نئے سر سے اس کے باپ نے قائم کیا تھا اور جو ابھی مضبوط بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ اچانک باپ کی آنکھ بند ہو گئی۔ یہ حکومت صرف کمزور ہی نہیں تھی بلکہ طرح طرح کے خطرات سے بھی پُر تھی۔ اس حکومت کے لئے سب سے بڑا خطرہ تو عبداللہ بن زبیر کی ذات تھی جو حجاز، عراق اور ایران کے باقاعدہ خلیفہ تسلیم کئے جا چکے تھے۔ دوسرا خطرہ شیعانِ علیؓ کا تھا جو حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد سے برابر زور پکڑتے چلے جا رہے تھے۔ اور جن کی طاقت اب اتنی بڑھ چکی تھی کہ اُن پر ہاتھ ڈالنا کوئی آسان کام نہ تھا تیسرا خطرہ خارجیوں کا تھا جنہوں نے مملکتِ اسلامیہ میں جا بجا شورشیں برپا کر رکھی تھیں۔ غرضیکہ عبدالملک کو ایک ایسا کانٹوں بھرا تاج ملا تھا جسے سر پر رکھنا بڑا ہی دشوار کام تھا۔

ایک نیا خانۂ کعبہ بنانے کی تجویز

عبداللہ بن زبیر کو دنیائے اسلام میں جو مذہبی بزرگی حاصل تھی وہ عبدالملک بن مروان کے لئے بے حد تشویشناک تھی۔ عبداللہ بن زبیر کی دینی عظمت کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ان کا دارالخلافہ مکہ تھا جہاں اسلامی ممالک کے باشندے برابر حج اور عمرہ ادا کرنے کی غرض سے آتے رہتے تھے اور ان کے دلوں میں عبداللہ بن زبیر کی عظمت بڑھتی چلی جا رہی تھی عبدالملک نے سوچا کہ کیوں نہ اپنی سلطنت کی حدود میں بھی ایک نیا خانۂ کعبہ بنا دیا جائے تاکہ اس نئے خانۂ کعبہ کے بننے کے بعد مجھے بھی وہی دینی عظمت حاصل ہو جائے۔ جو عبداللہ بن زبیر کو حاصل ہے چنانچہ اس مقصد کے لئے عبدالملک نے مکہ کے مقابلہ پر شہر بیت المقدس کو دینی مرکز بنانے کی تیاریاں شروع کر دیں تاکہ جس طرح مسلمان حج کے لئے مکہ میں جمع ہوتے ہیں اسی طرح بیت المقدس میں بھی جمع ہو کر حج ادا کرنے لگیں

بیت المقدس ایک ایسا پاکیزہ مقام ہے جو ہزاروں برس سے نبیوں کا مسکن رہا ہے اور جہاں بڑے بڑے اولیا اور انبیا مدفون ہیں۔ اس کے علاوہ رسول مقبول صلعم بھی شب معراج میں بیت المقدس ہی سے ہوتے ہوئے آسمانوں کی سیر اور دیدارِ حق کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ اس لئے یہ جگہ مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے بے حد قابلِ احترام ہے۔ عبدالملک کا خیال تھا کہ اگر اس پاکیزہ مقام کو دوسرا خانۂ کعبہ بنا دیا جائے گا تو مسلمان جوق در جوق یہاں حج کے لئے آنے لگیں گے۔

اس مقصد کے پیشِ نظر عبدالملک نے بیت المقدس کی عمارت کو خوب وسعت دی۔ مگر جا کی اُس سیڑھی کو جس پر فتح بیت المقدس کے موقع پر حضرت عمرؓ نے نماز پڑھی تھی۔ بیت المقدس کے احاطہ کے اندر لیکر وہاں ایک شاندار مسجد بنا دی اور وہ تاریخی پتھر جس پر کہ حضرت یعقوبؑ نے خواب دیکھا تھا اور سنگِ یعقوبؑ کے نام سے مشہور تھا اسے سنگِ اسود کی بجائے اس مسجد میں نصب کر دیا تاکہ لوگ اسے

سنگِ اسود کی طرح بوسہ دیا کریں لیکن ان تمام کوششوں اور اہتمام کے باوجود مسلمانوں نے نہ تو بیت المقدس میں حج کرنا گوارہ کیا اور نہ سنگِ یعقوب کو بوسہ دینا ہی پسند کیا بلکہ اسے ایک بدعت قرار دیتے ہوئے عبدالملک کے خلاف بری طرح پیشگوئیاں ہونے لگیں۔ مختصر یہ کہ عبدالملک کو اپنے اس مقصد میں اور دینی اختراع میں سخت مایوسی ہوئی۔

شیعانِ علیؓ کا زور

عبدالملک بن مروان ایک طرف تو عبداللہ بن زبیر کے بڑھتے ہوئے اثر اور اقتدار کی جانب سے پریشان تھا دوسری جانب اس کے زمانہ میں شیعانِ علیؓ کا زور اتنا بڑھ گیا تھا کہ انھوں نے باقاعدہ حکومتوں سے ساتھ ٹکر لینی شروع کر دی تھی۔

شیعانِ علیؓ کی تحریک یوں تو جنگِ صفین کے بعد ہی سے چل گئی تھی لیکن امیر معاویہ نے کچھ تو طاقت کے بل پر اور کچھ اپنے تدبر کے ذریعہ اس تحریک کو دبا دیا تھا۔ اور یہ تحریک بظاہر مدہم پڑ گئی تھی لیکن حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد یہ تحریک دن بدن چمکتی چلی گئی یہاں تک کہ عبدالملک کے باپ مروان کے زمانہ میں یعنی ۶۵ھ میں توابین کے نام سے شیعانِ علیؓ کی ایک جماعت جو چھ سات ہزار کی تعداد میں تھی سلیمان بن صرد کی سرکردگی میں مخالفین حسینؓ اور بنی اُمیہ کے مقابلہ میں صف آرا ہو گئی۔ چنانچہ یہ لوگ حضرت امام حسینؓ کے مزارِ مبارک پر حاضری دینے کے بعد شام کی طرف چل دئے۔ اور مروان کی حکومت سے ٹکرا گئے۔ بڑی سخت جنگ ہوئی۔ توابین یعنی شیعانِ علیؓ کو شکست ہوئی۔ سلیمان بن صرد اور اس تحریک کے تمام بڑے بڑے رہنما مارے گئے اور ان چھ ہزار توابین میں سے بہت کم زندہ بچے تھے۔

مروان کے مرنے کے بعد اور عبدالملک بن مروان کے ابتدائی دورِ حکومت میں ۶۶ھ میں شیعانِ علیؓ کی اس تحریک نے ایک نئی کروٹ لی۔ اس مرتبہ اس تحریک کا

داعی المختار بن عبید ثقفی تھا۔ یہ وہی شخص ہے جس کے مکان میں کربلا کے حادثہ سے قبل مسلم بن عقیل نے قیام کیا تھا۔ چنانچہ مسلم بن عقیل کو اپنے گھر ٹھہرانے کے جرم میں عبید اللہ بن زیاد نے المختار کو اتنا مارا تھا کہ اس کی ایک آنکھ پھوٹ گئی تھی اور اسے قید خانہ میں ڈال دیا تھا۔

المختار کی قید سے رہائی اور عروج

حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد تک المختار بدستور قید خانہ میں رہا۔ لیکن یزید کے دورِ حکومت میں جب اسے قید خانہ سے رہا کیا گیا تو وہ سیدھا عبد اللہ بن زبیر کے پاس پہنچ گیا۔ اور مکہ کے محاصرہ کی جنگ میں یزید کے خلاف بڑی بہادری کے ساتھ لڑا۔ المختار اگرچہ عبد اللہ بن زبیر کی حکومت کو بھی نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ لیکن وہ مصلحتاً مکہ کی اس جنگ میں شامل ہو گیا تھا۔ مکہ کی جنگ کے بعد وہ پھر کوفہ جا پہنچا اور اس نے شیعانِ علیؑ کو منظم کر کے جب دشمنانِ اہلِ بیت کے خلاف ابھارنا شروع کیا تو ابنِ زیاد نے اسے دوبارہ جیلخانہ میں ڈال دیا۔ لیکن قید ہونے کے باوجود وہ شیعانِ علیؑ کو برابر انتقام کے لئے ابھارتا رہا۔ مروان کے مرنے کے بعد جب وہ قید سے رہا ہوا تو مدینہ جا پہنچا۔

المختار نے مدینہ پہنچ کر شیعانِ علیؑ کی تحریک کا سرپرست حضرت امام زین العابدینؑ کو بنانا چاہا۔ جب وہ اس کے لئے تیار نہ ہوئے تو اس نے حضرت امام حسینؑ کے سوتیلے بھائی محمد بن حنفیہ کو سرپرست بنا لیا اور اُن سے اس تحریک کو پھیلانے کی اجازت لیکر عراق چلا آیا تاکہ عراق میں شیعانِ علیؑ کی جماعت کو نئے سرے سے منظم کرے۔ المختار بڑا ہوشیار اور چالاک آدمی تھا۔ وہ درپردہ اگرچہ عبد اللہ بن زبیر کا شدید مخالف تھا۔ لیکن بظاہر ان کا حامی اور مددگار بنا رہا چنانچہ عراق آنے سے پہلے وہ عبد اللہ بن زبیر سے بھی ملا اور ان کو یہ فریب دیا کہ وہ عراق اس لئے جا رہا ہے تاکہ محبانِ اہلبیت

کو بنی اُمیہ کی حکومت کے خلاف منظم کرے۔

المختار نے کوفہ پہنچنے کے بعد محمد بن حنفیہ بن علیؑ کے نام سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے شیعانِ علیؑ کی تحریک کو خوب ترقی دی۔ کوفہ پہلے ہی سے شیعانِ علیؑ کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اس لئے ہزاروں اشخاص جُوق درجُوق اس تحریک میں شامل ہونے لگے۔ المختار کی سرگرمیاں جب زیادہ بڑھیں تو گورنر کوفہ اور افسر پولیس کوفہ نے جو ابنِ زبیر کی حکومت کی جانب سے کوفہ میں متعین تھے مزاحمت شروع کی۔ اور کوفہ والوں کو حکم دیدیا کہ جو بھی المختار کی تحریک میں شامل ہوگا اسے سخت سزا دی جائے گی۔

کوفہ کے افسر پولیس ایاس بن منصر نے اس تحریک کو دبانے کے لئے چونکہ انتہائی سختی شروع کردی تھی۔ اس لئے شیعانِ علیؑ اس کی جان کے درپے ہوگئے۔ چنانچہ اس پولیس افسر نے جب کوفہ کے ایک مقتدر بزرگ ابراہیم بن اشتر کو شیعانِ علیؑ کی حمایت پر بُری طرح دھمکایا تو انھوں نے اس دھمکی کے جواب میں اسے قتل کردیا۔ ایاس کے قتل ہوتے ہی کوفہ کی سرکاری مشینری حرکت میں آگئی۔ شیعانِ علیؑ کی گرفتاریاں شروع ہوگئیں۔ اسی دوران میں جب پولیس کی ایک جمعیت ابراہیم بن اشتر کو گرفتار کرنے آئی تو شیعانِ علیؑ نے مقابلہ پر آکر اس جمعیت کو شکست دیدی اور اس کے بعد شیعانِ علیؑ کے جم غفیر نے گورنر کوفہ ابن مطیع پر حملہ کرکے اسے بھی محاصرہ میں لے لیا ابن مطیع جان کی امان طلب کرکے کوفہ سے فرار ہوگیا۔ اور کوفہ پر ۶۷ھ (۶۸۸ء) میں شیعانِ علیؑ کا قبضہ ہوگیا۔

اس معرکہ کے بعد المختار اور شیعانِ علیؑ تقریباً تمام عراق پر مسلط ہوگئے۔ صرف بصرہ عبداللہ بن زبیر کی حکومت میں رہ گیا۔ یعنی شیعانِ علیؑ نے عراق میں باقاعدہ اپنی حکومت قائم کرلی۔ عبداللہ بن زبیر کو جب مکہ میں اس انقلاب کی اطلاع ملی تو انھوں نے اس تحریک کے سرپرست محمد بن حنفیہ اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کرکے مکہ میں قید

کر دیا۔ ان کے قید ہوتے ہی شیعانِ علیؑ کی ایک جمعیت ان کی رہائی کے لئے کوفہ سے مکہ روانہ ہو گئی جو بزورِ شمشیر محمد بن حنفیہ اور ان کے تمام ساتھیوں کو قید خانہ سے نکال کر کوفہ لے آئی۔ صرف اس ایک واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شیعانِ علیؑ کے حوصلے کس قدر بڑھے ہوئے تھے۔

قاتلانِ حسینؑ سے شیعانِ علیؑ کا انتقام

شیعانِ علیؑ کی تحریک کامیاب ہو چکی تھی۔ یہ عراق کے حکمران بن چکے تھے۔ ان کی جمعیت اور طاقت میں کافی اضافہ ہو چکا تھا۔ اب یہ اُس مقصد کی طرف رُجوع ہوئے جس کے لئے یہ تحریک جاری کی گئی تھی یعنی یہ قاتلانِ حسینؑ سے انتقام لینے کی جانب متوجہ ہوئے۔ ان کے جوشِ انتقام کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی کے بارے میں ان کو ذرا بھی شبہ ہو جاتا تھا کہ اس نے کسی نوعیت سے بھی قاتلانِ حسینؑ کی مدد کی تھی تو یہ اس کے گھرانے کے بچہ بچہ کو قتل کر دیتے تھے اور اس کا سارا مال واسباب لُوٹ لیتے تھے۔

شیعانِ علیؑ کا ایک بہت بڑا لشکر محض اس غرض کے لئے روانہ ہوا تاکہ وہ ان تمام یزیدی فوج کے افسروں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کرے جنہوں نے کہ واقعۂ کربلا میں حضرت امام حسینؑ اور آلِ رسولؐ کو شہید کیا تھا۔ المختار خود اس لشکر کا سردار تھا۔ سب سے پہلے اس لشکر نے شمر ذی الجوشن شقی کو گرفتار کیا۔ اسے اور اس کے تمام متعلقین کو بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کیا گیا۔ اس کے بعد ظالم خولی گرفتار ہوا۔ اس نے حضرت امام حسینؑ کا سرِ مبارک جدا کیا تھا۔ المختار نے اسے زندہ جلا دیا اور اس شقی کے گھر کو آگ لگا دی۔

پھر یزیدی لشکر کے سردار عمرو بن سعد کو گرفتار کیا گیا۔ پہلے اس کے دونوں بیٹوں کو اُس کے سامنے تہِ تیغ کیا گیا اس کے بعد اسے بھی واصلِ جہنم کیا گیا۔ ابن سعد کا سر کاٹ کر محمد بن حنفیہ کی خدمت میں روانہ کر دیا گیا۔ عادی ابنِ حاتم جس نے کہ حضرت امام حسینؑ کی لاش کی بے حرمتی کی تھی۔ اس مردود کو زندہ ایک درخت سے باندھ دیا گیا۔ اور اسے

تیر برسائے گئے کہ اس کا سارا جسم چھلنی ہو گیا۔ غرضکہ المختار اور شیعانِ علیؑ کے لشکر نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر قاتلانِ حسینؑ کو قتل کیا۔ اور اُنھیں سخت سے سخت سزائیں دیں۔

قاتلِ حسینؑ ابن زیاد جو عبد الملک بن مروان کے ہوا خواہوں میں سے تھا جب اسے دمشق میں یہ اطلاع ملی کہ المختار اور شیعانِ علیؑ نے ابنِ زبیر کی حکومت کا تختہ اُلٹ کر وہاں اپنی حکومت قائم کر لی ہے اور دشمنانِ اہلِ بیت کو چن چن کر قتل کیا جا رہا ہے تو یہ ایک بہت بڑا لشکر شام سے لیکر کوفہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ ابھی یہ لشکر کوفہ پہنچنے بھی نہیں پایا تھا کہ شیعانِ علیؑ کی ایک فوج ابراہیم بن اشتر کی سرکردگی میں ابن زیاد کے لشکر کے مقابلہ کے لئے پہنچ گئی۔

شیعانِ علیؑ کی فوج کی تعداد اگرچہ ابنِ زیاد کے لشکر کے مقابلہ میں ایک چوتھائی بھی نہیں تھی لیکن ان میں بلا کا مذہبی جوش تھا۔ چنانچہ وہ ایسی بہادری کے ساتھ لڑے کہ ابن زیاد کے لشکر کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ ابنِ زیاد مارا گیا۔ ابراہیم بن اشتر نے اس کی لاش کو کچلوا کر جلوا دیا اور اُس کا سر المختار کے پاس بھجوا دیا جس نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بعض مورخوں کا کہنا ہے کہ ابنِ زیاد کا سر قلم کرنے کے بعد حضرت امام زین العابدین کے ملاحظہ کے لئے مدینہ بھی بھیجا گیا تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ شیعانِ علیؑ نے جی کھول کر قاتلانِ حسینؑ سے انتقام لیا۔ مورخوں کا بیان ہے کہ انتقامِ حسینؑ کے جوش میں المختار اور شیعانِ علیؑ کے ہاتھوں پچاس ہزار سے زیادہ آدمی حضرت علیؑ اور حضرت امام حسینؑ سے غداری کرنے کے جرم میں قتل کئے گئے تھے۔

شیعانِ علیؑ کا زوال اور المختار کا قتل

شیعانِ علیؑ اگرچہ پورے عراق پر مسلط تھے اور ایک بہت بڑا علاقہ ان کے قبضہ میں آ گیا تھا لیکن وہ دشمنانِ اہلِ بیت کے قتل اور غارتگری میں ایسے منہمک تھے کہ زیرِ تسلط علاقہ میں وہ کوئی باقاعدہ حکومت قائم ہی نہ کر سکے۔ حالانکہ اگر وہ موقعہ

سے فائدہ اُٹھاتے تو بڑی آسانی کے ساتھ عراق میں ایک نہایت ہی مضبوط حکومت قائم کر سکتے تھے
المختار اور شیعانِ علیؑ کے لئے بڑی دُشواری یہ تھی کہ مملکتِ اسلامیہ کے دونوں ہی حکمران
یعنی عبداللہ بن زبیر اور عبدالملک بن مروان ان کے شدید مخالف تھے۔ عبداللہ بن زبیر
تو اس لئے مخالف تھے کیونکہ المختار اور شیعانِ علیؑ نے پورے عراق کو ان کے قبضے سے نکال لیا
تھا اور عبدالملک بن مروان کو اس لئے دشمنی تھی کہ المختار نے چُن چُن کر بنی اُمیہ کے حامیوں کو
عراق میں تہہ تیغ کر دیا تھا۔ غرضکہ مملکتِ اسلامیہ کی دونوں ہی بڑی طاقتیں المختار اور شیعانِ
علیؑ کی شدید مخالف تھیں۔

المختار سے ایک غلطی یہ بھی ہوئی کہ اس نے عراق میں عربوں کے مقابلہ میں عجمیوں کو بڑھانا
شروع کر دیا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ عراق میں عجمیوں کے ہاتھوں عربوں کا قتلِ عام
شروع ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عراق کے وہ عرب جو اس وقت تک المختار کے ساتھ تھے
وہ بھی اس کے مخالف ہو گئے اور انھوں نے عبداللہ بن زبیر کے بھائی مصعب بن زبیر کو جو
ابھی تک بصرہ کے والی تھے المختار کے خلاف فوج کشی کی دعوت دیدی۔ مصعب خود اس موقعہ
کے انتظار میں تھے۔ چنانچہ وہ فوراً ایک بہت بڑا لشکر لیکر کوفہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

کوفہ کے قریب شیعانِ علیؑ اور مصعب کے لشکر کا شدید مقابلہ ہوا۔ شیعانِ علیؑ اور
المختار مقابلہ کی تاب نہ لاکر کوفہ میں قلعہ بند ہو گئے۔ جب اس محاصرہ کو چار مہینے گذر گئے
تو المختار تنگ آکر مع اپنے ساتھیوں کے قلعہ سے باہر نکلا اور بڑی بہادری کے ساتھ
مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا۔ مصعب نے اس کا سر کاٹ کر ابنِ زبیر کے پاس بھیج دیا۔ المختار کے
مارے جانے کے بعد شیعانِ علیؑ کا لشکر منتشر ہو گیا۔ اشتر بن مالک ابنِ زبیر کے حامی بن گئے
اور عراق میں پھر ۷۱ھ (۶۹۰ء) میں عبداللہ بن زبیر کی حکومت قائم ہو گئی۔ مصعب
بن زبیر کو بصرہ کے علاوہ کوفہ کا بھی حاکم مقرر کر دیا گیا۔ مصعب بن زبیر حضرت سکینہ بنتِ
امام حسینؑ کے شوہر ہونے کی وجہ سے محبانِ علیؑ میں بے حد ہردلعزیز تھے۔

عبدالملک کی عراق پر فوج کشی

عبدالملک بن مروان اپنی تخت نشینی کے بعد ہی سے یہ چاہتا تھا کہ عبداللہ بن زبیر کے خلاف فوج کشی کرکے اپنے سب سے بڑے حریف کو ختم کردے لیکن دمشق میں کچھ ایسے حالات وواقعات رُونما ہوتے رہے کہ اُسے ابنِ زبیر کے خلاف کارروائی کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا اس دوران میں جب المختار نے عراق میں قتلِ عام برپا کر رکھا تھا تو عبدالملک نے ایک لشکر اس کی سرکوبی کے لئے ابنِ زیاد کی سرکردگی میں روانہ بھی کیا تھا جسے المختار کے مقابلہ میں بُری طرح شکست ہوئی اور ابنِ زیاد مارا گیا۔

عبدُالملک ابنِ زیاد کے مارے جانے کے بعد عراق پر بہت بڑا حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے لئے دُشواری یہ پیدا ہوگئی کہ ۶۹ھ میں عبدالملک کو والیٔ قرقیسیا کے مقابلہ کے لئے جانا پڑا۔ یہ ابنِ زبیر کا بہت بڑا حامی تھا۔ عبدالملک کے دمشق سے نکلتے ہی اُس کے بھتیجے عمرو بن سعید نے دمشق کا تخت حاصل کرنے کے لئے عبدالملک کے خلاف بغاوت کردی۔ عمرو بن سعید عبدالملک سے اس لئے نالاں تھا کیونکہ عبدالملک کے باپ مروان نے خالد بن یزید کے بعد اسے ولیعہد نامزد کیا تھا لیکن اس نے جب خالد کو ولیعہدی سے برطرف کیا تو عمرو بن سعید کو بھی ولیعہدی سے محروم کردیا تھا۔

عمرو بن سعید کا دعویٰ تھا کہ خالد کی ولیعہدی سے برطرفی کے بعد دمشق کی ولیعہدی پر اُس کا پہلا حق تھا۔ مروان نے اس کی حق تلفی کرکے ناجائز طور پر اپنے بیٹے عبدالملک کو تخت کا وارث قرار دیدیا ہے اس دعوے کی بنا پر وہ عبدالملک کا شروع ہی سے مخالف تھا۔ چنانچہ عبدالملک نے جوں ہی دمشق سے باہر قدم نکالا عمرو بن سعید نے موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے عبدالملک کے خلاف بغاوت برپا کردی۔ عبدالملک کو جب اس بغاوت کا علم ہوا تو وہ والیٔ قرقیسیا سے لڑے بغیر راستہ ہی سے واپس ہوگیا اور دونوں میں دمشق کے تخت کے لئے خونریز جنگ چھڑ گئی۔ آخر عبدالملک نے مصلحتاً اسے ولیعہد مان کر

صلح کرلی۔ اور اس کے بعد دھوکہ سے اسے گرفتار کرکے قتل کرادیا۔ دمشق کی اس خانہ جنگی کے دوران میں عبدالملک کے لئے ایک تازہ مصیبت یہ کھڑی ہوگئی کہ رومی عیسائیو نے سنہ ھ میں شام پر یورش کردی۔ عبدالملک نے ایک بہت بڑی رقم بطورِ خراج ادا کرنے کے وعدہ پر صلح کرلی۔

عبدالملک بن مروان کو جب سلطنت کے اندرونی اور بیرونی جھگڑوں کی طرف سے اطمینان ہوگیا تو اُس نے پوری طاقت کے ساتھ عراق پر حملہ کردیا۔ عبدالملک نے اس جنگ میں تلوار اور زر دونوں سے کام لیا تھا یعنی ایک طرف تو اس کی فوجیں ابن زبیر کے لشکر سے نبرد آزما تھیں دوسری جانب ابنِ زبیر کے آدمیوں کو روپیہ دیکر توڑا جارہا تھا چنانچہ عراقی جو فطری طور پر غدّار واقع ہوئے تھے۔ ان کی بہت بڑی تعداد روپیہ کے لالچ میں عبدالملک سے مل گئی۔ اور مصعب بن زبیر کی طاقت برابر ٹوٹتی چلی گئی۔ مگر مصعب بن زبیر پھر بھی پوری مردانگی کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ وہ اس جنگ میں مارے گئے۔ مصعب بن زبیر کے مارے جانے کے بعد عبدالملک کا بصرہ۔ کوفہ۔ اور پورے عراق پر ۷۲ھ (۶۹۱ء) میں قبضہ ہوگیا۔

مکّہ پہ حملہ اور ابن زبیر کی شہادت

عراق کے نکل جانے کے بعد عبداللہ بن زبیر کی طاقت ٹوٹ چکی تھی عبدالملک کے لئے اب انھیں زیر کرنا دشوار نہ تھا چنانچہ عبدالملک نے حجاج بن یوسف کو ایک بہت بڑا لشکر دیکر مکّہ کی جانب روانہ کردیا۔ عبداللہ بن زبیر کو جب پتہ چلا کہ شامیوں کا لشکرِ عظیم آرہا ہے تو وہ حرم میں قلعہ بند ہوگئے۔ حجاج نے مکّہ کا محاصرہ کرکے بُری طرح سنگ باری شروع کردی۔ اس سنگ باری سے خانۂ کعبہ کو بے حد نقصان پہنچا۔

عبداللہ بن زبیر کئی مہینے تک بڑی دلیری سے مقابلہ کرتے رہے لیکن دن بدن ان کی حالت نازک ہوتی چلی جارہی تھی۔ ان کے پاس نہ سامانِ جنگ باقی رہا تھا اور نہ

رسد۔ ان کی فوج کے سپاہی ٹوٹ ٹوٹ کر دشمن کے لشکر کے ساتھ روپیہ کے لالچ میں جا ملے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے بیٹوں نے بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا لیکن اس کے باوجود بھی عبد اللہ بن زبیر بڑی جرأت اور بہادری کے ساتھ شامی لشکر کا مقابلہ کرتے رہے۔

عبد اللہ بن زبیر اس جنگ کے دوران میں ایک مرتبہ پریشان ہو کر اطاعت کے لئے بھی آمادہ ہو گئے تھے لیکن آپ کی والدہ حضرت اسماءؓ نے ان کو اطاعت سے روکا اور فرمایا کہ "اگر تم حق پر ہو تو لڑتے جاؤ۔ یاد رکھو حق پر جان دینا دُنیا کی زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے"۔ چنانچہ بوڑھی ماں کی اس ہدایت کے بعد آپ ایسی بہادری کے ساتھ لڑے کہ شامیوں کو اپنی پُوری طاقت ان کے مقابلہ پر لگا دینی پڑی۔ آپ کے ساتھ اگرچہ مٹھی بھر آدمی رہ گئے تھے مگر آپ بدستور جانبازی کے جوہر دکھلاتے رہے یہاں تک کہ آپ لڑتے لڑتے ایک گڑھے کے اندر جا پڑے۔ حجاج کو موقعہ مل گیا اُس نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر کر شہید کر دیا اور آپ کا سر کاٹ لیا۔ اور اس طرح ۷۳ھ ہجری (۶۹۲ء) میں مکّہ پر عبد الملک کا قبضہ ہو گیا۔

حضرت عبد اللہ بن زبیر کی عمر شہادت کے وقت بہتر سال کی تھی۔ آپ نے آٹھ برس مکّہ میں خلافت کی۔ آپ کی شہادت کے بعد حجاج بن یوسف نے آپ کی لاش کی بے حُرمتی کر کے سُولی پر لٹکا دیا تھا۔ اتفاق سے آپ کی والدہ حضرت اسماءؓ کا ادہر سے گذر ہوا تو آپنے بیٹے کی لاش کو سولی پر لٹکتا ہوا دیکھ کر فرمایا "ابھی یہ شہسوار سواری سے نہیں اُترا ہے"۔

مکّہ کی فتح کے بعد حجاج بن یوسف نے مدینہ اور حجاز کے دوسرے علاقوں پر قبضہ جما یا۔ غرضکہ ۷۳ھ (۶۹۲ء) میں عبد الملک بن مروان کی حکومت پوری مملکتِ اسلامیہ میں قائم ہو گئی۔

حجّاج بن یُوسف عراق کا گورنر

عراق کی فتح کے بعد عبد الملک بن مروان نے اپنے بھائی بشیر بن مروان کو کوفہ

کا عامل مقرر کر دیا تھا اور موسیٰ بن نصیر کو اُس کا مُشیر بنا دیا تھا۔ موسیٰ بن نصیر مروان کے خاندان کا پُرانا معتمد اور نہایت ہی ہوشمند مدبّر تھا جو بڑی ہوشیاری کے ساتھ کوفہ کی حکومت چلاتا رہا۔ اسی زمانہ میں خالد بن عبداللہ بن زیاد کو بھی بصرہ کا حاکم مقرر کیا گیا تھا۔ بشیر بن مروان کو کوفہ کی حکومت سنبھالے ہوئے صرف چند ماہ ہوئے تھے کہ وہ اچانک فوت ہو گیا۔

بشیر بن مروان اور موسیٰ بن نصیر کو کوفہ کی حکومت کے چلانے میں بڑی دُشواریاں پیش آئی تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کوفہ والے فطرتاً نہایت ہی شرارت پسند واقع ہوئے تھے۔ ان کا یہ قاعدہ تھا کہ جو بھی عامل کوفہ میں مقرر کیا جاتا تھا۔ اسے بُری طرح پریشان کرتے تھے۔ یہی حالت عراق کے دوسرے باشندوں کی بھی تھی۔ کوفہ اور عراق کے باشندوں کی اس خودسری کو دیکھتے ہوئے عبدالملک بن مروان نے بشیر بن مروان کی موت کے بعد حجاج بن یوسف جیسے ظالم و جابر حاکم کو عراق کا گورنر مقرر کر دیا تاکہ وہ عراقیوں کو مار مار کر سیدھا کر دے۔

حجاج بن یُوسف نے کوفہ میں قدم رکھتے کے ساتھ ہی کوفہ والوں کے خلاف ایسا سخت رویہ اختیار کیا کہ وہ اپنی فتنہ پردازیاں بھول گئے۔ کوفہ کے بعد حجاج بصرہ گیا اور اس نے وہاں بھی شورش پسندوں کو بہت بُری طرح جھنجوڑا۔ یہاں کے لوگ بھی اس کے خوف سے کانپنے لگے۔ لیکن اسی زمانہ میں اس نے جب بصرہ کی فوج کی تنخواہیں کم کیں تو فوج میں حجاج کے خلاف بغاوت پھیل گئی۔ حجاج کی طاقت کیونکہ کمزور تھی اس لئے وہ شروع میں تو خاموش ہو گیا لیکن جب اس کی امداد کے لئے تازہ دم فوج آ گئی تو اس نے باغیوں کا بُری طرح قتل عام کر کے ان کے اٹھارہ سرداروں کے سر عبدالملک کے پاس دمشق بھیج دیئے۔ غرضکہ حجاج نے اپنی شعلہ بار تقریروں سے اور جابرانہ رویہ کے ذریعہ عراقیوں کی تمام سرکشی کو ختم کر کے رکھ دیا۔

خارجیوں کی شورش اور شبیب کی جانبازی

خارجیوں کی شورش

حضرت علی کرم اللہ وجہ کے عہدِ حکومت ہی سے مملکتِ اسلامیہ کے لئے ایک مستقل مصیبت بنی ہوئی تھی۔ چنانچہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ان کی شورش کا طوفان تقریباً ہر خلیفہ کے عہدِ حکومت میں برابر اُٹھتا رہا ہے۔ ان کو جب سختی سے دبایا جاتا تھا تو یہ وقتی طور پر خاموش ہو کر بیٹھ جاتے تھے لیکن جوں ہی ان کو موقعہ ملتا تھا یہ پھر شورش پر آمادہ ہو جاتے تھے

خارجیوں کی شورش کا سب سے بڑا مرکز اوّل ہی سے عراق و فارس تھے جہاں یہ آئے دن ہنگامے برپا کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ۷۶ھ میں انھوں نے عبد الملک بن مروان کے دورِ حکومت میں پھر نئے سرے سے شورش برپا کرنی شروع کر دی تھی۔ عبد اللہ بن زبیر کے زمانہ میں چونکہ مہلب بن ابی صفرہ خارجیوں کی شورش دبانے پر متعین تھا۔ اس لئے عبد الملک نے اپنے دور میں بھی یہ کام اسی کے سپرد کر دیا اس نے مختلف مقامات پر خارجیوں کی شورش کو بڑی قابلیت سے دبا دیا لیکن حالت یہ تھی کہ اگر ایک جگہ خارجیوں کی شورش کو دبایا جاتا تھا تو دوسری جگہ اس سے بھی زیادہ شورش اُٹھ کھڑی ہوتی تھی۔

عراق و فارس میں عبد الملک کے عمال نے جو سخت گیری کی پالیسی اختیار کر رکھی تھی۔ اس کے خلاف آواز بلند کرنے کے لئے جب جزیرہ کے ایک بزرگ صالح اُٹھے تو ان کے ساتھ ہزاروں آدمی شامل ہو گئے۔ خارجی چونکہ عبد الملک کی حکومت کے سخت مخالف تھے۔ اس لئے خارجیوں کا لیڈر اور سردار شبیب بھی صالح کے ہمنوا بن گیا۔ اور اس نے صالح کے ساتھ مل کر عبد الملک کی حکومت کے خلاف سخت ہنگامہ برپا کر دیا۔ صالح اور شبیب نے متحد ہو کر ایک بہت بڑی جمعیت اپنے ہم خیالوں کی پیدا کر لی تھی اور ان کا منشا اور مقصد یہ تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو عبد الملک کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا جائے۔ چنانچہ عبد الملک کی جانب سے جب صالح اور شبیب کے اس ہنگامہ کو دبانے کے لئے عدی کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجا گیا تو اسے صالح اور شبیب کے مقابلہ میں شکست ہو گئی۔

عدی کی شکست کے بعد حجاج بن یوسف نے پانچ ہزار کا ایک تازہ دم لشکر

صالح اور شبیب کے مقابلہ پر حارث کی سرکردگی میں اور روانہ کر دیا۔ اس لشکر نے موصل کے قریب ایک دیہات میں صالح اور شبیب کو گھیر لیا۔ صالح اور شبیب کے ساتھ اس وقت چونکہ صرف نوّے آدمی تھے۔ اس لئے انھیں شکست ہو گئی صالح مارا گیا۔ اور شبیب بھاگ کر قریب کے ایک قلعہ میں پناہ گزیں ہو گیا اور جب رات ہو گئی تو شبیب کے مٹھی بھر جانباز اچانک حارث کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ لشکر کے آدمی چونکہ سو رہے تھے اس لئے انھوں نے سمجھا کہ کوئی بڑا لشکر آ گیا ہے لہٰذا وہ بدحواس ہو کر بھاگے اور ان کا تمام سامان اور اسباب شبیب کے ہاتھ آیا۔

اس غیر متوقع فتح کے بعد شبیب نے اپنی طاقت خوب بڑھائی اور امیر المومنین کا لقب اختیار کرنے کے بعد اس نے عراق میں جابجا شورشیں برپا کرنی شروع کر دیں۔ اس کی طاقت کا یہ عالم تھا کہ حجاج بن یوسف نے اس کے مقابلہ کے لئے جتنی بھی فوجیں بھیجیں ان سب کو اس نے فرداً فرداً شکست دیدی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ کوفہ میں بھی آن گھسا اور اس نے کوفہ کے باشندوں کا بُری طرح قتلِ عام کیا اور خوب غارتگری مچانے کے بعد دوسرے علاقوں کی جانب نکل گیا حجاج نے اس کے تعاقب میں جو فوج بھی بھیجی شبیب نے اسے پسپا کر دیا۔ قصہ مختصر یہ کہ حجاج بن یوسف سے شبیب کی پچاس کے قریب لڑائیاں ہوئیں اور ان لڑائیوں میں سے تقریباً ہر لڑائی میں حجاج کے لشکر کو شبیب کے مقابلہ شکست کی ذلت اُٹھانی پڑی اور شبیب کے ہاتھوں حجاج بن یوسف کی فوج کے بے شمار افسر مارے گئے۔

خارجیوں کے رہنما شبیب کی موت

شبیب اور حجاج بن یوسف کی آخری لڑائی اہواز میں ہوئی تھی۔ اس جنگ میں بھی شبیب کی سرکردگی میں خارجی ایسی بہادری کے ساتھ لڑے تھے کہ حجاج کے لشکر کے چھکے چھوٹ گئے تھے۔ رات کے وقت جب جنگ بند ہو گئی تو شبیب دریا عبور کرکے پُل کے اُوپر سے جا رہا تھا۔ کہ اس کا گھوڑا ابدکا اور مع شبیب کے دریا میں کود پڑا

شبیب نے دریا سے نکلنے کی ہر چند کوشش کی مگر پانی بہت زیادہ تھا اس لئے وہ ڈوب گیا۔ اور اس طرح خارجیوں کے اُس جانباز سردار کا خاتمہ ہو گیا جس نے کہ اپنے مٹھی بھر جانثاروں کے ذریعہ عراق میں عبدالملک کی حکومت کی بنیادوں کو ہلا ڈالا تھا۔ اور جس کے مقابلہ میں حجاج بن یوسف جیسا سپہ سالار بھی زِچ ہو گیا تھا۔ یہ واقعہ ۷۷ھ کا ہے شبیب کے ڈوبنے کے بعد اس کی لاش نکالی گئی۔ اور اس کا سر کاٹ کر عبدالملک کے پاس بھیجا گیا۔ مورخوں کا بیان ہے کہ شبیب کا سینہ چیر کر جب اس کا دل نکلوا کر دیکھا گیا تو وہ بہت بڑا اور پتھر کی طرح سخت تھا۔"

خارجیوں کا یہ فتنہ صرف شبیب کی موت پر ہی ختم نہیں ہو گیا بلکہ اس کے بعد دوسرے خارجی سردار کرمان اور ازارقہ بھی شدید ہنگامے برابر برپا کرتے رہے ان ہنگاموں کو دبانے کے لئے حجاج نے مہلب جیسے تجربہ کار افسر کو بھیجا جو بڑی مشکل سے ان پر قابو پا سکا۔ غرضکہ عبدالملک بن مروان کی حکومت میں کئی سال تک مسلسل خارجیوں نے بُری طرح شورش برپا رکھی جسے بڑی مشکل سے دبایا گیا۔ جب خارجیوں کی یہ شورش دب گئی تو عبدالملک بیرونی فتوحات کی جانب متوجہ ہوا۔

قیصر روم سے مسلمانوں کی جنگ

امیر معاویہ کے زمانہ سے لیکر عبدالملک بن مروان کے عہدِ حکومت تک چونکہ مسلمان زیادہ تر خانہ جنگیوں میں مبتلا رہے۔ اس لئے قسطنطین قیصر روم نے مسلمانوں کی اس خانہ جنگی سے خوب فائدہ اُٹھایا جب بھی اسے موقع ملتا تھا وہ مسلمانوں کے کسی نہ کسی مفتوحہ ملک پر قبضہ جما لیتا تھا۔ خاص طور پر اُس نے شمالی افریقہ کے اکثر و بیشتر علاقوں کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکال لیا تھا حالانکہ مسلمان بار بار کئی مرتبہ شمالی افریقہ کے باغی علاقوں کو زیر کر چکے تھے۔

قیصر روم کی دست درازیاں صرف اسی حد تک محدود نہیں تھیں۔ بلکہ اس نے

مسلمانوں کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے مسلم حکمرانوں سے باقاعدہ خراج وصول کرنا شروع کر دیا تھا۔ جس کی مقدار امیر معاویہ کے زمانہ میں تو صرف تین ہزار اشرفی سالانہ تھی لیکن عبدالملک بن مروان کے عہد میں یہ خراج بڑھتے بڑھتے تین لاکھ پچیس ہزار اشرفی سالانہ تک پہنچ گیا تھا اس کے علاوہ عبدالملک کو سالانہ تین سو پینسٹھ گھوڑے بھی دینے پڑتے تھے۔

عبدالملک جب تک ملک کے اندرونی جھگڑوں میں مبتلا رہا وہ قیصرِ روم کو یہ خراج برابر ادا کرتا رہا لیکن جُوں ہی اسے اندرونی جھگڑوں سے نجات ملی۔ اس نے اس خراج کی ادائیگی سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ ۷۶ھ (۶۹۵ء) میں ایک بڑا لشکر جہازوں کے ذریعہ بھیج کر قیصرِ رُوم کی سلطنت پر پوری طاقت سے حملہ کر دیا اور سخت خونریزی کے بعد مسلمانوں نے لزوکا اور بازکیم پر قبضہ کر لیا۔

شمالی افریقہ میں مسلمانوں کی فتوحات

رُوم کے معرکہ کے بعد مسلمان شمالی افریقہ کی جانب متوجہ ہوئے۔ گزشتہ چند سال کے اندر رومیوں اور بربریوں نے مل کر تقریباً پورے شمالی افریقہ کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکال لیا تھا۔ اور زبیر بن قیس حاکم برقہ کو ہلاک کر دیا تھا۔ عبدالملک کو زبیر کے قتل کا بےحد صدمہ ہوا تھا لیکن یہ وہ زمانہ تھا جب وہ عبداللہ بن زبیر کے خلاف جنگ میں مصروف تھا اس لئے افریقہ کی جانب کوئی توجہ نہ کر سکا مگر عبدالملک کو جب دوسرے جھگڑوں سے کسی قدر اطمینان ہو گیا تو اس نے ۷۷ھ (۶۹۶ء) میں حسین بن نعمان کو چالیس ہزار کا لشکر دیکر افریقہ کی تسخیر کے لئے روانہ کر دیا۔

شہر کارتھج ان دنوں رومیوں اور بربریوں کی جنگی سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز بنا ہوا تھا اس لئے حسین بن نعمان نے سب سے پہلے اسی شہر کا محاصرہ کیا۔ لیکن جب سخت محاصرہ کے باوجود بھی رومیوں نے ہتھیار نہیں ڈالے تو سرفروش مسلمان سیڑھیاں لگا لگا کر قلعہ کی فصیل کے اندر اُتر گئے اور انتہائی دلیری سے کام لیکر شہر کارتھج فتح کر لیا۔

مسلمان ابھی پوری طرح کارتھیج پر قبضہ بھی نہیں جما سکے تھے کہ رومیوں کا ایک بہت بڑا بحری لشکر قسطنطنیہ اور سسلی سے کارتھیج پہنچ گیا۔ اور نئے سرے سے کارتھیج کے لئے جنگ چھڑ گئی اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور کارتھیج پر دوبارہ رومیوں کا قبضہ ہوگیا لیکن چند ہی روز کے بعد جب مسلمانوں کی امداد کے لئے دمشق سے تازہ دم فوج پہنچ گئی تو مسلمانوں نے رومیوں کو کارتھیج سے نکال کر اس تاریخی شہر میں آگ لگادی اور سارے شہر کو جلا کر خاک کر دیا۔

افریقہ کی ملکہ "دابیہ" سے مسلمانوں کی جنگ

کارتھیج کے مورچہ پر اگرچہ رومیوں کو شکست ہوچکی تھی

لیکن اس کے باوجود بھی رومیوں کا زور بدستور افریقہ میں باقی تھا۔ مسلمانوں پر نئے سرے سے حملہ کرنے کے لئے رومیوں اور بربریوں کی بہت بڑی تعداد جبل میں جمع ہو رہی تھی جبل کی حکمراں ملکہ دابیہ تھی جو کاہنہ کے نام سے مشہور تھی۔ بربری اور رومی دونوں اس ملکہ کا پیغمبروں کی طرح احترام کرتے تھے۔

مسلمانوں نے جب دیکھا کہ رومی اور بربری ملکہ دابیہ کے گرد جمع ہو رہے ہیں تو انھوں نے اس ملکہ کے خلاف یورش کر دی لیکن ملکہ اور اس کے ساتھی ایسی جرأت اور بہادری کے ساتھ لڑے کہ مسلمانوں کو اس کے مقابلہ پر راہِ فرار اختیار کرنی پڑی غرضکہ شمالی افریقہ کے بیشتر حصہ پر ملکہ دابیہ کا قبضہ ہوگیا۔ اس ملکہ کی رائے تھی کہ مسلمان محض اس لئے افریقہ پر بار بار حملے کر رہے ہیں کیونکہ اس ملک میں بے نظیر عمارتیں ہیں۔ پھلوں سے لدے ہوئے باغ ہیں۔ بے اندازہ مال و دولت ہے۔ اگر ان سب چیزوں کو برباد کر دیا جائے تو پھر مسلمان افریقہ کی طرف رُخ بھی نہیں کریں گے لہٰذا اس ملکہ نے اپنے علاقہ کے شہروں کی بلند و بالا عمارتوں کو مسمار کرا دیا۔ باغ اور سرسبز کھیتوں کو آگ لگوا دی۔ اور مال و اسباب برباد کر ڈالا جس کے بعد طرابلس تک کا زرخیز اور آباد ملک ویران اور بنجر ہو گیا۔

ملکہ دابیہ کی توڑ پھوڑ کی یہ غیر دانشمندانہ پالیسی مفید ہونے کی بجائے اُس کے لئے اُلٹی مُضر ثابت ہوئی کیونکہ افریقہ کے وہ تمام باشندے جنکی جائدادوں باغوں اور کھیتوں کو ملکہ کے حکم سے برباد کیا گیا تھا ملکہ کے مخالف ہوگئے۔ چنانچہ اس ویرانی کے بعد جب مسلمان اس ملکہ کے خلاف حملہ آور ہوئے تو اس علاقہ کے باشندوں نے مسلمانوں کی آمد کو فال نیک سمجھتے ہوئے ملکہ کا ساتھ چھوڑ دیا اور ملکہ کو شکست ہوگئی۔ ملکہ کو گرفتار کرنے کے بعد قتل کر دیا گیا۔ اور اس طرح افریقہ کے بیشتر علاقہ پر حسین بن نعمان کا قبضہ ہوگیا۔

اس عظیم الشان فتح کے بعد حسین بن نعمان بے اندازہ مال غنیمت اور ملکہ دابیہ کا سر لیکر عبدالملک کے پاس پہنچا۔ عبدالملک نے خوش ہوکر بارقہ کی حکومت کا پروانہ بھی حسین بن نعمان کو عطا کر دیا۔

پورے افریقہ پہ مسلمانوں کا قبضہ

حسین بن نعمان کو جس زمانہ میں کہ افریقہ میں یہ شاندار فتوحات حاصل ہو رہی تھیں عبدالملک کا بھائی عبدالعزیز بن مروان اسی زمانہ میں مصر کا گورنر تھا۔ اور صوبہ بارقہ کو وہ اپنی حکومت کا جزو خیال کرتا تھا چنانچہ اس نے صوبہ بارقہ میں اپنی جانب سے ایک نائب بھی مقرر کر رکھا تھا۔ اُسے جب یہ معلوم ہوا کہ حسین بن نعمان بالا ہی بالا دمشق جاکر بارقہ کا پروانہ حکومت لے آیا ہے۔ تو اُسے حسین بن نعمان سے سخت ناگواری پیدا ہوئی اور اُس نے ذاتی اختیارات سے کام لیکر اُسے نہ صرف بارقہ کی حکومت سے محروم کر دیا بلکہ افریقہ کے دوسرے علاقوں کی حکومت بھی اس سے چھین لی۔ عبدالعزیز بن مروان کے اس غیر منصفانہ طرز عمل سے نعمان کو اتنا صدمہ ہوا کہ وہ اسی صدمہ میں مر گیا۔

حسین بن نعمان کی معزولی کے بعد عبدالعزیز بن مروان نے موسیٰ بن نصیر کو شمالی افریقہ کا عامل مقرر کر دیا۔ موسیٰ بن نصیر اس سے قبل عراق میں بشیر بن مروان کے مشیر کی خدمات انجام دیتا رہا تھا لیکن جب عراق کی حکومت حجاج کے ہاتھ میں آئی تو اس نے

موسیٰ بن نصیر پر بیت المال کی رقم کے غبن کا الزام لگا کر عراق سے نکال دیا تھا۔ عراق سے بھاگ کر جب یہ دمشق پہنچا تو عبد الملک نے اس پر غبن کے الزام میں پچاس ہزار اشرفی کا جرمانہ کر دیا تھا۔ عبد العزیز بن مروان اتفاق سے اسی زمانہ میں مصر سے دمشق آیا ہوا تھا۔ یہ موسیٰ بن نصیر پر بہت مہربان تھا۔ اس نے اپنی جیبِ خاص سے یہ جرمانہ ادا کر دیا اور موسیٰ بن نصیر کو اپنے ہمراہ مصر لے گیا۔ چنانچہ اسی وقت سے موسیٰ بن نصیر عبد العزیز کے ساتھ مصر میں تھا۔

موسیٰ بن نصیر کی عمر تقریباً ساٹھ سال تھی یہ بہت بڑا مدبّر اور سپہ سالار تھا۔ افریقہ کی حکومت ہاتھ میں آنے کے ساتھ ہی اس نے نئی نئی فتوحات حاصل کرنی شروع کر دیں۔ اس نے طرابلس۔ ٹیونس۔ الجیریا اور مراکش کے علاقے ایک ایک کر کے فتح کر لئے اور ۸۸ھ (۷۰۳ء) میں وہاں نہایت ہی مضبوط اسلامی حکومت قائم کر دی۔ اور اس طرح پورے شمالی افریقہ پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔ افریقہ کی فتح میں مسلمانوں کو بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ ملک کئی مرتبہ فتح ہوا اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل نکل گیا۔ آخر عبد الملک کے دورِ حکومت میں اس ملک پر مسلمانوں کو کامل تسلط حاصل ہو گیا

جزیرہ سسلی پر مسلمانوں کا حملہ

موسیٰ بن نصیر بڑا ہی فطرت شناس افسر تھا۔ شمالی افریقہ کی فتح کے بعد اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ یہاں کی اُن تمام شورہ پشت قوموں کو اپنے ساتھ ملا لیا جو شمالی افریقہ میں برابر فتنے برپا کرتی رہتی تھیں۔ چنانچہ بربری قوم اور مور قوم جو سب سے زیادہ بہادر اور فتنہ پرداز قومیں تھیں۔ موسیٰ بن نصیر نے ان دونوں کو اپنا معاون اور مددگار بنا لیا۔

موسیٰ بن نصیر کے تدبّر اور ہوشمندی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنی فوج کو کسی خاص نسل اور مذہب تک محدود نہیں رکھا۔ بلکہ مسلمان۔ عیسائی۔ یہودی ستارہ پرست اور بُت پرست۔ سب ہی اس کی فوج میں شامل تھے۔ غرضکہ افریقہ کی جملہ

اقوام اور مذاہب کے باشندوں کو موسیٰ بن نصیر نے فوج میں بھرتی کر کے اپنی فوجی طاقت کو خوب بڑھا لیا تھا موسیٰ بن نصیر کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے ٹیونس میں ایک بہت بڑی بندرگاہ بنائی تھی۔ اور اس بندرگاہ میں جہاز سازی کا ایک بہت بڑا کارخانہ قائم کیا تھا۔ جہاں بڑے بڑے عظیم الشان جہاز اور کشتیاں تیار ہوتی تھیں۔

موسیٰ بن نصیر نے اپنے اسی کارخانہ کے تیار شدہ جہازوں اور کشتیوں کے ذریعہ ۸۵ھ (۷۰۴ء) میں جزیرہ سارڈینیا اور سسلی پر ایک بہت بڑے لشکر سے حملہ کیا تھا جزیرہ سسلی کی رومی فوج مسلمانوں کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر فرار ہو گئی تھی جس کے بعد اسلامی لشکر نے جزیرہ سسلی کو اچھی طرح لوٹا تھا اور لوٹ مار کے بعد اسلامی لشکر ٹیونس کی بندرگاہ میں واپس آ گیا۔

حجاج بن یوسف کے خلاف اشعث کی بغاوت

سیستان کی فتح کے سلسلہ میں حجاج بن یوسف کے خلاف عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت میں جو انقلابی ہنگامہ برپا ہوا تھا اسے شاہانِ بنی امیہ کی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس ہنگامہ کی تفصیل یہ ہے کہ سیستان کا ترک فرمانروا رتبیل عبداللہ بن زبیر کے زمانہ میں باغی ہو گیا تھا۔ عبداللہ بن زبیر اور ان کے بعد عبدالملک کی حکومت نے بار بار فوجیں بھیج کر اس کو زیر کرنے کی کوشش کی لیکن تقریباً ہر مرتبہ ناکامی ہوئی۔

آخر حجاج بن یوسف نے ۸۰ھ میں ایک لائق افسر ابن اشعث کی سرکردگی میں ایک سیستان کو زیر کرنے کے لئے ایک بہت بڑا لشکر روانہ کیا۔ ابن اشعث نہایت ہی ہوشیار سپاہی تھا اس نے مختصر سے عرصہ میں سیستان کا بیشتر علاقہ فتح کر لیا۔ مگر باقی حصہ کی فتح کو اس لئے ملتوی کر دیا کیونکہ وہ اس علاقہ میں پیش قدمی سے قبل جغرافیائی حالات معلوم کرنا چاہتا تھا۔

حجاج کو جب پتہ چلا کہ ابن اشعث نے پیش قدمی موقوف کر دی ہے تو اس نے ابن اشعث کو ایک نہایت ہی سخت خط لکھا جس میں اس پر آرام طلبی کا الزام لگایا گیا

ابن اشعث یہ خط پڑھنے کے بعد مشتعل ہوگیا۔ اور اس نے سیستان کے حکمران رتبیل سے صلح کر کے حجاج بن یوسف کے خلاف الٹی بغاوت برپا کر دی۔

حجاج کے جابرانہ رویہ سے چونکہ سب ہی نالاں تھے۔ اس لئے علاوہ اس لشکر کے جو ابن اشعث کے ہمراہ تھا۔ ہزارہا آدمی اس کے ساتھ اس بغاوت میں شامل ہوگئے۔ اور ابن اشعث کے ساتھیوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔

ابن اشعث اپنی جمعیت کو لیکر عراق کی جانب پلٹ پڑا۔ اس نے عراق کے اکثر حصوں پر قبضہ کر لیا۔ یہاں تک کہ کوفہ اور بصرہ پر بھی اس کا قبضہ ہوگیا۔ حجاج کو تقریباً ہر مورچہ پر اس کے مقابلہ میں شکست ہوئی لیکن ۸۲ھ میں جبکہ اشعث کی طاقت گھٹ گئی تھی اشعث کو کوفہ کے قریب شکست ہوگئی اور وہ بصرہ چلا گیا۔ حجاج نے کوفہ میں دوبارہ داخل ہو کر باشندوں کا بری طرح قتل عام کیا۔ کوفہ کے بعد حجاج بصرہ کی جانب متوجہ ہوا اور یہاں بھی اشعث اور حجاج کے درمیان بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں اشعث شکست کھا کر سیستان بھاگ گیا۔ حجاج بن یوسف نے اشعث کے فتنہ کو دبانے کے لئے یہ چال چلی کہ اس نے سات برس کا خراج معاف کرنے کی پیشکش کر کے سیستان کے والی رتبیل سے صلح کر لی۔ رتبیل نے صلح کے بعد ابن اشعث کو گرفتار کر کے حجاج کے پاس روانہ کر دیا لیکن اس نے راستہ ہی میں خودکشی کر لی۔ اشعث بڑے دل اور گردے کا انسان تھا۔ اگر اسے موقعہ ملتا تو کوئی تعجب نہ تھا کہ وہ عراق کا خودمختار بادشاہ بن بیٹھتا۔ اشعث کی موت کا یہ واقعہ ۸۵ھ میں پیش آیا تھا۔

عبدالملک بن مروان کی وفات

۸۶ھ میں جبکہ سیستان کا معرکہ درپیش تھا عبدالملک بن مروان استسقا کے مرض میں بری طرح مبتلا تھا۔ اس کی حالت یہ تھی کہ وہ رات دن پانی پیتا تھا مگر اس کے پیٹ کی آگ کسی طرح نہ بجھتی تھی اطباء نے اسے پانی دینے کی قطعی ممانعت کر دی تھی لیکن

وہ پھر بھی پانی پینے سے باز نہیں آیا۔ اور اسی مرض میں سال سوا سال مبتلا رہنے کے بعد ۶۰ سال کی عمر میں ۸۶ھ (۷۰۵ء) میں فوت ہو گیا۔ اس نے بیس سال حکومت کی۔

عبدالملک کے باپ مروان نے اپنی زندگی ہی میں عبدالملک کے بعد اپنے دوسرے بیٹے عبدالعزیز بن مروان کو ولیعہد نامزد کر دیا تھا۔ لیکن عبدالعزیز چونکہ عبدالملک کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا تھا۔ اس لئے عبدالملک نے ۸۵ھ میں اپنے دونوں لڑکوں ولید اور سلیمان کو یکے بعد دیگرے ولیعہدی کے لئے نامزد کر کے ان کے لئے بیعت لیلی تھی چنانچہ عبدالملک کے بعد اس کا بیٹا ولید بن عبدالملک، دمشق کے تخت پر بیٹھا۔

عبدالملک کے عہد کے چند قابلِ ذکر واقعات

عبدالملک امیر معاویہ کے بعد خاندان بنی اُمیہ کا دوسرا قابلِ ذکر بادشاہ ہے جس نے کہ بنی اُمیہ کے اس قصرِ حکومت کو جس کی بنیادیں یزید کے بعد ہل گئی تھیں از سرِ نو تعمیر کیا۔ اس بادشاہ نے بڑے استقلال اور ہمت سے کام لیتے ہوئے نہ صرف اپنے سب سے بڑے مخالف عبداللہ بن زبیر کو شکست دیدی بلکہ اُن فتنہ پرداز عناصر کو بھی بڑی بلند قامتی اور جرأت کے ساتھ کچل ڈالا جنہوں نے کہ اس کی حکومت میں بُری طرح طوفان اور ہنگامے برپا کر رکھے تھے۔

عبدالملک کے زمانہ کی فتوحات پر تو ہم روشنی ڈال ہی چکے ہیں لیکن اس کے زمانہ کی اصلاحات اور ترقیات پر کچھ نہیں لکھا گیا ہے۔ اس لئے ہم ان پر بھی ہلکی سی روشنی ڈالدینا بہت ضروری سمجھتے ہیں۔ اس سے قبل یہ بتایا جا چکا ہے کہ حجاج بن یوسف نے جب مکہ پر سنگباری کی تھی اس سے خانہ کعبہ کو شدید نقصان پہنچ گیا تھا۔ عبدالملک نے اس تمام نقصان کی تلافی کرتے ہوئے خانۂ کعبہ کی مرمّت کرا دی تھی۔

عبدالملک کے عہدِ حکومت سے قبل اموی خلفا کے دور میں حکومت کی دفتری زبان عربی کی بجائے فارسی بن گئی تھی۔ عبدالملک نے دوبارہ عربی کو سرکاری زبان قرار

دیدیا جس سے عربی زبان کو خوب ترقی حاصل ہوئی۔ اسلامی سکہ سب سے پہلے اسی بادشاہ کے عہدِ حکومت میں رائج ہوا۔ ورنہ اس سے قبل مسلمانوں کا کوئی اپنا سکہ نہ تھا۔ رومی ایرانی اور قبطی سکوں سے کام چلایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اس بادشاہ کے دورِ حکومت میں کئی نئے شہر بھی بسائے گئے اور رفاہِ عام کے بہت سے کام انجام دیے گئے۔



ولید بن عبد الملک

عبد الملک کے مرنے کے بعد اس کا بڑا بیٹا ولید ۸۶ھ (۷۰۵ء) میں دمشق کے تخت پر ۴۰ سال کی عمر میں بیٹھا۔ ولید بن عبد الملک کی تعلیم گو نہایت ہی معمولی تھی۔ لیکن اس نے اپنے کارناموں سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ اپنے زمانہ کا سب سے لائق فرمانروا تھا چنانچہ اُس کے عہدِ حکومت میں مسلمانوں کو ایسی شاندار فتوحات حاصل ہوئیں کہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ کی فتوحات کی یاد پھر ایک بار تازہ ہوگئی۔

ولید کی خوش قسمتی سے ایک تو اسے ایسا زمانہ مل گیا تھا جبکہ مملکتِ اسلامیہ اندرونی جھگڑوں اور خانہ جنگیوں سے بالکل پاک ہو چکی تھی۔ دوسرے اسے نصف درجن سے بھی زیادہ ایسے لائق سپہ سالار حاصل ہو گئے تھے۔ جن میں سے ہر ایک اپنے زمانہ کا دوسرا خالد بن ولید ثابت ہوا۔

ولید کے زمانہ کی عظیم الشان فتوحات

ولید بن عبد الملک کے زمانہ کی فتوحات پر جب غور کیا جاتا ہے تو انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی غیر معمولی جرأت اور حوصلہ مندی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اس بادشاہ کے عہدِ حکومت کی فتوحات کا یہ عالم تھا کہ ولید کے بھائی مسلم بن عبد الملک نے رومی حکومت کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ مسلمہ کا بیٹا قتیبہ ترکستان کو فتح کرتا ہوا چین میں جا گھسا تھا اور خاقان چین کو اطاعت کے لئے مجبور کر دیا تھا۔ اسی زمانہ میں موسیٰ بن نصیر اور طارق نے اسپین۔ پرتگال اور جنوبی فرانس فتح کرکے تمام یورپین ممالک کو لرزہ براندام کر دیا تھا۔ حجاج بن یوسف کے نائب محمد بن قاسم نے ایک ہی حملہ میں ہندوستان کا بیشتر علاقہ فتح کر لیا تھا۔ گویا ان پرجوش

مجاہدین نے چار پانچ سال کے اندر کرۂ ارض کے نصف سے بھی زیادہ حصہ پر قبضہ جمالیا تھا حقیقت یہ ہے کہ یہ ایسی شاندار فتوحات ہیں جن کی مثال دُنیا کی تاریخ میں ملنی ناممکن ہے ذیل میں ہم ان عظیم الشان فتوحات کا ہلکا سا خاکہ پیش کرتے ہیں۔

قسطنطنیہ اور سلطنت رُوم پر حملہ

یُوں تو ولید کے باپ عبد الملک ہی کے زمانہ سے قیصر روم کے خلاف جنگی سرگرمیاں شروع ہوگئی تھیں لیکن ولید کی تخت نشینی کے بعد ان سرگرمیوں میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ چنانچہ ۸۸ھ (۷۰۶ء) میں ولید کے بھائی مسلمہ بن عبد الملک نے مصیصہ کے علاقہ پر حملہ کر کے بہت سے قلعے فتح کر لئے اور جزیرہ کے راستہ سے فوج کشی کر کے طیانہ کو محاصرہ میں لے لیا۔ طیانہ نہایت ہی مستحکم شہر تھا جس میں قیصر کی بے اندازہ فوج موجود تھی لیکن مسلمانوں نے ایسی سختی کے ساتھ محاصرہ کیا کہ رسد کا ایک دانہ بھی اس شہر میں نہ پہنچ سکا آخر رومیوں کی امداد کے لئے جب قیصر کا تازہ دم لشکر آگیا تو رومی قلعہ سے نکل کر لڑے اور ان کو مسلمانوں کے مقابلہ میں بُری طرح سے شکست کا مُنھ دیکھنا پڑا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے سوریہ اور آرمینیا پر حملہ کر کے اسے مطیع کر لیا۔ اور شہر اماسیا کو بھی محاصرہ کے بعد فتح کر لیا۔ پھر مسلمانوں نے گلیشیا کی جانب پیش قدمی کر کے اسے تاراج کر ڈالا۔ یہاں تک کہ قسطنطنیہ کو بھی مسلمانوں نے محاصرہ میں لے لیا۔ اس محاصرہ میں رومی عیسائیوں کو سخت نقصان پہنچا اور انھوں نے دب کر مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لی۔

جس زمانہ میں کہ اسلامی لشکر قیصر رُوم سے برسرِ پیکار تھا۔ اسی زمانہ میں ولید بن عبد الملک کا لائق جرنیل موسیٰ بن نصیر مراکش کے اُن باقی علاقوں کو فتح کرنے میں مصروف تھا جو عبد الملک کے عہدِ حکومت میں فتح ہونے سے باقی رہ گئے تھے۔ اس کے علاوہ ولید کے ابتدائی دورِ حکومت میں اسلامی لشکر نے بحر روم کے کئی اہم جزیروں پر بھی حملہ کیا تھا۔

رُوسی ترکستان کی فتوحات

رُوسی ترکستان کا وہ علاقہ جو ایران اور چین کے

درمیان واقع ہے۔ ہمیشہ سے جنگجو اقوام کے لئے غیر معمولی شہرت رکھتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے اس سے قبل جب ترکستان کے علاقوں کو فتح کیا تھا تو ان علاقوں کی جنگجو اقوام کی وجہ سے انھیں سخت دشواریاں پیش آئی تھیں۔ یہ علاقے کچھ زمانے تک تو مملکتِ اسلامیہ کے اطاعت شعار بنے رہے لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ مسلمان خانہ جنگی میں مبتلا ہیں تو خود مختار ہو گئے۔

ولید بن عبدالملک جب تخت پر بیٹھا تو اس نے حجاج بن یوسف کو تمام مشرقی ممالک کا وائسرائے مقرر کر کے ترکستان کے اُن علاقوں کی فتح کی جانب توجہ دلائی جو باغی بنتے چلے جا رہے تھے۔ حجاج بن یُوسف نے فوراً ولید کے بھتیجے قتیبہ بن مسلمہ کو خراسان کی حکومت سپرد کر کے اُسے ان تمام باغی علاقوں کو فتح کرنے پر متعین کر دیا جو مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گئے تھے۔

قتیبہ بڑا ہی ہوشمند نوجوان تھا اس نے پہلے تو جاسوسوں کے ذریعہ پورے رُوسی ترکستان کے نقشے تیار کرا لئے۔ پھر ان نقشوں کی مدد سے جب وہ ایک لشکرِ عظیم لیکر ترکستان کے علاقہ میں بڑھا تو شہر پر شہر اور علاقوں پر علاقے فتح کرتا چلا گیا۔ چنانچہ اس نے ۸۶ھ میں اپنے پہلے ہی حملہ میں صغانیان، شومان۔ اور کفیان کے حکمرانوں کو زیر کر لیا اس کے بعد فرغانہ، شست اور ختنک پر قبضہ جما لیا۔ پھر ایک بڑے معرکہ کے بعد بخارا سے متصل شہر بیکند کو بھی زیر کر لیا۔

بخارا کا حاکم مسلمانوں کا باجگذار تھا مگر وہ کچھ عرصہ سے باغی ہو گیا تھا۔ قتیبہ نے ۸۸ھ میں جب اس پر فوج کشی کی تو اس نے لڑے بغیر اطاعت قبول کر لی۔ اسی سال بادغیس کے فرمانروا نے روسی ترکستان کے بہت سے حکمرانوں کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور طخارستان سے مسلمان حاکم کو نکال دیا لیکن قتیبہ نے جب ان کے خلاف یورش کی تو یہ مقابلہ پر نہ ٹھہر سکے۔ اور اس کے بعد طخارستان۔ طالقان

قاریاب اور جوزجان کے علاقے ایک ایک کر کے فتح کر لئے اور بادغیس کا فرمانروا تیزک قتل ہوا۔ غرضیکہ ۹۲ھ تک قتیبہ نے روسی ترکستان کے بیشتر علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ ۹۳ھ میں مسلمانوں کی خان خوارزم سے جنگ ہوئی۔ خان کو شکست ہوئی لیکن بعض مورخوں کا کہنا ہے کہ خان خوارزم نے لڑے بغیر اطاعت قبول کر لی تھی۔

سمرقند والوں سے صلح کے بعد مسلمانوں کے دوستانہ تعلقات قائم ہو چکے تھے لیکن جب ترکستان کی حکومتوں سے مسلمانوں کی جنگ چھڑی تو سمرقند والے بھی ترکستان کی حکومتوں سے مل گئے۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ وہ سمرقند والوں کو ان کی بدعہدی کی سزا دیں لہٰذا خان خوارزم کے اطاعت قبول کرنے کے بعد قتیبہ نے سمرقند پر فوج کشی کر دی۔ سمرقند کے حکام نے ترکستان کی دوسری حکومتوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اسکے بعد ان کی مسلمانوں کے ساتھ بڑی خوفناک جنگ چھڑ گئی لیکن اس جنگ میں سمرقند والوں کو شکست ہوئی۔

اہلِ سمرقند بُت پرست تھے ان کا عقیدہ تھا کہ ان کے دیوتاؤں کو جو مسلمان بھی ہاتھ لگائے گا وہ ہلاک ہو جائیگا۔ قتیبہ نے ان کی اس توہم پرستی کو ختم کرنے کے لئے ان کے بُتوں کو نذرِ آتش کر دیا۔ جب انھوں نے دیکھا کہ بُتوں کو ضائع کرنے کے باوجود مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تو ان کا عقیدہ بُتوں پر سے اُٹھ گیا اور وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ قتیبہ نے مختصر سے عرصہ میں ۹۵ھ تک پورے روسی ترکستان کو فتح کرنے کے بعد اسے مملکتِ اسلامیہ کا ماتحت علاقہ بنا دیا۔ روسی ترکستان کی فتح کے دوران ہی میں قتیبہ نے یہاں مختلف شہروں میں کئی مسجدیں بھی تعمیر کرائی تھیں جن میں سب سے زیادہ مشہور اور شاندار سمرقند کی مسجد ہے۔

خاقان چین کی اطاعت

روسی ترکستان کو فتح کرنے کے بعد قتیبہ بن مسلمہ نے چین کی فتح کی تیاریاں شروع کر دیں۔ چنانچہ ۹۶ھ

میں ایک بہت بڑا اسلامی لشکر کاشغر فتح کرتا ہوا چین کے علاقہ کے اندر داخل ہو گیا۔

مسلمانوں نے روسی ترکستان میں جو عظیم الشان فتوحات حاصل کی تھیں۔ ان سے خاقان چین بخوبی واقف تھا۔ اسے پہلے ہی سے اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں مسلمان روسی ترکستان کے بعد چین کی جانب پیش قدمی نہ شروع کر دیں چنانچہ اسے جیسے ہی معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر چین کے اندرونی علاقہ میں داخل ہو چکا ہے تو اس نے فوراً اپنے قاصد بھیج کر مسلمانوں کے نمائندوں کو طلب کیا اور ان سے صلح کی بات چیت شروع کر دی۔

خاقان چین نے پہلے تو اس بات کی کوشش کی کہ وہ چینی فوج کی کثرت سے مسلمانوں کو خوفزدہ کر کے واپس جانے پر مجبور کر دے لیکن جب اسے اندازہ ہوا کہ مسلمان دبنے والے نہیں ہیں۔ تو اس نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ اور جزیہ کی ایک بہت بڑی رقم دیکر مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لی اس کے بعد خاقان چین اور اس کے جانشین زمانۂ دراز تک مسلمانوں کے مطیع رہے اور باقاعدہ خراج ادا کرتے رہے۔

خاقان چین کے مطیع ہوتے ہی مسلم مبلغین نے چین جا کر نہایت وسیع پیمانہ پر اشاعت اسلام کی مہم شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چین کے لاکھوں باشندوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اور بعد کو چین میں مسلمانوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی۔

اسپین پر مسلمانوں کا حملہ

جس زمانہ میں کہ قتیبہ بن مسلمہ کو روسی ترکستان میں شاندار فتوحات حاصل ہو رہی تھیں اسی زمانہ میں افریقہ کے گورنر موسیٰ بن نصیر نے سلطان ولید بن عبدالملک سے اجازت لیکر ۹۲ھ (۷۱۱ء) میں اپنے آزاد کردہ غلام طارق بن زیاد حاکم طنجہ کو اسپین و پرتگال کی فتح کے لئے ایک مختصر سے بحری لشکر کے ساتھ اسپین روانہ کر دیا تھا۔

اسپین تمول اور ثروت کے اعتبار سے یورپ کا ممتاز ترین ملک شمار کیا جاتا تھا۔ اسپین کی عیسائی سلطنت کو تمام اعظم یورپ میں سلطنت روما کے بعد دوسرا درجہ حاصل تھا۔

ساتویں صدی عیسوی کے آخر تک تو اس ملک پر گاتھ خاندان کے حکمران بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ حکومت کرتے رہے لیکن گاتھ خاندان کے آخری بادشاہ وٹیزا نے جب پادریوں کے اقتدار کو ختم کرنے کی کوشش کی تو پادری جو حکومت پر پوری طرح حاوی تھے اس بادشاہ کے دشمن ہو گئے اور انھوں نے بادشاہ وٹیزا پر یہود نوازی کا الزام لگا کر آٹھویں صدی کی ابتدا میں اسے معزول کر دیا اور اس کی بجائے ایک فوجی سردار لرزیق کو جو شاہی خاندان سے بھی نہیں تھا تخت نشین کر دیا۔ اس طرح آٹھویں صدی کے شروع میں مشہور گاتھ خاندان کی حکومت کے خاتمہ کے بعد اسپین پر لرزیق کی حکومت قائم ہو گئی۔

لرزیق ایک آزمودہ کار اور ستر سال کا نہایت تجربہ کار سردار تھا۔ اُس نے پادریوں کی مدد سے تخت نشین ہونے کے بعد مختصر سی مدت میں سارے ملک پر پوری طرح اقتدار قائم کر لیا۔ یہ سردار لائق ضرور تھا لیکن بوڑھا ہونے کے باوجود بلا کا عیاش تھا چنانچہ اس نے اپنی عیاشانہ فطرت کی بنا پر جب سابق شاہ اسپین وٹیزا کی نواسی اور یونانی سردار کاونٹ جولین کی حسین و جمیل کنواری بیٹی فلورنڈا کی بالجبر عصمت دری کی تو کاونٹ جولین شاہ لرزیق کا دشمن بن گیا۔ اور اُس نے لرزیق سے انتقام لینے کے لئے افریقہ کے اسلامی گورنر کو اسپین پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کر لیا۔ چنانچہ کاونٹ جولین ہی کی دعوت پر موسیٰ بن نصیر گورنر افریقہ نے طارق بن زیاد کو اسپین پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا تھا۔

طارق بن زیاد سات ہزار اسلامی فوج کو چار جنگی جہازوں میں سوار کر کے جبل الطارق کے پار اندلس کے جنوبی کنارے پر جا اُترا۔ طارق جس فوج کے ذریعہ اسپین پر حملہ آور ہوا تھا اس میں زیادہ تر بربری نومسلم تھے اُس زمانہ کے اسلامی جہازوں کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ طارق کا سات ہزار کا پورا لشکر صرف چار جہازوں میں آ گیا تھا۔

طارق نے اسپین کے ساحل پر اُترنے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جن جہازوں میں اسلامی لشکر آیا تھا۔ اُن کو سمندر میں غرق کر دیا تاکہ کوئی سپاہی میدانِ جنگ سے بھاگنے

یا واپس جانے کا تصور ہی نہ کر سکے۔ گویا مسلمان اس محکم ارادہ سے اسپین میں داخل ہوئے تھے کہ یا تو وہ اس ملک کو فتح کریں گے یا اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔ چنانچہ اسی لئے انھوں نے اسپین کی سرزمین پر قدم رکھتے کے ساتھ ہی جہازوں کو برباد کر دیا تھا۔ للہ الحمد کیا حوصلہ تھا۔

شاہ اسپین لرزیق کو جب معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی ایک مختصر سی فوج اسپین کے ساحل پر اتر گئی ہے۔ تو وہ ایک لاکھ کا لشکرِ عظیم لیکر مسلمانوں کے مقابلہ پر آ گیا۔ اسی دوران میں افریقہ سے مزید پانچ ہزار فوج بھی طارق کی مدد کے لئے پہنچ گئی اور اس طرح اسلامی لشکر کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی۔

دونوں لشکروں میں جنگ چھڑ گئی۔ اسپینی اور اسلامی لشکر میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ ایک طرف تو اسپینی عیسائیوں کا ایک لاکھ کا لشکرِ جرار تھا جو بہترین آلاتِ حرب سے آراستہ تھا اور چونکہ اپنے ہی وطن میں لڑ رہا تھا۔ اس لئے رسد و کمک کی تمام سہولتیں حاصل تھیں اور دوسری جانب پردیسی مسلمانوں کی بارہ ہزار کی مختصر سی فوج تھی۔ جن کے پاس سامانِ حرب بھی نہایت معمولی تھا۔ اور جو سب کے سب پیدل تھے یعنی پوری اسلامی فوج میں ایک گھوڑا بھی نہ تھا۔

دُنیا کی تاریخ کا یہ عظیم الشان واقعہ ہے کہ بارہ ہزار کی اس چھوٹی سی اسلامی فوج نے عیسائیوں کے ایک لاکھ کے اس لشکرِ جرار کو ایسی شکست دی کہ پھر عیسائی اسپین میں کہیں بھی مسلمانوں کے سامنے جم کر نہ لڑ سکے۔ اور وہی مسلمان جن کے پاس اس جنگ سے قبل ایک بھی گھوڑا نہ تھا۔ اس جنگ کے بعد سب کے پاس گھوڑے ہو گئے اور بے اندازہ سامانِ جنگ ہاتھ آیا۔ شاہ لرزیق شکست کھانے کے بعد ایسا لاپتہ ہوا کہ آج تک کسی کو علم نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوا۔ صرف اس کا گھوڑا اور موزہ دریا کے کنارے ملا تھا جس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔

اسپین اور پرتگال میں فتوحات

اسپین کا باغی سردار کاونٹ جولین جو اس

جنگ میں طارق کے ساتھ تھا اس نے اس فتح کے بعد مشورہ دیا کہ فوراً دار السلطنت طلیطلہ اور اہم شہروں پر حملہ کر دیا جائے چنانچہ طارق نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اسپین کے مختلف صوبوں میں چھوٹی چھوٹی فوجیں روانہ کر دیں جنہوں نے ایک ہی وقت میں اسپین کے مختلف علاقوں کو فتح کرنا شروع کر دیا سب سے پہلے قرطبہ فتح ہوا جو پایۂ تخت طلیطلہ کے بعد دوسرا صوبہ تھا اس کے بعد صوبہ تدمیر نے اطاعت قبول کی۔ پھر طارق نے پوری طاقت کے ساتھ اسپین کے پایۂ تخت طلیطلہ پر یورش کر دی بڑی خونریزی کے بعد پایۂ تخت پر بھی قبضہ ہو گیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ بے اندازہ دولت آئی۔ اس میں اسپین کے سابق بادشاہوں کے جواہرات سے مرصع چوبیس تاج بھی شامل تھے۔

طلیطلہ کی فتح کے فوراً ہی بعد افریقہ کا گورنر موسیٰ بن نصیر ایک بڑا لشکر لیکر خود بھی اسپین میں پہنچ گیا بس پھر کیا تھا ملک کے ایک حصہ کی فتح کا کام تو طارق نے اپنے ذمہ لیا اور دوسرے حصہ پر موسیٰ بن نصیر نے قبضہ جمانا شروع کیا یہاں تک کہ ان دونوں لائق سپہ سالاروں نے تقریباً ہر مورچہ پر عیسائیوں کی فوجوں کو شکست دیکر قرمونہ۔ اشبیلیہ۔ بطلیوس۔ لارقہ۔ بلنسیہ۔ برشلونہ۔ اور ایک ایک کر کے تمام صوبے اور شہر فتح کر لئے۔ غرضکہ سارے اسپین اور پرتگال پر ۷۱۲ھ میں مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ صرف اسپین کا شمالی پہاڑی علاقہ عیسائیوں کے پاس رہ گیا۔

اسپین چونکہ یورپ کا سب سے خوشحال اور دولتمند ملک تھا۔ اس لئے اس کی فتح کے بعد مسلمان مالامال ہو گئے۔ اس ملک کے تموّل کے بارے میں مورخوں نے لکھا ہے کہ یہاں سونے اور چاندی کے دریا بہتے تھے اور اس قدر جواہرات تھے جن کا کوئی شمار نہیں کیا جا سکتا چنانچہ موسیٰ بن نصیر جس وقت مالِ غنیمت لیکر اسپین سے چلا ہے تو اس کے ساتھ سونے چاندی کا ایک انبار تھا۔ اور جواہرات کا ڈھیر تھا۔ اس کے علاوہ ایسے ایسے نادرات تھے جن کی قیمت کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ اسپین کے قدیم بادشاہوں کے چوبیس تاج بھی موسیٰ بن نصیر اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ یہ تمام مالِ غنیمت جب دربار خلافت میں پیش کیا گیا تو امرائے سلطنت

اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔

اسپین کی فتح کے بعد مسلمانوں نے یہاں کے شاہی خاندان اور عیسائی اُمرا کے ساتھ نہایت ہی فیاضانہ سلوک کیا۔ ان کی پرانی ذاتی جاگیروں کو بدستور قائم اور برقرار رکھا۔ اور اُن کی قدم قدم پر پوری طرح عزت افزائی کی۔ عام رعایا کے ساتھ بھی مسلمانوں کا سلوک نہایت ہی رواداری رانہ تھا۔ ان کو پوری مذہبی آزادی حاصل تھی۔ اور ان کے شہری حقوق میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی گئی۔

مسلمانوں کا جنوبی فرانس پر قبضہ

موسیٰ اور طارق۔ اسپین کو جبل البرتات تک فتح کرتے ہوئے سنہ ۹۴ھ (سنہ ۷۱۳ء) میں ملک فرانس میں داخل ہوگئے۔ اسپین کے بھاگے ہوئے عیسائی اور فرانس کا بے پناہ لشکر ان کے مقابلہ پر آگیا۔ عیسائیوں میں غیر معمولی جوش تھا کیونکہ مسلمانوں اور عیسائیوں کی یہ جنگ مذہبی جنگ کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ اس جنگ کو کامیاب بنانے میں فوجی سپہ سالاروں سے کہیں زیادہ پادری حصہ لے رہے تھے جو مذہب کے نام پر اپنے معتقدوں کو خوب جوش دلا رہے تھے۔

مسلمان اس صلیبی جنگ میں سخت مزاحمت کے باوجود حصن لوڈون تک پہنچ چکے تھے لیکن ان کے پاس چونکہ مختصر سی فوج باقی رہ گئی تھی اس لئے انھیں اربونیہ کی طرف لوٹ کر خیمہ زن ہونا پڑا۔ اور اربونیہ میں قلعہ بند ہو کر فرانسیسیوں سے جنگ کرنی پڑی۔ فرانسیسیوں کو چونکہ مسلمانوں کی تازہ کمک کے آجانے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے انھوں نے محاصرہ اُٹھا لیا۔ چنانچہ مسلمانوں کو جب کمک پہنچ گئی تو انھوں نے نئے سرے سے فرانس میں جدید فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا۔

مسلمانوں کو اگرچہ فرانس میں تقریباً ہر مورچہ پر سخت مقابلہ کرنا پڑا لیکن اس کے باوجود بھی انھوں نے فرانسیسیوں کو ہر مورچہ پر بُری طرح شکست دی۔ یہاں تک کہ مسلمانوں نے

جنوبی فرانس کا پورا علاقہ ایک سال سے بھی کم مدت میں فتح کر لیا۔ شمالی فرانس میں چونکہ سردی بے حد پڑ رہی تھی اس لئے طارق اور موسیٰ نے یہ طے کیا کہ وہ سردی کا موسم گذر جانے کے بعد پہلے شمالی فرانس کو فتح کریں گے۔ اور اس کے بعد اٹلی اور بلقان کو فتح کرتے ہوئے قسطنطنیہ تک جا پہنچیں گے۔ لہٰذا دونوں سپہ سالار فرانس کا مفتوحہ علاقہ اپنے نائبوں کے سپرد کر کے پھر اسپین واپس چلے آئے۔

مسلمانوں کے حوصلے اس وقت اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ انھوں نے اسپین، پرتگال اور جنوبی فرانس کی فتح کے بعد تقریباً سارے یورپ کو فتح کرنے کا ایک نہایت ہی وسیع پروگرام تیار کر لیا تھا جس پر کہ وہ موسم سرما کے بعد عملدرآمد کرنے کا تہیہ کئے بیٹھے تھے کہ اسی زمانہ میں موسیٰ بن نصیر اور طارق کو دمشق میں حاضر ہونے کا حکم مل گیا۔ اس حکم کے بعد موسیٰ بن نصیر اسپین کی حکومت اپنے بیٹے عبدالعزیز کے سپرد کر کے مع طارق کے دمشق کے لئے روانہ ہو گئے۔ اور اس طرح یورپ کی فتوحات کا یہ پروگرام پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

ہندوستان پر مسلمانوں کے حملے

مسلمانوں نے ولید بن عبدالملک کے عہد حکومت میں ہندوستان کے جس حصہ پر سب سے پہلے فوج کشی کی وہ پاکستان کا مشہور علاقہ صوبہ سندھ ہے۔ مسلمان اپنی دوسری فتوحات میں اس قدر مصروف تھے کہ وہ شاید سندھ کی جانب کبھی توجہ ہی نہ کرتے لیکن سندھ کے ہندو حکمرانوں اور راجاؤں نے مسلمانوں کے مخالفین کی بار بار امداد کر کے اور خلافت اسلامیہ کے خلاف شورشیں برپا کرا کے مسلمانوں کو اس چیز کے لئے مجبور کر دیا کہ وہ سندھ پر ضرور حملہ کریں۔

سندھ کے راجاؤں کی حالت یہ تھی کہ جب سے مسلمانوں کی لڑائی ایران کے بادشاہ یزدجرد سے ہوئی تو یہ برابر اس کی امداد کرتے رہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے جب مکران پر حملہ کیا تو ایرانیوں کے ساتھ سندھیوں کی فوج نے بھی اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا۔ خلافت اسلام

کے ساتھ سندھیوں کی ان سازشوں کی بنا پر خلفائے راشدین کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک سندھ پر تھوڑے تھوڑے سے وقفہ کے بعد برابر مسلمانوں کے حملے ہوتے رہے ہیں۔ لیکن ان حملوں کا منشا ہندوستان میں مستقل اسلامی حکومت قائم کرنا نہیں تھا بلکہ سندھیوں کی تادیب مقصود تھی۔ ولید کے زمانہ میں بھی ایک ناگوار حادثہ کی بنا پر حجاج بن یوسف کو ہندوستان میں مستقل حکومت کے قیام کا خیال پیدا ہوا۔ اگر یہ حادثہ رونما نہ ہوا ہوتا تو شاید اب بھی مسلمان سندھ کی جانب کوئی توجہ نہ کرتے۔

اس ناگوار حادثہ کی تفصیل یہ ہے کہ لنکا کے نومسلم راجہ نے خلافت اسلامیہ سے اپنی عقیدت کے اظہار کے لیے قیمتی تحائف سے بھرا ہوا آٹھ جہازوں کا ایک بیڑا حجاج بن یوسف کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ ان جہازوں میں قیمتی تحائف کے علاوہ سیکڑوں عازمین حج اور لنکا میں فوت ہونے والے عرب سوداگروں کی بیوہ عورتیں اور یتیم بچے بھی سوار تھے۔ اس موقع پر یہ بتا دینا بھی نہایت ضروری ہے کہ جس زمانہ میں یہ بیڑا روانہ کیا گیا تھا اس زمانہ میں اسلام سارے جنوبی ہند میں پھیل چکا تھا۔ اور عوام کا تو ذکر ہی کیا ہے جنوبی ہند کے اکثر راجاؤں نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان ہی نومسلم راجاؤں میں سے ایک لنکا کا راجہ بھی تھا جس نے یہ تحائف روانہ کئے تھے۔

لنکا کے راجہ کا روانہ کردہ یہ بیڑا اچانک طوفان میں پھنس گیا اور بادِ مخالف کے تھپیڑوں سے سندھ کی بندرگاہ دیبل (کراچی) سے جا لگا۔ سندھ کے راجہ داہر کا گورنر دیبل میں رہتا تھا۔ اسے جب معلوم ہوا کہ ان جہازوں میں مسلمان سوار ہیں اور قیمتی تحائف بھی ہیں تو اس نے ان جہازوں کو بڑی بے دردی کے ساتھ لوٹا اور مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے جیل خانہ میں ڈال دیا۔

مشرقی ممالک کے اسلامی وائسرائے حجاج بن یوسف کو جب راجہ داہر کے گورنر کی اس ناشائستہ حرکت کا علم ہوا تو اس نے خلافت اسلامیہ کی جانب سے بذریعہ نامہ

شدید احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ مسلمان قیدیوں کو فوراً رہا کیا جائے۔ اور لوٹا ہوا تمام سامان واپس کر دیا جائے لیکن راجہ داہر نے قاصد کو لاپرواہی کے ساتھ جواب دیدیا کہ "جہازوں کے لوٹنے والے ہمارے قبضہ کے نہیں ہیں تم خود آکر ان سے اپنے قیدی چھڑا لو اور اپنا مال و اسباب واپس لے لو"۔

محمد بن قاسم کی سندھ میں فتوحات

راجہ داہر کے اس ذلت آمیز جواب کے بعد حجاج نے سندھ کی فتح کے لئے پے در پے کئی لشکر روانہ کئے لیکن ان لشکروں کو جب راجہ داہر کے مقابلہ میں ناکامی ہوئی تو حجاج بن یوسف نے چھ ہزار کا ایک اور لشکر اپنے سترہ سالہ داماد محمد بن قاسم کی سرکردگی میں مکران کے راستے روانہ کیا جب یہ لشکر مکران پہنچا تو یہاں کا عامل بھی اپنی تین ہزار فوج لیکر محمد بن قاسم کے ہمراہ ہو گیا۔ ادھر ارمن بیلہ میں راجہ داہر کا لشکر بھی مقابلہ کے لئے تیار کھڑا تھا۔ چنانچہ ۹۳ھ (۷۱۲ء) میں ارمن بیلہ کے مقام پر دونوں لشکروں کی مڈھ بھیڑ ہوئی۔ اس جنگ میں راجہ داہر کی فوج کو بُری طرح شکست ہوئی۔

محمد بن قاسم ارمن بیلہ کی فتح کے بعد دیبل (کراچی) کی جانب بڑھا اور دیبل پر حملہ کر دیا دیبل پر حملہ کے وقت مسلمانوں کا ایک بہت بڑا سمندری بیڑا بھی میدانی فوج کی امداد کے لئے دیبل پہنچ گیا تھا۔ یہ سمندری بیڑا اپنے ساتھ ایسی بھاری بھاری منجنیقیں یعنی سنگ باری کرنے والی مشینیں لایا تھا جنہیں پانچ سو آدمی کھینچتے تھے۔ ان منجنیقوں کی مدد سے دیبل پر شدید سنگ باری کی گئی۔ بڑی گھمسان کی لڑائی کے بعد دیبل فتح ہو گیا۔ اور راجہ داہر کا بیٹا جے سیہ شکست کھانے کے بعد فرار ہو گیا۔

سندھ کے باشندے جو زمانہ دراز سے مملکتِ اسلامیہ کے لئے مستقل خطرہ بنے ہوئے تھے اُن کا خیال تھا کہ سندھ پر فتح پانے کے بعد اسلامی سپہ سالار اُن کے ساتھ نہایت سختی کا برتاؤ کرے گا لیکن سندھ کے باشندے یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ دیبل کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے

عام معافی کا اعلان کر دیا۔ اور یہاں کے باشندوں کو پوری مذہبی اور شہری آزادی دیدی۔ اس کے علاوہ شہر کا انتظام خود ہندوؤں ہی کے ہاتھوں میں دیدیا۔ چنانچہ دیبل کا حاکم اعلیٰ ایک پنڈت کو بنا دیا۔ یہ پنڈت اس سے قبل جیل خانوں کا محافظ تھا۔ اس نے مسلمان قیدیوں کے ساتھ نہایت ہی شریفانہ سلوک کیا تھا۔ دیبل کی فتح کے بعد تمام مسلمان قیدی محمد بن قاسم کے سپرد کر دئے گئے جنکو اس نے جہازوں کے ذریعہ عرب روانہ کر دیا۔

دیبل کی فتح اور انتظام سے فارغ ہونے کے بعد محمد بن قاسم شہر بیرون کی جانب متوجہ ہوا۔ اس شہر کے اُمرا اور باشندوں نے امان طلب کر کے اطاعت قبول کر لی۔ پھر محمد بن قاسم نے راجہ کے بھتیجے سے مقابلہ کے بعد شہر بروچ فتح کیا۔ بروچ کے بعد اسلامی لشکر نے سیوستان کی جانب رُخ کیا۔ یہاں کا حاکم فرار ہو گیا اور باشندوں نے اطاعت قبول کر لی۔ اس کے بعد محمد بن قاسم نے جب بدھیہ پر حملہ کرنا چاہا تو یہاں کے حاکم کاکا نے لڑے بغیر ہتھیار ڈالدئے اور محمد بن قاسم کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔

محمد بن قاسم دریائے سندھ کے مغربی کنارے کے تمام اہم شہروں کو فتح کرتا ہوا اور ہندو رعایا کو نوازتا ہوا شمال کی جانب دُور تک بڑھتا چلا گیا۔ جہاں اس نے قلعہ سیسم پر قبضہ جما لیا۔ پھر اس کے بعد راجہ داہر سے اُس کی شورش پسندی کا انتقام لینے کے لئے جنوب کی جانب بڑھا جہاں دریا کے کنارے اُسے ہندو سپہ سالار موکا سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اس معرکہ میں بھی مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور موکا مع تیس ہندو سرداروں کے محمد بن قاسم کے پاس چلا آیا۔ محمد بن قاسم نے حسب عادت موکا کو اور دوسرے سرداروں کو خوب نوازا۔

محمد بن قاسم شہر بر شہر فتح کرتا ہوا دریائے سندھ پار کر کے راجہ داہر کے مقابلہ پر آن ڈٹا۔ راجہ نے اس کے مقابلہ کے لئے ایک لشکرِ عظیم جمع کر رکھا تھا جس کی تعداد اسلامی لشکر کے مقابلہ میں دوگنی اور تین گنی تھی۔ دونوں لشکروں میں بڑی خوفناک جنگ ہوئی

جو مسلسل تین روز تک جاری رہی تیسرے روز راجہ کی فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ راجہ داہر مارا گیا۔ اور راجہ کے لشکر کو شکست ہو گئی۔ اس شکست کے بعد بہت سے برہمنوں ہندووں اور فوجی سرداروں نے اپنے آپ کو محمد بن قاسم کی خدمت میں پیش کر کے اسلام قبول کر لیا۔

راجہ داہر کے قتل کے بعد محمد بن قاسم برہمن آباد۔ الور اور ملتان کی فتح کی جانب متوجہ ہوا۔ ابھی برہمن آباد فتح بھی نہیں ہوا تھا کہ راجہ کے وزیر سی ساگر نے محمد بن قاسم کی اطاعت قبول کر لی۔ محمد بن قاسم نے اسے بدستور وزارت عظمیٰ کے عہدہ پر برقرار رکھا۔ محمد بن قاسم ہر معاملہ میں سی ساگر کو اپنے ساتھ شریک رکھتا تھا۔ اسکے بعد برہمن آباد بھی آسانی کے ساتھ فتح ہو گیا۔ کیونکہ وہاں کے باشندوں نے خود ہی اطاعت قبول کر لی۔ برہمن آباد کی تسخیر کے بعد محمد بن قاسم الور۔ ملتان اور دوسرے تمام بڑے بڑے شہر فتح کرتا ہوا مغربی پنجاب تک جا پہنچا۔ غرضکہ محمد بن قاسم نے ڈھائی سال کے مختصر سے عرصہ میں پورے سندھ کو فتح کرنے کے بعد یہاں ایک نہایت ہی مضبوط اسلامی حکومت قائم کر دی۔

اس موقعہ پر یہ بھی بتا دینا نہایت ضروری ہے کہ محمد بن قاسم کے زمانہ کا سندھ موجودہ سندھ سے اتنا بڑا تھا کہ شاید موجودہ مغربی پاکستان بھی اس سے کچھ چھوٹا ہی ہے۔ اس کی حدود دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ چنانچہ محمد بن قاسم کے زمانہ کے سندھ میں موجودہ مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کے علاوہ گجرات کا شمالی علاقہ بھی شامل تھا۔

سندھ پر کامل فتح حاصل کرنے کے بعد محمد بن قاسم راجپوتانہ۔ یوپی۔ کشمیر اور ہندوستان کے باقی صوبوں کو فتح کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھا کہ اچانک ۹۵ھ (۷۱۴ء) میں حجاج بن یوسف فوت ہو گیا۔ اور اس کے مرتے ہی محمد بن قاسم کی تمام جنگی سرگرمیاں رک گئیں اور حجاج کے مرنے کے چند ماہ بعد جب ولید بن عبدالملک بھی مر گیا۔ تو اس کے جانشین سلیمان نے محمد بن قاسم کو اس کے عہدہ سے معزول کر کے اور اسے بلا کر ہلاک کر دیا اور اس طرح ہندوستان کی فتح نامکمل رہ گئی۔

سندھ کی فتح کے بعد مسلمانوں نے اس علاقہ پر کیسی رواداری کے ساتھ حکومت کی ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس علاقہ کے ہندوؤں اور بدھوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل تھی۔ وہ جس طرح چاہتے تھے پوجا پاٹ کرتے تھے۔ اس کے علاوہ سندھ کی اسلامی حکومت مندروں کی مرمت سرکاری خزانہ سے کراتی تھی۔ حکومت کے عمّال اور سپاہیوں کے نام احکامات جاری کر دیئے گئے تھے کہ وہ عوام کی جان و مال اور آبرو کا پوری طرح تحفظ کریں۔ اسی لئے سندھ کے اس عظیم انقلاب میں کسی ایک ہندو عورت کی بھی بے آبروئی نہیں ہوئی۔ بلکہ ہر جگہ عورتوں کی آبرو کا پورا پورا احترام کیا گیا۔ ہندو اُمرا اور پنڈتوں کی حکومت کی جانب سے پوری طرح عزت افزائی کی جاتی تھی۔ مسلمانوں کی اسی رواداری کا یہ نتیجہ تھا کہ جب محمد بن قاسم سندھ سے روانہ ہوا تو سارے ملک میں کہرام مچ گیا۔ اور اس کے جانے کے بعد شہر کیرج میں اُس کی قد آدم مورت ہندوؤں نے بنائی تھی۔ اور اس مورت کا دیوتاؤں کی طرح احترام کیا جاتا تھا۔

ولید کی وفات اور اُس کے عہد کے متفرق واقعات

ولید بن عبدالملک

تقریباً ساڑھے نو سال حکومت کرنے کے بعد ۴۷ سال کی عمر میں سنہ ۹۶ھ (سنہ ۷۱۵ء) میں فوت ہو گیا۔ ولید کا دورِ حکومت اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن اس کے زمانہ میں مسلمانوں کو نہایت ہی شاندار فتوحات حاصل ہوئیں۔ مورخوں کی رائے ہے کہ اگر اس کی زندگی نے وفا کی ہوتی اور وہ پانچ سال بھی اور زندہ رہتا تو شاید مملکت اسلامیہ ساری دُنیا پر حاوی ہو جاتی۔ عبدالملک اگرچہ خود کوئی لائق سپہ سالار نہ تھا لیکن اسے خوش قسمتی سے ایسے ماہرین جنگ حاصل ہو گئے تھے جو پوری تاریخ اسلام میں کسی بھی فرمانروا کو حاصل نہیں ہوئے۔

ولید کو ہندوستان کے مغل بادشاہوں کی طرح شاندار عمارتیں بنانے کا بے حد شوق تھا۔ یوں تو اس نے بے شمار عمارتیں بنوائی ہیں لیکن اس کا سب سے بڑا تعمیری کارنامہ مسجد نبوی[۲]

اور جامع دمشق کی تعمیر ہے۔ چنانچہ اس نے مسجد نبوی کی پرانی عمارت کو گرا کر از سرِ نو تعمیر کیا۔ اور مسجد سے متصل امہات المومنین کے جو مکانات اور حجرے تھے ان کو بھی اس تاریخی مسجد کے ساتھ شامل کر لیا۔ پوری عمارت پتھر کی بنوائی۔ در و دیوار اور چھت پر طلائی کام کرایا۔ اس مسجد کی تعمیر پر لاکھوں روپیہ صرف ہوا تھا۔ اسی طرح جامع دمشق کی تیاری پر ولید نے بے دریغ روپیہ صرف کیا۔ اس مسجد کو نہ صرف دمشق میں بلکہ ساری دنیائے اسلام میں بہت بڑی عظمت حاصل ہے۔ یہ مسجد مشرقی اور مغربی فنِ تعمیر کا ایک ملا جلا لاجواب نمونہ ہے۔ ان دو عظیم الشان مسجدوں کے علاوہ اس نے قاہرہ میں بھی ایک شاندار مسجد تعمیر کرائی۔ اور مملکتِ اسلامیہ کی بہت سی پرانی مسجدوں کو درست کرایا۔ بیت المقدس کی عمارتوں میں بھی اس نے اضافہ کرایا۔ خانہ کعبہ کی فصیل کو گرا کر اس نے خانہ کعبہ کو وسعت دی جس سے چاہِ زمزم اور بہت سا بیرونی علاقہ فصیل کے اندر آ گیا۔ اس کے علاوہ نئے سرے سے خانہ کعبہ کی فصیل نہایت شاندار اور خوبصورت تعمیر کرائی۔

ولید کے دورِ حکومت میں فوجی محکمہ کو نئے سرے سے منظم کیا گیا۔ ولید کے زمانہ کا فوجی نظام ایسا عمدہ اور چست تھا کہ اس سے قبل کسی فرمانروا کے عہد میں ایسا اچھا فوجی نظام کبھی نہیں دیکھا گیا۔ چنانچہ اسی اعلیٰ فوجی نظام کا یہ نتیجہ تھا کہ اس کے عہد میں ایک ہی وقت میں کئی کئی ملکوں پر ایک ساتھ حملے کر دیئے جاتے تھے۔ جہاز سازی کے کارخانے بھی اسی کے عہد میں نئے نئے قائم کیئے گئے۔

رفاہِ عام کے کاموں میں بھی ولید کے عہد میں خوب ترقی ہوئی۔ نئی نئی سڑکیں تعمیر ہوئیں۔ راستوں پر کنویں کھدوائے گئے۔ نہریں جاری کرائی گئیں۔ شفا خانے تعمیر ہوئے۔ مسافروں کی سہولت کے لیئے جا بجا مسافر خانے قائم ہوئے یتیموں اور معذوروں کی امداد کے لیے مستقل محکمہ کھولا گیا جو یتیموں اور معذوروں کو وظیفے اور روزینے دیتا تھا۔ رمضان میں تمام مسجدوں میں روزہ داروں کے لیئے حکومت کی طرف سے افطاری مفت دی جاتی

تھی۔ ولید پہلا حکمراں ہے جس نے کہ تجارتی اشیا رکی قیمتوں پر کنٹرول قائم کیا تاکہ تاجر بلیک مارکیٹ نہ کرسکیں۔ یہ خود بھیس بدل کر بازار میں جاتا تھا اور چیزوں کی قیمتیں دریافت کرتا تھا اور بلیک مارکیٹ کرنے والوں کو سخت سزائیں دیتا تھا ۔



سلیمان بن عبدالملک

ولید کے بعد ولید کا چھوٹا بھائی سلیمان بن عبدالملک ۹۶ھ (۷۱۴ء) میں دمشق کے تخت پر بیٹھا۔ ولید کی خواہش یہ تھی کہ اس کے بعد اس کا بیٹا جانشین ہو لیکن مجبوری یہ پیدا ہوگئی کہ ولید کے باپ نے اپنی زندگی ہی میں ولید کے بعد سلیمان کو ولیعہدی کے لئے نامزد کر دیا تھا چنانچہ اسی مجبوری کی بنا پر جب ولید تخت نشین ہوا تو اسے بھی سلیمان کی ولیعہدی کا اعلان کرنا پڑا۔ لیکن اس اعلان کے باوجود وہ مرتے دم تک اس کوشش میں لگا رہا کہ کسی طرح سلیمان کو ولیعہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے کو ولیعہد بنا دے۔

ولید کے علاوہ ولید کے تمام بڑے بڑے سپہ سالار یعنی حجاج بن یوسف۔ موسیٰ بن نصیر۔ طارق بن زیاد قتیبہ بن مسلمہ اور محمد بن قاسم بھی سلیمان کی ولیعہدی کے شدید مخالف تھے۔ ان سب کی بھی یہی کوشش تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو سلیمان کو ولیعہدی سے معزول کر کے ولید کے بیٹے کی ولیعہدی کا اعلان کر دیا جائے۔ لیکن ولید کی عمر نے وفا نہیں کی۔ وہ اچانک بیمار ہونے کے بعد مر گیا۔ اور بادشاہت سلیمان بن عبدالملک کو مل گئی۔

مایۂ ناز اسلامی سپہ سالاروں کا قتل

ولید کے زمانے کے تمام بڑے بڑے عمال اور سپہ سالار چونکہ سلیمان کی ولیعہدی کے مخالف تھے۔ اس لئے قدرتی طور پر سلیمان کے دل میں ان کی طرف سے بغض اور عناد تھا چنانچہ اس نے تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی سب سے پہلے ان ہی عمال اور سپہ سالاروں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔

ہم اس سے قبل بتا چکے ہیں کہ اسپین پرتگال اور جنوبی فرانس کی فتح کے فوراً ہی بعد ولید بن عبدالملک نے موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کو دمشق طلب کیا تھا اور یہ دونوں

روانہ بھی ہو گئے تھے لیکن یہ ایسے وقت میں دمشق پہنچے جبکہ ولید کا آخری وقت تھا۔ اور سلیمان کی خواہش یہ تھی کہ یہ دونوں ولید کے سامنے اُس کی زندگی میں ہرگز نہ پہنچیں تاکہ اسپین کا وہ خزانہ جو یہ اپنے ساتھ لا رہے تھے ولید کی بجائے سلیمان کے ہاتھ لگے چنانچہ سلیمان نے موسیٰ بن نصیر کو جبکہ وہ راستہ ہی میں تھا ولید کی نازک حالت سے مطلع کرتے ہوئے یہ ہدایت بھیجدی تھی کہ وہ اُس وقت تک دمشق میں داخل نہ ہو جب تک کہ بادشاہ کا کام تمام نہ ہو جائے لیکن موسیٰ بن نصیر اور طارق کی یہ فطری خواہش تھی کہ وہ زندگی ہی میں اپنے آقائے ولی نعمت کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ لہٰذا سلیمان کی ہدایت کی پروا کئے بغیر جب ولید کی زندگی ہی میں دمشق پہنچ گئے تو سلیمان کو سخت ناگواری پیدا ہوئی سلیمان یوں تو پہلے ہی سے ان کا دشمن تھا کیونکہ یہ اس کی ولیعہدی کے شدید مخالف تھے۔ اس پر طرہ یہ کہ ان دونوں نے اُس کے حکم کی خلاف ورزی بھی کی تھی اس لئے سلیمان اور بھی ان کا دشمن بن گیا اور ان دونوں کو طرح طرح سے ذلیل کرنا شروع کیا موسیٰ پر لاکھوں اشرفی کا جرمانہ کرکے اسے بالکل مفلس و قلاش بنا دیا اور جیلخانہ میں ڈال دیا۔ جہاں چند روز کے بعد وہ مر گیا یا مار ڈالا گیا۔ اور طارق کو ایک دیہات میں نظر بند کر دیا۔

قتیبہ بن مسلم گورنر خراسان نے موسیٰ بن نصیر کے ساتھ سلیمان کا یہ ظالمانہ سلوک دیکھا تو اُس نے خراسان میں اپنی خودمختاری کا اعلان کرتے ہوئے سلیمان کے خلاف بغاوت برپا کر دی لیکن سلیمان نے خراسان کے چند قبیلوں کو اس کے خلاف اُبھار کر اس کو اور اس کے سارے خاندان کو قتل کرا دیا۔ محمد بن قاسم بھی سلیمان کے عتاب سے نہ بچ سکا سلیمان نے اسے معزول کرکے یزید بن کبشہ کو سندھ کا گورنر مقرر کرکے بھیجا جس نے محمد بن قاسم کو گرفتار کرکے عراق روانہ کر دیا۔ عراق پہنچنے کے بعد محمد بن قاسم کو جیلخانہ میں ڈال دیا جہاں وہ بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کیا گیا۔

سلیمان نے موسیٰ بن نصیر کے بیٹے عبدالعزیز کو بھی اسپین میں ہلاک کرا دیا۔ عبدالعزیز

بن موسیٰ فن سپہ گری میں اپنے باپ کا صحیح جانشین تھا۔ اور وہ اپنے باپ کے بعد اسپین کی حکومت کو بڑی قابلیت کے ساتھ سنبھالے ہوئے تھا۔ غرضکہ سلیمان نے محض ذاتی مخالفت کی بنا پر مملکتِ اسلامیہ کو اُن مایۂ ناز مدبروں اور سپہ سالاروں سے محروم کردیا جو اگر زندہ رہتے تو شاید سلیمان اور عام مسلمانوں کے لیۓ ساری دُنیا فتح کرکے رکھ دیتے۔

قسطنطنیہ کے معرکہ میں سلیمان کو شکست

دُنیائے اسلام کے لائق ترین سپہ سالاروں کے قتل کے بعد سلیمان کے خلاف ساری مملکت میں بُری طرح ناگواری پھیل گئی تھی۔ عوام کی اس ناگواری اور غصہ کو دبانے کی سلیمان کے پاس اس کے سوا اور کوئی صورت نہ تھی کہ وہ نئی نئی فتوحات حاصل کرکے مسلمانوں کو یہ دکھا دے کہ مملکتِ اسلامیہ مقتول سپہ سالاروں کی محتاج نہیں تھی۔ چنانچہ اس غرض کے لئے اس نے بڑے وسیع پیمانہ پر قیصرِ رُوم کے خلاف حملہ کی تیاریاں شروع کردیں۔

جب حملہ کی تمام تیاریاں مکمل ہوگئیں تو سوال یہ پیدا ہوا کہ اس مُہم کا سپہ سالار کس کو مقرر کیا جائے۔ کیونکہ تمام اچھے اور منتخب سپہ سالار تو چُن چُن کر وہ ختم کرچکا تھا۔ لائق سپہ سالاروں میں سے صرف سلیمان کا بھائی مسلمہ بن عبدالملک باقی تھا۔ لیکن وہ بھی دل شکستہ تھا۔ کیونکہ اُس کے بیٹے قتیبہ کو سلیمان نے بڑی بے دردی سے سیستان میں قتل کرادیا تھا۔ لیکن پھر بھی اس بڑے معرکہ کی کمان مسلمہ ہی کے سپرد کی گئی

مسلمہ بن عبدالملک سلیمان کے مجبور کرنے پر ایک بہت بڑا جنگی بیڑا لیکر قسطنطنیہ جا پہنچا۔ لیکن نہ تو خود اُس میں جنگ کرنے کا جوش تھا اور نہ اس کے ساتھی ہی سلیمان سے خوش تھے۔ لہٰذا یہ لڑائی بڑی بے دلی سے لڑی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک طویل جنگ کے بعد مسلمہ کو بُری طرح سے شکست ہوئی اور اس جنگ میں اسلامی فوج کا بڑا حصہ ضائع ہوگیا۔

سلیمان کا آخری وقت میں نیک کام

سلیمان قسطنطنیہ کی جنگ کے

انتظامات کے سلسلہ میں وابق میں مقیم تھا کہ اچانک سخت بیمار ہو گیا۔ اور اُس کا آخری وقت آگیا۔ اس کے دورِ حکومت پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو نہایت ہی تاریک دکھائی دیتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس کی ذات سے مسلمانوں کو اور مملکتِ اسلامیہ کو سخت نقصان پہنچا اور اس کا دامن اُن مجاہدینِ اسلام کے خون سے بُری طرح داغدار دکھائی دیتا ہے۔ جن پر اسلامی تاریخ رہتی دُنیا تک ناز کریگی۔ لیکن اپنی اُن تمام بُرائیوں اور خامیوں کے باوجود وہ آخری وقت میں ایک نیک کام بھی کر گیا اور وہ نیک کام یہ تھا کہ اس نے "حضرت عمر عبدالعزیز" جیسے نیک شخص کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ چنانچہ اُس نے مرنے سے قبل ایک وصیت تحریر کرادی تھی جس کی رُو سے اپنے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ اور یزید بن عبدالملک کو ولیعہد نامزد کر دیا تھا۔

مورخوں کا بیان ہے کہ "یہ نیکی بھی اس نے خود نہیں کی تھی بلکہ وہ تو اپنے بیٹے ہی کو ولیعہد بنانا چاہتا تھا۔ لیکن رجاء بن حیات جیسے بزرگوں نے آخری وقت میں اُسے عاقبت کے انجام سے ڈرا کر حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ولیعہدی پر آمادہ کر دیا تھا۔" خیر اس کا سبب خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو مگر پھر بھی سلیمان کا یہ نیک کام اسلامی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگا کہ وہ اپنا جانشین ایک ایسے ولی صفت حکمراں کو بنا گیا جو خلفائے راشدین کا سچا نمونہ ثابت ہوا۔ سلیمان پونے تین سال حکومت کرنے کے بعد ۴۵ سال کی عمر میں ۹۹ھ میں رحلت کر گیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز

سلیمان بن عبدالملک کے مرنے کے بعد اُس کی وصیت کے مطابق سلیمان کے چچازاد بھائی حضرت عمر بن عبدالعزیز ۹۹ھ (۷۱۷ء) میں دمشق کے تخت پر بیٹھے۔ یہ بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے۔ ان کی حکومت خلافتِ راشدہ کا سچا نمونہ تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز خاندانِ بنی اُمیہ کے چوتھے خلیفہ مروان بن الحکم کے پوتے تھے۔ اور حضرت عمر فاروق رضہ کی پوتی اُمِ عاصم کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضہ کے عہدِ حکومت کے حالات میں اس سے قبل یہ واقعہ درج کیا جا چکا ہے کہ ایک رات کو جب حضرت عمر رضہ شہر کی گشت کر رہے تھے تو انھوں نے سُنا کہ ایک دودھ فروش عورت اپنی لڑکی سے کہہ رہی ہے کہ "بیٹی دودھ میں پانی ملا دے"۔ اس پر لڑکی نے جواب دیا کہ "میں پانی کیسے ملا دوں۔ امیر المومنین نے منادی کرادی ہے کہ دودھ میں پانی ملا کر فروخت نہ کیا جائے"۔ عورت بولی "یہاں نہ امیر المومنین ہیں اور نہ منادی کرنیوالا پھر کس بات کا ڈر ہے"۔ لڑکی نے جواب دیا "اماں مگر یہ فعل دیانت کے خلاف ہے"۔ لڑکی کی اس حق گوئی سے متاثر ہو کر حضرت عمر فاروق رضہ نے اُس کے ساتھ اپنے بیٹے عاصم کی شادی کردی تھی۔ چنانچہ اسی حق گو لڑکی کے بطن سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی والدہ اُمِ عاصم پیدا ہوئی تھیں۔

عمر بن عبدالعزیز کے باپ عبدالعزیز بن عبدالملک کیونکہ بیس اکیس سال تک مصر کے گورنر رہے تھے۔ اس لیے انھوں نے بچپن ہی سے شہزادوں کی طرح ناز و نعم میں پرورش پائی تھی۔ جب یہ جوان ہوئے تو اپنے چچا خلیفہ عبدالملک کی لڑکی سے ان کی شادی ہوگئی اور یہ شاہانہ ٹھاٹھ کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے لیکن امارت و ریاست کے باوجود

ان کو عبادت اور ریاضت کے ساتھ ابتدا ہی سے قلبی لگاؤ تھا۔

مسندِ خلافت پر بیٹھنے سے قبل بڑی شاہانہ زندگی گذارتے تھے۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے ایک ایک لباس کی قیمت چار چار سو روپے ہوتی تھی۔ جس لباس کو ایک مرتبہ پہن لیتے تھے دوبارہ بدن پر نہیں ڈالتے تھے۔ خوشبویات کا اس قدر شوق تھا کہ آپ اپنی ڈاڑھی پر بھی عنبر کا سفوف چھڑکا کرتے تھے۔ مورخین کا بیان ہے کہ آپ کے زمانہ میں آپ سے بڑھ کر کوئی دوسرا خوش پوش نہیں تھا۔

مسندِ خلافت پر بیٹھتے ہی زندگی میں انقلاب

وہی عمر عبدالعزیز جو حکومت ملنے سے قبل بادشاہوں اور شہزادوں جیسی زندگی گذارتے تھے جوں ہی مسندِ خلافت پر بیٹھے تو ان کی زندگی میں حیرت انگیز انقلاب آ گیا۔ انھوں نے یکسر امیرانہ اور شاہانہ زندگی ترک کر کے فقیروں اور درویشوں جیسی زندگی اختیار کر لی۔

تخت نشین ہوتے کے ساتھ ہی انھوں نے اپنا اور اپنی بیوی کا کل مال و اسباب جو شہزادوں جیسا تھا بیت المال میں داخل کر دیا۔ اور اپنے متعلقین کے لئے ایک پیسہ بھی نہ رکھا۔ صرف دو درہم روزانہ بیت المال سے لیتے تھے جس میں بمشکل ان کا اور ان کے بال بچوں کا گذارہ ہوتا تھا۔ یہ انقلاب ایک ایسا انقلاب تھا جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں ملنی ناممکن ہے۔ حکومت اور سلطنت ایسی بری چیز ہے جس کے ملنے سے بڑے بڑے مردان با خدا کے قدموں کو بھی لغزش پیدا ہو گئی ہے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز پر حکومت ملنے کا الٹا اثر پڑا۔ حکومت ملنے کے بعد بجائے اس کے کہ ان کے شاہانہ ٹھاٹ باٹ میں اضافہ ہوتا انھوں نے اپنے گھر میں جو کچھ تھا وہ بھی لٹا دیا۔ اور فقیروں جیسی زندگی اختیار کر لی۔

اپنی ساری جاگیر اصلی وارثوں کو دیدی

حضرت عمر عبدالعزیز

تخت نشین ہونے سے قبل بہت بڑی جاگیر کے مالک تھے۔ یہ جاگیر ان کو ورثہ میں ملی تھی اور اس کی لاکھوں اشرفی سالانہ آمدنی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور خاندان بنی اُمیہ کے دوسرے شاہزادوں کے پاس جتنی بھی جاگیریں تھیں وہ تقریباً سب کی سب ایسی تھیں جن کو سلاطین اُمیہ نے یا انھیں ان کے اصلی مالکوں سے چھین لیا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز جب تخت نشین ہوئے تو انھوں نے محسوس کیا کہ ان تمام جاگیروں پر قبضہ شرعی حیثیت سے ناجائز ہے لہٰذا انھوں نے طے کیا کہ یہ تمام جاگیریں اُن کے اصلی مالکوں کو واپس کر دینی چاہئیں۔ اس مقصد کے لئے سب سے پہلا قدم انھوں نے یہ اٹھایا کہ اپنی ساری جاگیر ان کے اصلی وارثوں کو واپس کر دی اور وہ تمام شاہی فرامین پھاڑ ڈالے جن کی رُو سے یہ جاگیریں انکے آبا و اجداد کو یا ان کو حکومت کی جانب سے عطا ہوئی تھیں۔ جاگیر کے اصلی ورثا اگر موجود نہ تھے تو ان کی اولاد کو ڈھونڈ ڈھونڈھ کر ان میں یہ جاگیر تقسیم کر دی اور نہ اپنے لئے کچھ بھی نہ رکھا۔

فدک کی جاگیر بھی آپ کو ملی ہوئی تھی۔ آپنے اس کی تمام آمدنی بھی اُن ہی نیک کاموں کے لئے وقف کر دی جن پر کہ رسول اللہ صلعم اپنے زمانہ میں اس کی آمدنی صرف کیا کرتے تھے۔ رسولِ مقبول صلعم کے زمانۂ حیات میں فدک کی جاگیر حضورؐ کے لئے مخصوص تھی۔ آپ اس کی آمدنی اپنی اور بنی ہاشم کی ضروریات پر صرف فرماتے تھے۔ گویا یہ جاگیر بنی ہاشم کی ضروریات اور نیک کاموں کے لئے وقف تھی۔ مروان جب تخت نشین ہوا تو اس نے اسے اپنی ذاتی جاگیر بنا لیا۔ مروان کے بعد درجہ بدرجہ منتقل ہوتی ہوئی یہ جاگیر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے قبضہ میں آگئی۔ آپ اس کی آمدنی تخت نشینی سے قبل اپنے اہل و عیال پر صرف کیا کرتے تھے لیکن تخت نشین ہوتے ہی آپ اس کی ملکیت سے دستبردار ہو گئے اور اس کی آمدنی کو بنی ہاشم کی ضرورتوں اور نیک کاموں کے لئے اُسی طرح وقف کر دیا جس طرح کہ یہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں وقف تھی۔

شاہی خاندان سے بھی جاگیریں چھین لیں

حضرت عمر بن عبد العزیز اپنی تمام املاک و جائداد کو ان کے اصلی ورثا میں تقسیم کرنے کے بعد خاندان بنی اُمیّہ کے دوسرے آن شہزادوں اور اُمرا کی جانب متوجہ ہوئے جو اسی قسم کی جاگیروں اور جائدادوں پر ناجائز طور پر قابض تھے۔ اور آپ نے ان تمام جاگیروں کو ان کے اصلی ورثا کو لوٹانے کا حکم دیدیا۔ نیز آپ نے وہ تمام املاک جائداد اور مال بھی واپس کرنا شروع کردیا جس پر حکومت کا ناجائز قبضہ تھا۔ مورخوں کا بیان ہے کہ صرف عراق میں اس کثرت سے مال واپس کیا گیا کہ عراق کا خزانہ خالی ہوگیا۔ یہی حالت دوسرے صوبوں کی تھی۔ غرضکہ مال و جائداد اور نقد وجنس کی قسم سے جو کچھ بھی حکومت یا کسی فرد کے قبضے میں ناجائز طور پر تھا وہ سب کا سب ان کے اصلی وارثوں کو آپ نے واپس کرادیا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کا خاندان بنی اُمیّہ کے اُمرا اور شہزادوں کی جاگیروں پر ہاتھ ڈالنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ عام خیال تھا کہ اس سے تمام مملکتِ اسلامیہ میں بغاوت برپا ہوجائیگی لیکن آپ نے بغاوت اور مخالفتوں کی پرواہ کئے بغیر ناجائز طریقہ پر حاصل شدہ تمام جاگیریں اور جائدادیں چھین چھین کر ان کے اصلی ورثا کو دینی شروع کردیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندان اُمیہ کے بڑے بڑے اُمرا بالکل محتاج ہوگئے۔ اور حضرت عمر بن عبد العزیز کے جانی دشمن بن گئے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ شاہی خاندان کے وہ تمام بڑے بڑے وظیفے بھی بند کردیے جو خاندان بنی اُمیہ کے اُمرا کو بیت المال سے دیئے جاتے تھے۔ آپ نے ان وظیفوں کو بند کرتے ہوئے اعلان کردیا کہ "بیت المال پر خاندان اُمیہ کے اُمرا کا حق نہیں ہے۔ بلکہ اس کے اصلی مالک عام مسلمان ہیں"

بیت المال زمانۂ دراز سے شاہان بنی اُمیہ کی ذاتی میراث بنا ہوا تھا وہ مال اور

خزانہ کو جس طرح چاہتے تھے برباد کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے بیت المال کے ایک ایک درہم کو رعایا کے لئے محفوظ کردیا۔ اور وہ دولت جو اس سے قبل شاہانِ بنی امیہ کی عیش پرستیوں پر ضائع ہوتی تھی۔ رعایا پر صرف ہونے لگی۔

پرانے جاگیرداری سسٹم کے خاتمہ کا اور بیت المال کے روپیہ کے جائز صرف کا مملکتِ اسلامیہ پر یہ اثر پڑا کہ ساری کی ساری رعایا ایسی خوشحال ہوگئی کہ پوری مملکت میں نہ کوئی گداگر دکھائی دیتا تھا نہ محتاج یہاں تک کہ لوگ جب خیرات دینا چاہتے تھے تو کوئی خیرات کا لینے والا بھی نہیں ملتا تھا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز ظالم اور جابر حکام کے بہت بڑے دشمن تھے اور غیر مسلموں پر آپ بے حد مہربان تھے چنانچہ غیر مسلموں کے جزیہ میں آپ نے نہ صرف کمی کردی تھی بلکہ بوڑھوں اور معذوروں کو آپ نے جزیہ سے بالکل مستثنیٰ قرار دیدیا تھا۔ جزیہ کی کمی کی وجہ سے حکومت کی جو آمدنی گھٹ گئی تھی اسے آپ نے محاصل بڑھا کر پورا کردیا تھا مختصر یہ کہ آپ نے سرمایہ داری کو ختم کرکے مملکتِ اسلامیہ میں غریبوں اور عوام کی ایک ایسی حکومت قائم کردی تھی جس نے کہ ساری رعایا کو خوشحالی اور مالامال کردیا تھا۔

زہر سے وفات اور آپ کے عہد کی برکات

حضرت عمر بن عبد العزیز نے شاہی خاندان اور سرمایہ داروں پر جو کاری ضرب لگائی تھی اس سے وہ بلبلا اٹھے تھے۔ اور خلیفہ کے جانی دشمن بن گئے تھے۔ لہٰذا انھوں نے ایک لونڈی کے ذریعہ حضرت عمر بن عبد العزیز کو زہر دلوادیا جس کے زہر سے آپ صرف ڈھائی سال حکومت کرنے کے بعد سنہ ۱۰۱ھ (سنہ ۷۲۰ء) میں شہید ہوگئے۔

آپ کا عہدِ حکومت "حکومتِ الٰہیہ" کا سچا نمونہ تھا جس کا تمام تر دستور کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی روشنی میں مرتب کیا گیا تھا۔ آپ نے سرمایہ داری اور جاگیرداری

کو ختم کر کے پوری مملکتِ اسلامیہ کو باغِ ارم بنا دیا تھا جس میں کہ ہر فرد بلا امتیاز مذہب وملت پورے سکون پورے اطمینان اور پورے آرام کے ساتھ زندگی بسر کر رہا تھا۔
حکومت کے کاموں میں آپ کسی پیغمبر و خلیفہ کی تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ حکومت کا سارا کام کتاب اللہ کی روشنی میں چلاتے تھے۔ خونریزی اور جنگ سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنے عہدِ حکومت میں کسی مزید علاقہ کو فتح کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی البتہ اُن علاقوں پر ضرور یورش کی جو باغی ہو گئے تھے۔
ظالم عمال اور عہدہ داروں کے آپ بہت بڑے مخالف تھے۔ آپ کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی تھی کہ کوئی عامل یا حاکم رعایا پر ذرہ برابر بھی زیادتی نہ کرے۔ چنانچہ آپ نے خراسان کے گورنر یزید بن مہلب کو اس بنا پر قید کر دیا تھا۔ کیونکہ وہ رعایا پر ظلم کرتا تھا اور سرکاری خزانہ کا روپیہ اس نے غبن کر لیا تھا۔ مہلب کی طرح دوسرے کئی بڑے بڑے عاملوں کو آپ نے سخت سزا دی تھی۔
ملکی اصلاحات اور رفاہِ عام کے کاموں میں بھی آپ نے بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ شراب نوشی کے انسداد کے لئے آپ نے بڑے ہی سخت قوانین نافذ کئے تھے۔ امیر معاویہ کے زمانے سے یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ تمام عمالِ حکومت خطبہ میں حضرت علی ؑ پر ضرور لعن طعن کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس بُرے رواج کو بالکل ختم کر دیا۔ آپ نے مملکتِ اسلامیہ میں بے شمار سرائیں اور سڑکیں بنوائیں۔ ہر سرا میں مسافر کو دو دن تک مُفت کھانا ملتا تھا۔ اگر کسی کے پاس زادِ راہ نہیں ہوتا تھا تو وہ بھی حکومت کی طرف سے دیا جاتا تھا۔
احیائے شریعت اور اشاعتِ اسلام میں بھی آپ نے نمایاں حصہ لیا ہے۔ حکومت کے عمال کے لئے سخت ہدایت تھی کہ وہ عوام کو صحیح عقائد پر چلنے کی ترغیب دیں۔ اور پابندی کے ساتھ مساجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں۔ تاکہ عام رعایا میں نماز باجماعت کا شوق پیدا ہو۔ آپ نے مملکتِ اسلامیہ کے مختلف حصوں میں تبلیغی وفود بھی روانہ کئے تھے

ان وفود کے ذریعہ لاکھوں غیر مسلم حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے تھے سندھ کے راجہ داہر کا بیٹا جے سیہ آپ ہی کی تبلیغی کوششوں کی بدولت مسلمان ہوا تھا۔ جے سیہ کے علاوہ اور بھی کئی چھوٹے چھوٹے ہندوستانی راجاؤں نے آپ ہی کے زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا۔ آپ نے اپنے عہدِ حکومت میں مذہبی تعلیم کی غرض سے متعدد مدارس بھی قائم کئے تھے۔

ایثارِ نفس اور پاکیزہ خصائل

آپ کے ایثارِ نفس اور پاکیزہ خصائل کے واقعات اس کثرت کے ساتھ تاریخوں میں درج ہیں کہ ان کو بیان کرنے کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ ذیل میں ہم صرف چند منتخب واقعات بیان کرتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز بیت المال سے اس قدر قلیل رقم لیتے تھے کہ اس میں آپ کا اور آپکے اہل و عیال کا مشکل سے گذارہ ہوتا تھا بعض اوقات فاقوں تک کی نوبت آجاتی تھی۔ افلاس اور تنگدستی کی وجہ سے آپنے ایک روز اپنی بیوی فاطمہ کو جو سلطان عبدالملک کی بیٹی تھیں کبیدہ خاطر دیکھا تو فرمایا کہ "اگر فقیری کی زندگی گذارنی ہے تو میرے ساتھ رہو۔ ورنہ تمہارا راستہ الگ ہے اور میرا راستہ الگ"۔

آپ کی بیوی کو ان کے باپ سلطان عبدالملک نے ایک بیش قیمت ہیرہ دیا تھا۔ آپ نے ان کے پاس یہ ہیرہ دیکھا تو کہا کہ "اسے بیت المال میں داخل کردو۔ یا مجھے چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ"۔ بیوی نے اسی وقت ہیرہ بیت المال میں داخل کر دیا۔

آپ کی پیاری بیٹی آمنہ کا کرتا پھٹ گیا۔ جب اس نے باپ سے کرتے کے کپڑے کے لئے کہا۔ تو آپنے بیوی سے فرمایا کہ "کپڑا تو ہمارے پاس ہے نہیں۔ فرش پھاڑ کر اس کا کرتا بنادو"۔ آپ کی بہن کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو انھوں نے بچی کے کرتوں کے لئے ایک تھان بھجوا دیا۔

ایک زمانہ تو وہ تھا کہ عمر بن عبدالعزیز دن میں کئی کئی نہایت قیمتی جوڑے بدلتے

تھے لیکن خلیفہ ہونے کے بعد یہ نوبت آگئی کہ آپ کے پاس صرف ایک جوڑا تھا۔ جسے آپ دھو دھو کر پہنتے تھے جب آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو نہایت ہی میلی قمیص پہنے ہوئے تھے۔ آپ کی بیوی سے جب کہا گیا کہ لوگ عیادت کے لئے آرہے ہیں۔ یہ قمیص بدلوا دو تو آپنے جواب دیا کہ کہاں سے بدلواؤں بس ان کے پاس یہی ایک قمیص ہے۔

ایک مرتبہ بیت المال میں بہت سے سیب آئے آپ انھیں عام مسلمانوں میں تقسیم فرما رہے تھے۔ آپ کا چھوٹا لڑکا ایک سیب اٹھا کر لے گیا اور کھانے لگا۔ آپ نے اس سے سیب چھین لیا تو وہ رونے لگا۔ اور ماں سے جا کر شکایت کی ماں نے بازار سے سیب منگا دیا۔

آپ کو لبنان کا شہد بے حد مرغوب تھا۔ ایک مرتبہ اس کی خواہش ظاہر کی تو آپ کی بیوی فاطمہ نے لبنان کے حاکم کو لکھ بھیجا۔ اس نے بہت سا شہد بھجوا دیا۔ جب فاطمہ نے اسے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سامنے رکھا تو آپ سب کچھ سمجھ گئے اور آپ نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے حاکم لبنان سے کہلا بھیجا تھا۔ چنانچہ اس شہد کو چکھا تک نہیں اور اسے فروخت کرا کے اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی اور حاکم لبنان کو متنبہ کیا کہ اگر تم نے آئندہ ایسی غلطی کی تو تمھیں عہدہ سے برطرف کر دیا جائے گا۔

ایک مرتبہ رات زیادہ ہوگئی۔ اور چراغ میں تیل ختم ہوگیا۔ رجاء بن حیات جو پاس ہی بیٹھے تھے انھوں نے ملازم کو تیل ڈالنے کے لئے جگانا چاہا۔ آپنے روک دیا۔ رجاء نے تیل ڈالنا چاہا تو آپنے انہیں بھی روک دیا۔ خود اٹھ کر آپنے چراغ میں تیل ڈالا اور بتی کو درست کیا یعنی آپ اپنے کام کے لئے نوکروں تک کو تکلیف نہیں دیتے تھے۔